تاریخِ خواجۂ خواجگان



پروفیسر شمسی طہرانی

تاریخِ خواجۂ خواجگان

مصنف

پروفیسر حافظ سید محمد ضیاء الدین شمسی طہرانی

مشتاق بک کارنر
الکریم مارکیٹ۔ اُردو بازار، لاہور

ہماری کتابیں، معیاری کتابیں
خوبصورت اور کم قیمت کتابیں

ناشر: مشتاق احمد
اہتمام: سلمان منیر

نام کتاب	—	تاریخِ خواجۂ خواجگان
مصنف	—	پروفیسر حافظ سید محمد ضیاء الدین شمسی طہرانی
مطبع	—	آر۔آر۔ پرنٹرز، لاہور
ڈیزائن	—	عاطف بٹ
سن اشاعت	—	2012ء
قیمت	—	[redacted] روپے

ناشر

عبداللہ اکیڈمی
الکریم مارکیٹ۔ اردو بازار، لاہور

کتاب ہذا میں اگر کہیں کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما کر شکریہ ادا کرنے کا موقع فراہم کریں تاکہ اگلے ایڈیشن میں درستگی کی جاسکے۔ شکریہ

○

سلطان الہند، عطاء رسول، نائب النبی فی الہند، خواجۂ خواجگان

حضرت معین الدین حسن چشتی اجمیری علیہ الرحمۃ والرضوان

کے دربارِ دُربار میں

اخلاص وعقیدت کی نذر

○○

فہرستِ مضامین



پیش لفظ

صوفی ازم کے سلسلے میں الگ الگ دانشوروں کی الگ الگ آرا ہمارے سامنے ہیں۔ کسی نے صوفی کے معنی کو موٹے اونی کپڑے 'صوف' سے جوڑا تو کسی نے نیک لوگوں کی پہلی 'صف' سے وابستہ کر کے عربی لفظ 'صفا' کا حوالہ دیا، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے ہندوستانی لفظ 'صفائی' سے صوفی کی نسبت مناسب ترین لگتی ہے کیونکہ صوفی وہ ہوتا ہے جس کا قلب ہر طرح کی کدورت سے پاک ہو۔ ہمارے ہندوستانی صوفی روحانی اور ایمانی فیوض و برکات کے ہی بانی نہیں تھے بلکہ انہوں نے انسانی برادری کو وحدت کی ایک اکائی سے جوڑا، یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام کے آستانے اور ان کے ارشادات بلاتفریقِ مذہب وملت سب کے لئے یکساں ہیں۔ صوفی ازم نہ رسم ہے نہ علم بلکہ یہ سراسر اخلاق ہے، جسے خود میں پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اس اخلاق سے ہی خدا کی عبادت غیر مشروط ہوتی ہے۔

صوفی فاؤنڈیشن انڈیا نے اکیسویں صدی کے پہلے سال سے صوفیاء کرام کے پیغامات اور ارشادات کو عوامی بنانے کے لیے ایک انسانی تحریک شروع کی، اسی مشن کے تحت تصوف کے موضوع پر مختلف زبانوں میں کتابیں شائع کرنا بھی شامل ہے۔ اسی کے تحت کتاب ''تاریخِ خواجہ خواجگان'' آپ کے پیشِ نظر ہے جو سیرتِ محمدیؐ کے اخلاقی پہلو سے صوفیائے اسلام، روحانی سلاسل کی تنظیم اور خواجہ خواجگان کے مبارک حالات تک ایک دستاویز کا درجہ رکھتی ہے۔ کتاب کے مصنف پروفیسر شمسی طہرانی صوفیانہ ادب

پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ ان کی اس تاریخی تصنیف کے مشمولات کی پذیرائی ممتاز دانشوروں اور انجمنِ سید زادگان درگاہ شریف اجمیر کے ذمہ داروں نے بہت اچھے الفاظ میں کی ہے۔ چنانچہ صوفی فاؤنڈیشن انڈیا نے اس کتاب کو اپنی اشاعتوں میں شامل کیا ہے تا کہ تصوف کی تاریخ، خاص طور پر چشتیہ سلسلے کے موضوع پر ایک دستاویز سامنے لایا جا سکے۔ ہمیں فخر ہو رہا ہے کہ اس کتاب کے حوالے سے خواجہ غریب نوازؒ کی بارگاہ تک فاؤنڈیشن کو بھی رسائی کا ایک موقعہ ملا ہے۔

OO

ــــ ڈاکٹر اے۔اے۔صدیقی

چیرمین، صوفی فاؤنڈیشن انڈیا، چنڈی گڑھ

گفتگو

میرے کشمیر کے قیام میں چند ماہ قبل جب کہ بارشِ سنگ اور شورِ جنوں سارے معاشرے کو اپنے شکنجے میں لئے ہوئے تھے، پروفیسر سید محمد ضیاء الدین شمسی طہرانی کا ٹیلیفون ملا جس میں انھوں نے خواجۂ خواجگان حضرت معین الدین چشتی علیہ الرحمہ کی مقدس تعلیمات اور فلسفۂ حیات پر ایک مدلّل کتاب جو انھوں نے تصنیف کی تھی، مجھے اس کا مسودہ بھیجنے کا اظہار کیا۔ یہ خبر میرے لئے باعثِ مسرت تھی کیونکہ میں پروفیسر طہرانی کی صلاحیتوں اور عمیق مطالعہ سے بخوبی واقف تھا۔ میری رہائش گاہ پر جبکہ میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں بحیثیتِ وائس چانسلر مقیم تھا، موصوف کو میں نے مستقل طور پر طلبا کو تحصیل علم کی طرف راغب کرنے کے لئے خطاب کرنے پر آمادہ کر رکھا تھا۔ تمام سامعین اور طلبا عام طور پر پروفیسر طہرانی کے خطبات سے مطمئن ہو کر جایا کرتے تھے۔ میں نے بھی پروفیسر طہرانی کی کتاب پر کچھ لکھنے کے ارادے سے اتفاق کیا۔ بر سبیلِ تذکرہ میں نے کچھ اہلِ علم و فضل سے جب اس نیک منصوبے کا ذکر کیا تو انھوں حسبِ عادت اپنے شکوک و شبہات کا ذکر کیا۔ لیکن مجھے پختہ یقین تھا کہ پروفیسر طہرانی نے جس طرح اپنی بے پناہ لیاقت کا ثبوت ماریشس میں دیا تھا، اسی طرح اس عظیم کام کو بطریقِ احسن مکمل کریں گے اور پایاں کار انہوں نے مکمل کیا۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ پروفیسر طہرانی سر سید صدی کی تقریب پر میرے ساتھ وہاں گئے تھے اور ماریشس کے صدر عزت مآب قاسم صاحب اور وزیر اعظم نوین چندر رام غلام کے ساتھ ہم کلام

ہوئے تھے اور پھر ہندو بھون میں ہندو مسلم مشترکہ تہذیب پر ان کا خطبہ داد و تحسین کا مستحق قرار دیا گیا تھا۔ آج مجھے بے حد مسرت ہے کہ میرے عزیز و رفیقِ کار پروفیسر حافظ سید محمد ضیاء الدین شمسی طہرانی ٹونکی (علیگ) نے خواجۂ بزرگ اجمیری اور ان کے سلسلے کے خلفائے کرام کی حیات اور کارناموں کو اس غیر معمولی تحقیقی انداز سے منظرِ عام پر لانے کی سعادت حاصل کی ہے، جس سے ان کی صحیح روح سامنے آجائے۔ پروفیسر طہرانی کو میں نے اپنے وائس چانسلری کے عہد میں جانا اور پہچانا۔ انھیں مذاہبِ عالم کے تقابلی مطالعہ کا ایک عظیم محقق اور دانشور پایا۔ تقدس مآب دلائی لاما میری موجودگی میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے تشریف لائے اور اپنے دورانِ قیام پروفیسر طہرانی کی تقاریر سن کر بے حد متاثر ہوئے اور انھوں نے ان کی ایک انگریزی کتاب پر پیش لفظ بھی لکھا۔ میرے دور میں ہی پروفیسر طہرانی ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر نیشنل انسٹی ٹیوٹ فار سوشیل سائنسز (مہو ضلع اندور) کے پروفیسر بھی مقرر ہوئے اور ڈاکٹر امبیڈکر چیئر سینٹر کے صدر بنائے گئے۔ انھیں باقاعدہ ایک قومی سطح کی سلیکشن کمیٹی نے سلیکٹ کیا تھا۔ وہاں انہوں نے "تقابلی مطالعہ مذاہبِ عالم بودھ مذہب کے خصوصی تناظر میں" کے موضوعات پر ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کے طلباء کو درس دیا اور ریسرچ میں ان کی رہنمائی کی۔ خواجۂ بزرگ پر پروفیسر طہرانی کے نگارشات کا مسودہ میرے پیشِ نظر ہے، جسے پڑھ کر میں محوِ حیرت ہوں کیونکہ یہ ایک فردِ واحد کا کام نہیں بلکہ اس کے لئے محققوں اور دانشوروں کی ایک جماعت درکار تھی۔ کتاب کا ہر باب عصرِ حاضر کے تحقیقی تقاضوں اور طریقِ کار کا آئینہ دار ہے۔ اسلام کی اخلاقی تعلیمات کو جو چشتیہ سلسلے کی جان ہیں، پروفیسر طہرانی نے پیغمبر اسلام، ازواجِ مطہرات، اہلِ بیت، صحابۂ کرام، اصحابِ صفہ اور ائمۂ اہلِ بیتِ اطہار کی عملی اعلیٰ اخلاقی اقدار کی روشنی میں پیش کیا ہے، جس سے مشائخِ چشت نے استفادہ کیا اور حیرت انگیز کامیابی حاصل کی۔ بھکتی تحریک پر خواجہ بزرگ اور ان کے سلسلے کے خلفاء کے جو اثرات مرتب ہوئے وہ پہلی بار میری نظر سے گذرے۔ اس اہم موضوع سے بہت کم اہلِ علم باخبر

ہوں گے۔ حقوقِ خدام اور نذوراتِ خواجہ کے دونوں ابواب میں پروفیسر طہرانی نے حنفی فقہاء کے فتاوے اور سلاطین کے فرامین کو بڑی دیدہ ریزی سے جمع کیا ہے، جنھیں کوئی حکومتِ وقت ردّ نہیں کرسکتی۔

تصوف پر جتنے اعتراضات کیئے جاتے ہیں، پروفیسر طہرانی نے ان کا مدلل اور مسکت جواب دیا ہے۔ پروفیسر نظامی اور پروفیسر حبیب کی بھی تصانیف اس موضوع پر ملتی ہیں۔ قرآن و سنت کے پسِ منظر میں ہندو فلسفے اور ہندوستانی مذاہب کا کماحقہٗ مطالعہ، سنسکرت زبان سے واقفیت اور ہندوؤں کے مستند گرنتھوں کے حوالوں نے پروفیسر طہرانی کی تصنیف کو نورِ الٰہی کا منبع اور ایمان و ایقان کا سرچشمہ بنادیا ہے۔ پروفیسر طہرانی کا یہ لافانی شاہکار اپنی افادیت کے لحاظ سے عصرِ حاضر اور آنے والے زمانوں میں تاریخِ مشائخِ چشت سے دلچسپی رکھنے والے اہلِ علم کے لئے مشعلِ راہ کا کام کرے گا۔ کیا اچھا ہو کہ کسی دانش گاہ کے اہلِ بینش انھیں ڈی۔لٹ۔ کی ڈگری اس گراں مایہ تحقیقی تصنیف پر عطا کریں۔ اس کی ببلیوگرافی پر نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقریباً پانچ سو کتابیں اس عظیم مشن کی تکمیل میں زیرِ مطالعہ رہیں اور ان سے خاطر خواہ استفادہ کیا گیا۔ وہ بارگاہِ غریب نواز میں عرض کرنے کے مجاز ہو گئے۔

سپردم بہ تو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

میں آئی۔اے۔ایس۔ کارکن ہوتے ہوئے اپنے حقیر علمی ذوق کی تسکین کے لئے مشرق و مغرب کے علمی لالہ زاروں میں پھرتا رہا ہوں بقول اقبال۔

پھرا میں مشرق و مغرب کے لالہ زاروں میں
کسی چمن میں گریبانِ لالہ چاک نہیں

مگر خوشی کا مقام ہے کہ پروفیسر طہرانی لالہ زارِ راجستھان میں چاک گریبانی کی نعمت سے بہرہ مند ہیں۔ میں نے ایسا مجموعۂ علمی ذوق و کمالات کا دانشور اب تک نہیں دیکھا۔

پروفیسر طہرانی نے اپنی بے پناہ ریاضت سے خواجہ بزرگ کی حیات وتعلیمات کے تناظر میں تصوف کی روشنی کو منظرِ عام پر لاکر اسلام کی جو خدمت کی ہے، اس کے پیشِ نظر اپنے کو بارگاہِ ایزدی میں طلب گار فیض ثابت کردیا ہے۔ خدا ان کو ایسی عالمگیر خدمات کے مزید مواقع فراہم کرے تاکہ وہ فیض احمد فیض مرحوم کی زبان میں یوں زمزمہ سنج ہوتے رہیں......

ہم پرورشِ لوح و قلم کرتے رہیں گے
جو دِل پہ گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے
اسباب غمِ عشق بہم کرتے رہیں گے
ویرانیٔ دوراں پہ کرم کرتے رہیں گے
میخانہ سلامت ہے تو ہم سرخیٔ مے سے
تزئینِ در و بامِ حرم کرتے رہیں گے
فیض

OO

ـــ ڈاکٹر محمود الرحمٰن
(آئی۔اے۔ایس)
سری نگر، کشمیر
موبائل نمبر:09797796139
سابق وائس چانسلر، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
سابق سیکریٹری برائے پارلیمانی امور، حکومتِ ہند
سابق چیئرمین، بمبئی مرکنٹائل کوآپریٹو بینک
موجودہ چیئرمین، فائنانس کمیشن، جموں وکشمیر گورنمنٹ
چیئرمین اسٹڈی گروپ برائے بہبودی وترقی پسماندگان بشمولیت مسلم اقلیت، حکومتِ مہاراشٹر

تعارف

شیخ الاسلام والمسلمین، امام الاولیاء الکاملین، سلطان الہند خواجۂ خواجگان حضرت معین الدین چشتی سنجری ثم اجمیری علیہ الرحمۃ والرضوان کی مقدس حیات، پاکیزہ شخصیت اور خدماتِ جلیلہ سے متعلق پروفیسر سید محمد ضیاء الدین شمسی طہرانی کی مایہ ناز تصنیف کا احقر نے مطالعہ کیا اور خوشی ہوئی۔ موصوف نے جس والہانہ عقیدت، حقیقت پسندی اور بے پناہ محنت اور جانفشانی کے ساتھ اس علمی خدمت کو انجام دیا ہے وہ قابلِ تعریف ہے۔ فجزاهم اللّٰه تعالیٰ احسن الجزاء

یہ کتاب سولہ ابواب اور کم و بیش چھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب ھٰذا کی نمایاں خوبی یہ ہے کہ مصنف نے بلا تفریق مذہب و مسلک جن دانشوروں نے خواجہ صاحب کے فضائل و مناقب جس انداز میں بیان کئے ہیں انہیں بلا کم و کاست درج کرنے کا التزام کیا ہے۔ کتاب کا پہلا باب ''سیرت محمدی ﷺ کا اخلاقی پہلو'' ہے، جس کا عکسِ جمیل صوفیاء اسلام و مشائخِ عظام کی پاکیزہ زندگیوں میں نظر آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد مسلم سلاطین نے تبلیغ و اشاعت اسلام کے سلسلہ میں کوئی وقیع کوشش نہیں کی۔ انہوں نے صرف حکومت کے انتظامی معاملات سے سروکار رکھا۔ برِ صغیر ہی نہیں پوری دنیائے انسانیت کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے کا سہرا صوفیاء کاملین اور اولیاء اللہ کے سر رہا۔ ان ہی کے فیض سے مذہب اسلام کو فروغ ملا۔ برِ صغیر میں تبلیغ اسلام کا زریں علم اگر کسی نے بلند کیا ہے تو وہ ذات

گرامی صرف اور صرف خواجہ بزرگ کی ہے۔
دیگر صوفیاء اور مشائخ میں خواجہ صاحب کی ایک عظیم خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے ایسے علاقہ میں اسلام کی تبلیغ اور ہدایت کا بیڑا اٹھایا جو اسلام کی روشنی سے کلی طور پر اجنبی اور بیگانہ تھا۔ سب ہی مورخین نے اس خصوصیت کا نمایاں انداز میں ذکر کیا ہے۔ آپ کا زہد و تقویٰ، آپ کا اخلاق اور محبت، آپ کا فیضِ نظر اور کرامتیں، آپ کی مسلسل جدو جہد ہی کی بدولت آج بھارت میں مسلمان موجود ہیں اور یہ بھی آپ ہی کی دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ ہندوستان میں تقریباً سات سو سال مسلم حکمرانوں کا دبدبہ رہا۔ خواجہ نہ ہوتے تو برِ صغیر میں یہ اسلامی چہل پہل نہ ہوتی۔
پروفیسر طہرانی نے حضرت خواجہ بزرگ کی حیات مقدسہ کے اس پہلو کو بھی کماحقہ اُجاگر کیا ہے۔ جس دور میں خواجہ صاحب بھارت میں تشریف لائے تھے تو یہاں مسلمانوں کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔ کہیں کہیں خال خال کوئی رہا ہوگا لیکن دبدبہ باطل پرستوں کے پاس تھا۔ شہاب الدین محمد غوری نے بھارت کا رخ کیا، قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش کے ساتھ بھی حضرت خواجہ کا تصرف اور خصوصی دعائیں رہیں۔ سلاطین دہلی کا اصرار تھا کہ سلطان کے تخت شاہی کے برابر میں خواجہ صاحب کی کرسی ہو اور یہی اصرار حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ساتھ تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلاطین بھی ان کے تصرفات کے عقیدت مند اور معترف تھے۔ اگر یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ سلاطین دہلی نے اس مشکل گھڑی میں انہی بزرگوں اور ولیوں کی سرپرستی اور نگرانی میں حکومت کی ذمہ داریوں کو انجام دیا، اسی لئے وہ کامیاب بھی ہوئے۔ حضرت کی سوانح کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت بھی آشکارا ہوتی ہے کہ یہ مشائخ اگرچہ شاہی دربار سے دور ہی رہتے تھے لیکن کشف کے ذریعہ امور سلطنت پر پوری نظر رکھتے تھے اور پورے بھارت میں یہی تنِ تنہا اسلام کے سچے داعی تھے۔ آج کا بھارت تو مختصر ہے، غیر منقسم بھارت میں ان کے فیض سے رونق آئی۔ بہت مشہور واقعہ ہے کہ ایک بے سہارا، بے چارہ، غریب غیر مسلم کسان اپنی

فریاد لے کر خواجہ کے دربار میں حاضر ہوا۔ اُسے اُس وقت سوائے خواجہ کے کوئی دادرس نظر نہیں آیا۔ آپ نے اس کی بات سنی اور بہ نفسِ نفیس اس کی مدد کے لئے اس کو ساتھ لے کر دہلی کے لئے روانہ ہو گئے۔ دہلی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی حضرت ہی کے حکم سے جلوہ فرما تھے۔ خواجہ بزرگ کے اچانک دہلی تشریف لانے پر خواجہ قطب اور سب حیران رہ گئے کہ اچانک اتنا بڑا سفر کیوں فرمایا۔ آپ نے خواجہ قطب کے سامنے بے چارے فریادی غیر مسلم کو پیش فرمایا اور حکم دیا کہ شاہی دربار میں اس کی فریاد پہنچا دی جائے۔ امام الاولیاء پیر صاحب کا حکم، خواجہ قطب دربارِ سلطان میں پہنچے تو سلطان باادب کھڑا ہو گیا۔ آپ نے فرمایا تم اپنی مسند پر ہی بیٹھو اور اس فریادی کی پریشانی دور کرو۔ خلقِ خدا پریشان ہے۔ اتنا سننا تھا کہ سلطان نے فریادی کو سنا اور فوراً متعلقہ افسران کے لئے شاہی فرمان جاری کر دیا۔ اس کسان کی مراد بر آئی اور پھر کیا تھا گاؤں کے گاؤں مسلمان ہوتے چلے گئے۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوا کہ یہ مشائخ امورِ خلقِ خدا کے لئے بھی پورا وقت عنایت فرماتے تھے، صرف اوراد و وظائف میں مشغول رہ کر اپنے حجرہ میں محصور نہیں رہتے تھے۔ یہی سنت رسولؐ ہے اور یہی سنتِ خلفاء راشدین و اہلِ بیتِ نبوی رضی اللّٰہ عنہم اجمعین ہے۔

علالت کے باعث میں کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ تو نہیں کر سکا لیکن جس قدر کتاب پر میں نظر ڈال سکا اس کی روشنی میں یہ عرض ہے کہ اس کتاب کا ہر باب اپنے اندر جامعیت اور معلومات کا حامل ہے۔

باب نمبر ۷: ''سوانح حضرت خواجہ بزرگ'' اور باب نمبر ۸ ''خواجہ بزرگ کی شخصیت، تعلیمات اور کارنامے'' خاص طور پر مطالعہ کے قابل ہیں اسلامی تصوف سے متعلق اپنے اور بیگانے طرح طرح کی باتیں شائع کرتے رہے ہیں۔ اس بات کو بھی مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کتاب میں اسلامی تصوف سے پراگندگی کا ازالہ کرنے کی بھی پروفیسر صاحب نے خصوصی کوشش کی ہے۔ باب ''نذورات خواجہ'' میں معاصر علماء کرام و مفتیان عظام کے فتاوی درج کرنے کے علاوہ فقہ حنفی کی مستند و معتبر کتابوں کے حوالے

بھی پیش کئے گئے ہیں اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ نذوراتِ خواجہ کی وصولی کا حق صرف خدامِ مزار کو حاصل ہے۔ حضور غریب نواز کے خدام کے باب میں پروفیسر صاحب نے ان کی آٹھ سو سالہ خدمات کا اظہار کرتے ہوئے اس کا ثبوت ہندوستان کی مستند تاریخوں کے حوالوں اور ہندوستان کے مسلم سلاطین اور ہندو راجاؤں کے معمولات سے پیش کیا ہے۔ ان کا طریقِ استدلال میری رائے میں بہت خوب ہے۔

حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان کی اخلاقی اور مذہبی تعلیمات کا اثر غیر مسلموں پر اس قدر نمایاں ہے کہ بھگتی تحریک کے علم بردار شعراء اور بھگتوں کے کلام سے بھی اس کی بھرپور عکاسی ہو رہی ہے۔ اس پہلو سے بھی اس کتاب میں بحث کی گئی ہے۔

ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کے ساتھ دیگر سلاسل بھی ہیں اور ان کی خانقاہیں اور آستانے بھی اپنا منفرد مقام رکھتے ہیں۔ خواجہ بزرگ کے حالات اور سوانح کا گہرا مطالعہ کرنے سے یہ بات بھی عیاں ہے کہ خواجہ کا فیضانِ نظر دیگر سلاسل پر بھی ہوا ہے۔ یہ بہت اہم پہلو ہے جس نے تمام سلاسل کو ایک ہی لڑی میں پرو دیا ہے۔ مصنف نے مستند حوالوں کے ساتھ معروضی نقطۂ نظر کے پیرایہ میں اس حقیقت کو بھی پیش کیا ہے۔

مجھے بے حد مسرت اور خوشی ہے کہ میرے جدِ کریم حضرت شیخ الاسلام مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی چشتی قادری (۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء) سابق شاہی امام مسجد فتح پوری دہلی کے مرید اور خلیفہ مجاز پروفیسر صاحب نے خواجہ بزرگ سے اپنی والہانہ عقیدت کا ثبوت دیا ہے۔ میرے عمِ محترم پندرھویں صدی کے مجدد پروفیسر محمد مسعود احمد علیہ الرحمۃ (متوفی ۱۴۲۹ھ-۲۰۰۸ء) نے جس علمی انہماک کے ساتھ چودہ جلدوں پر مشتمل حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی علیہ الرحمۃ کے بارے میں "جہانِ امام ربانی" کے نام سے ان کی حیات، افکار اور کارناموں کو لکھا ہے اور سلسلۂ نقشبندیہ کا ایک انمول انسائیکلوپیڈیا تیار فرمایا ہے اسی شغف اور انہماک کے ساتھ پروفیسر طہرانی نے بھی عقیدت مندی میں جھومتے ہوئے خواجہ بزرگ کی سوانح لکھتے وقت عقیدت مندی اور حقیقت پسندی کو پیش نظر رکھا ہے۔ خواجہ صاحب کو تقریباً آٹھ سو

برس کا زمانہ گزر چکا ہے لیکن یہ علمی کام جو بہت پہلے ہو جانا چاہئے تھا وہ نہ ہو سکا تھا۔ اللہ جل مجدہ' نے یہ خدمت بھی ہمارے سلسلہ کے ایک فاضل و محقق کی قسمت میں لکھی، اس پر ہمارے سلسلہ کے سب ہی احباب بہت ہی مسرور و شادماں ہوں گے۔ اصل میں یہ کتاب بہت سے دانشوروں کو مل کر لکھنی چاہئے تھی مگر پروفیسر صاحب نے تنِ تنہا اس علمی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی سعادت حاصل کی، اس پر میں انہیں دلی مبارک باد اور دعائیں پیش کرتا ہوں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

صوفی فاؤنڈیشن انڈیا مبارک باد کی مستحق ہے کہ اس نے اس اہم اور تحقیقی کتاب کو شائع کرنے کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کے اراکین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ خواجہ بزرگ پر مزید مواد فراہم کرنے کے لئے ملک و بیرونی ملک کے دوسرے دانشوروں کی خدمات بھی حاصل کی جانی چاہئیں تا کہ اس کتاب کی اشاعت کے بعد یہ کام مزید آگے بڑھے اور بڑھتا ہی چلا جائے۔ مثال کے طور پر ایک جلد عالمی تناظر میں خواجہ بزرگ کے پیغامِ امن و انسانیت پر مشتمل ہو۔ ایک جلد مزید حوالوں کی روشنی میں خواجہ بزرگؒ کے حالات و کوائف پر مشتمل ہو، ایک جلد موجودہ خدام کے آباء و اجداد کے حالات اور قدیمی خدمات پر مشتمل ہو۔ ایک جلد بلکہ کئی جلدیں آستانۂ انور پر حاضر ہونے والوں کی تفصیل پر مشتمل ہو وغیرہ وغیرہ۔ یہ کام اگر چہ بظاہر دشوار ہے لیکن انشاء اللہ خواجہ صاحبؒ کے تصرف سے آسان ہو جائے گا اور اہلِ علم کا ذوق نئی نئی معلومات پرانے ریکارڈ کی موجودگی میں فراہم کرے گا۔

ہر کارے کہ ہمت بستہ گردد
اگر خارے بود گلدستہ گردد

احقر بہت خوش نصیب ہے کہ تین بار خواجہ بزرگ کی زیارت سے سرفراز ہوا اور حضرت کی نوازشات اور فیضِ مدام جاری ہے۔ ایک واقعہ تو اس طرح ہے کہ ایک روز

میں نے خواجہ بزرگ علیہ الرحمۃ والرضوان کی خواب میں زیارت کی۔ حضرت فرمارہے ہیں...... "تمہیں جمعرات کو ضرور آنا ہے۔" آپ کچھ جلالی انداز میں ظاہر ہوئے۔ صبح میں نے یہ خواب والدہ ماجدہ کو بتایا تو انہوں نے حکم دیا کہ تم اجمیر شریف فوراً حاضری دو۔ میں نے کہا خواجہ صاحب نے جمعرات کو بلایا ہے میں اگلی جمعرات کو چلا جاؤں گا، اس جمعرات کو مجھے مصروفیت زیادہ ہے۔ والدہ نے اصرار کرتے ہوئے فرمایا سب کام ہوتے رہیں گے تم اسی جمعرات کو جاؤ اور حاضری دو۔ میں نے حسب الحکم ارادہ کرلیا۔ سفر میں میرے بہنوئی سید اخلاق احمد صاحب (اعزازی طبیب، سابق صدر جمہوریہ ہند گیانی ذیل سنگھ و سابق صدر جمہوریۂ ہند آر۔ وینکٹ رمن) بھی میرے ساتھ تھے۔ ہم دونوں رات کی گاڑی سے سوار ہوئے اور علی الصباح درگاہ شریف میں حاضر ہوئے۔ سبحان اللہ میں بتا نہیں سکتا کہ حاضری میں کتنا کرم ہوا۔ پھر میں اے۔ پی۔ ہاؤس چلا گیا، کچھ آرام کیا کچھ ہی دیر بعد حضرت فضل المتین کے صاحبزادے حسن میاں سلمہٗ ایک دعوت نامہ لائے اور مجھے دیا۔ میں نے اسے کھول کر پڑھا تو انجمن کی طرف سے ایک جلسہ کا اہتمام درگاہِ معلّٰی میں کیا جارہا تھا۔ اس کے مہمان مقرر کی حیثیت سے مجھے مدعو کیا گیا تھا۔ میں نے کہا خواجہ صاحب کا حکم تھا تو میں آج آگیا۔ حسن میاں نے کہا کہ یہ بھی خواجہ صاحب ہی کی طرف سے ہے۔ چنانچہ احقر اگلی جمعرات کو پھر حاضر ہوا۔ درگاہِ معلّٰی کے جلسۂ عام میں میں نے خطاب کیا اور رات کو ہی روانہ ہوگیا۔ دوسرے دن جمعہ کی نماز کے لئے مسجد فتح پوری بھی پہنچنا ضروری تھا۔ انجمن کے کرم فرماؤں نے بتایا کہ جس روز انجمن نے مجھے بلانے کا فیصلہ فرمایا تھا، اُسی روز خواجہ صاحب عالم رویا میں بہ نفس نفیس تشریف لائے اور مجھے دعوت دی۔ میرے والد مولانا شاہ محمد احمد (وفات ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء) اور میری والدہ ماجدہ (وفات ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء) خواجہ صاحب کے بے پناہ عقیدت مند تھے اور بچپن سے ہی مجھ پر حضرت کی نوازشات ہیں جو بیان سے باہر ہیں۔ اللھم زد فزد۔ آمین۔

پروفیسر سید محمد ضیاء الدین شمسی طہرانی ٹونکی المدعو بابی الکمال احمد کاظمی، سابق

استاد، شعبہ فارسی، علی گڑھ، مسلم یونیورسٹی، و ریٹائرڈ پروفیسر و صدر شعبۂ تقابلی مطالعۂ مذاہب عالم ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر نیشنل انسٹی ٹیوٹ فار سوشل سائنسز، مہو، ضلع اندور (مدھیہ پردیش) بہت سی نادر علمی خصوصیات کے مالک ہیں۔ انہیں بہت سی زبانوں پر عبور ہے، ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے اور تحقیق ان کی فطرتِ ثانیہ بن چکی ہے۔ ان جیسی علمی صلاحیتوں کے کم ہی ہوں گے۔ یہ ان پر بزرگوں کا اور بالخصوص ان کے مرشدِ کریم میرے جد امجد حضرت شیخ الاسلام مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا فیضان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس جلیل القدر خدمت کو قبول فرمائے اور اللہ کرے کہ حضور اکرمؐ کے وسیلہ سے بارگاہ خواجہ میں بھی یہ مقبول ہو (آمین)۔ پروفیسر صاحب سے میری گزارش ہے کہ وہ حضور غریب نواز اور دیگر مشائخ عظام علیہم الرحمۃ والرضوان کے حالات وفضائل پر اپنے تحقیقی کام کو جاری رکھیں۔ میری دعا ہے کہ خداوندِ عالم ان کی عمر میں اور صحت وتوانائی میں برکت عطا فرمائے تاکہ وہ اس قبیل کے علمی کاموں کو مزید بہتر اور جامع انداز میں پیش کرسکیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ میرا کلی تعاون اور نیک خواہشات ان کے ساتھ ہیں۔

OO

طالب دُعا

(ڈاکٹر مفتی) محمد مکرم احمد

شاہی امام، شاہی مسجد فتح پوری، دہلی۔

موبائل نمبر:09810786333

مقدمہ

معین الدین حسن عالم پناہے

چمنے کہ تا قیامت گلِ او بہارِ بادا — صنمے کہ بر جمالش دل و جاں نثار بادا

ایسا چمنِ زمن کہ ہر گُلِ گل ہمیشہ کے لئے بہارِ بے خزاں ہے اور ایک ایسا صنم عجم ہے کہ جس کے جمال و ماکمال و اَفضال اور رخ و خد وخال، گیسوئے مشکیں وعنبریں اور نقش و نگارِ اذفریں سے دل و جانِ جہان و جہانیان زار و نزار و نثار ہیں۔ وہ امام اربابِ طریقت، پیشوائے حقیقت و معرفت، صاحبِ تمکین وتکوین، اہلِ سکر وصحو، صوفی صافی مطلق، رازدارِ معرفت وحقیقت، امینِ تجلیات والہیات، نورِ معرفتِ کردگار، امیر کشورِ فقر، شہِ اقلیم عرفان، امیرِ عالم امر، شہِ معمورۂ خلق، انیسِ محفلِ انبیاء، جلیسِ جلوہ گاہِ ذاتِ کبریا، سرورِ سرورانِ جہان و جہانیان، مستغرق ذاتِ ذوالجلال، ناطقِ بلسانِ احوال غریباں، عروۂ سلسلۂ طبقۂ حیدریاں، شاہِ شاہانِ عرب وعجم، امیر امیرانِ خراسان، سلطانِ سلطانانِ ہند وستان، شاہ شاہانِ سجستان، ہادی و والئ چشتی، سلطان الہند معین الدین حسن سنجری (س ن ج ر ی) بن غیاث الدین حسن سنجریؒ اولیائے عظام اور عارفین ومشائخین کرام، صاحب اسرار وانوار اور منبع عوارف و معارف میں سب سے بلند و بالا، اعلیٰ و اسنیٰ اور ایسے شاہ نواز اور غریب نواز ہیں کہ جن کی حکومت آٹھ سو سال سے آج تک چلی آرہی ہے، جو ہر دور، ہر قرن اور ہر عہد میں سریرآرائے شاہی ہیں، جن کے

ظلِ ظلال کو کمال ہی کمال ہے، زوال نہیں۔ جن کے جلال و افضال کو اجلال ہے، اضمحلال نہیں ان کی زعامت و مملکت کو بقائے دوام ہے اختتام نہیں۔ ان کی سلطنت کو استحکام ہے، انضمام نہیں۔ وہ ایسے والی چشت ہیں، جن کی بدولت چشت و سجستان و ہندوستان تک درخشاں و دُرِ رفشاں ہیں۔ چشت۔ ہشت بہشت نشاں، سجستان جہاں در جہاں، راجستھان فردوس بداماں، ہندوستان جنت نشان اس لئے بنا ہوا ہے کہ یہاں جانِ سجستان، خسروِ خسرواں، شانِ ہندوستاں اورجانِ عالم و عالمیان بسا ہوا ہے۔ اصفہاں اگر نصف جہاں ہے تو اجمیر دارالخیر، راجستھان جنت نشاں پورا جہان ہے جہاں، جانِ جہان و جہانیان کا ایک جہاں نہیں جہاں اندر جہان، عالم در عالم پنہاں ہیں۔ اصفہان سے سجستان اور سجستان سے ہندوستان اور ہندوستان سے راجستھان تک ایک ہی نسبتِ علیا سے جنت نشاں، فردوس بداماں، جلوہ ساماں، غیرتِ خورشیدِ تاباں، روکشِ منظرِ جناں اور ہمسرِ آسماں بنا ہوا ہے۔ ابتدا سے آج تک اجمیر کسی کے منظر چشم کرم سے اور نگاہِ غریب نواز سے دارالخیر، ہفت آسماں طیر اور کہکشاں سیر بنا ہوا ہے۔ دلی تو صرف ہندوستان ہی کا دارالسلطنت ہے لیکن اجمیر تو عالمِ روحانیت کا دارالامارت اور مقامِ زعامتِ خلافت ہے۔ جہاں نہ جانے کتنے صوفیائے کرام اور علمائے عظام آرامیدہ اور آسودۂ خاکِ پاک ہیں، جن کی روحانی اور علمی کارپردازیوں نے اجمیر کی بدولت راجستھان ہی کو نہیں ہندوستان کو روکشِ جہان و جہانیان اور ملکِ سلیمانی کا نقشِ ثانی بنا دیا، جو نسبت شیراز کو ایران سے، مشہد کو نیریز و تبریز سے ہے، وہی نسبت اجمیر کو ہندوستان سے ہے۔ اجمیر کو اسی لئے دارالخیر کہا جاتا ہے کہ یہاں جانِ جانانِ جہاں، راحتِ قلبِ سجستاں، رونقِ راجستھاں، امیرِ کشورِ ہندوستاں، والئ ملکِ چشتیاں، خواجۂ خواجگاں سلطان الہند معین الدین چشتی سنجری رحمۃ اللہ علیہ رونق افروز ہیں، جہاں حقیقی رنگ، شاہ رنگ برس رہا ہے، جہاں کا ذرّہ ذرّہ اس آفتاب عالم تاب کے پرتو سے آئینۂ تجلیاتِ ربانی اور مصحفِ نورِ سبحانی بنا ہوا ہے، جس بستی کے نقش و نگار آیتِ کریمہ کے فیوض و برکات لئے ہوئے ہیں، جہاں کے در و دیوار میں اب تک نفوسِ قدس کے گرم

گرم انفاس سرگرم عمل ہیں۔ فلک بوس گنبدِ طلائی اور آستانۂ قطب بوس کے آگے شاہوں اور سلاطین و ملوک کی جبیں سائی کے نقوش مرتسم ہیں۔ یہی وہ بستی ہے، جہاں تاریخ کے اوراقِ پریشاں کی شیرازہ بندی ہوئی ہے۔ یہی وہ مقام دل کشا ہے، جہاں مذہب و ملت کے چراغ جلتے آئے ہیں۔ یہی وہ پایۂ تختِ جم جاہ اور سرمایۂ سلطنتِ فریدوں فر ہے، جہاں پوری دنیا کی جہانبانی اور پاسبانی ہوتی ہے۔ یہی شہرِ شہیر وہ دل افروز بستی ہے، جہاں سلاطینِ وقت اور اساطینِ عصر نے طبل و علم لے کر سر جھکائے ہیں، ناصیہ فرسائی و جبیں سائی کی ہے۔ یہی وہ دارالخلافۂ سلوک و رافت ہے، جہاں کی جادہ پیمائی اور آبلہ پائی سے قسمتیں چمک جاتی ہیں، گدا شاہ بن جاتے ہیں، فقیر امیر، امیر امیرِ کبیر اور امیرِ کبیر وزیرِ کشور گیر بن جاتے ہیں، نصیبے جاگ جاتے ہیں، مقاماتِ سلوک وا ہو جاتے ہیں، ذکر و شغل، پاسِ انفاس اور ذکرِ خفی و جلی کی مجالس گرم رہتی ہیں، مکان و لامکاں، فنا و بقا، بقا باللہ، ترکِ دنیا، ترکِ عقبیٰ اور ترکِ ترک کی منازل طیر و سیر طے ہوتی رہتی ہیں۔ نظر کے کرشمے، نسبتِ صغریٰ اور نسبتِ کبریٰ، فقر و فخر، سکر و صحو، شکر و صبر کے مقامات اور لطائفِ خفی و اخفیٰ کھلنے لگتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ زمیں آسماں اور آسماں عرش آستاں ہو گئے ہوں، کیونکہ خود خواجۂ بزرگ خواجۂ لامکان و قدس زماں اور آسماں آستاں ہو گئے ہیں، جس کے لئے ایک صاحبِ راز و نیاز کا یہ اعتراف و انکشاف بلا اختلاف سراسر مبنی بر انصاف ہے......

خواجۂ خواجگاں معین الدین — فخرِ کون و مکاں معین الدین
خواجۂ لامکان و قدس مقام — آسماں آستاں معین الدین
قربِ حق اے نیاز اگر خواہی — ساز ورد زباں معین الدین

(شاہ نیاز بے نیاز حضرت مولانا نیاز احمد قادری چشتی بریلوی)

معین کل، سلطان الہند، ولی الہند، خواجۂ خواجگاں، ولی و والی متعالی، امام اربابِ طریقت و حقیقت، پیشوائے اصحابِ تمکنت، فلک جاہ، قدس پائگاہ، فیض دستگاہ، غرباء و فقراء کی جائے پناہ، ملک و ملک بارگاہ، ملوک و سلوک آماجگاہ، تقدس مآب، آسماں

آستاں، ہستی ہزار ذات و صفات کے تذکرے جو ان کے واقعات و حالات اور کوائف و نظائف و لطائف پر مشتمل ہیں، عہد در عہد مرتب ہوتے رہے ہیں۔ عصری مآخذ کم اور عہد مابعد کے مراجع بہت ہیں۔

خواجۂ بزرگ دائی سلطان الہند مالک و مَلِکِ مُلکِ ہندوستان ہیں، تصوف و سلوک کے بانی مبانی، نشان طبل و علم اورالٰہیات و تجلیات و تصورات، تجملات کے علمبردار بھی اور آئینہ دارِ حقیقت و معرفت بھی، شاہ نواز بھی اور غریب نواز بھی، سیرتِ نبویؐ کے عامل بھی، اخلاقِ حمیدہ کے نمونہ بھی، نظامِ سلوک و تصوف کے احوال و اقوال و افضال و اعمال و کمال کے جامع الحیثیات، شہنشاہوں کے شہنشاہ اور شاہِ شاہان ہیں۔ ان کی حیاتِ ہزار جہات کو پھیلائیں تو ازمنہ و دہور و قرون آپ میں سمٹ جاتے ہیں اور دیکھیں تو سپہر شکوہ اور فلک بارگاہ کی تجلیات و کرامات، نظر کو نور، دل کو سرور، حیات کو شعور اور آخرت میں حور و قصور دیتی ہیں اور اگر آپ کی حیات باکرامات کا مطالعہ کریں تو شریعت، طریقت و معرفت کی آگاہی نصیب ہوتی ہے اور یہی تصوف ہے، یہی سلوک ہے اور یہی احسان ہے اور یہی اس کتابِ خواجہ غریب نواز مصنفہ پروفیسر شمسی طہرانی کی روحِ پُرفتوح اور نفسِ نصِ مضمون ہے۔

علامۃ الدہر تلمسانی کے علم بردار اور آئینہ دارِ روایاتِ اصفہانی و طہرانی پروفیسر شمسی طہرانی جو بیک وقت محققِ حقیق اور مصنفِ نظیف، بالغ نظر، غائر اثر، سحبانِ فکر و نظر اور صوفیٔ صافی وافر اثر ہیں۔ اس بےنظیر سلوک ظہیر، علم و حکمت تشہیر کتاب مستطاب کے مصنف متصف بہ احوال و اقوالِ خواجۂ بزرگ بھی ہیں، اس میں کوئی شک و ریب نہیں کہ وہ ایک قادرالکلام شاعر ہیں، ایک ادیبِ شہیر، مصنفِ بےنظیر، سحبان اثر مقرر اور نقارِ فخار ہیں مگر یہ کسی کو شاید معلوم نہیں کہ وہ ایک اہلِ دل صوفیٔ صافی اور خواجۂ خواجگاں کے مشائخِ سلسلہ کے کفش بردار، مثلِ سگِ اصحابِ کہف، بارگاہِ خواجہ کے خاک نشین اور فنا فی الشیخ بھی ہیں۔ میرے پیر و مرشد حضرت مولانا محمود الحسن صولت (اہلِ عرب) نوراللہ مرقدہٗ حضور فخرِ کائنات و موجودات، خاتم النبیین، سید المرسلین، شفیع المذنبین، سرورِ

سرورانِ عالم و عالمین محمد مصطفیٰ کی اکیسویں پشتِ مبارک ہشت بہشت میں ہیں، جن کے ابداد امجاد کلید برداران حرمین شریفین تھے۔ مجھے نسبتِ پنجتنِ پاک وہی مرشدِ تقدس مآب عطا فرما کر اپنا فریدِ فرد خلیفہ و جانشین بنا گئے ہیں۔ اسی نسبتِ سلطانی و سلیمانی کا صدقہ و کرشمہ ہے کہ میں خاکِ کفِ پائے سگِ کوئے حضرتِ صولت ہوں اور مجھے ناز ہے کہ میں سگِ کوئے دربارِ دُربارِ پنجتنِ پاک ہوں۔ وہی نسبتِ پنجتنِ پاک سلیماں شکوہ و عالم پناہ پُرفتوح و صلوح میں نے پروفیسر حافظ سید ضیاء الدین کاظمی شمسی طہرانی زاد لطفہٗ کو عطا کی ہے اور خلافتِ صلابت سے بھی انھیں سرفراز کیا ہے۔ اسی نسبتِ اہلِ بیت کی بیعتِ عالم پناہی سے غریب نواز پر ایسی پُرشکوہ و صولت و شوکت و منزلت کتاب مستطاب تصنیف کرنے کی سعادتِ سیادت انھیں نصیب ہوئی۔ وہ ماشاء اللہ اس نسبتِ پنجتن پاک کی بدرجۂ اتم حفاظت کیے ہوئے ہیں اور سال میں کئی بار محفلِ پنجتن پاک منعقد کرتے ہیں، جس میں راقم الحروف کو بطورِ مہمانِ خصوصی شرکت کی دعوت دیتے ہیں اور راقم الحروف ذوق و شوق سے شریک ہوتا ہے۔ ان کے آباء و اجداد کا بناء کردہ آستانہ چشتیہ مجاہدِ اعظم آزادیٔ ہند اوّلین تاجدارِ ٹونک نواب امیر الدولہ محمد امیر خاں مرحوم کے عہد سے آج تک قائم ہے، جس میں ہر ماہ غریب نوازؒ کی چھٹی شریف کا اہتمام رہتا ہے۔ یہ کتاب حقیقتاً مروج الزواہر و معدن الجواہر اور مجمعِ عوارف و معارف ہے اور بہ منزلۂ دائرۂ معارف ہے۔ اس میں کیا نہیں ہے، تفسیر و سیر و مغازی، حدیث و رجال، فقہ و صحاحِ ستہ، سلوک و تصوف، تبیان و بیانِ احسان، ذخیرۂ شریعت و طریقت و معرفت و حقیقت، تواریخ و تذکرہ جات، ملفوظات، منقولات و معقولات و منظومات اور احوال و اقوال و آثار و اطوار و اقدارِ بزرگاں و اعیان و ارکان و اساطین و عباد و زہاد و اقطاب و اصحابِ تمکین و تلوین و اربابِ سکر و صحو اور اہلِ باطن کے لوائف و لطائف و صحائف، ان کی محافل و منازل کے ذکر و فکر، اوراد و وظائف، عبادات و خوارق العادات، مکارمِ اخلاق و اوصافِ حمیدہ و محاسنِ پسندیدہ، ان کا مجاہدہ و محاسبہ و مجادلہ، کشف و کرامات، برکات و حسناتِ خواجۂ خواجگاں کے تناظر و مناظر میں اس کتاب

مستطاب میں بڑے اچھے اور اچھوتے انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ غریب نواز کے متعلقہ اخبار و آثار، درگاہِ عالم پناہ کی عمارات، مزارات، تکویجات، تعویذات، کتبات، منثورات و منظومات، اخبارات و فرامینِ محکمات و تنقیحات و شجرات اور مسودات و مبیضات بڑے سلیقے سے معرضِ بحث میں لائے گئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ شمسی صاحب کا یہ مہتم بالشان کارنامہ ہے۔ اس شاندار اور وقیع و رفیع کام پر تو ان کو ڈی۔لٹ۔ کی سندِ فاخرہ ملنی چاہئے۔ کس کس انداز سے تفحص و تجسس اور تشخص و تخصص سے نکتہ پردازیاں، دقیقہ سنجیاں، موشگافیاں، دُرافشانیاں اور سحر طرازیاں موضوعِ سخن بنائی گئی ہیں۔ یہ مؤقر و معتبر تحقیقی جامع الجوامع سولہ ابواب باصواب پر مشتمل ہے۔

باب اوّل سیرتِ محمدی کا اخلاقی پہلو ہے جو قرآنِ مجید کے مطابق نبی کریم کے خُلقِ عظیم کا آئینہ دار ہے۔ اس باب میں خلفائے راشدین، ازواجِ مطہرات، اصحابِ صفہ اور اصحابِ عشرۂ مبشرہ کے اوصاف و کردارِ عظیم کا ذکرِ خیر بھی ہے۔ صوفیائے اسلام پر سیرتِ محمدی کا پرتوِ کامل نظر آتا ہے۔

باب دوئم اہلِ بیتِ اطہار اور اولادِ امجاد رسول پاکؐ کے ذکرِ خیر سے متعلق ہے جس میں ان کے فضائل و جلائل بیان کئے گئے ہیں۔

تیسرا باب ولایت علی منہاج النبوۃ سے متعلق ہے جس میں شاہِ ولایت و مولائے کائنات علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کی ذاتِ قدسی صفات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نبیؐ کریمؐ کی زبانِ مبارک سے فرمائی گئی حدیثِ پاک ''من کنت مولاہ فعلی مولاہ'' کی تشریح کی گئی ہے اور اس سے ان کی جہتِ ولایتِ کبریٰ پر استدلال کیا گیا ہے۔ آیۂ مباہلہ سے حضرت علی اور دیگر نفوسِ قدسیہ اہلِ بیت کی فضیلت ثابت کی گئی ہے۔ مذکورہ بالا حدیث خطبۂ غدیرِ خُم کا جزوِ لاینفک ہے، جس سے حضرت علی کی مولائیت و علویت ثابت کی ہے۔ پنجتنِ پاک وہی پانچ نفوسِ قدس ہیں جو عیسائی راہبوں سے مباہلے کے لئے تشریف لے گئے تھے، جن کا ذکرِ خیر قرآن شریف میں موجود ہے۔

چوتھے باب میں ائمۂ اہلِ بیتِ اطہار کی امامت، عظمت، ولایت، زعامت

اور فضیلت کی احادیث و مسانید اور محدثین و اکابرِ علماء وفضلاء کے اقوال کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی ہے اوران کی امامت و امارت کو ثابت کیا ہے۔

پانچویں باب میں دلائل و براہین سے اسلامی تصوف کو اسلام کی دین ثابت کیا ہے۔لفظِ صوفی کے اشتقاق ، اس کی اصطلاح اور اس کے نفسِ مضمون کے بارے میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ یہ یونانی سوف سے معرب صوف ہے یا اصحابِ صفہ سے ہے یا صوف کے کپڑے پہنے سے ہے۔ ابنِ خلدون کی تعریف اور علامہ قشیری کی رائے کوزیادہ پسند کیا ہے۔تصوف ابتدائے اسلام سے موجود ہے جواحسان کا مترادف ہے۔جس سے مقصود ہمیشہ عبادت اور ذکر وفکر کرنا ہے اور دنیا سے بے رخی اور تمام امور اللہ کے سپرد کرنا تصوف ہے۔شریعت ،طریقت،معرفت اور حقیقت کی منازل سے گزرنا پھر ترکِ دنیا ،ترکِ عقبیٰ ،ترکِ مولیٰ اور آخر میں ترکِ ترک کے مرحلے طے کرنا تصوف کے مقاصد کی بنیاد ہے۔اسی باب میں چند مستشرقین کے ان دلائل کو مسترد کیا ہے کہ اسلامی تصوف ہندو جوگیوں اوران کے فلسفے سے مستعار ہے۔لفظِ صوفی سے بھی بحث کی ہے، جس کا مذکورہ بالا سطور میں بیان کیا جاچکا ہے۔ بقولِ ابوریحان البیرونی تصوف یونانی لفظ سوف سے نکلا ہے، اس بات کی بھی تردید کی ہے اور ابنِ خلدون اور امام ابوالقاسم قشیری صاحبِ رسالۂ قشیریہ کی رائے عالی سے اتفاق کرتے ہوئے تصوف کو عین اسلامی مسلک و مشرب اور آئینِ علمِ حقیقت کا آئینہ دار بتایا ہے،جس کی بنیاد اور اساسِ مستقیم ہی شریعت اور اخلاقِ محمدی کی اشراط وانضباط ہے۔

چھٹے باب میں روحانی سلاسل کی تنظیم و انصرام کو پرشکوہ انداز میں ثابت کیا ہے۔

ساتویں باب میں خواجۂ خواجگاں کے مبارک احوال و اعمال، ولادت سے وفات تک مستند تذکروں اور ملفوظات کی روشنی میں تحقیقی اور تاریخی تناظر میں پیش کئے ہیں اور ان تاریخی واقعات کے ثابت کرنے میں بڑی تحقیق و تدقیق، استخراج و استنتاج، استرداد و استدراک اور استنباط و استناد سے کام لیا ہے جو واقعی ایک محققِ عظیم

ہی کا ذمہ اور حصہ ہوسکتا تھا۔

پروفیسر شمسی نے تحقیق کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ خواجۂ بزرگ کے فرزندوں میں بڑے فرزند حضرت سید فخرالدین انتہائی محبوب فرزند ارجمند اور بالا و بلند دلبند تھے۔ وہ موضع ناندن اجمیر میں زراعت کیا کرتے تھے۔ وہاں کے حاکمِ غیر حکم نے شہزادۂ بزرگ کو بہت تنگ کیا تو خواجۂ بزرگ سلطان شمس الدین التمش کے یہاں دہلی تشریف لے گئے اور وہاں سے فرمان کی درستی کرا کر واپس تشریف لائے۔ غریب نواز کے پردہ فرمانے کے بعد خواجہ سید فخرالدینؒ بیس سال زندہ رہے اور اجمیر کے قریب سرواڑ شریف میں آرامیدہ ہیں۔ خواجہ سید فخرالدینؒ کے ایک فرزند تھے جن کا نامِ نامی خواجہ سید حسام الدین سوختہ تھا۔ آپ کامل ترین بزرگ اور جامع الصفات اور مجموعۂ کمالات صوفیٔ صافی تھے۔ آپ سلطان المشائخ محبوب الٰہی کی صحبتِ با بہجت میں رہے۔ آپ کا مزارِ مبارک اب بھی سانبھر شریف میں مرجعِ خلائق بنا ہوا ہے۔ سید حسام الدین کے دو فرزندِ ارجمند تھے۔ ایک کا اسمِ گرامی خواجہ معین الدین خورد اور دوسرے کا نام نامی خواجہ قیام الدین تھا۔ دونوں عوارفِ معارفِ نظر کاملین تھے۔ خواجہ معین الدین خورد کو خواجۂ بزرگ کا اشارۂ غیبی تھا کہ وہ خواجہ نصیرالدین چراغِ دہلی کے مرید ہوں۔ (مرآۃ الاسرار، ص:۴۴) جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خواجۂ بزرگ کے اولاد نہیں تھی ان کا یہ کہنا غلطی پر مبنی ہے لیکن تواریخ میں خواجۂ بزرگ کی اولاد کا نسلاً بعد نسلٍ شجرہ نہیں ملتا۔ ''اکبر نامہ'' مصنفہ ابوالفضل میں لکھا ہے کہ اولادِ خواجہ کے بارے میں تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ اولاد خواجہ ہونے کے دعویداروں کے دعوے کی کوئی اصلیت نہیں۔ اس سلسلے میں قدیم مخطوطات میں اوّلین اولادِ خواجہ کے علاوہ بعد کی اولاد کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔

آٹھواں باب الرفیع خواجۂ بزرگ کی پُرعظمت شخصیت، تعلیمات اور آفاقی کارہائے نمایاں پر محتوی ہے جو رسمی طور پر لائقِ ستائش ہی نہیں حقیقی تبریک و تحسین کا مستحق بھی ہے اور تقلید طلب بھی۔

نواں باب خواجگانِ چشت کے تصورِ عشق پر مبنی ہے، جس میں کلامِ خسرو کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی ہے جو شمسی صاحب ہی کے علمی تبحر اور تحقیقی تدبر کا خاصہ اور مرتبہ ہے۔ یہ تصورِ عشق اور اس کی ناقابلِ تسخیر مقاومتی قوت و جبروت تصوف کی روحِ پرفتوح ہے۔ جو ایک طرف تصوف کی روح ہے تو دوسری طرف سلوک و مسلوک کے تصور اور باطنی اشتغال کا جزوِ لاینفک ہے۔

دسواں باب خواجہ بزرگ اور ان کے سلسلے کے مشائخ کا ہندوستان کے دیگر مشائخِ سلاسلِ طریقت پر فیضانِ نظر سے متعلق ہے، جس میں ان کے روحانی احسانات اور نظرِ کیمیا اثر کی برکات کا بڑے اچھے رنگ و آہنگ اور استمساک اور انہماک سے ذکر کیا ہے، جس میں دیگر سلاسل کے مشائخ کی عظمت کو بھی پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

گیارھواں باب غریب نواز اور ان کے سلسلے کے مشائخ کے بھگتی تحریک پر اثرات سے متعلق ہے، جس میں سلسلۂ چشتیہ کے اثراتِ محکمات کی نشاں دہی کرتے ہوئے بصیرت افروز گفتگو کی ہے۔ غریب نواز کے پیغامِ امن و انسانیت سے جو اسلام کی صوفیانہ تعبیر و تشریح پر مشتمل تھا، ہندوستان کے غیر مسلم سنت، مہاتما اور یوگی بھی متاثر ہوئے۔ شمسی صاحب نے غریب نواز اور ان کے سلسلے کے مشائخ کے اقوال و احوال سے بھگتی تحریک کے سنتوں کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان سنتوں نے غریب نواز اور ان کے سلسلے کے مشائخ کا بھرپور اثر قبول کیا ہے۔ یہ موضوع نہایت اہم ہے اور اس پر اب تک ہمارے ملک کے دانشوروں کی نظر زیادہ نہیں گئی ہے۔ یہ باب مصنف کی کاوش کا نادر نمونہ ہے۔

بارھویں باب میں بحث طلب اور متنازع فیہ مسئلہ سماع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس تاریخی محضر کا بھی ذکر ہے، جس کو غیاث الدین تغلق نے طلب کیا تھا، جس میں شیخ حسام الدین فرجام، قاضی جلال الدین، مولانا علیم الدین نبیرۂ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی ایسے جید علماء شریک تھے، جس میں اہلِ حال و قال کے لئے ساز و مزامیر کے ساتھ سماع جائز بتایا گیا ہے۔ اس کے جواز میں شمسی صاحب نے ابن العربی

اور مولانا آزاد کی آراء کو اہتمام و استحکام سے پیش کیا ہے۔ اس محضر میں حضرت نظام الدین محبوب الٰہی بھی شریکِ بزم تھے، جنھوں نے احادیث کے ضمن میں بحث کی تھی۔ شمسی صاحب نے مزید برآں عہدِ مابعد کے علماء وصوفیائے کرام کی تصانیف اور علمائے عصر کے احوال واقوال کو بڑے وقیع انداز سے جواز میں پیش کیا ہے۔

تیرھواں باب خواجہ بزرگ کے خادمِ خاص خواجہ سید فخرالدین گردیزی کے بارے میں ہے جس میں ان کا سلسلۂ نسب امام موسیٰ کاظمؑ تک مستند حوالوں سے پہنچایا گیا ہے۔ علامۃ الدہر، صوفیٔ صافی، عالم متبحر، فاضلِ اجل صاحبزادہ مولانا سید عبدالباری معنی علیہ الرحمۃ کی کتاب مستطاب ''تاریخ السلف'' سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے، جس کی ثقاہت ودرایت عصرِ حاضر کے نامور محقق ڈاکٹر ضیاء الدین ڈیسائی نے تسلیم کی ہے۔ ڈاکٹر ڈیسائی مرحوم نے راقم السطور کے سامنے مولانا معنی کی کتاب تاریخ السلف کی تاریخی وتحقیقی عظمت واہمیت کا اعتراف کیا تھا۔

چودھواں باب خدامِ خواجہ سے متعلق ہے، جس میں ان کی موروثی خدمات اور پشتینی حقوق وفرائض سے بڑے استحکام واستدراک سے بحث کی ہے جو شاید اس انداز سے کسی نے اب تک نہیں کی۔ مجاورین وخدام صاحبانِ علم وعلم خواجۂ بزرگ غریب نواز کی اولادِ امجاد کی طرح اولادِ باطنی اور خدامِ ظاہری وروحانی ہیں۔ لغت میں مجاور کے معنیٰ خدمت کرنے والا ہے۔ یہ اسمِ فاعل ہے ہمسائیگی کرنے والا ہمسایہ۔ مگر یہ لفظ متبرک مقامات اور درگاہوں کے خادم اور زیارت کرانے والے کے معنیٰ میں زیادہ مستعمل ہوتا ہے۔ (لغاتِ فارسی لالہ رام نرائن لال، ص۱۰۷، ۱۹۳۱ء) مشہور مستشرق اسٹائن گاس نے مجاور کے معنیٰ اس طرح لکھے ہیں:

Adjacent, fixed to the temple, employed in the service, the sweeper of the mosque, Mujawirani- Falak- the seven planets i.e. Saturn, jupiter, mars, the sun, venus, mercury, the moon- the fixed stars.
(A comprehensive Persian- English Dictionary,By: F. Steingass, PHD., COSMO PUBLICATIONS, N. DELHI, PP.1175, 1977)

اس کا ترجمہ قریب ونزدیک متبرک مقام میں مقرر کردہ کسی کی خدمت کے لئے مامور شدہ، مسجد (متبرک مقام) کا جاروب بردار، مجاورانِ فلک۔ سات سیارگان مقرر شدہ۔ زحل (سنیچر) مشتری سیارہ (جمعرات)، مریخ سیارہ (منگل)، شمس سیارہ (اتوار)، زہرہ سیارہ (جمعہ) ، عطارد (بدھ)، قمر (پیر)۔ مجاور کے معنی اسی متبرک مقام، مسجد اور درگاہ کی خدمت کرنے والا۔ کسی کے نزدیک اور ہم سایہ، کسی بزرگ آقا و مخدوم کے زیرِ سایہ۔ یہ مجاورین و خدامِ خواجہ ہیں اور خدمت گزار ، جاروب کش، کلید بردار اور مجالس و محافلِ تقاریب و اعراس کا انتظام و انصرام کرنے والے ہیں۔ان مجاورین سے بڑھ کر اور کون ہوسکتا ہے جو خواجۂ خواجگاں سلطان الہند غریب نواز کے سایۂ عاطفت میں ہمہ وقت روز و شب خدمت گزار ہوں اور مابعد از منہ میں ان کی اولاد نسلاً بعد نسلٍ مرقدِ مطہرہ و درگاہِ معلٰی کی ہمہ تن و ہمہ وقت خدمت کرتی چلی آرہی ہوں۔غریب نواز کے وہ خدام و مجاورین ہیں اور ہمارے لئے مخدوم ، بزرگانِ دین اور آقایانِ نعمت ہیں، جن کی گردنوں میں غریب نواز کا طوقِ جلالی و متعالی اور دلوں میں ہیبتِ سلطانی و سلیمانی ہو اور جن کے سروں پر غریب نواز کے تاجِ خسروی کے اشعۂ لامعہ تاج و نگین بن کر درخشاں ہوں اور جن کے گنجینہ ہائے سینہ نسبتِ سلطان الہند کے آئینہ خانے ہوں، جن کے زبان و بیان اور وردِ زبان خواجہ معین الدین ہوں، وہ کیوں کر اہلِ دل اور اہلِ باطن کے لئے نائبانِ غریب نواز اور زیارت کنندگان بارگاہِ درگاہِ عالی و متعالی نہ ہوں۔غریب نواز کے خادم ہمارے آقائے نعمت ، ان کے مجاور ہمارے سرور و شاہوار، ان کے خدام ہمارے حکم، ان کے مجاورین ہمارے مشائخین۔جس طرح غریب نواز سلطان الہند کی سلطنتِ تمکنت کو نہ زوال ہے نہ سوال اسی طرح ان کی وراثتِ امارت کو بھی نہ زوال ہے نہ سوال۔ خواجۂ بزرگ وارثِ نبی ہیں، ان کے خادم وارثِ آلِ نبی و اولادِ علی ہیں۔

پندرھواں باب نذوراتِ خواجہ سے متعلق ہے جس میں نذوراتِ خواجہ کے حصول کو صرف اور صرف خدامِ خواجہ کا حق بتایا ہے اور اس سلسلے میں قدیم و جدید کتب

فقہ اور مفتیانِ عصر کے فتاویٰ کے حوالے دیئے گئے ہیں۔

بابِ نذوراتِ خواجہ میں مفتیانِ کرام اور علمائے عظام کے فتوے پیش کئے ہیں، جن کی رو سے خدام کے حقوقِ حصولِ نذور ثابت ہوتے ہیں۔ مزید برآں علامہ معنی اجمیری نے اس کے بارے میں سرکاری سوالات کے مسکت و مثبت جوابات پیش کئے تھے اور جو "جواب نامہ" کتاب کی صورت میں شائع ہوئے تھے، شمسی صاحب نے ان سے بھی استفادہ کیا ہے۔

جملہ خدامِ خواجہ اور مجاورین کو نذر و نیاز، ہدایا و عطایا اور پیش کش و تحائف لینے کے حقوق غریب نواز سلطان الہند کے حکمِ محکم سے صدیوں سے چلے آرہے ہیں، جن کی توثیق و تصدیق نوابانِ والا تبار، راجہ ہائے راجگان، سلاطین و ملوک اور شاہانِ ہند نے اپنے فرامین کے ذریعہ کی ہے اور مجاورینِ درگاہِ غریب نواز کے نام اور دیگر درگاہوں کے مجاوروں کے نام پروانہ جات ،فرامین اور خرائط کی وساطت سے جاگیریں اور جائیداد وغیرہ دی ہیں۔ان کے پروانہ جات اور فرامین میں غائت درجہ احترام کے پیشِ نظر روسا اور سلاطین نے اپنے دستخط یا "صاد" (ص) مجاورِ درگاہ یا خادمِ بارگاہ کے نیچے ثبت کئے ہیں جبکہ ہمیشہ خرائط، پروانوں اور فرامین کی پیشانی پہ دستخط یا صاد (ص) ثبت کئے جاتے ہیں۔ ایسے سینکڑوں شاہ پارے، نیشنل میوزیم دہلی، نیشنل آرکائیوز دہلی ، حیدرآباد اور ٹونک کے ذخائر میں دیکھے جاسکتے ہیں۔نذور و عطایا اور ہدایا شرعاً صاحبِ مزار کے خدام اور مجاورین و متوسلین کو ہی دینا متحقق ہے البتہ درگاہ کے لئے عطایا اور تحائف درگاہ کے انتظام و انصرام کے لئے ہوتے ہیں۔نذور و نیاز کے سلسلے میں واضح طور پر فتاویٰ من و عن نقل کئے گئے ہیں جو اس کتاب کے بابِ نذورات میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ اس میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے فتاویٰ عزیزیہ کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ نذرِ طعام و انفاق و بذلِ مال سے میت یا صاحبِ مزار کو ایصالِ ثواب مقصود ہوتا ہے جو صاحبِ مزار کے خدام، اقرباء یا مجاورین کے لئے وقف ہے۔ پھر کیسے ان فقہی فتاوے اور شرعی احکام کے

خلاف حدودِ درگاہ میں تختیاں آویزاں ہیں اور بکس وصندوق وغیرہ رکھے گئے ہیں اور نذرِ درگاہ طلب کی جارہی ہے جو سراسر غلط اور باطل ہے۔

اس پر مستزاد یہ کہ شاہانِ سلف اور سلاطین وملوک ورؤساء ساورن پاور کے مالک ومختار ومطلق العنان ہوتے ہیں۔ ان کے عطا کئے ہوئے حقوقِ تملیک اور جائیدادِ موقوفہ کو کوئی حکومتِ وقت اور عصری سلطنت رد نہیں کرسکتی اور جبکہ غریب نواز کے مجاورین و خدام کی نذور کے حقوق صدیوں سے اور قرنوں سے چلے آرہے ہیں جو Tradition بن چکا ہے اور Tradition قانون سے زیادہ محکم اور نا قابلِ استیصال ہوتا ہے۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن صدر جمہوریۂ ہند دوم نے Tradition کے بارے میں کہا ہے:

"It makes centuries to make a little history, and it takes centuries of history to make a tradition."

(ڈاکٹر ناظرہ محمود نے "منظور عالم - حیات و خدمات، دہلی ص ۱۲۳، ۲۰۰۹ء" میں لکھا ہے کہ خود منظور عالم صاحب جو ہندوستان کے مایۂ ناز دیدہ ور، دانشور اور مقننِ نامور اور ہندوستان گیر شہرت کے مسلم قائد تھے، نے اپنے اشہبِ قلم سے ڈاکٹر رادھا کرشنن کا مذکورہ بالا قول نقل کیا ہے۔)

مذکورہ بالا رادھا کرشنن کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ ایک مختصر تاریخ بنانے میں صدیاں لگ جاتی ہیں اور ایک Tradition (روایت یا دستور) بننے میں صدیوں کی تاریخ کھپ جاتی ہے۔ ٹریڈیشن یا دستور سے Unwritten دستور بنتا ہے۔ جیسا کہ برطانیہ میں ہے۔ وہاں شہنشاہیت چھ سو سال سے زیادہ اسی روایت (Tradition) کی بنیاد پر آج تک چلی آرہی ہے۔ حالانکہ وہاں جمہوری نظام ہے لیکن شہنشاہیت آج تک قائم ہے۔ اس لئے کہ اس کی بنیاد ٹریڈیشن پر ہے جبکہ غریب نواز کی سلطانی وشہی کو آٹھ سو سال سے زائد ہوچکے ہیں۔ اسی طرح ان کے خدام ومجاورین اور ان کے فرائض وحقوقِ نذورِ زہ‌ور کی بنیاد بھی قرنہا قرن کی تواریخ سے بنائی ہوئی روایت یا دستور (Tradition) پر مبنی ہے۔ اس کو کوئی حکومت، امارت، زعامت اور سلطنت نہیں ختم کرسکتی۔ اس لئے کہ اس روایت کو بنانے والے خود سلطان الہند جن کی حکمرانی

پورے ہندوستان میں صدیوں سے دائم و قائم ہے۔ ان روایات و حقوق کو اگر کسی نے مٹانے کی کوشش کی تو وہ خود مٹ جائے گا۔ تخت و تاج بدل جائیں گے، حکمراں و اساطین و مواطین بدل جائیں گے، اربابِ والباب بدل جائیں گے اور اعیانِ حکومت و ارکانِ زعامت بدل جائیں گے۔ اس لئے کہ یہیں سے تخت و تاج جمتے ہیں، بگڑتے بھی ہیں، حکومتیں بنتی بھی ہیں اور بگڑتی بھی ہیں۔ زمامِ حکومت یہیں سے دی جاتی ہے اور اختیاراتِ جہاں بانی یہیں سے عطا ہوتے ہیں۔ اربابِ حل و عقد یہیں سے منتخب ہوتے ہیں، یہیں سے عطایا و نعماء تقسیم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لارڈ کرزن نے کہا تھا یہاں ایک قبر (صاحب مزار زھوار) حکومت کر رہی ہے۔

دورِ ملوکیت میں خدام کا حوالہ ملتا ہے۔ محمود خلجی کے دور میں قوانین وضع ہوئے لیکن مغلیہ دورِ شاہ زور میں نمایاں طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ منتخب التواریخ میں خدام کا ذکر ہے، جس کی تفصیل پروفیسر شمسی طہرانی نے اس کتاب میں دی ہے جو میرے پیشِ نظر ہے۔ جب بادشاہ اکبر اعظم نے ۹۸۰ھ میں درگاہِ خواجہ بزرگ کی زیارت کی تو عبادت خانہ میں درویشوں اور مجاوروں سے علمی اور روحانی گفتگو کی۔ اکبرِ اعظم کی تخت نشینی کے وقت پورے ہندوستان میں طوائف الملوکی تھی لیکن اکبرِ اعظم کی بے غایت عقیدت و ارادتِ خواجۂ بزرگ سے اس کی سلطنت کو استحکام اور قوامِ قیام ملا تو جملہ ملوک و رؤساء اور خودساختہ اعیان و ارکانِ طوائف دن کے سیارگان کی طرح ناپید ہو گئے۔ اکبرِ اعظم نے بارہا اجمیر دارالخیر کی زیارت کی، ایک عالی شان مسجد بنوائی، شہر آباد کیا، شہر کے چاروں طرف شہر پناہ اور شاہی محل تعمیر کرایا۔ خواجۂ بزرگ کے مجاورین محافظینِ درگاہِ پائیگاہِ عالی جاہ کے لئے جاگیریں، وظائف اور روزینے جاری کئے۔ لنگر خانہ کے اخراجات کے لئے مواضع نامزد کئے اور آستانۂ فلک بارگاہ اور زائرین و معتقدین کے لئے ایک متولی مقرر کیا۔ یہ روایت و دستور آج تک جاری و ساری ہے۔ فاضلِ اجل اور محدثِ بے بدل حضرت مولانا بالعلم واولانا بالسلم عبدالحق محدث دہلوی اپنی مستند و مستند کتاب "مستطاب اخبارالاخیار" میں یہ سب تفصیل دیتے ہوئے آگے فرماتے ہیں کہ اکبرِ اعظم

کے بعد اس کے جانشین و حاشیہ نشین نے بے پناہ عقیدت و ارادت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انعامات و اخراجات میں اضافہ کیا اور بار بار زیارت کے لئے حاضر باش رہے۔
اسی طرح جہانگیر کے بعد اس کے جانشین و مکینِ باتمکین شاہجہاں بادشاہِ جہان و جہانیان نے بھی خواجۂ بزرگ کے دربارِ دُر بار کی زیارت کی اور ایک عالیشان مسجدِ مرمریں تعمیر کرائی اور غریب نواز و شاہ نواز کے مجاورین و خدامِ محافظین کے لئے بے انداز بذلِ مال و منال میں بے مثال اضافہ کیا۔
(مولانا عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، بحوالہ مرآۃ الاسرار، ص ۵۴)
تمام خادمان و مجاورین کے اسمائے گرامی تو نہیں ملتے صرف ان خدامِ عالی مقام کے نام ملتے ہیں۔ ایک شیخ دانیال، دوسرے شیخ فتح اللہ، ملا باقر، چوتھے مولانا ابولمعالی وغیرہ۔ رحمہم اللہ تعالیٰ یہ مجاوران عالی مقام اور خدام عظام تھے، جن کی اولاد امجاد آج تک درگاہ خواجۂ بزرگ کی کلید بردار زیارت کنندگان خدمت گذار اور آستانہ شہانہ کے جاروب کش ہیں۔
خواجۂ بزرگ کے مجاورین حضرت خواجہ سید فخرالدین گردیزی کی اولاد ہیں جو بقولِ مولانا معنی علیہ الرحمۃ خواجۂ بزرگ کے ہمسفر رہے اور ان کے ہمراہ وارِدِ ہندوستان ہوئے۔ ان کو خواجۂ بزرگ سے والہانہ عقیدت تھی جو آج بھی ان کی اولادِ امجاد کو ہے۔ ان کی اولادِ امجاد عہدِ غریب نواز سے آج تک آستانۂ فلک بارگاہ پر مامور ہے اور بخیر و خوبی خدمتِ درگاہِ عالی جاہ و جہاں پناہ انجام دے رہی ہے۔
اکبرِ اعظم سے لے کر بہادر شاہ ظفر آخری تاجدارِ سلطنتِ مغلیہ تک کے فرامین، اسناد، پروانے اور مددِ معاش کے کاغذات محفوظ ہیں، جن میں خدام و مجاورینِ خواجہ بزرگ کو جاگیریں، عطایا، نذور اور پروانہ ہائے مددِ معاش نسلاً بعد نسل بحال کئے گئے ہیں اور جنھیں کبھی ختم نہیں کیا گیا۔ جن کا ذکر علامۃ الدہر محققِ محقق اور فاضلِ اجل مولانا عبدالباری معنی صدر نشین خدام خواجہ بزرگ نے اپنی مؤقر کتاب ''اسناد الصنادید'' میں کیا ہے اور اپنی کتاب مستطاب ''تاریخ السلف'' میں جو تاریخی تحقیق و تنقید کا شاہکار ہے۔

خواجہ سید فخر الدین گردیزی اوران کی اولادِ امجاد پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ مولانا معنی مرحوم نے جن فرامین و پروانہ جات کا ذکر کیا ہے، ان سے مہرِ نیم روز اور ماہِ نیم ماہ کی طرح روشن ہوتا ہے کہ شاہان سلف اور رئیسانِ خلف نے مجاورین کے حقوقِ نذور اور جاگیروں کو جاری رکھا۔ یہاں تک کہ فرنگی نظامِ حکومت نے بھی ان نذور و حقوقِ خدام کو ختم نہیں کیا تو اس آٹھ سو سال کے دستور اور روایت کو جو تواتر و تسلسل سے آج تک جاری و ساری ہے کون ختم کرسکتا ہے؟ قانون بدل سکتے ہیں، ضابطے بدل سکتے ہیں لیکن تواترِ دستور اور تسلسلِ روایتِ وراثت کو کوئی ختم نہیں کرسکتا۔

سولھواں باب عماراتِ آستانۂ شاہانہ کی تفصیلات سے متعلق ہے جس میں عمارات کی قدامت، ندرت اور تاریخی و ثقافتی عظمت و رفعت ثابت کی ہے۔

اس کتابِ مستجاب کے تمام و کمال ابواب اکتسابِ غریب نواز کی آفاقی اور عالمگیر شخصیت پر محتوی ہیں جو پھیلائیں تو ان کی اسلامی و روحانی زندگی کی صفات و ذوات و حیثیات کی رونمائی کرتے ہیں اور سمیٹیں تو معین الدین حسن سنجری عالم پناہ کی حیاتِ کل کی ترجمانی کرتے ہیں، جس میں شریعت و طریقت، حقیقت و معرفت، تصوف و سلوک اور اسلامی شعار و کردار، انوار و آثار، اظور و اقتدار اور اعتبار اقتدار کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ نظر اس لئے آتی ہے کہ ان کی حیاتِ ہزار جہات میں تجلیاتِ الٰہیات اور عینی مشاہدات نظر کو حیرت ساماں اور دل کو محور و منظرِ جلوہ گاہِ خداوندی سے تماشہ گاہِ عالم بنائے ہوئے ہیں۔

پروفیسر شمسی طہرانی نے اپنی تمام تر جواہر ریز صلاحیتیں اس مہتم بالشان کتابِ سیادت انتساب کی ترتیب و تہذیب میں صرف کر دیں۔ شمسی صاحب ایک فرید العصر محقق اور نقادِ شہیر ہیں جو انجمنوں اور جماعتوں کو اپنی ذات میں سموئے ہوئے ہیں۔ میں اس کتابِ فیض اکتساب کو:

A thesaurus of encyclopaediac compendium of pre-eminence and an exhaustive and monumental D.Litt. thesis par excellence

......کہنے پر مجبور ہوں۔ یہ غریب نواز ہی کی نظرِ کیمیا اثر کا فیضان ہے کہ غریب نواز سے متعلق یہ کتاب جو ایک انجمن اور اکمل و افضل مجامع کا مہتم بالشان کام تھا وہ صرف اور صرف ایک ہی فردِ فرید نے سرانجام دیا ہے، جس کا نامِ نامی اسٹوری نہیں، براکلمان نہیں، زرکلی نہیں، کحالہ نہیں، مولانا محمود الحسن نہیں، حافظ محمود شیرانی نہیں، علامۃ العصر، نابغۂ دوراں اور عبقریٔ زماں پروفیسر حافظ سید ضیاء الدین شمسی طہرانی ہے۔ مولانا محمود الحسن اور حافظ محمود شیرانی ٹونک کے ہیں اور حافظ شمسی طہرانی بھی ٹونک ہی کے ہیں۔ اس کتاب میں مشاہیرِ علماء اور اکابرِ محققین کے حوالے ہیں اور سینکڑوں مراجع، منابع، آثار و اعلام و احکام، مستند مبیضات و محکمات، مآخذ و مراکز اور انتشارات و منشورات پر گراں قدر تبصرہ بھی ہے جس کے موضوعِ سخن اور نفسِ مضمون ہر اعتبار سے خواجۂ خواجگاں، سرورِ سروران عرب و عجم، سلطان الہند معین الدین حسن سنجری غریب نواز ہی ہیں، جن کی حیاتِ ہزار جہات کتاب کے تمام و کمال عنوانات اور جزئیات و کلیات میں رچی بسی ہے۔ عنوانِ ہر ورق غریب نواز، غریب نواز اور غریب نواز ہیں۔

ہوگا تمہارا نام ہی عنوانِ ہر ورق
اوراقِ زندگی کو اُلٹ دیں کہیں سے ہم

(بسمل سعیدی ٹونکی مرحوم)

غریب نواز تقریباً نو سو سال پہلے ہندوستان تشریف لائے اور مشربِ صلح کل کا پیغام دیا اور اس انداز سے دیا کہ وہی مشرب بن گئے، وہی مسلک، وہی دعوت، وہی تحریک بلکہ خود ہندوستان بن گئے۔ وہ آئے غریب الوطن بن کر، بسے بیکس نواز اور شاہ نواز بن کر، رہے غریب نواز بن کر اور گئے تو حکمراں بن کر۔ آئے تو دعوت و تحریک بن کے گئے تو دائمی دعوت و عزیمت بن کے۔ ان کی یہ دعوت و تحریک آج بھی زندہ ہے اور حکمرانی کر رہی ہے، دلوں پر دماغوں پر، خیالوں پر، دل کی پہنائیوں پر، روح کی توانائیوں پر، نفس نفس کی گرمجوشیوں پر، قلب کی بالیدگی میں، دماغ کی آسودگی میں، پاسِ انفاس کی حرارتِ قلبی میں۔ سچ کہا گیا ہے کہ ”ہندوستان میں ایک قبر حکومت کر

رہی ہے۔" یہ قبر نہیں ایک دعوت ہے۔ ایک عزیمت ہے، ایک تحریک ہے، ایک روحانی مملکت ہے، ایک زعامت اور ایک شہنشاہیت ہے جو عہد در عہد، قرن در قرن اور زمانہ در زمانہ اپنے اقدار و اطوار اور آثار و شعار و معیار میں زندہ ہے۔ غریب نواز ہندوستان کی طرح غریب نواز ہیں، جس طرح ہندوستان نے احباب و الباب کے ساتھ اغیار و اعداء کو بھی نوازا، اسی طرح غریب نواز نے بھی یگانوں بیگانوں کے ساتھ دوست، دشمن کو نوازا، ایسا نوازا کہ وہ خود ہندوستان بن گئے۔ شاہ نواز اور غریب نواز بن گئے۔ ایسے غریب نواز کہ جہاں کج کلاہ، فلک بارگاہ اور آسماں آستاں امیرانِ جہاں بھی ان کے آستانۂ عالیہ پر جبیں سائی کرنے کو اپنی شانِ بارگاہی اور شہی و شاہی کی صولت و شوکت اور حشمت و عظمت و رفعت و راشت سمجھتے ہیں۔ آج سے ۸۰۰ سال قبل سرزمینِ ہند پر ایک ایسا نورِ موفورِ سیرت اور حق و صداقت کا علمبردار آیا کہ تاریخ ساز انقلاب برپا ہو گیا۔ جہاں جہاں اس کے نورِ ساطع اور ضیائے لامع کی روشنی پھیلتی گئی وہ مقام رشکِ آفتابِ عالمتاب اور اس کا ذرہ ذرہ خورشید نگاہ اور فلک بارگاہ بنتا گیا۔ جس کو پرتھوی راج چوہان کی سرکار نے جگہ نہیں دی ان ہی کی سرکاروں کو اس درویشِ شاہ نواز نے جمایا، بنایا، سنبھالا، سنوارا اور بلند و بالا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی یہیں سے سرکار بنتی بھی ہے، بگڑتی بھی ہے، جمتی بھی ہے، اجڑتی بھی ہے اور سنورتی بھی ہے۔ قسمتیں بھی اسی بارگاہِ عالم پناہ سے چمکتی ہیں، تدبیریں بھی یہیں سے بنتی ہیں، تعمیریں بھی یہیں سے ہوتی ہیں، تعبیریں بھی یہیں سے ملتی ہیں۔ آدابِ خدا آگاہی بھی یہیں سے ملتے ہیں، علاجِ رنج و محن بھی یہیں سے ملتا ہے اور دوائے دردِ دل بھی یہیں سے ملتی ہے۔ پوری درگاہِ عالم پناہ تختِ تمکنت اور پایۂ گاہِ شہنشاہیت ہے، اس کی ایک ایک عمارت ریاست ہے۔ اس کا ایک ایک ایوان، محلِ اعیان و سلاطین، ایک ایک گوشہ پایۂ گاہِ قوت و جبروت، ایک ایک مجاور شہوارِ ظہور و شعور، ایک ایک خادم حَکَمِ دار و گیر اور ایک ایک فقیر ظہیر اہلِ حل و عقد۔ ایک ایک عمارت مَلَک رفعت یادگارِ عظمتِ رفتہ اور نشانِ سطوتِ پارینہ، درگاہِ فلک بارگاہ، عالم پناہ، جہاں پناہ اور شہاں آماجگاہ ہے اور دائی تحریک بھی

اور عملِ پیہم بھی اور دعوت و عزیمت بھی۔ آج بھی غریب نواز کی درگاہ بارگاہِ ثناء و ولا ہے۔ اس کا بلند دروازہ ہندوستان کی قسمت کا بلند دروازہ ہے۔ اس کا نوبت خانہ وطنِ عزیز کا شہامت خانہ، اس کی صندلی مسجد رفعت و عظمت نشاں، اس کی مسجدِ شاہجہانی مقامِ دعائے مستجاب، عالمگیری آثار، دین و دنیا کے نقش و نگار، اس کا صحنِ مسجدِ اکبری ہندوستان کی فتح و نصرت کے رایاتِ ظفر آیات عرصہ گاہ، اس کے دریچے قسمتوں کے مہر و مہ و اختر، اس کے محراب و منبر کہکشاں منظر و محور، ان کا روضۂ منورہ روکشِ ہزار مہر و ماہ، اس کا گنبدِ فلک بارگاہ اشرف و اعلیٰ، آسماں آستاں، اس کا جنتی دروازہ مستجاب و مستطابِ بارگاہ اور دعاؤں کی مقبولیت کا وسیلۂ جمیلہ۔ یہاں کا ذرہ ذرہ مہ و خورشید ساماں اور یہاں کے نقش و نگار تجلیات نشاں، یہاں کے نفس نفس روح پرور و روح ساماں، نظر نظر وافر اثر، نگاہ نگاہ سحر فزا و سحر آگاہ، ہر نظر بالیدہ اثر، ہر شخص قبولیتِ دعا کے لئے نالہ کناں، ہر دم آشنائے سحر دم، قدم قدم دم بہ دم رواں دواں جانبِ منزلِ جاناں، ہر دُعا مقصودِ مدعا، ہر نوائے بے نوا مائل بہ ولائے خواجۂ صولت و شوکت پناہ، ہر شعار معیارِ اطوار، ہر نفس محوِ تماشائے کردگار، ہر دل ولایت پناہ اور ہر اشک رشکِ مہر و فلک، ہر آنکھ رواقِ منظر چشمِ بصیرت، ہر جبیں محوِ سجدہ گاہِ معرفت آگاہ، ہر سینہ گنجینۂ عوارف و معارف، ہر منظر طریقت و حقیقت شعار اور آگاہِ معرفتِ کردگار۔ یہ بڑی بارگاہ غریب نواز کی سلطنتِ عالم پناہ کا آستانہ فلک بارگاہ ہے۔

میں مصنف کو مبارک باد دیتا ہوں کہ انھوں نے ایسا مہتم بالشان کارنامہ سرانجام دیا کہ غریب نواز پر اتنی بڑی مبسوط و مربوط کتاب مستطاب تصنیف کی جو اب تک اس معیار پر آٹھ سو سال میں نہیں لکھی گئی۔ مجھے بیحد مسرت ہوئی کہ اس کتاب کی ببلیوگرافی بھی پروفیسر طہرانی صاحب نے بڑی تحقیق اور ژرف نگاہی سے مرتب کی جس میں مصنفین کے اسماء، القاب، سنین وفات اور ان کی تصانیف کی طباعت و اشاعت کا سن اور مطبع کا نام دیا ہے اور مخطوطات کی نشاندہی بھی کی ہے، جن کے اس کتاب میں حوالے دیے گئے ہیں۔ اس لئے یہ ببلیوگرافی اپنی جگہ ایک جامع الجوامع

کی حیثیت رکھتی ہے۔

میں فقیر حقیر پُرتقصیر خاکِ پائے خانہ زادگانِ پنجتنِ پاک اور غلامِ غلامانِ آلِ نبیؐ و اولادِ علی علیہم السلام حضرت سلطان الہند غریب نواز کی بارگاہ کا گدائے بے نوا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے اس دفترِ موقر، صحیفۂ تاریخی اور مایۂ ناز معجم عوارف و معارف پر مقدمہ لکھنے کی توفیقِ رفیق ملی۔ یہ سب کچھ فضلِ باری تعالیٰ، نسبتِ پنجتنِ پاک اور فیضانِ غریب نواز ہے......

میں اور کہاں داورِ محشر کی حضوری
کام آئی فقط نسبتِ سلطانِ مدینہ

(حضرتِ صولت ٹونکیؒ)

○○

۔۔۔ صاحبزادہ شوکت علی خاں
(آخوندزادہ)، راشٹر پتی لاریٹ)
فاؤنڈر، ڈائریکٹر عربی فارسی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ٹونک (راجستھان)
موبائل نمبر: 09314365388

عرضِ حال

منظور ہے گذارشِ احوالِ واقعی

خواجۂ خواجگاں حضرت معین الدین حسن چشتی سنجری علیہ الرحمۃ والرضوان کی شہرت و مقبولیت برِصغیر کے باہر بلادِ اسلامیہ میں پھیل چکی تھی۔ میرے اسلافِ کرام میں حضرت پیر سید دین محمد عرف پیرالدین شاہ طہران (اس دور میں 'ط' سے لکھا جاتا تھا آجکل اس کا املا 'ط' کو بدل کر 'ت' کر دیا گیا ہے۔ میں اور میرے خاندان کے لوگ آج بھی اسی قدیم روش کے مطابق طہران 'ط' سے لکھتے ہیں) اور میں غریب نوازؒ کا شہرہ سن کر ہندوستان آئے اور دہلی میں مقیم ہوئے۔ دہلی سے اجمیر شریف حاضر ہوکر بارگاہِ غریب نوازؒ کے فیوض و برکات سے بہرہ مند ہوئے۔ آپ کے ایک برادرِ عزیز حضرت شاہ شہاب الدین طہرانی فرخ آباد میں مقیم ہوگئے اور وہاں سے انھوں نے کلیر شریف حاضر ہوکر مخدوم علاء الدین علی احمد کے سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے فیوض و برکات حاصل کیے۔ آج بھی ان کا آستانہ فتح گڑھ (فرخ آباد) لوکوشیڈ میں زیارت گاہِ خلائق ہے۔

پیر دین محمد شاہ طہرانی کو غیبی اشارہ ہوا کہ نسبتِ چشتیہ کے سب سے بڑے علمبردار حضرت مولانا شاہ فخرالدین محدث دہلوی ہیں۔ آپ ان کے عقیدت مند ہو گئے۔ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے بھی آپ کو عقیدت تھی۔ مختصر یہ کہ ہمارے خاندان کو نسبتِ چشتیہ ورثے میں ملی۔ میرے والد صوفی حافظ منشی ظہور الدین شاہ طہرانی، میری والدہ ماجدہ سیدہ بتول اور میرے تایا مولوی حکیم

حافظ محمد مصباح الدین شاہ سال میں کئی بار بارگاہِ غریب نوازؒ میں حاضر ہوتے تھے اور ہمارے بزرگوں کے قائم کردہ آستانہ چشتیہ میں ہر ماہ غریب نوازؒ کی چھٹی شریف کا اہتمام شروع سے ہوتا تھا اور آج بھی ہوتا ہے۔ میری غیر موجودگی میں میری بہن افتخار فاطمہ اور بہنوئی محمد عمر انجینئرؔ اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ میں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں Indian Humanities میں ایم۔اے۔ کرنے کے لئے داخلہ لیا تو اس میں تصوف کے نشوونما پر ایک مستقل پرچہ شامل تھا جس کی تدریس کے فرائض پروفیسر خلیق احمد نظامی انجام دیتے تھے۔ اسی دوران پروفیسر محمد حبیب کے بھی لیکچرس سننے کا موقع ملا جو اس وقت مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ و شعبۂ سیاسیات کی ملازمت سے سبکدوش ہو چکے تھے۔ پروفیسر نظامی کی نہایت شفقت آمیز توجہ نے میرے موروثی نسبتِ چشتیہ کے ذوق و شوق کو جلا بخشنے میں سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ کچھ مسائل کی تشریح و تعبیر میں ان سے عقیدتمندی کی فضا میں اختلاف بھی رہا لیکن زیادہ تر میں ان کے افکار و آراء سے اتفاق کرتے ہوئے مستفید ہوتا رہا۔ پروفیسر نظامی نے اپنے ذاتی کتب خانہ سے بھی مجھے استفادہ کرنے کا موقع عنایت کیا۔ طالب علمی میں ہر موقع و محل پر وہ میری مدد کرتے رہے۔ میں ان کے احسانات کا شکر گزار ہوں اور تا زندگی ان کا رہینِ منت رہوں گا۔

طالبِ علمی کے زمانے میں جب میں ٹونک سے پہلی بار بارگاہِ غریب نواز میں حاضری دینے کے لئے اجمیر آیا تو میرے دل میں یہ جذبۂ عقیدت پیدا ہوا کہ میں کسی قابل ہوکر غریب نوازؒ کی حیات و تعلیمات پر کچھ لکھوں گا۔ بابا صاحب امبیڈکر نیشنل انسٹی ٹیوٹ فار سوشل سائنسیز، مہو (ضلع اندور) میں پروفیسری کے منصب سے سبکدوش ہونے پر مجھے اپنی طالب علمی کا جذبہ یاد آیا جو روز بروز بڑھتا گیا۔ بالآخر میں نے اس موضوع پر مختلف کتب خانوں میں جا کر مخطوطہ اور مطبوعہ ذخیروں کا مطالعہ شروع کر دیا۔ استاذِ مرحوم پروفیسر نظامی نے تاریخِ مشائخِ چشت لکھ کر جو عظیم کارنامہ انجام دیا ہے، اسے اس موضوع پر Pioneer Work کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ پروفیسر نظامی کی

دیگر تصانیف اورمقالات کا بھی میں طالب علمی کے زمانے میں مطالعہ کرچکا تھا۔
پروفیسر نظامی کو غریب نوازؒ پر تحقیق کے نقطۂ نظر سے مواد نہ ملنے کا احساس تھا، میں بھی اسی احساس سے دوچار ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے عہدِ سلطنت کی تاریخیں سلاطین کا بھرپور ذکر کرتی ہیں لیکن صوفیا کے ذکر سے ان کا خانہ خالی نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر حسن نظامی کی ''تاج المآثر''۔ فخرِ مدبّر کی ''آداب الحرب والشجاعہ'' اور منہاجِ سراج کی ''طبقاتِ ناصری'' اس سلسلے میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ البتہ تصوف کے سلسلۂ چشتیہ کی تعلیمات مستند ملفوظات، صوفیاء کے تذکروں اور کسی قدر اس دور کی تاریخوں میں محفوظ ضرور ہیں لیکن اس قدر منتشر ہیں کہ کسی بھی مصنف کے لئے ان کا احاطہ کرنا اور ان سے استفادہ کرنا غیر ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ میں نے حتی الامکان اپنے حقیر مطالعہ کو وسعت دینے کی کوشش کی۔ اپنی خاندانی روایات اور ذوقِ تحقیق کے پیشِ نظر میں نے منتشر چشتی تعلیمات کو یکجا کرنے کا کام شروع کردیا۔ ہندوستان کے برطانوی عہدِ اقتدار میں بھی سلاطینِ ہند کی تاریخ پر کام ہوا لیکن تصوف اور صوفیاء کو یکسر نظرانداز کر دیا گیا۔ ایلیٹ، ڈاؤسن اور دیگر انگریز اہلِ علم نے تاریخ کی جن فارسی کتابوں کی تدوین وتراجم کے کام کو آگے بڑھایا ان میں بھی تصوف اور صوفیوں پر عموماً اور خواجگانِ چشت پر خصوصاً مواد بہت کم تھا۔ پروفیسر اے۔ آر۔ نکلسن، پروفیسر اے۔ جے۔ آر۔ بری اور پروفیسر مارگولیتھ وغیرہ نے تصوف اور صوفیا پر گراں قدر تحقیقی کارنامے انجام دیئے لیکن خواجگانِ چشت کی تعلیمات کا تفصیلی ذکر ان کے یہاں بھی مفقود ہے۔ تصوف اور صوفیا سے متعلق بیش بہا ذخیرے ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، ایران، افغانستان، ترکستان، انگلستان، جرمنی اور فرانس کی لائبریریوں کے شعبہ ہائے مخطوطات میں ضرور محفوظ ہیں لیکن ان سے استفادہ کرنے کے لئے فرصت اور فراغت کی ضرورت ہے۔ ہندوستان کی لائبریریوں میں مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، خدابخش لائبریری پٹنہ، رضا لائبریری رامپور، نیشنل لائبریری کولکتہ، نیشنل میوزیم دہلی، ذاکر حسین لائبریری دہلی اور مولانا ابوالکلام آزاد عربی وفارسی ریسرچ

انسٹی ٹیوٹ ٹونک سے میں نے استفادہ کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ میں شیخ علی حزیں اصفہانی کی زبان میں کہہ سکتا ہوں......

تادست رسم بود نزدم چاک گریباں
شرمندگی از خرقۂ پشینہ ندارم

خواجۂ بزرگ پر کتاب کے لئے مواد فراہم کرنے کے دوران میں اجمیر شریف بھی حاضر ہوا، یہاں کتب خانہ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ سے بھی استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ مولانا سید عبدالباری معنیؔ کی تصنیفات سے میں نے اپنی کتاب میں کافی استفادہ کیا ہے۔ مذکورہ بالا کتب خانوں کے نگراں حضرات اور ڈائرکٹر صاحبان نے بھی مجھے ہر طرح کا تعاون دیا۔ خصوصاً صاحبزادہ شوکت علی خاں فاؤنڈر ڈائرکٹر، اور صاحبزادہ عبدالمعید خاں موجودہ ڈائرکٹر مولانا ابوالکلام آزاد عربی و فارسی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ٹونک، ڈاکٹر امتیاز احمد صاحب ڈائرکٹر خدابخش لائبریری پٹنہ اور ڈاکٹر وقار حسن صدیقی ڈائرکٹر رضا لائبریری رامپور اور پروفیسر سید شباہت حسین لائبریرین مولانا۔ آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے نہایت فراخدلی کے ساتھ مجھے استفادے کے لئے مآخذ ومنابع عطا کئے اور اپنے نوادر کے کلکشن سے مطبوعہ اکبر نامہ فارسی جلد ۲ و ۳ کی ڈیجیٹل کیمرے سے کاپیاں تیار کرا کے عنایت کیں۔ اس کے علاوہ لائبریرین موصوف نے مولانا آزاد لائبریری کی نادر مطبوعہ عربی و فارسی کتابوں کی فوٹو کاپیاں بھی دیں۔ صاحبزادہ شوکت علی خاں ٹونکی، مفتی محمد مکرم احمد صاحب خطیب شاہی مسجد فتحپوری اور ڈاکٹر محمود الرحمٰن سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے میری کتاب کے مسودے کا بغور مطالعہ کیا اور اپنی آراء لکھ کر بھیجیں جو میری کتاب کی زینت ہیں۔ اس کتاب کو انجمن سید زادگان درگاہ شریف کی تصدیق وتوثیق کے بعد صوفی فاؤنڈیشن انڈیا نے اپنی اشاعتوں میں شامل کیا، یہ میرے لیے اعزاز ہے۔ اس کے لیے میں فاؤنڈیشن کے چیئرمین ڈاکٹر اے۔ اے صدیقی کا خاص طور پر اور مذکورہ بالا سبھی مخلصین و معاونین کا اپنے قلب صمیم اور روح کی گہرائیوں سے شکرگذار ہوں۔ میرا یہ جذبۂ اظہار شکرگزاری

حدیثِ نبوی کے عین مطابق ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ" یعنی جس نے انسانوں کا شکر ادا نہ کیا اس نے اللہ کا شکر ادا نہ کیا۔

میں نے کتاب کی تصنیف کے دوران مختلف اوقات میں کہیں کہیں ایک یا ایک سے زیادہ ایڈیشنوں کے صفحات کے حوالے دیئے ہیں۔ کہیں اس ایڈیشن کی وضاحت کی ہے اور کہیں نہیں کرسکا ہوں، لیکن کتاب کا حوالہ بالکل صحیح ہے۔ اگر کسی قاری کے پاس میرا حوالہ دیا ہوا ایڈیشن نہ ہو تو اسے کسی بھی ایڈیشن میں تلاش کرنے پر حوالہ مل جائے گا۔ ببلیوگرافی میں چند کتابیں ایسی بھی ہیں جن میں صرف مصنف کا نام ہے مطبع اور سنِ اشاعت نہیں دیا گیا ہے۔ یہ وہ کتابیں ہیں جو خستہ وشکستہ اوراق پر مشتمل تھیں اس لئے مطبع وسنِ اشاعت دستیاب نہ ہوسکا۔ ہند و بیرونِ ہند میں مطبوعہ فارسی وعربی کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں اور اصل کتابیں نہ ملنے کی صورت میں ان کے تراجم پر اکتفا کیا ہے اور ان کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔ بعض اوقات مختلف مترجمین کا نام دیا گیا ہے جیسے سیر الاولیاء کا ترجمہ ڈاکٹر عبداللطیف حیدرآبادی اور مولانا اعجاز الحق قدوسی نے پاکستان سے شائع کیا ہے اور ایک ترجمہ حضرت نظام الدین اولیاء کے آستانہ سے وابستہ کسی صاحب نے شائع کیا ہے لیکن اپنا نام نہیں لکھا۔ ان کے ترجمے کے آخر میں انگریزی زبان میں ایک مقدمہ درج ہے، جس کی تاریخ ۱۳ر مئی ۲۰۰۷ء ہے۔ قارئین کی سہولت کے لئے آئندہ اشاعت میں مزید اہتمام کیا جائے گا۔

آخر کلام میں قارئین کرام سے ملتجی ہوں کہ میں انسان ہوں اور "الانسان مرکب من الخطاءِ والنسیان" اور ع "خوئے آدم دارم آدم زادہ ام" کے مصداق کتاب میں کچھ تسامحات راہ پاگئے ہوں تو مجھے مطلع فرماکر سپاس گذار ہونے کا موقع فراہم کریں تاکہ آئندہ کی اشاعتوں میں تصحیح کی جاسکے۔ مَنْ صَنَّفَ فَقَد اسْتَہْدَفَ کے مصداق مجھے خواہ مخواہ نشانۂ تنقید نہ بنائیں۔ تحقیق کا کوئی کام حرفِ آخر کا درجہ نہیں رکھتا۔ کاروانِ تحقیق جب بھی کسی موضوع کی راہ پر رواں دواں ہوتا ہے، تو حرفِ آخر کی منزلِ مقصود دور دور تک نظر نہیں آتی......

کس نہ دانست کہ منزل گہِ آں یار کجاست
ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید

حافظ شیرازی

اس کتاب سے میرا مقصود اظہارِ علم وفضل نہیں بلکہ بارگاہِ غریب نواز میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنا ہے......

حاصلِ عمر نثارِ رہِ یارے کردم
شادم از زندگیِ خویش کہ کارے کردم

میرزا سام صاحبِ تحفۂ سامی

میرے نذرانۂ عقیدت کی کیا حیثیت ہے، لارڈ کرزن جیسے ہندوستان کے انگریز حکمراں نے بھی بارگاہِ غریب نواز میں اظہارِ عقیدت کیا ہے۔ عصرِ حاضر میں راجستھان کے مستند اور معتبر شاعر وادیب جناب خداداد مونس درگاہ کمیٹی کے سابق ناظم کا بیان ہے کہ میں نے خود اجمیر کے سرکاری ڈاک بنگلہ میں کانسے کی پلیٹ پر لارڈ کرزن کا یہ قول کندہ کیا ہوا دیکھا ہے۔

"I have seen a grave ruling over this country."

انھوں نے یہ بھی کہا کہ اب یہ پلیٹ وہاں لگی ہوئی نہیں ہے۔ سرکٹ ہاؤس کے ذمہ داران سے گذارش ہے کہ اس پلیٹ کو آویزاں کریں۔

(انگریزی کتاب Khwaja Moinuddin Chishty,Social And Educational Relevance" از: خداداد خاں مونس آر۔اے۔ایس، ناشر: سروپ اینڈ سنس، انصاری مارکیٹ، دہلی۔)

الحمد للہ میں مسلکاً سنی حنفی ہوں مگر میں نے اس کتاب میں ان سبھی اہلِ علم کو شامل کیا جنھوں نے خواجۂ بزرگ کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ مجھے ان کے دیگر عقائد سے بحث نہیں۔ علاوہ ازیں سلفِ صالحین کے مسلک کی تائید میں دوسرے مکاتیبِ فکر کی کتابوں کے بھی حوالے دیئے ہیں۔ میں نے اس کتاب میں بارہ ائمۂ اہلِ بیت

اطہار علیہم السلام کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے جو تصوف کی عام کتابوں میں کمیاب ہے۔ کیونکہ تصوفِ اسلامی، روحانیت اور ولایتِ کبریٰ کے اوصاف سے بھی حضرات متصف ہیں۔

غریب نواز سے اس کتاب کے تعلق سے یہ بھی عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں......

نہ بہ نقشِ بستہ مشوشم، نہ بہ حرفِ ساختہ سرخوشم
نفسے بیادِ تو سر کشم، چہ عبارت و چہ معانیم

مرزا بیدلؔ

ابھی اس کتاب کے موضوعات کے بہت سے گوشے تفصیل کے لحاظ سے تشنۂ تکمیل ہیں۔ اقبال کی زبان میں ''رگِ تاک'' میں ''ہزار بادۂ ناخوردہ'' کے ہونے کا احساس ہے......

گماں مبر کہ بہ پایاں رسید کارِ مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است

بارگاہِ غریب نواز میں عہدِ ناصرالدین قاچار کی ایرانی شاعرہ قرۃ العین طاہرہ کی زبان میں عرض پیرا ہوں......

بہ دیارِ عشق تو ماندہ ام زکسے ندیدہ عنایتے
بہ غریبیم نظرے فگن کہ تو بادشاہِ ولایتے

اس کے علاوہ کتاب کا بنیادی مقصد یہ بھی ہے کہ میں چشتی خانقاہوں اور ان سے وابستگان کے ''ناقۂ بے زمام'' کو ''سوئے قطار'' لاؤں......

نغمہ کجا و من کجا سازِ سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

اقبالؔ

میں بارگاہِ رب العزت میں دست بہ دعا ہوں کہ کہ مجھے اس مقصد میں

کامیابی حاصل ہو۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

گدائے در خواجہ
سید محمد ضیاء الدین سختی طہرانی ٹونکی (علیگ)
آستانہ چشتیہ
تل والی گلی، وارڈ نمبر ۱۰، ٹونک (راجستھان)
موبائل نمبر:09829719129
فون نمبر01432-243345

OO

پہلا باب

سیرتِ محمدی کا اخلاقی پہلو
اور صوفیائے اسلام

سیرت مقدسہ پر دنیا کی تقریباً ہر زبان میں بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ یہاں حضورؐ کی سیرت مقدسہ کا اخلاقی پہلو پیشِ نظر ہے چونکہ کتاب کا مقصد حضور غریب نوازؒ کے سوانح کو قلمبند کرنا اور ان کی حیات مقدس کے بنیادی مقاصد کو منظرِ عام پر لانا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ انھوں نے جس ذاتِ پاک یعنی نبی کریمؐ سے اکتساب فیض کیا، اس کے اخلاقِ حسنہ کے بارے میں کچھ عرض کیا جائے۔

یوں تو تمام دنیا کے سارے مذہبوں کی بنیاد اخلاق ہی پر ہے چنانچہ اس خاکدانِ عالم میں جس قدر انبیاء و مرسلین اور مصلحین آئے سب کی یہی تعلیم رہی کہ بنی نوع انسان اخلاقِ حسنہ کی بلندیاں حاصل کرے، لیکن پیغمبرِ اسلامؐ نے اپنی بعثت کا مقصد ہی اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کو بتایا اور اس طرح انھیں جملہ انبیاء و مرسلین میں اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کے نقطۂ نظر سے ایک امتیازی شان حاصل ہے۔ آپ نے فرمایا: "بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مکارم الاخلاق" یعنی میں اسی لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کروں۔

مسند امام احمد بن حنبل، بیہقی اور ابن سعد وغیرہ میں یہ حدیث موجود ہے (مزید حوالے کے لئے دیکھئے کنز العمال، جلد: ۲، ص: ۵، حیدرآباد، زرقانی شرح موطا،

جلد: چار، ص: ۹۲، مطبوعہ مصر ۱۲۸۰ھ)

آپ نے اپنی بعثت کے ساتھ ہی مکارمِ اخلاق کی تبلیغ کو اپنا اولین مقصد بنا کر مکہ میں اپنا کام شروع کر دیا۔ آپ مکہ ہی میں تھے کہ حضرت ابوذر غفاری نے اپنے بھائی کو رسول اکرمؐ کے حالات اور تعلیمات کی تحقیق کے لئے مکہ بھیجا، انھوں نے واپس آ کر آپ کی نسبت اپنے بھائی کے سامنے جو تاثرات پیش کئے وہ یہ ہیں۔ ''رائیتہ یامر بمکارم الاخلاق'' یعنی میں نے ان کو دیکھا کہ وہ لوگوں کو اخلاقِ حسنہ کا حکم دیتے ہیں۔ (صحیح مسلم مناقب ابی ذر، جلد ۲، ص ۳۴۹ مطبوعہ مصر)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام یقیناً ایک جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ کوہِ زیتون سے ان کے مواعظ حسنہ کی صدائیں سنی جا سکتی ہیں مگر آج کی انجیل ان کی زندگی کے اخلاقِ حسنہ کا کوئی نمونہ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ہندوستان کے گوتم بدھ ہوں یا مہاویر سوامی، ان کے اخلاقِ حسنہ کا بھی کوئی عملی نمونہ ان کی مذہبی کتابوں میں محفوظ نہیں رہ سکا۔ رسول کریمؐ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کے اخلاقِ حسنہ کے عملی نمونے تاریخ عالم کی زینت ہیں اور آپ دنیا کے پیغمبروں میں کامیاب ترین پیغمبر ہیں۔ امریکن پروفیسر مائیکل ہارٹ نے اپنی کتاب "The 100" میں سب سے پہلا مقالہ آپؐ ہی کی نذر کیا ہے۔ یاد رہے کہ پروفیسر موصوف راسخ العقیدہ عیسائی ہیں مگر پیغمبرِ اسلام کی سیرت مقدسہ کی جامعیت دیکھ کر انھیں لکھنا پڑا۔

"He has been supremely successful on all religious and secular levels"

یعنی پیغمبر اسلام دینی و دنیاوی معیاروں پر دنیا میں سب سے زیادہ کامیاب ہوئے۔

ظاہر ہے کہ اس اعلیٰ ترین کامیابی میں آپ کے اخلاقِ حسنہ کا عنصر سب سے زیادہ غالب ہے۔ آپ اخلاقِ حسنہ کے صرف داعیِ کامل ہی نہیں عاملِ اکمل بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک شخص نے آ کر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ آنحضرتؐ کے اخلاق کیا تھے؟ فرمایا کیا تم نے قرآن پاک نہیں پڑھا؟

"کان خلقہ القرآن" جو قرآن میں الفاظ کی صورت میں ہے وہی حاملِ قرآن کی سیرت میں بصورت عمل ہے۔ (ابوداؤد باب صلوٰۃ اللیل)

دنیا کے کسی پیغمبر اور بانیٔ دین کے صحیفے نے خود اپنے پیغمبر یا بانی کے اخلاق و اعمال کو چیلنج کے ساتھ علی الاعلان اس کے ہم عصروں کے سامنے پیش نہیں کیا، لیکن قرآن حکیم نے سب سے آگے بڑھ کر بلا خوف و خطر اپنے داعیٔ برحق کی زندگی کے اخلاقی معیاروں کو خود آپ کے معاصرین کے سامنے نقد و تبصرہ کے لئے پیش کیا فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعقلون (سورۂ یونس) یعنی (اے لوگو) میں تو تمہارے درمیان اس سے پہلے ایک عمر بسر کر چکا ہوں کیا تم نہیں سمجھتے۔

پھر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے خود آپ کو خطاب کر کے فرمایا انک لعلیٰ خلق عظیم (سورۂ ن، پارہ:۲۹، آیت:۴) یعنی آپ اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر ہیں۔

(سیرۃ النبیؐ، جلد۲، ص۱۸۰)

شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبال کے اُستاد پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ کی کتاب: The Preaching of Islam کا موضوع ہی یہ ہے کہ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا بلکہ اخلاقِ حسنہ کی عملی تعلیمات سے پھیلا ہے۔ اس کتاب میں پروفیسر موصوف نے عیسائی ہونے کے باوجود حق و انصاف کا ساتھ دیا ہے اور عیسائی مشنریوں کے اس بے بنیاد دعویٰ کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا۔ پروفیسر موصوف نے دلائل و شواہد کے طور پر زیادہ تر صوفیائے اسلام ہی کی گراں قدر تبلیغی خدمات کو پیش کیا ہے۔

چونکہ صوفیاء اسلام نے عموماً اور حضور غریب نوازؒ اور ان کے بعد آنے والے مشائخ چشت نے خصوصاً ہندوستان کے تناظر میں پیغمبرِ اسلامؐ کی اخلاقی تعلیمات کو تبلیغِ دین کا ذریعہ بنایا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اتباعِ رسالت میں ہم صوفیاء کے علمی و عملی اعتبار سے نظریۂ اخلاق پر مختصر سا تبصرہ کریں اور اس تبصرہ میں مذکورہ بالا احادیث و آیات کے علاوہ دیگر احادیث و آیات اور ملفوظاتِ صوفیاء سے استدلال کریں۔

صوفیا اور اخلاقِ محمدی کا اتباع

صوفیا کے نزدیک خدمتِ خلق کے معنی صرف یہی نہیں کہ چند بھوکوں کا پیٹ بھر دیا جائے یا چند حاجت مندوں کی ضرورت کو پورا کردیا جائے بلکہ اس سے بھی زیادہ ایک اہم کام ہے اور وہ یہ کہ لوگوں کو برائی سے روکا جائے اور بھلائی کی طرف بلایا جائے۔ مسند میں ہے کہ رسولؐ نے ایک مرتبہ فرمایا:

> ”میں ان لوگوں کو پہچانتا ہوں جو نہ نبی ہیں اور نہ شہید ہیں لیکن قیامت میں ان کے مرتبہ کی بلندی پر انبیاء اور شہدا بھی رشک کریں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا سے محبت ہے اور جن کو خدا پیار کرتا ہے، وہ اچھی باتیں بتاتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔“

(مسند امام احمد بن حنبل بحوالہ تاریخِ مشائخِ چشت، پروفیسر نظامی، ص: ۵۵)

بنی نوع انسان کے اخلاق کی اصلاح کے لئے جد و جہد وہ کام ہے، جس کے لئے پیغمبر مبعوث کئے گئے ہیں۔ خود رسولؐ کا ارشاد ہے: بعث لا تمم حسن الاخلاق میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ (مؤطا امام مالک)

قرآن میں پیغمبرانہ فریضہ کے متعلق فرمایا جاتا ہے: و یزکیھم و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ (سورہ جمعہ آیت نمبر ۲۰) پیغمبر اُن (اَن پڑھ جاہلوں) کو پاک وصاف کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔

ابن درید (التوفی ۳۲۱ھ) نے حکمت کے یہ معنیٰ لکھے ہیں:-

> فکل کلمۃ و عظتک او زجرتک او دعتک الیٰ مکرمۃ او نھتک من قبیح فھی حکمۃ و حکم ہر وہ بات جو تجھ کو سمجھائے یا تجھ کو تنبیہ کرے، یا کسی اچھی خصلت کی طرف بلائے، یا کسی بری چیز سے روکے وہ حکمت اور حِکم ہے۔

(بحوالہ جمہرۃ اللغت، ج:۲، ص:۱۸۲، حیدرآباد، بحوالہ تاریخِ مشائخِ چشت، ص:۵۵)

قرآن مجید اور احادیث نبوی میں جگہ جگہ انسانی اخلاق کی اصلاح کی ضرورت اور اہمیت کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔

"لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَ فِى الرِّقَابِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○

(سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۷۷)

"نیکی یہی نہیں ہے کہ تم نماز میں اپنا منہ پورب یا پچھم کی طرف کرو، بلکہ اصلی نیکی اس کی ہے جو خدا پر، قیامت پر، فرشتوں پر، کتاب اور پیغمبروں پر ایمان لایا اور مال کی خواہش کے باوجود (یا خدا کی محبت کے سبب سے) اپنا مال رشتہ داروں کو، یتیموں کو، غریبوں کو، مسافروں کو مانگنے والوں کو، اور غلاموں کو آزاد کرنے میں دیا اور نماز ادا کرتا رہا اور زکوٰۃ دیتا رہا، اور جو وعدہ کر کے اپنے وعدے پورا کرتے ہیں اور جو مصیبت، تکلیف اور لڑائی میں ثابت قدم رہتے ہیں، یہی ہیں جو راست باز ہیں اور یہی تقویٰ والے ہیں۔"

ارشاد نبوی ہے کہ مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے، جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔ (اکمل المومنین ایمانا احسنهم خلقاً) تمام مذہبی عبادات کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان میں اچھے اخلاق پیدا ہوں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس کی نماز اس کی برائی اور بدی سے نہ روکے تو ایسی نماز اس کو خدا سے دور کر دیتی ہے۔

(احیاء العلوم۔ امام غزالی، بحوالۂ تاریخِ مشائخِ چشت، ص:۵۶)

ایک جگہ فرمایا جاتا ہے کہ انسان حسنِ خلق سے وہ درجہ پاسکتا ہے جو دن بھر روزہ

رکھنے اور رات بھر عبادت کرنے سے حاصل ہوتا ہے: ان الرجل لیدرک بحسن خلقه درجة قائم الیل و صائم النهار. (ابوداؤد، مسند امام احمد بن حنبل) تصوف کی تعریفوں کو اگر ایک جگہ جمع کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بیشتر تعریفیں ایسی ہیں جن میں تصوف کو اخلاق سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مشائخ کے نزدیک تصوف کا مقصد یہ ہے کہ انسان خود اپنے اندر اچھے اخلاق پیدا کرے اور دنیا کے دوسرے بسنے والوں کو مادی نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک و صاف کرے۔ بنی نوع انسان کے ساتھ تعلقات میں شگفتگی پیدا کرنا، ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنا، برائی سے بچانا، بھلائی کی طرف بلانا...... یہ وہ کام ہیں جو عبادت سے زیادہ اہم ہیں۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیا فرمایا کرتے تھے۔

"بہت نماز پڑھنا اور وظائف میں بکثرت مشغول رہنا، قرآن مجید کی تلاوت میں بہت مصروف رہنا، یہ سب کام چنداں مشکل نہیں ہیں۔ ہر باہمت شخص کر سکتا ہے بلکہ ایک ضعیف بڑھیا بھی کر سکتی ہے، روزہ پر مداومت کر سکتی ہے۔ تہجد گزاری میں مصروف رہ سکتی ہے۔ قرآن مجید کے چند پارے پڑھ سکتی ہے۔ لیکن مردانِ خدا کا کام کچھ اور ہی ہے۔

(سیر الاولیاء فارسی ص ۴۵۔ بحوالہ تاریخ مشائخ چشت، ص: ۵۷)

مشائخ متقدمین کی نظر میں تصوف ایک اخلاقی پروگرام کا نام تھا، جس میں اپنے نیز دوسروں کے اخلاق کی اصلاح کو زندگی کا سب سے اہم فرض سمجھا جاتا تھا۔ حضرت شیخ ابوالحسین احمد بن محمد نوری (پروفیسر نظامی نے ابوالحسن نوری لکھا ہے جو غالباً کتابت کی غلطی ہے) متوفی ۲۹۵ھ/۹۰۷ء کا قول ہے۔

لیس التصوف رسوما ولا علوما و لکنه خلق (تصوف رسوم اور علوم کا نام نہیں، بلکہ اخلاق کا نام ہے۔)

ا۔ (اردو ترجمہ کشف المحجوب، از غلام معین الدین، ص ۷۶)

۲۔ (تذکرۃ الاولیاء فارسی از شیخ فریدالدین عطار، ج ۲، ص ۴۶، مطبوعہ تہران)
۳۔ کتاب اللمع ص ۴۹۲ تا ۴۹۴،
۴۔ رسالہ قشیریہ، ص ۱۲۳ تا ۱۲۴
۵۔ کتاب التعرف المذهب التصوف از ابوبکر الکلابازی، ص ۹۶ تا ۱۰۰۔

حضرت شیخ محمد بن قصاب کہا کرتے تھے......

التصوف اخلاق كريمة ظهرت في زمان كريم من رجل كريم مع قوم كريم.

تصوف اخلاق کریمہ ہیں جو بہتر زمانہ میں بہتر شخص سے بہتر قوم کے ساتھ ظاہر ہوئے ہیں۔

(تاریخِ مشائخ چشت ۵۷، بحوالہ رسالہ قشیریہ)

حضرت محمد بن علی بن حسین بن علیؓ بن ابی طالب کا قول ہے۔

التصوف خلق فمن زاد عليک في الخلق زاد عليک في التصوف

(اردو ترجمہ کشف المحجوب، از غلام معین الدین، ص ۷۳) تصوف خوش اخلاقی کا نام ہے یعنی جو شخص زیادہ خوش اخلاق ہوتا ہے، وہ زیادہ صوفی ہوتا ہے۔

حضرت شیخ مرتعشؒ فرماتے ہیں۔

التصوف حسن الخلق تصوف خلق نیک کا نام ہے۔ (اردو ترجمہ کشف المحجوب، از غلام معین الدین، ص ۷۶) حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلویؒ فرمایا کرتے تھے کہ تصوف راہ صدق و اخلاق حسنہ کا نام ہے۔

(خیرالمجالس، فارسی، قلمی، ص:۴۱، مملوکہ نظامی)

صوفیائے کرام کے حالات زندگی اور تصوف کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اسلامی تصوف، نفوس انسانی کو مادی نجاستوں سے پاک کرنے اور اعلیٰ اخلاق و کردار پیدا کرنے کی ایک عظیم الشان تحریک تھی۔ صوفیہ نے کار نبوت کو جاری رکھا۔ بنی نوع

انسان کے اخلاق و اطوار اور فکر و عمل کو درست کرنے کی کوششیں کیں۔ مشائخ متقدمین کے ملفوظات، تعلیم اخلاق کی سلسبیل و کوثر ہیں۔ جن کی خاموش روانی دلوں کو بے اختیار اپنی طرف کھینچتی ہے اور دلوں میں اچھے عمل کا جذبہ اور ولولہ جوش مارنے لگتا ہے۔ ان بزرگوں کی کوشش صرف یہ ہی نہ تھی کہ انسان کے ظاہری اعمال درست ہو جائیں بلکہ وہ چاہتے تھے کہ برائی کے سوت ہی بند ہو جائیں، انسان کا دل برائی کی طرف راغب ہی نہ ہو کہ دل کی نجاست، جسم کی نجاست سے بدرجہا بُری ہے۔

حضرت شیخ رکن الدین ملتانیؒ فرمایا کرتے تھے۔

"جنابت بردو نوع است، جنابت دل و جنابت تن و جنابت تن از صحبت بازن حاصل شود ، و جنابت دل بصحبت نا هموار جنابت تن پاک بآب شود ، اما جنابت دل بآب دیده محو گردد ."

(اخبار الاخیار فارسی، ص:۶۴)

جنابت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک جنابت دل کی دوسری جنابت بدن کی۔ بدن کی جنابت وہ ہے جو عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے حاصل ہو اور دل کی جنابت نالائقوں کی صحبت سے ہوتی ہے۔ بدن کی جنابت تو پانی سے پاک ہو جاتی ہے لیکن دل کی جنابت آنسوؤں سے دھوئی جاتی ہے۔

صوفیائے کرام کی زندگیوں کا جو پہلو سب سے زیادہ توجہ کا مستحق ہے وہ ان کی تعلیم اخلاق ہے۔ جن مصنفین نے اوراد و وظائف اور کشف و کرامات کو مرکزی اور بنیادی حیثیت دے دی ہے، انھوں نے تصوف کی حقیقت کو سمجھنے اور سمجھانے میں بڑی رُکاوٹیں پیدا کر دی ہیں۔ خواجہ اجل شیرازیؒ کا یہ واقعہ حضرت محبوب الٰہی نے ایک بار اپنی مجلس میں بیان فرمایا جو مشائخ متقدمین کے لائحہ عمل، طریق کار اور مقصدِ حیات کا بہترین آئینہ دار ہے۔

"ایک شخص خواجہ اجل شیرازیؒ کی خدمت میں آیا اور مرید ہو کر خواجہ صاحبؒ

کے حکم کا منتظر تھا کہ اب مجھے نماز یا ورد بتلاتے ہیں۔ خواجہ صاحب نے صرف یہ کہا کہ جو بات اپنے لئے پسند نہیں کرتا وہ اوروں کے لئے بھی پسند نہ کر اور اپنے لئے اس بات کی خواہش کر جس کی اوروں کے لئے خواہش کرتا ہے۔ مدت بعد جب وہ شخص پھر حاضر خدمت ہوا تو عرض کی کہ میں فلاں روز آپ کا مرید ہوا تھا اور منتظر تھا کہ آپ مجھے نماز یا ورد کی بابت فرمائیں گے لیکن آپ نے مجھے کچھ نہ فرمایا۔ اب بھی میں اس بات کا منتظر ہوں۔ خواجہ صاحبؒ نے فرمایا، اس روز تجھے کیا سبق دیا تھا۔ مرید حیران رہ گیا اور کچھ جواب نہ دیا۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے مسکرا کر فرمایا، اس روز میں نے کہا تھا کہ جو اپنے لئے پسند نہیں کرتا وہ دوسروں کے لئے بھی نہ کر اور اپنے لئے اس بات کی خواہش کر جس کی اوروں کے لئے کرتا ہے چونکہ تو نے پہلا سبق یاد نہیں کیا اب میں دوسرا سبق کس طرح سکھاؤں۔" (فوائد الفواد، فارسی ص ۸، اردو ترجمہ ص ۶)

حقیقت یہ ہے کہ تصوف نام ہی خدمتِ خلق اور تعلیم اخلاق کا ہے۔ ہمارے مشائخ متقدمین نے اس کو یہی سمجھا تھا اور اسی کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں۔ (تاریخِ مشائخِ چشت از پروفیسر نظامی، ص: ۶۰)

اِرتقائے روحانی

(۱) محبت الٰہی (۲) خدمت خلق (۳) تعلیم اخلاق...... ان سب کا نتیجہ کیا ہے؟ صوفیا کا کہنا ہے کہ ان سب کا نتیجہ" ارتقاء روحانی" ہے۔"ارتقاء روحانی" کی وضاحت مولانا ابوالکلام آزاد کی زبانی سنئے کہ اس سے بہتر وضاحت ممکن نہیں۔

"فی الحقیقت وہ "قانون ارتقاء" جو لامارک، ہلیر، ابن مسکویہ، اور ڈارون نے دریافت کیا ہے صرف مخلوقات کے جسم ہی تک محدود ہے۔ وہ کچھ نہیں بتلاتا کہ ارتقاء کی یہ زنجیر ہیکل انسانی کی کڑی تک پہنچ کر پھر کہاں چلی جاتی ہے اور اس کے بعد ارتقاء کے منازل باقی رہتے ہیں یا نہیں؟ لیکن وہ قانونِ ارتقاء جسے محمدؐ نے دریافت کیا وہ بتلاتا ہے کہ بلا شبہ انسانیت کے مرتبہ تک پہنچنے کے بعد "ارتقاء جسمی" تو ختم ہو جاتا ہے لیکن اس

کے بعد ایک "ارتقاء روحانی" کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور جسم حیوانی کو انسان کا ہیکل اختیار کرنے کے بعد بھی انسان بننے کے لئے بہت کچھ بننا اور ترقی کرنا باقی رہتا ہے۔"

(تاریخ مشائخ چشت، ص:٦٠ تا ٦١)

مولانا آزاد نے مزید لکھا ہے: "اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یرفع اللّٰہ الذین آمنوا منکم والذین او توا العلم درجات واللّٰہ بما تعملون خبیرo

(سورۃ المجادلۃ نمبر ٥٨: آیت نمبر ١١)

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور جن لوگوں نے علم حق حاصل کیا سو اللہ تعالیٰ ان کے مدارج کو ترقی دیتا ہے اور ارتفاع بخشتا ہے اور اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔

یہی مدارج ہیں جو اولیاء اللہ اور اصحاب الجنہ کے ذہاب الی اللہ کی مختلف منزلیں ہیں۔ ایمان باللہ اور محبت الٰہی اس ارتقاء روحانی کی اصل ہے اور ارتقاء انسانی کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ پر ایمان وایقان ترقی کرے اور اللہ کی ولایت اور دوستی اپنے اونچے مرتبوں اور مقاموں تک بلند ہو جائے۔

مزید ارشادِ خداوندی ہے: الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہٗ

(سورۂ فاطر پارہ ٢٢ آیت نمبر ١٠)

یعنی اس کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور نیک عمل اس کو بلند کرتے ہیں۔ کلمات طیبہ اور عملِ صالح اللہ ہی کی طرف بلند ہوتے ہیں اور وہ عمل صالح کرنے والوں کو ارتفاع بخشتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں دو چیزیں بیان کی گئی ہیں، "کلم الطیب" اور "عمل صالح" پس انسانیت کی تکمیل اور ارتقاء کی بنیاد بھی یہی دو چیزیں ہیں "کلم الطیب" سے مقصود ایمان باللہ ہے اور "عمل صالح" سے مقصود انسان کے وہ تمام کام جو صحت و اصلاح اور عدل و حقیقت کے مطابق ہوں، فرمایا کہ ایمان باللہ صعود کرتا ہے اور بلند ہوتا ہے اور

عمل صالح کو خدا اونچے درجوں تک لے جاتا ہے۔"

(اولیاء اللہ واولیاء الشیطان، مصنفہ مولانا ابوالکلام آزاد،
طبع ثانی ۱۹۳۹ء لاہور، ص: ۵۴ تا ۵۵،)

حقیقت یہ ہے کہ سرکار غریب نواز اور ان کے بعد آنے والے خلفاء کی حیات مقدسہ سیرتِ پیغمبرؐ کی آئینہ دار ہے۔

پیغمبرِ اسلام اور ازواجِ مطہرات کا طرزِ عمل:
اختیاری فقر و فاقہ اور صوفیائے اسلام پر اس کا اثر

پیغمبر اسلامؐ کی حیات مقدسہ میں اخلاقِ حسنہ کا پہلو جتنا نمایاں ہے اتنا ہی اختیاری فقر و فاقہ کا عنصر انتہائی تابناک ہے۔ آپ کی ازواج مطہرات نے بھی سرکار دو عالمؐ کی کامل اتباع کی۔ اس لئے تبرکاً ان کا ذکر ضروری ہے۔ فقر و فاقہ کا یہی راستہ صوفیائے اسلام نے اختیار کیا اور تبلیغ اسلام کی راہیں ہموار کیں۔ حضور غریب نواز، ان کے خلفاء اور ان کے بعد آنے والے چشتی صوفیاء نے فقر و فاقہ کو اپنا لائحہ عمل بنایا۔ غریب نوازؒ کی غذا اور لباس کا ذکر آگے آرہا ہے، جو اختیاری فقر و فاقہ کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ ان کے جلیل القدر خلیفہ حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوری علیہ الرحمۃ کی حیات پاک کا ایک واقعہ جو اختیاری فقر و فاقہ اور قناعت کی بہترین مثال ہے، ہدیۂ قارئین ہے۔ حضرت صوفی حمید الدین علیہ الرحمہ ایک بیگہ زمین کی کاشت کر کے اپنی روزی حاصل کرتے تھے۔ ایک چادر کمر سے بندھی رہتی دوسری جسم پر پڑی رہتی۔ بیوی کا یہ حال تھا کہ سر پر دوپٹہ تک نہ تھا۔ پیراہن کا دامن سر پر ڈال لیا کرتی تھیں لیکن ان کی اس اختیاری فقر و فاقہ کی روش میں استغنا کی ایک عجیب شان تھی۔ دنیاوی جاہ و حشم اور زیب و زینت کا ذکر کبھی ان کی مجلس میں کسی نے نہیں سنا۔

(سیر الاولیاء، فارسی، ص: ۱۵۶ تا ۱۵۷)

ایک مرتبہ والی ناگور نے بادشاہ وقت کی جانب سے کچھ زمین اور نقد روپیہ پیش کیا اور قبول کرنے کی درخواست کی۔ حضرت صوفی کا جواب ڈاکٹر اقبال نے اپنی زبان میں اس طرح پیش کیا ہے......

خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر
مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے

آپ نے مزید فرمایا کہ ہمارے خواجگان چشت میں سے کسی نے ایسی چیز قبول نہیں کی، ایک بیگہ زمین جو میرے پاس ہے، میرے لئے کافی ہے۔

(سیر الاولیاء فارسی، ص:۱۵۶ تا ۱۵۷)

ظاہر ہے کہ فقر و فاقہ کی یہ روش سرکار دو عالم اور ان کی ازواج مطہرات کی تقلید کامل میں اختیار کی گئی۔ حافظ محمد عالمگیر خاں کیف ٹونکی نے کیا خوب کہا ہے۔

عجز اللہ رے تمہارا کہ شہ کل ہو کر
زندگی تم نے غریبی میں گزاری ساری

آیئے ہم سب سے پہلے فقر و فاقہ کے نقطہ نظر سے کاشانۂ نبوت پر ایک نظر ڈالیں۔

ام المومنین حبیبۂ ثانی سید المرسلین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور سید عالم نے کبھی شکم سیر ہو کر نہیں کھایا اور نہ ہی کبھی فقر و فاقہ کا شکوہ کسی سے فرمایا۔

(زرقانی علی المواہب الدنیہ، ص ۳۱۱)

یہ اختیاری فقر و فاقہ تھا جو حضورؐ کو غنا سے زیادہ پیارا تھا ورنہ آپ کے ہاتھوں میں کیا کچھ نہ تھا۔ خزائن ارض کی کنجیاں، اللہ کی تمام نعمتیں اور کائنات کی ساری برکتیں آپ کے بے مثل ہاتھوں میں تھیں......

ہر رتبہ کہ بود در امکاں بروست ختم
ہر نعمتے کہ داشت خدا شد برو تمام

(مدارج النبوۃ، ج:۱، ص ۴۵)

چنانچہ حضورؐ فرماتے ہیں کہ مجھ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں کے

کی پتھریلی زمین کو تمہارے لئے سونا بنادوں ۔ میں نے عرض کیا اے میرے پروردگار نہیں ، بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اشبع یوما و اجوع یوما فاذا جعت تضرعت الیک و ذکرتک فاذا شبعت شکرتک و حمدتک (ترمذی) میں ایک دن آسودہ رہوں اور ایک دن بھوکا رہوں۔ جب بھوکا رہوں تو تیری طرف عاجزی و زاری کروں ، اور دل و جان سے تجھ کو یاد کروں اور جب آسودہ رہوں تو تیرا شکر اور تیری حمد کروں ۔

(زرقانی علی المواہب الدنیہ، ج:۴ ص۳۲۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضورؐ اور جبریل امین مکہ معظمہ میں کوہ صفا پر تھے ۔حضورؐ نے فرمایا اے جبریل قسم ہے اس ذات اقدس کی جس نے مجھ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، شام کو آل محمدؐ کے پاس ایک مٹھی بھر آٹا اور ایک ہتھیلی بھر ستو بھی نہیں ہوتا۔ بس یہ فرما ہی رہے تھے کہ آسمان سے ایک سخت آواز آئی ۔ فرمایا، جبریل یہ کیا ہے؟ عرض کیا اسرافیل کو آپ کے پاس آنے کا حکم ہوا ہے۔ چنانچہ وہ حاضر ہو گئے اور کہا کہ آپ نے ابھی جو کلام فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ نے سنا۔

فبعثنی الیک بمفاتیح خزائن الارض و امرنی ان اعرض علیک اسیر معک جبال تهامة زمردا و یاقوتا و ذهباو فضة فان رضیت فعلت فان شئت نبیا ملکاً و ان شئت نبیا عبدا فاوم الیه جبریل ان تواضع فقال نبیاعبدا ثلاثا

یعنی مجھے آپ کے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے کر بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ میں وہ آپ کی خدمت میں پیش کردوں اور تہامہ کے پہاڑوں کو زمرد ، یاقوت، سونا اور چاندی بنادوں ۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں تو میں ابھی یہ کام کر دیتا ہوں۔ آپ کو اختیار ہے کہ چاہے نبی بادشاہ بنیں یا نبی بندہ ۔ جبریل نے آپ کی طرف تواضع اختیار کرنے کا اشارہ فرمایا تو آپ نے تین مرتبہ فرمایا میں نبی بندہ بننا چاہتا ہوں ۔

(طبرانی۔ زرقانی علی المواہب الدنیہ، ج۴، ص۳۲۲)

ثابت ہوا کہ یہ فقر و فاقہ آپ نے خود اختیار فرمایا تھا اور اس کو غنا پر ترجیح دی

تھی، ورنہ آپ مالکِ کونین تھے اور ہیں......

مالکِ دین و دنیا ہو کر دونوں جہاں کے داتا ہو کر
فاقے سے ہیں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم
عجز تو دیکھو اللہ اکبر تکیے کے بدلے اینٹ یا پتھر
اور سرِ سرکار دو عالم صلی اللّٰہ علیہ وسلّم

آپ کے فقر و فاقہ کا یہ عالم تھا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ اور آپ کے اہل و عیال کئی کئی راتیں پے در پے بھوکے گزارتے و کان اکثر خبزھم خبز الشعیر (ترمذی) اور اکثر ان کی روٹی جو کی روٹی ہوتی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ......

ما اکل خبزا مرققا حتی مات آپ نے آخری دم تک پتلی روٹی (چپاتی) نہیں کھائی۔ (ترمذی شریف)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

ما شبع رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم من الخبز الشعیر
یو مین متتا بعین حتی قبض

حضورؐ نے جو کی روٹی سے پے در پے دو دن پیٹ نہیں بھرا یہاں تک کہ آپ کا وصال ہوگیا۔ (یعنی ایک دن کھاتے تھے، ایک دن نہیں۔) (ترمذی شریف)

اور فرماتی ہیں کہ جب کبھی میں سیر ہو کر کھاتی ہوں تو مجھے رسولؐ کے فقر و فاقہ کا حال یاد آجاتا ہے تو میں رونے لگ جاتی ہوں و اللّٰہ ماشبع من خبزٍ و لحم مرتین فی یوم خدا کی قسم آپ نے ایک دن میں روٹی اور گوشت سے دو وقت پیٹ نہیں بھرا۔ (ترمذی شریف)

اور میں آپ کے فاقے کی حالت دیکھ کر رو پڑا کرتی اور اپنا ہاتھ آپ کے پیٹ پر پھیر کر کہتی کہ فاقہ سے کیسا دب گیا ہے؟

و اقول نفسی لک الفداء لو تبلغت من الدنیاء بما یقوتک فیقول

یا عائشة مالی و للدنیااخوانی من اولی العزم من الرسل صبروا علیٰ ما هو اشد من هذا اور کہتی تھیں کہ آپ پر میری جان فدا ہو، دنیا میں سے اتنا تو قبول فرما لیجئے جو جسمانی قوت کے قائم رکھنے کو کافی ہو تو فرماتے عائشہ مجھے دنیا سے کیا کام، میرے بھائی اولوالعزم رسول تو اس سے بھی سخت حالت پر صبر کیا کرتے تھے۔

(شفا شریف، ص:۸۴)

کھانا جو کھانا جو کی روٹی ان چھنا آٹا روٹی موٹی

وہ بھی شکم بھر روز نہ کھانا صلی اللّٰہ علیہ وسلّم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دیکھا کہ آپ نماز بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں میں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا بھوک کی وجہ سے، میں بے اختیار رونے لگا۔ فرمایا مت رو جو شخص بہ نیت اجر وثواب بھوکا رہے، قیامت کے دن کی سختی سے محفوظ رہے گا۔ (کنز العمال، زرقانی علی المواہب الدنیہ، ج ۴، ص ۳۱۹)

بلاشبہ جس طرح آپ اور آپ کے اہل بیت و ازواج مطہرات نے زندگی گزاری ہے، دنیا میں کوئی نہیں گزار سکتا۔ ازواج مطہرات کے حجروں کا یہ حال تھا کہ چار حجروں کی دیواریں کچی اینٹ کی تھیں اور چھتیں کھجوروں کی شاخوں کی تھیں، جن پر مٹی کی لپائی کر دی گئی تھی اور پانچ حجروں کی تو دیواریں بھی نہ تھیں صرف کھجور کی شاخیں گاڑ کر ان پر مٹی کا گلابہ کر دیا گیا تھا، ان کے دروازوں پر تین ہاتھ لمبے اور ایک ہاتھ چوڑے کمبل کے پردے پڑے رہتے تھے۔ سیدنا امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان کی بلندی اتنی تھی کہ میرا سر ان کی چھتوں کو لگتا تھا تو اس سے ان کے محل سراؤں کے ارتفاع کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ خاص حضورؐ کی ازواج مطہرات کے دولت خانے تھے، جن میں انھوں نے عمر بسر کی۔

ازواجِ مطہرات کے اسماء گرامی

چند کنیزوں کے علاوہ جن میں حضرت ماریہ قبطیہ اور ریحانہ بھی شامل تھیں آپ کی ازواجِ مطہرات کی کل تعداد گیارہ تھی، جن میں سے حضرت خدیجہ اور زینب بنتِ خزیمہ نے آپ کی ظاہری زندگی میں وفات پائی اور نو بیویوں نے آپ کے بعد انتقال کیا۔ آپ کی ازواج مطہرات کو قرآنِ حکیم نے امت کی مائیں قرار دیا ہے، ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں.

(۱) حضرت خدیجۃ الکبریٰ (۲) حضرت سودہ بنتِ زمعہ (۳) حضرت عائشہ (۴) حضرت حفصہ (۵) حضرت زینب بنت خزیمہ (۶) حضرت ام سلمہ (۷) حضرت زینب بنت جحش (۸) حضرت جویریہ بنت حارث (۹) حضرت ام حبیبہ (۱۰) حضرت صفیہ (۱۱) حضرت میمونہ۔

(سیرۃ النبی از مولوی شبلی نعمانی جلد: ۲، ص: ۲۲۸ تا ۲۴۸)

تذکرۂ خلفائے راشدین

یوں تو سبھی صحابۂ کرام آسمانِ ہدایت کے روشن ستارے ہیں اور صوفیہ نے سبھی کے اخلاقِ حسنہ سے استفادہ کیا ہے لیکن یہاں ان خلفاءِ راشدین کے احوال کا کچھ تذکرہ کیا جارہا ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے مشائخ عظام کے پیش روِ طریقت اور ذات و صفات اور احوال میں ان کے امام و قائد ہیں، جن کا مرتبہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ہے۔

اوّل خلیفۂ راشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

صحابہ کرام میں سے شیخ الاسلام بعد از انبیاء خیر الانام علیہم السلام خلیفہ و امام، تارکینِ دنیا کے سردار، صاحبان خلوت کے شہنشاہ، آفاتِ دنیاوی سے پاک و صاف،

امیر المومنین، سیدنا ابوبکر عبد اللہ بن عثمان بن ابی قحافہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ کی کرامتیں اور بزرگیاں مشہور ہیں اور معاملات و حقائق میں آپ کے نشانات و دلائل واضح ہیں۔ کشف المحجوب کے باب تصوف میں ان کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ حضرت صدیق نے اپنا تمام مال و منال راہِ خدا میں دے کر اور خود ایک کمبل اوڑھ کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوگئے۔ رسول پاک نے پوچھا ما خلفت لعیا لک یعنی اپنے بال بچوں کے لئے کیا چھوڑا؟ فقال اللّٰہ و رسو لہ کہا اللہ اور اللہ کا رسول۔ صاحب مشکوٰۃ نے ترمذی و ابو داؤد کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں "ما ابقیت لاھلک فقال ابقیت لھم اللہ و رسولہ" مرآۃ المناجیح۔
(اردو ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح جلد ۸ ص ۳۵۵ از مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ)

علامہ اقبال نے خوب کہا ہے......

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسول بس

مشائخ طریقت نے ارباب مشاہدہ اور صاحبان علم و عرفان میں آپ کو مقدم رکھا ہے چونکہ آپ کی مرویات بہت کم ہیں۔ اسی طرح حضرت فاروق اعظم سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو ارباب مجاہدہ میں مقدم رکھا گیا ہے کیونکہ آپ کے معاملات اور حق پر صلابت صحیح روایتوں میں مرقوم اور اہل علم کے درمیان معروف ہیں۔ چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رات میں تلاوت قرآن کریم نماز میں کرتے تو نرم و آہستہ آواز میں کرتے اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے تو بلند آواز سے کرتے تھے۔ ایک مرتبہ رسولؐ نے سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے دریافت فرمایا کہ تم کس وجہ سے نرم و آہستہ آواز میں تلاوت کرتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا "اسمع من انا جیہ" جس سے مناجات کرتا ہوں وہ خوب سنتا ہے چونکہ میں جانتا ہوں وہ مجھ سے دور نہیں اور اس کی سماعت کے لئے نرم یا بلند آواز سے پڑھنا دونوں برابر ہیں اور جب حضرت فاروق اعظمؓ سے دریافت فرمایا تو آپ نے عرض کیا "او قظ الوسنان ای النائم

واطرد الشیطان" سوئے ہوئے کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں، یہ مجاہدے کی علامت ہے اور وہ مشاہدے کا نشان۔ مجاہدے کا مقام مشاہدے کے پہلو میں ایسا ہے جیسے قطرہ دریا میں، یہ اس لئے ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا" هل انت الاحسنة من حسنات ابی بکر "اے عمرتم ابوبکر کی نیکیوں میں ایک نیکی ہو۔ جب سیدنا فاروق اعظم حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ جیسے بطلِ جلیل جن سے اسلام کو عزت و رفعت ملی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نیکیوں میں ایک نیکی ہیں تو غور کیجئے کہ سارے جہان کے لوگ کس درجہ میں ہوں گے۔

(اردو ترجمہ، کشف المحجوب، ص: ۱۰۸، از غلام معین الدین)

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "دار نافانیة و احوالناعاریة و انفاسنا معدودة و کسلنا موجودة "ہمارا گھر فانی ہے، ہمارے احوال عاری ہیں، ہمارے سارے سانس گنتی کے ہیں اور سستی و کاہلی موجود ہے۔ لہٰذا فانی گھر کی تعمیر کرنا جہالت، عاریتی حال پر اعتماد کرنا نادانی، گنتی کے سانسوں پر دل لگانا غفلت اور کاہلی کو دین سمجھ لینا سراسر نقصان و خسارہ ہے، اس لئے کہ جو چیز عاریتاً لی جاتی ہے، اسے واپس کرنا ہوتا ہے اور جو چیز واپس جانے والی ہوتی ہے وہ باقی نہیں رہتی اور جو چیز گنتی میں آئے وہ محدود ہوتی ہے اور سستی و کاہلی کا تو کوئی علاج ہی نہیں۔ اس ارشاد میں ہمیں آپ نے تلقین فرمائی کہ یہ دنیا اور اس کی ہر چیز فنا ہونے والی ہے، اس کے جانے کا اندیشہ نہ کرنا چاہئے اور نہ اس کی خاطر اس سے دل لگانا چاہئے کیونکہ جب تم فانی سے دل لگاؤ گے تو باقی سے پوشیدہ اور حجاب میں رہ جاؤ گے۔ حالانکہ یہ دنیا اور یہ نفس، طالب حق اور اس کے محبوبوں کے لئے حجاب و پردہ ہے، وہ دونوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ دنیا اور اس کا تمام ساز و سامان سب عارضی اور عاریت کی چیزیں ہیں تو ان کو اپنی ملک سمجھ کر ان میں مالکِ حقیقی کی اجازت اور اس کی منشاء کے خلاف تصرف کرنا کتنی نادانی ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنی مناجات میں عرض کیا کرتے تھے کہ

"اللّٰھم ابسط لی الدنیا و زھدنی عنھا "اے خدا دنیا کو میرے لئے کشادہ فرما لیکن مجھے اس میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھ۔ دنیا کی فراخی کی دعا کے بعد اس سے محفوظ رکھنے کی التجا میں ایک لطیف اشارہ ہے، وہ یہ کہ دنیا دے تاکہ شکر بجا لاؤں پھر یہ توفیق دے کہ اسے تیری راہ میں اپنے ہاتھ سے خرچ کروں اور اپنا رخ تیری طرف پھیروں تاکہ شکر اور انفاق فی سبیل اللہ کا درجہ پاؤں اور مقامِ صبر بھی حاصل کروں تاکہ فقر میں پریشان نہ ہوں اور فقر پر اختیار ہو۔ اس مفہوم سے اس قول کی تردید بھی ہو جاتی ہے کہ جس کا فقر اضطراری ہو وہ فقرِ اختیاری سے زیادہ کامل ہوتا ہے اگر اضطراری ہو تو یہ فقر کی صفت ہے اگر اختیاری ہو تو یہ فقر بندے کی صفت ہے جب اس کا عمل کششِ فقر سے منقطع ہو جائے تو اس سے بہتر ہے کہ تکلف سے اپنا درجہ بنائے۔ (اردو ترجمہ، کشف المحجوب، ص:۱۰۹، از غلام معین الدین)

سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صفتِ فقر کا اس وقت زیادہ ظہور ہوتا ہے جب کہ تونگری کی حالت میں اس کے دل پر فقر کا ارادہ ہو پھر وہ ایسا عمل کرے جو اسے ابن آدم کی محبوب چیزوں سے یعنی دنیاوی مال و متاع سے دستِ کش کردے نہ کہ فقر کی حالت میں اس کا دل تونگری کی خواہش سے بھرپور ہو اور ایسے عمل کا ارتکاب کرے، جس کی بناء پر تونگروں، بادشاہوں اور درباریوں کے دروازوں پر جانا پڑے۔

صفتِ فقر تو یہ ہے کہ انسان تونگری چھوڑ کر فقر اختیار کرے نہ یہ کہ فقر میں مال و منال اور جاہ و حشم کا طالب ہو۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا رتبہ انبیاء علیہم السلام کے بعد ساری مخلوق سے افضل و مقدم ہے اور یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی ان سے آگے قدم رکھے اور معنوی اعتبار سے مقدم ہو جائے کیونکہ آپ نے فقرِ اختیاری کو فقرِ اضطراری پر مقدم و افضل رکھا۔ یہی تمام مشائخ طریقت کا مذہب ہے۔

یہاں افضلیت سے شیخ ہجویری کا مقصد خلافت کی [illegible] سے افضلیت ہے، جہاں

تک جہتِ ولایت کا تعلق ہے تو سوائے کائنات حضرت علی علیہ السلام سب سے افضل واعلیٰ ہیں جیسا کہ خود شیخ ہجویری نے کشف المحجوب میں حضرت علی کو مقتدائے جملہ اولیاء واصفیاء تسلیم کیا ہے، جسے میں نے اسی باب میں حضرت علی کے ذکر میں قلمبند کر دیا ہے اور یہ افضلیت اور تقدم جہتِ ولایت کے لحاظ سے حضرت علی کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں۔ قارئینِ کرام اسے کسی قسم کے تعارض یا تضاد پر محمول نہ کریں۔

حضرت زہری رضی اللہ عنہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب حضرت صدیقؓ نے بیعت خلافت لی تو آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ میں ارشاد فرمایا:

واللہ ما کنت حریصا علی الامارۃ یوما ولا لیلۃ قط ولا کنت فیھا راغبا ولا سئلتھا اللہ قط فی سرو علانیۃ وما لی فی الامارۃ من راحۃ خدا کی قسم ایک دن، یا ایک رات کے لئے بھی میں امارت کا خواہاں نہیں ہوا اور نہ مجھے اس کی رغبت ہے اور نہ ظاہر و باطن میں خدا سے اس کا سوال کیا ہے اور نہ میرے لئے امارت میں راحت ہے۔

اللہ تعالیٰ جب بندہ کو کمال صدق پر فائز کرتا ہے اور عزت ومنزلت کے مقام پر متمکن فرماتا ہے تو بندۂ صادق منتظر رہتا ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے کیا حکم ہوتا ہے، جیسا بھی اس پر حکم وارد ہوتا ہے وہ اس پر قائم و برقرار رہتا ہے۔ اگر فرمان آئے کہ فقیر ہو جا تو فقیر ہو جاتا ہے اگر فرمان آئے کہ امیر ہو جا تو امیر بن جاتا ہے۔ اس میں وہ اپنے تصرف و اختیار کو کام میں نہیں لاتا۔ یہی صورتِ حال صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تھی۔ آپ نے ابتداء میں بھی ویسی ہی تسلیم و رضا کو اختیار فرمایا جس طرح انتہاء میں اختیار فرمایا۔ صوفیاء کرام نے ترک دنیا اور حرص ومنزلت کے چھوڑنے کو فقر پر اور ترکِ ریاست کی تمنا کو اس لئے پسند کیا کہ دین میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام مسلمانوں کے امامِ عام ہیں اور طریقت میں آپ تمام صوفیا کے امام خاص ہیں۔ (اردو ترجمہ کشف المحجوب از مفتی غلام معین الدین نعیمی ص ۱۱۰) سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی ایک شاخ کا شجرہ آپ پر منتہی ہوتا ہے۔

دوسرے خلیفۂ راشد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

دوسرے خلیفہ راشد، سرہنگ اہل ایمان، مقتدائے اہل احسان امام اہل تحقیق دریائے محبت کے غریق سیدنا ابو حفص عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ کے فضائل وکرامات اور فراست و دانائی مشہور و معروف ہیں، آپ فراست و صلابت کے ساتھ مخصوص ہیں طریقت میں متعدد لطائف و دقائق ہیں۔ اسی معنیٰ و مراد میں حضور اکرم کا یہ ارشاد ہے کہ "الحق ینطق علی لسان عمر" حق عمر کی زبان پر بولتا ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث اس طرح ہے "ان اللہ جعل الحق علی اللسان عمر و قلبه" یعنی اللہ نے جناب عمر کی زبان اور دل پر حق جاری فرمایا۔ یہ بھی فرمایا کہ "قد کان فی الامم محدثون فان یک منهم فی امتی فعمر" گذشتہ امتوں میں محدثین گذرے ہیں، اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہیں۔ طریقت کے بکثرت رموز و لطائف آپ سے مروی ہیں۔ اس کتاب میں ان سب کا جمع کرنا دشوار ہے البتہ ان میں سے ایک یہ ہے۔ آپ نے فرمایا "العزلة راحة من خلفاء السوء" بدوں کی ہم نشینی سے گوشہ نشینی میں چین اور راحت ہے۔

گوشہ نشینی کے دو طریق

گوشہ نشینی دو طریقہ سے ہوتی ہے، ایک خلقت سے کنارہ کشی کرنے پر، دوسرے اُس سے تعلق منقطع کرنے سے۔ خلقت سے کنارہ کشی کی صورت یہ ہے کہ اُس سے منہ موڑ کر خلوت میں بیٹھ جائے اور ہم جنسوں کی صحبت سے ظاہری طور پر بیزار ہو جائے اور اپنے اعمال کے عیوب پر نگاہ رکھنے سے راحت پائے۔ خود کو لوگوں کے ملنے جلنے سے بچائے اور اپنی برائیوں سے ان کو محفوظ رکھے اور دوسرا طریقہ یہ کہ خلقت سے تعلق منقطع کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس کے دل کی کیفیت یہ

ہو جائے کہ وہ ظاہر سے کوئی علاقہ نہ رکھے۔ جب کسی کا دل خلق سے منقطع ہو جاتا ہے تو اسے کسی مخلوق کا اندیشہ نہیں رہتا اور اسے کوئی خطرہ نہیں رہتا کہ کوئی اس کے دل پر غلبہ پا سکے، اس وقت ایسا شخص اگر چہ خلقت کے درمیان ہوتا ہے لیکن وہ خلقت سے جدا ہوتا ہے اور اس کے ارادے اس سے منفرد ہوتے ہیں۔ یہ درجہ اگر چہ بہت بلند ہے لیکن بعید از قیاس نہیں مگر یہی طریقہ سیدھا اور مستقیم ہے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اسی مقام پر فائز تھے۔ ظاہر میں تو سریر آرائے خلافت اور خلقت میں ملے جلے نظر آتے تھے لیکن حقیقت میں آپ کا دل عزلت وتنہائی سے راحت پاتا تھا۔ یہ دلیل واضح ہے کہ اہل باطن اگر چہ بظاہر خلق کے ساتھ ملے جلے ہوتے ہیں لیکن ان کا دل حق کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے اور ہر حال میں خدا ہی کی طرف رجوع ہوتا ہے اور جس قدر وقت خلق سے ملنے جلنے میں صرف ہوتا ہے وہ اسے حق کی جانب سے بلاء وامتحان شمار کرتے ہیں وہ خلق کی ہم نشینی سے حق تعالیٰ کی طرف بھاگتے ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ دنیا خدا کے محبوبوں کے لئے ہرگز پاک وصاف نہیں ہوتی کیونکہ احوالِ دنیا مکدّر ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا "دار اسست علی البلویٰ بلا بلویٰ محال" دنیا ایسا گھر ہے جس کی بنیاد بلاؤں پر رکھی گئی ہے، محال ہے کہ بغیر بلا کے وہ رہ سکے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ رسولِ خداؐ کے مخصوص صحابہ میں سے ہیں اور بارگاہِ الٰہی میں آپ کے تمام افعال مقبول ہیں حتیٰ کہ ابتداءً جب مشرف بہ اسلام ہوئے تو جبریل علیہ السلام نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا "قد استبشر یا محمد اهل السماء باسلام عمر" یا رسول اللہ! آسمان والے آج عمر کے مشرف بہ اسلام ہونے پر بشارت وتہنیت دیتے ہیں اور خوشیاں منا رہے ہیں۔
(اردو ترجمہ کشف المحجوب ص ۱۱۲، از غلام معین الدین)

تیسرے خلیفہ راشد: حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

مخزن حیاء، اعبدِ اہلِ صفا، متعلق بدرگاہِ رضا، متحلی بطریق مصطفیٰ، سیدنا ابو عمر عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں۔ ہر لحاظ سے آپ کے فضائل واضح اور آپ کے مناقب ظاہر ہیں۔

حضرت عبداللہ بن رباح اور حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس دن بلوائیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا ہم امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے۔ بلوائی جب دروازے کے سامنے جمع ہو گئے تو آپ کے غلاموں نے ہتھیار اٹھا لئے۔ آپ نے فرمایا جو ہتھیار نہ اٹھائے وہ میری غلامی سے آزاد ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ ہم اپنے خوف کے سبب باہر نکل آئے اثنائے راہ میں حضرت امام حسن ابن علی مرتضیٰ علیہما السلام آتے ہوئے ملے۔ ہم ان کے ہمراہ پھر حضرت عثمانؓ کے پاس آگئے تاکہ دیکھیں امام حسن مجتبیٰ کیا کرتے ہیں۔ جب امام حسن مجتبیٰؓ اندر داخل ہوئے تو سلام عرض کیا پھر بلوائیوں کی حرکت پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا، اے امیر المومنین میں آپ کے حکم کے بغیر مسلمانوں پر تلوار بے نیام نہیں کرسکتا، آپ امام برحق ہیں۔ (یہاں شیخ ہجویری کی امام برحق سے مراد خلیفۂ برحق ہے کیونکہ خلفائے راشدین کو خلیفہ ہی کہا جاتا ہے اور امامت تو صرف ائمۂ اہلِ بیت سے مخصوص ہے۔) آپ حکم دیجئے تاکہ آپ سے اس قوم کو دور کروں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا۔

یا ابن اخی ارجع واجلس فی بیتک حتی یاتی اللہ بامرہ فلا حاجۃ لنا فی اہراق الدماء اے میرے بھائی علیؓ کے فرزند جاؤ اپنے گھر آرام کرو یہاں تک کہ اللہ کا کوئی حکم وارد ہو ہمارے لئے لوگوں کے خون بہانے کی ضرورت نہیں۔

مقام خلت و دوستی میں بلا ومصیبت کے درمیان، تسلیم و رضا کی یہ روشن علامت

ہے۔ آپ کا یہ طرزِ عمل حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے اس طرزِ عمل کے بالکل مماثل ہے، جو اُن سے آتشِ نمرود کی آزمائش کے وقت ظہور میں آیا تھا۔ چنانچہ نمرود ملعون نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خاتمہ کرنے کے لئے آگ جلائی اور ان کو منجنیق میں رکھا گیا تو جبرائیل علیہ السلام آئے اور عرض کیا "ھل لک من حاجۃ" کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟ حضرت خلیل علیہ السلام نے فرمایا "اما الیک فلا" بندہ سراپا محتاج ہے لیکن تم سے کوئی حاجت نہیں، جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا تو پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کیجئے۔ فرمایا "حسبی من سوالی علمہ بحالی" حق تعالیٰ میرے سوال سے بے نیاز ہے، وہ میری حالت کو جانتا ہے۔ مطلب یہ کہ مجھے اپنا حال عرض کرنے کی کیا ضرورت ہے وہ جانتا ہے کہ مجھ پہ کیا بیت رہی ہے۔ وہ میرے معاملہ کو مجھ سے بہتر سمجھتا ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ میری بہتری و فلاح کس چیز میں ہے۔ حضرت عثمان ذوالنورین کا معاملہ بھی بالکل اسی کے مشابہ ہے اور وہ حضرت خلیل علیہ السلام کو منجنیق میں رکھے جانے کے مقام پر تھے اور بلوائیوں کا اجتماع، آتشِ نمرود کے قائم مقام اور امام حسنِ مجتبیٰ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی جگہ تھے لیکن ان دونوں واقعات میں فرق یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس بلا سے نجات ملی تھی اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ اس بلا میں شہید ہوئے تھے کیونکہ نجات کا تعلق بقا سے ہے اور ہلاکت کا تعلق فنا سے ہے۔ (اردو ترجمہ کشف المحجوب، از مفتی غلام معین الدین ص ۱۱۳)

یہاں حضرت ہجویری کے بیان کے ساتھ یہ وضاحت ضروری ہے کہ مؤرخینِ اسلام مثلاً علامہ طبری و علامہ بلاذری وغیرہ نے مستند طریقے سے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے بلوائیوں کو دفع کرنے کے لئے حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو حضرت عثمان کے دروازے پر متعین کر دیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت واقع ہونے کے بعد حضرت علی نے دونوں شہزادوں سے دریافت کیا کہ جب تم موجود تھے تو ان کی شہادت کیسے ہوگئی؟ دونوں شہزادوں نے جواب دیا کہ بلوائیوں کا ہجوم دروازے کے بجائے پچھلی دیوار سے چھت پر چڑھ کر حضرت عثمانؓ کے گھر میں کود گیا تھا اور ہم دروازے پر کھڑے رہے اور

ان کا ہجوم اس قدر تھا کہ حضرت عثمان کا دفاع ممکن نہ تھا۔

الغرض صوفیائے کرام جو مال و جان خرچ کرتے ہیں اور بلاؤں میں تسلیم و رضا اور عبادت میں اخلاص برتتے ہیں وہ سب ان ہی کی اقتداء میں ہے۔ درحقیقت آپ حقیقت و شریعت کے امام برحق ہیں، دوستی حق میں آپ کا مرتبہ ظاہر ہے۔

(اردو ترجمہ، کشف المحجوب)

چوتھے خلیفۂ راشد حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ

چوتھے خلیفۂ راشد، اخی مصطفٰی، غریقِ بحر بلا، حریقِ نار ولا، مقتدائے جملہ اولیاء و اصفیاء، سیدنا ابوالحسنؓ علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہیں۔ طریقت میں آپ کی شان عظیم اور مقام رفیع ہے۔ اصول حقائق کی تشریح و تعبیر میں آپ کو دسترس حاصل تھی، یہاں تک کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "شیخنا فی الاصول و البلاء علی المرتضیٰ" اصول و بلا میں ہمارے رہنما و پیشوا حضرت علی مرتضٰی ہیں اور آپ علمِ طریقت اور اس کے معاملات میں ہمارے امام ہیں۔ علم طریقت کو اہلِ طریقت اصول کہتے ہیں، معاملات طریق دراصل بلاؤں کا تحمل ہے۔

منقول ہے کہ کسی نے حضرت علی مرتضٰیؓ سے عرض کیا کہ اے امیر المومنین! مجھے کوئی وصیت فرمائیے: آپ نے فرمایا۔

لا تجعل اکبر شغلک باھلک و ولدك فان یکن اھلک وولدك من اولیاء اللّٰہ تعالیٰ فان اللّٰہ لا یضیع اولیانه و ان کانوا اعداء اللّٰہ ۔فما ھمک و شغلک لا عداء سبحانه ۔

اپنے اہل و عیال سے انہماک تیرا سب سے اہم مشغلہ نہ بن جائے اگر تیرے اہل و عیال اولیاء میں سے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے ولیوں کو ضائع نہیں کرتا اور اگر وہ دشمنِ خدا ہیں تو اس کے دشمن سے تجھے کیا سروکار؟

یہ مسئلہ "من دون اللّٰہ" سے دلی انقطاع و علیحدگی سے متعلق ہے، وہ اپنے

بندوں کو جیسا چاہتا ہے رکھتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اہلیہ کو جو کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی دُختر تھیں، انتہائی نازک حالت (دردِزہ) میں چھوڑ کر راہِ تسلیم و رضائے الٰہی اختیار کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلامؑ نے اپنی بیوی حضرت ہاجرہ اور اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بے آب و گیاہ میدان میں چھوڑ کر رضائے الٰہی پر شاکر ہو گئے۔ انھوں نے ان کو اپنا سب سے بڑا مشغلہ نہ جانا اور ہمہ تن متوجہ ہو کر دل کو حق سے واصل کر لیا۔ بالآخر انھیں دونوں جہان میں سرفرازی حاصل ہوئی۔

حضرت علی مرتضیٰ سے ایک اور موقعہ پر کسی نے دریافت کیا کہ سب سے اچھا عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا "غناء القلب باللّٰه تعالیٰ" اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل کو تونگر بنانا۔ جو دل خدا کے ساتھ غنی ہوتا ہے، اسے نہ تو دنیا کی نیستی پریشان کر سکتی ہے اور نہ دنیا کی ہستی خوش کر سکتی ہے۔ درحقیقت یہ فقر و صفوت کی طرف لطیف اشارہ ہے، جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

لہٰذا اہل طریقت کو چاہئے کہ عبادات کے حقائق، اشارات کے دقائق، دنیا و آخرت کے مال سے انقطاع اور تقدیر الٰہی کے نظارہ میں آپ کی اقتداء کریں۔

(اردو ترجمہ کشف المحجوب ص ۱۱۵، از غلام معین الدین نعیمی)

خلیفۂ پنجم: حضرت امام حسن علیہ السلام

سلسلۂ خلافت راشدہ کی آخری کڑی جناب امام حسن علیہ السلام ہیں، آپ کی شان یہ ہے کہ خلافت راشدہ میں شامل ہیں۔ حضرت ہجویری نے آپ کا ذکر خلفائے راشدین کی بجائے ائمہ اہلِ بیت میں کیا ہے مگر راقم الحروف نے اس کتاب میں ان کا ذکر دونوں جگہ کیا ہے۔ آپ ولایت و امامت کے سلسلۃ الذہب میں بھی منسلک ہیں اور خلافت سے بھی وابستہ ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدتِ خلافت کے متعلق فرمایا تھا......

"الخلافة بعدی ثلثون سنة ثم تکون ملکاً" یعنی میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی پھر بادشاہت قائم ہو جائے گی۔

(تہذیب التہذیب ج ۲، ص ۲۵۹، البدایہ والنہایہ ج ۸، ص ۱۶)

صاحب صواعق محرقہ حضرت علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں "آپ (امام حسن) اپنے نانا کے نص کے مطابق آخری خلیفہ راشد ہیں۔ اپنے باپ (حضرت علی علیہ السلام) کی شہادت کے بعد اہل کوفہ کی بیعت سے آپ خلیفہ بنے اور آپ چھ ماہ اور چند دن تک خلیفہ رہے۔ آپ خلیفہ برحق امام عادل و صادق ہیں اور اپنے نانا (رسول کریمؐ) کی اس پیشین گوئی کو پورا کرنے والے ہیں کہ میرے بعد خلافت تیس سال تک رہے گی۔ یہ چھ ماہ ان تیس سالوں کی تکمیل کرنے والے ہیں، اس لئے آپ کی خلافت منصوص ہے اور اس پر اجماع ہو چکا ہے اور اس کے برحق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔"

(اردو ترجمہ صواعق محرقہ ص ۴۵۷ تا ۴۵۸ از علامہ اختر فتحپوری مطبوعہ لاہور)

آپ ربیع الاول ۴۱ھ میں مسلمانوں کو خون ریزی سے بچانے کے لئے خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ اپنی کتاب خلفائے راشدین میں مولانا محمد عاصم اعظمی نے صحیح لکھا ہے۔ (خلفائے راشدین، ص ۵۲۵ تا ۵۲۶) "شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد امت اسلام میں نزاع و خصومت اور قتل و خونریزی کا الم ناک سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور قیصر و کسریٰ کو فتح کرنے والی باطل شکن تلواریں مسلمانوں کے سر قلم کرنے لگی تھیں، حضرت حسن کے اقدام صلح نے باہمی خون ریزی و فساد کے سلسلے کا خاتمہ کر دیا۔ آپ نے اپنے اقتدار کی قربانی دے کر پوری امت کو ایک قیادت کے رشتے میں منسلک کر دیا، اس طرح رسول گرامیؐ کی یہ مبارک پیشن گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی جو چالیس سال پیشتر حضرت حسن علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمائی گئی تھی۔ "ایک دن رسولؐ منبر پر جلوہ فرمائے ہوئے تھے۔ حسن بن علی علیہما السلام آپ کے پہلو میں بیٹھے تھے، سرکار کبھی لوگوں کی جانب نگاہ کرتے اور کبھی حسن کو دیکھتے پھر ارشاد فرمایا اے لوگو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے

درمیان صلح کرائے گا۔"   (البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۱۶، بحوالہ بخاری شریف)

ڈاکٹر اقبال نے مثنوی اسرار و رموز میں حضرت امام حسن علیہ السلام کو اس طرح خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

آں یکے شمعِ شبستانِ حرم   حافظِ جمعیتِ خیر الامم

یعنی رسول گرامی کے دو شہزادوں (امام حسن اور امام حسین علیہما السلام) میں سے ایک (یعنی امام حسن علیہ السلام) شبستانِ حرم کی شمع فروزاں ہیں اور خیر الامم (امت مسلمہ) کی اجتماعیت کے محافظ و نگہبان ہیں' تقریباً نو سال تک حضرت امام حسن علیہ السلام نے خلافت سے علیحدگی کے بعد مدینۂ منورہ میں زندگی بسر کی۔ آپ کا وجودِ مبارک لوگوں کے دلوں میں کھٹک رہا تھا چنانچہ آپ کو زہرِ ہلاہل پلایا گیا، جس کے اثر سے قلب و جگر کے ٹکڑے کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ جب حالت زیادہ نازک ہوئی اور زندگی کی امید نہ رہی تو حضرت امام حسین کو بلایا ان سے واقعہ بیان کیا انھوں نے زہر دینے والے کا نام پوچھا تو آپ نے فرمایا نام معلوم کر کے کیا کرو گے؟ امام حسین نے کہا کہ اگر زہر دینے والے کا نام بتادیں تو میں اسے قتل کروں گا۔ امام حسن نے فرمایا اگر میرا گمان صحیح ہے تو خدا بہتر بدلہ لینے والا ہے، اگر غلط ہے تو میں نہیں چاہتا کہ کوئی بے گناہ انسان قتل کیا جائے۔ وصیت کے مطابق آپ کے جنازے کو روضۂ رسولِ پاک کے دروازے پر لایا گیا لیکن حاکمِ مدینہ مروان نے (اپنی خباثتِ باطنی کی وجہ سے) ان کے روضۂ نبوی میں دفن کئے جانے کی ممانعت کی۔ امام حسین اور مروان میں شدید اختلاف ہوا اور قریب تھا کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ میں جنگ چھڑ جاتی۔ امام حسین کو امامِ حسن کی دوسری وصیت یاد آئی کہ اگر خونریزی کا اندیشہ ہو تو مجھے جنت البقیع میں دفن کر دینا۔ چنانچہ امام حسین نے فتنہ و فساد سے بچتے ہوئے آپ کو جنت البقیع میں دفن کرنے کا انتظام کیا۔ آپ کی وفات پر پورا عالمِ اسلام سوگوار ہو گیا۔ مدینۂ منورہ میں صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی، بازار بند ہو گئے، گلیوں میں سناٹا چھا گیا، معمولاتِ زندگی معطل ہو گئے۔ جنازے میں لوگ کثرت سے شریک ہوئے۔ ثعلبہ بن مالک جو حضرت

حسن کے جنازے میں شریک تھے، ان کا بیان ہے کہ میں نے بقیع میں اتنا اژدہام دیکھا کہ اگر سوئی پھینکی جاتی تو زمین پر نہیں کسی کے سر پر پڑتی۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ، جلد ۱، ص ۲۳۱)

آپ کی شہادت ربیع الاول ۴۹ ہجری یا ۵۰ ہجری میں واقع ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمرِ شریف ۴۷ ر یا ۴۸ ر برس تھی۔ مستند محدثین، مؤرخین اور اکابرِ علماء نے زہر دینے والی عورت کا نام جعدہ بنتِ اشعث بن قیس درج کیا ہے، جو امام حسن کی زوجہ تھیں۔ (علامہ ابنِ حجر عسقلانی کی کتاب ''تہذیب التہذیب'' جلد: ۲، ص: ۳۰۰)، علامہ مسعودی کی کتاب مروج الذہب علی الکامل جلد ۶، ص ۵۵، علامہ ابوالفداء کی کتاب تاریخِ ابوالفداء، ص: ۱۸۳، علامہ ابنِ اثیر کی کتاب اسد الغابہ، جلد: ۲، ص: ۱۱۵، وجلد: ۳، ص: ۱۸۲، علامہ حسین بن محمد الدیار بکری کی کتاب تاریخ الخمیس جلد ۲، ص ۲۹۲، علامہ ابنِ حجر مکی کی کتاب صواعق محرقہ، ص: ۱۳۸، علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب تاریخ الخلفاء، ص: ۷۴، مولانا عبدالرحمٰن جامی کی فارسی کتاب شواہد النبوۃ اردو ترجمہ، ص: ۲۱۶، اور خاتم المحدثین شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی کتاب سرّ الشہادتین، ص: ۱۰۔ فتاویٰ مصطفوی، ص ۱۵۸ تا ۱۶۱، از مولانا مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمۃ، ناشر برکاتِ رضا، ممبئی ۳۔

جعدہ کے ذریعہ امام حسن علیہ السلام کو زہر دلوانے کی جو سازش کی گئی اس کا ذکر درج ذیل کتابوں میں قارئین ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

داورِ حشر مرا نامۂ اعمال نہ دیکھ
اس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں

سیر الاولیاء اردو ترجمہ از اعجاز الحق قدوسی مطبوعہ لاہور، ص ۸۱، استیعاب از ابنِ عبدالبر، جلد: ۱، ص: ۱۴۴، مطبوعہ: مصر- مروج الذہب از علامہ مسعودی الجزء الثانی، ص: ۳۹، مطبوعہ مصر- روضۃ الصفا از محمد بن خاوند شاہ، جلد ۳، ص ۷، مطبوعہ نولکشور، ۱۲۶۶ھ- تذکرۃ الخواص من الامۃ فی مناقب الائمہ از سبط ابن جوزی متوفی ۶۵۶ھ

بحوالہ طبقات ابن سعد۔

یہ تمام مصنفین اہلِ سنت کے جلیل القدر علماء ہیں۔

اصحاب عشرۂ مبشرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

حضرات اصحاب عشرہ مبشرہ میں چار اسمائے گرامی حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے ہیں، جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ چھ اسمائے گرامی یہ ہیں (۱) حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح (۲) حضرت عبد الرحمٰن بن عوف (۳) حضرت طلحہ بن عبید اللہ (۴) حضرت زبیر بن عوام (۵) حضرت سعد بن ابی وقاص (۶) حضرت سعید بن زید۔ یہ دس اصحاب وہ ہیں، جن کے لئے خصوصا دنیا ہی میں جنت کی بشارت آگئی۔ ان کے اسمائے گرامی کو کسی شاعر نے اس طرح نظم کیا ہے۔

دہ یارِ بہشتی اند قطعی
بو بکر و عمر علی و عثمانؓ
سعد است و سعید و بو عبیدہ
طلحہ زبیر و عبدِ رحماں

اصحابِ صفہ

امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ حضور اکرمؐ کے صحابہ کرام کی ایک جماعت مسجد نبوی میں ہمہ وقت مصروف عبادت رہتی تھی اور انھوں نے کسبِ معاش سے کنارہ کشی اختیار کر رکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو ان پر خصوصی توجہ فرمانے کا حکم دیا چنانچہ ارشاد ہے۔

ولاتطرد الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ (قرآنِ پاک) یعنی جو لوگ دن رات اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں اور اس

کی رضا چاہتے ہیں۔ آپ ان پر توجہ خاص مبذول فرمائیں۔

اصحابِ صفہ کے فضائل ومناقب پر بکثرت آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی ناطق وشاہد ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسولِ خداؐ کا گزر اصحابِ صفہ کی طرف ہوا اور آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ فقر اور مجاہدے کے باوجود خوش وخرم ہیں۔ آپ نے ان سے فرمایا اے اصحابِ صفہ! تم کو اور میری امت کے ہر اس شخص کو جو تمہاری صفت پر خوش دلی سے قائم ہو بشارت دی گئی ہے کہ تم جنت میں میرے رفقاء ہو گے۔

طبقۂ صحابہ کی فضیلت

تمام صحابہ کرام مرتبہ صحابیت میں یکساں ہیں، ان کا زمانہ سب زمانوں سے ہر لحاظ سے افضل تھا۔ درحقیقت صحابۂ کرام کا زمانہ ہی خیر القرون تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبیؑ کی صحبت سے سرفراز فرمایا اور ان کے دلوں کو تمام عیبوں سے محفوظ رکھا تھا۔

حضور اکرم کا ارشاد ہے" خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم" (الحدیث) سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے، اس کے بعد وہ زمانہ جو اس سے متصل ہے پھر وہ جو اس کے بعد آئے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے......

والسبقون الاولون من المهاجرين و الانصار وا لذين اتبعوهم باحسان (سورۃ توبہ، پارہ ۱۱، آیت نمبر ۱۰۰) سب سے پہلے ایمان میں سبقت کرنے والے مہاجرین و انصار ہیں اور وہ لوگ جو بھلائی کے ساتھ ان کے بعد ایمان لائیں گے۔

(اردو ترجمہ، کشف المحجوب، از مفتی غلام معین الدین نعیمی،
ناشر جسیم بک ڈپو، دہلی، ص: ۱۳۳)

OO

دوسرا باب

اہل بیت نبوی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

اولاد امجاد

نبی کریمؐ کی اولاد امجاد سے متعلق متفق علیہ روایت یہ ہے کہ آپؐ کی چھ اولادیں تھیں۔ قاسم، ابراہیم، زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمہ آپ کی سبھی صاحبزادیوں (جن کی تعداد میں کوئی اختلاف نہیں) نے اسلام کا زمانہ پایا اور ہجرت کی سعادت سے بہرہ مند ہوئیں۔ علامہ ابن اسحاق نے دو صاحبزادوں کا مزید نام لیا ہے، طیب اور طاہر۔ مولانا محمد سلیمان منصور پوری کی تحقیق کے مطابق حضرت عبداللہ کا لقب نبی کریمؐ کی جانب سے طیب اور حضرت سیدہ خدیجہ کی جانب سے طاہر ہے۔ اُن ہی کی وفات پر مکہ معظمہ میں سورۂ کوثر نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بعثتِ نبوت کے بعد پیدا ہوئے تھے۔

(رحمۃ للعالمین: ج ۲، ص۹۶ اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی)

شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ اکثر علمائے انساب کا مذہب ہے کہ طیب و طاہر حضرت عبداللہ کا لقب ہے۔ (اردو ترجمہ مدارج النبوۃ ج۲، ص۱۷۱) صاحبزادوں میں قاسم اور ابراہیم پر سب راویوں کا اتفاق ہے۔ حضرت ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے اور بقیہ تمام اولادیں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے تھیں۔ (زرقانی شرح مواہب ص۲۳)

حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم یکے بعد دیگرے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

کے نکاح میں آئیں۔ حضرت زینب کا نکاح حضرت ابو العاص سے ہوا۔ جنگ بدر میں گرفتار ہو کر آئے اور رہا ہونے کے بعد مکے چلے گئے، وہاں سے مدینہ آئے اور اسلام لائے۔ حضرت زینب دوبارہ ان کے نکاح میں آئیں۔ ان تینوں صاحبزادیوں نے یکے بعد دیگرے آپؐ کے سامنے انتقال کیا۔ صرف حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام آپ کی حیاتِ ظاہری تک زندہ رہیں اور چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ کا بھی وصال ہو گیا۔ حضرت فاطمہ کا سال ولادت ۱ بعثت صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بقول مولانا شبلی نعمانی جب پندرہ سال ساڑھے پانچ مہینہ کی ہوئیں تو ۲ھ میں حضورؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نکاح کر دیا۔ حضرت فاطمہ علیہا السلام کی اولاد میں، حسن، حسین، ام کلثوم اور زینب ہیں اور اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں مشہور ہیں۔ حضرت فاطمہ نے ۳/رمضان المبارک ۱۱ھ میں وصال فرمایا۔

آیتِ تطہیر کا خصوصی مصداق کون ہیں؟

علامہ صائم چشتی لکھتے ہیں "مگر صاحب قرآن رسول ہاشمی کے لامحدود اختیارات کی وسعت تو دیکھئے۔ آپ کی حضرت علی و فاطمہ اور حسن و حسین سے والہانہ محبت و شفقت کا اندازہ کیجئے۔ آیت نازل ہوتی ہے انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا۔

(سورۂ احزاب پارہ نمبر۲۲ آیت نمبر۳۳)

(یعنی اے نبی کے گھر والو! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر آلودگی کو دور کر کے تمہیں خوب پاکیزہ کر دے۔)

فدعا النبی، علی و فاطمہ و الحسن و الحسین نزول آیت ہوا تو امام الانبیاء نے آواز دی علی آ جاؤ، بیٹی فاطمہ تم بھی آ جاؤ اور حسن و حسین کو بھی ساتھ لیتی آؤ۔ چاروں نفوس قدسیہ حاضر ہو گئے۔ امام الانبیاء نے ایک طرف حضرت علی کو بٹھایا، دوسری طرف جناب فاطمہ کو بٹھایا۔ جناب حسن و حسین کو گود میں لے لیا اور

شان مزمل کی حامل کملی مقدس میں سب کو چھپالیا اور رب عالم کی بارگاہ میں دعا کی۔
اللھم ھؤلاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس و وطھرھم تطھیرا" یعنی یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں تو ان سے ہر آلودگی کو دور فرما اور خوب پاکیزہ فرما دے۔ آیت تطہیر حضرت ام سلمہ (زوجہ رسول) رضی اللہ عنہا کے گھر میں نازل ہوئی تھی اور وہیں پر ہی یہ بزم نور سجائی گئی تھی۔ ام المومنین ام سلمہ نے یہ کیف پرور اور نور بیز سماں دیکھا تو آگے بڑھ کر دربارِ رسالت میں عرض کیا: "انا معھم یا رسول اللہ" یعنی میں بھی اس بزم نور میں یا رسول اللہ شامل ہوں تو امام الانبیاءؑ نے تالیف قلبی فرماتے ہوئے فرمایا۔ قال انتِ علٰی مکانک انتِ علٰی الخیر ام سلمہ! تم خیر پر ہو اور اپنے مقام پر ہو۔ آیت مقدس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب گھر والوں کو عام حکم فرمادیا ہے، اس لئے اس میں سے عمومی طور پر کسی کو بھی خارج نہیں کیا جا سکتا۔ دُعا کے لئے امام الانبیاءؑ نے صرف چار ہستیوں کا انتخاب فرمایا ہے، اس تخصیص کو توڑا نہیں جا سکتا۔"

("شہید ابن شہید" جلد اول از: مولوی صائم چشتی، ص ۱۰ تا ۱۱،
ناشر: اسلامک پبلی کیشنز، پیچ باغ، کانپور، یوپی)

علامہ صائم چشتی صاحب کا یہ کہنا کہ "(ان چار نفوس قدسیہ یعنی علی، فاطمہ، حسن اور حسین) کی تخصیص کو توڑا نہیں جا سکتا، دُعا کے لئے صرف چار ہستیوں کو منتخب فرمایا ہے۔" یہی پتے کی بات ہے۔ کیونکہ اہلِ بیت میں ازواجِ مطہرات کا شامل ہونا الگ بات ہے اور چادرِ تطہیر میں ان چار نفوسِ قدسیہ کے علاوہ ازواجِ مطہرات کو شریک نہ کرنا اور بات ہے۔ علامہ ابن کثیر جو علامہ ابنِ تیمیہ کے خاص جانثار ہیں وہ بھی امِ سلمہ کے علاوہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آنا بیان کرتے ہیں۔ ابنِ کثیر کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے بھی چادرِ تطہیر میں داخل ہونا چاہا لیکن رسولِ پاکؐ نے ان کو منع کردیا اور وہی فرمایا جو حضرت امِ سلمہؓ سے فرمایا تھا کہ تم خیر پر ہو۔
(تفسیر ابنِ کثیر، جلد ۸، ص ۷۶)

علامہ صائم صاحب نے چاروں نفوس قدسیہ کی تخصیص کی تائید میں درج ذیل کتابوں سے استدلال کیا ہے......

(۱) ترمذی شریف ۲/ ۲۲۷ (۲) المستدرک ۳/ ۱۴۶ (۳) خصائص کبریٰ ۲/ ۲۶۴ (۴) اشعۃ اللمعات ۴/ ۶۸۱ (۵) اسد الغابہ ۳/ ۱۲، ۵/ ۵۲ (۶) نزہت المجالس ۵/ ۲۲۲ (۷) مظاہر حق ۴/ ۱۴۵ (۸) در منثور ۵/ ۱۹۹ (۹) تفسیر کبیر ۶/ ۴۶۵ (۱۰) تفسیر خازن ۳/ ۲۵۹ (۱۱) تفسیر معالم التنزیل ۳/ ۲۵۹ (۱۲) ابن کثیر جلد ۸، ص ۷۵ (۱۳) مدارج النبوت ۲/ ۲۶۴ (۱۴) صواعق محرقہ ص ۴۳ (۱۵) الاصابہ ۴/ ۳۶۷

آیۂ تطہیر اور حدیث کساء لازم و ملزوم ہیں۔ اس سلسلے میں مزید حوالے پیش کئے جارہے ہیں......

(۱) معاصر مفسر محمد عزۃ دروزۃ کی کتاب التفسیر الحدیث ج ۸، ص ۲۶۱ (۲) فقیہ الشافعی علامہ خطیب شربینی تفسیر سراج المنیر ج ۳ ص ۲۴۵ (۳) امام مسلم: صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۱ (۴) امام علامہ طبری: تفسیر جامع البیان جلد ۲۲ ص ۵ (۵) امام بیہقی: سنن بیہقی ج ۲ ص ۱۵۰ (۶) محب الدین طبری شافعی: الریاض النضرۃ ج ۲ ص ۱۸۸ (۷) محب الدین طبری شافعی ذخائر العقبی ص ۲۴ (۸) امام حاکم: المستدرک علی الصحیحین ج ۲ ص ۴۱۶ (۹) علامہ ابن حجر: مجمع الزوائد ج ۹ ص: ۱۶۹ (۱۰) علامہ ابن تیمیہ: منہاج السنہ الجزء الثالث ص ۴ (۱۱) امام احمد بن حنبل: مسند الجزء الاول ص: ۳۳۱ (۱۲) علامہ ابن عبد البر: الاستیعاب فی معرفت الاصحاب الجزء الثانی (۱۳) امام مالک: موطاء (۱۴) امام بغوی: مصابیح السنہ الجزء الثانی ص ۲۷۸ (۱۵) علامہ سلیمان قندوزی حنفی نقشبندی: ینابیع المودۃ عربی تفسیر آیۂ تطہیر، ص: ۱۰۷ تا ص: ۱۰۹۔

اسی طرح آیت مودۃ قل لا اسئلکم علیه اجراًالا المؤدة فی القربیٰ (پارہ نمبر ۲۵، سورہ شوریٰ نمبر ۴۲، آیت نمبر ۲۳) یعنی ”اے نبی کہہ دیجئے کہ میں تو (اس تبلیغ رسالت کا) تم سے کچھ اجر سوائے اس کے طلب نہیں کرتا کہ میرے قربت داروں سے محبت کرو۔“

علامہ صائم چشتی نے آیۂ مودت کا مصداق صرف چاروں نفوس قدسیہ کو قرار دیا ہے اور

درج ذیل حوالے دیے ہیں......
(۱) تفسیر ابن عربی ج ۲ ،ص ۲۱۲ (۲) جلالین مصری ج ۲، ص ۳۲ (۳) مدارک التنزیل، ج ۴، ص: ۱۰۵ (۴) تفسیر کبیر امام رازی ج ۷ ص ۳۹۰ (۵) تفسیر ابن جریر، ج: ۲۵، ص: ۱۴ (۶) تفسیر خازن معالم ۱۲۲/۴ (۷) تفسیر صاوی ۱۴۲/۱ (۸) تفسیر حقانی ۱۱۸/۳ (۹) صواعق محرقہ عربی ص ۱۱۸ (۱۰) زرقانی علی المواہب ۷/۳ (۱۱) فاضل بریلوی مولانا احمد رضاخاں صاحب نے بھی اس آیۂ کریمہ سے متعلق ایک قول یہ بھی لکھا ہے کہ اس آیت میں قربیٰ سے مراد حضرت علی و حضرت فاطمہ و حسنینِ کریمینؓ ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

(کنز الایمان، ص: ۸۷۴، ناشر لیٹین بک ڈپو، لال کنواں دہلی)

علامہ صائم چشتی نے لکھا ہے کہ آیت مودت کے نزول کے بعد صحابۂ کرام نے نبی کریمؐ سے پوچھا کہ وہ آپ کے قرابتدار کون ہیں، جن کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہے تو امام الانبیاء نے فرمایا "علی و فاطمه و ابناهما" یعنی علی فاطمہ اور ان کے بیٹے علیہم السلام زمانہ قریب کے مفسر سید قطب شہید بھی آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ عبدالملک بن میسرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے طاؤس کو اس آیت کے بارے میں عبداللہ بن عباس سے حدیث بیان کرتے ہوئے سنا۔ ابن عباس نے سعید بن جبیر سے سوال کیا، سعید بن جبیر نے جواب دیا محمدؐ کے قربیٰ آل محمدؐ ہیں۔

(فی ظلال القرآن جلد ۷ سورہ شوریٰ کی تفسیر میں)

یہی بات علامہ بحرانی نے ترجمہ صحیح البخاری جزء ششم کے حوالے سے مذکورہ بالا اسناد کے ساتھ لکھی ہے (غایت المرام ص ۳۰۶)، اور ان ہی الفاظ و معانی و اسناد کی طرح علامہ ابراہیم بن معقل النسفی (حنفی) المتوفی ۲۹۰ھ نے آیت مودت کی تشریح کی ہے۔ (تفسیر النسفی بہامش خازن، جلد: ۴، ص: ۹۴)

اسی طرح نور الدین علی بن محمد بن الصباغ مالکی نے بھی اپنی کتاب فصول المہمہ میں بیان کیا ہے علامہ ابراہیم بن محمد الحموینی الجوینی نے بھی اپنی کتاب فرائد السمطین

میں اسی طرح بیان کیا ہے۔ (فرائد السمطین جلد:۱، باب: دوم، ص: ۲۸)

علامہ موفق بن احمد مکی حنفی المعروف بہ علامہ خوارزمی یا اخطب خوارزم نے اپنی دو کتابوں میں یہی بات لکھی ہے۔ (۱) مقتل الحسین ج:۱، ص: ۲۷ (۲) کتاب المناقب علی ابنِ ابی طالب، ص:۳۹۔

واضح رہے کہ علامہ خوارزمی کی کتاب مناقب علیؑ درج ذیل کتابوں کا ماخذ رہی ہے۔ (۱) صواعق محرقہ از ابنِ حجر مکی (۲) کفایت الطالب از محمد یوسف گنجی (۳) فصول المہمہ از ابنِ صباغ مالکی (۴) ینابیع المودۃ از علامہ قندوزی (۵) فرائد السمطین از علامہ حموینی۔

بعینہ یہی مضمون کہ آیۂ مودت کے خصوصی مصداق چاروں نفوس قدسیہ ہیں، درج ذیل علماء کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔

(۱) علامہ ابن حجر مکی کتاب مجمع الزوائد جلد: ۷، ص: ۱۰۳ (۲) امام ابو القاسم الکلبی غرناطی تفسیر الکلبی جلد: ۴، ص: ۲۵ (۳) علامہ شبلنجی شافعی: نور الابصار، ص:۱۰۱ (۴) علامہ محب الدین الطبری: ذخائر العقبیٰ، ص: ۵ (۵) جلال الدین سیوطی: الدر المنثور میں سورۂ شوریٰ کی تفسیر (۶) امام طبری: تفسیر جامع البیان، جلد: ۲۵، ص:۱۶ (۷) علامہ شیخ متقی: کنز العمال، جلد:۱، ص:۲۱۸ (۸) ابو نعیم اصفہانی حلیۃ الاولیاء جلد:۳، ص:۲۰۱۔

ازواج مطہرات اور رسولِ پاک کے سبھی اہل خانہ اس آیت میں عمومی طور پر شریک ہیں مگر حدیث کساء نے صرف چاروں نفوس قدسیہ کو خصوصی طور سے آیۂ تطہیر کا مصداق قرار دیا ہے۔ مولانا ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے بھی لکھا ہے ''بیشک مذکورہ چاروں ہستیاں (علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام) اہلِ بیت میں شامل ہیں اور آقا نے انھیں چادرِ تطہیر میں چھپایا اور ان کے اہلِ بیتِ نبی ہونے کا انکار فرمانِ مصطفےٰ ﷺ کا انکار ہے۔'' مولانا طاہر القادری نے ازواجِ مطہرات کو بھی اہلِ بیت میں شامل کیا ہے لیکن چادرِ تطہیر سے ان کا کوئی تعلق نہیں بتایا ہے۔ جہاں تک اہلِ بیت میں شامل

ہونے کا تعلق ہے، انھوں نے حضرتِ سلمانِ فارسیؓ کو بھی اہلِ بیت میں شامل کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضورؐ نے رحمت کا ہاتھ بڑھاتے ہوئے حضرتِ سلمان فارسی کو بھی اہلِ بیت میں شامل فرمایا ہے۔ (فلسفۂ شہادتِ حسینؓ، ص:۲۶۰)

آیتِ تطہیر کے متعلق رشید المتکلمین علامہ رشید الدین خاں دہلوی شاگردِ رشید شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بڑے جامع انداز میں دلائل پیش کیے ہیں۔ علامہ بیضاوی، امام رازی، علامہ زمخشری، ملا حسین واعظ کاشفی، ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی اور علامہ عیسیٰ جند اللہ برہان پوری متوفی ۱۰۳۱ھ صاحبِ عین المعانی کے حوالے دیئے ہیں۔ (ایضاح لطافۃ المقال، ص ۱۲۷) علامہ مذکور کی تحریر سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ اکثر مفسرین اسی امر کے قائل ہیں کہ آیۂ تطہیر بالخصوص انھیں حضرات کے حق میں نازل ہوئی۔

علامہ شاہ حافظ علی انور قلندر کاکوروی نے بھی اپنی کتاب ''شہادت نامہ'' میں اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے۔ شاہ عبدالحق محدثؒ کی مدارج النبوۃ، علامہ قسطلانی کی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری اور علامہ نورالحق ولد شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی تیسیر القاری، شرح بخاری کے حوالے دیئے ہیں اور اپنی بحث کو حسبِ ذیل عبارت پر ختم کیا ہے۔

''اگر کہیں کہ اہلِ بیت شامل ہیں سب کو لیکن آنحضرتؐ نے برگزیدہ کیا اہلِ بیت سے ان چار حضرات کو اور اشارہ فرمایا کہ آیۂ تطہیر مخصوص انھیں کے ساتھ ہے۔'' (شہادت نامہ، ص:۱۸)

یہاں مسلم شریف کی ایک حدیث بھی قابلِ غور ہے، جس کے راوی حضرت زید بن ارقمؓ ہیں۔ ان سے کسی نے پوچھا ''من اهل بيته. نساؤهُ؟ قال لا ، ايم الله ان المرأة تكون مع الرجل العصر من الدهر ثم يطلقها فترجع الىٰ ابيها و قومها ۔ اهل بيته اصلهٗ و عصبتهٗ الذين حرموا الصدقة بعده'' یعنی اہلِ بیت کون تھے۔ کیا حضرتؐ کی بیویاں تھیں؟ تو

جناب زید بن ارقم نے کہا کہ خدا کی قسم حضرت کی بیویاں حضرت کے اہلِ بیت نہیں ہوسکتیں کیونکہ بیوی کا مرد سے رشتہ مستقل نہیں۔ کچھ دنوں مرد کے ساتھ رہتی ہے پھر وہ اگر اس کو طلاق دیدے تو وہ اپنے باپ اور اپنی قوم میں واپس چلی جاتی ہے۔ حضرت کے اہلِ بیت حضرت کے خاندان والے اور آپ کے وہ قرابتدار ہیں، جن پر حضرت کے علاوہ صدقہ حرام ہے۔ (صحیح مسلم، جلد:۲، ص:۲۸۰)

نبی کریمؐ کی احادیث مبارکہ میں اہلِ بیت کے ساتھ لفظ "عترت" بھی آیا ہے، جیسے "انی تارك فيكم الثقلين كتاب الله و عترتي اهل بيتي، ما ان تمسكتم بهما لن تضلوا بعدي" یعنی میں دو بڑی چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ ایک قرآن شریف دوسری میری عترت جو میرے اہلِ بیت ہیں۔ جب تک تم ان دونوں کی پیروی کروگے گمراہ نہیں ہوسکتے۔ یہ حدیث پاک عترت کے ساتھ حسبِ ذیل کتابوں میں ہے۔

(۱) تفسیر درِ منثور از سیوطی، جلد: ۲، ص:۶۰ (۲) مشکوٰۃ شریف، ج: ۸، ص:۱۳۳ (۳) کنز العمال، جلد:۱، ص:۴۴، مطبوعہ حیدرآباد دکن۔ اس کتاب میں عترتي اهل بيتي کئی جگہ آیا ہے۔ (۴) مسند امام احمد بن حنبلؒ میں جس سے بخاری و مسلم کی احادیث منتخب کی گئی ہیں، اس کی سب جلدوں میں سینکڑوں جگہ یہ حدیثِ پاک عترتي اهل بيتي کے ساتھ موجود ہے۔ (۵) ترمذی شریف، ص:۴۶۷ تا ۴۶۸، مطبوعہ لکھنؤ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ عربی لغت میں عترت کے معنٰی کیا ہیں۔ کیا لفظِ عترت کا اطلاق ازواج پر ہوسکتا ہے؟ میرے پیشِ نظر حسبِ ذیل عربی لغات ہیں۔

۱۔ عترت بالکسر فرزندان و اخص اقارب مرد یا اہل بیت قریب یا خویشان او (منتہی الارب، جلد:۳، ص: ۱۱۷) ۲۔ عترت بالکسر خویشان و نزدیکانِ مرد (صراح، ص:۱۹۶، مطبوعہ لکھنؤ) ۳۔ عترۃ الرجل نسلہٗ و رھطہ الادنون یعنی مرد کی عترت اس کی نسل اور قریبی رشتہ داروں کو کہتے ہیں۔ (مختار الصحاح، ص:۱۳۲، مطبوعہ مصر) ۴۔ العترة

نسل الانسان قال الازھری و روی ثعلب عن ابن الاعرابی ان العترۃ ولد الرجل و ذریتہ وعقبۂ من صلبہ ولا تعرف العرب من العترۃ غیر ذالک یعنی عترت انسان کی نسل ہوتی ہے۔ ازھری نے کہا اور ثعلب نے ابن الاعرابی سے روایت کی کہ عترت مرد کی اولاد اور اس کی ذریت اور اس کے فرزندوں کو کہتے ہیں جو اس کے صلب سے پیدا ہوں۔ عرب عترت کے معنیٰ اس کے سوا اور کچھ جانتے ہی نہیں۔ (مصباح منیر، جلد:۲، ص:۱۸، مطبوعہ مصر)

شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کے یہاں بھی مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں اہلِ بیت کے ساتھ لفظِ عترت آیا ہے۔ آپ نے اہلِ بیت کی تفسیر میں مختلف اقوال درج کیے ہیں۔ ''کبھی اس میں رسول کی ازواجِ مطہرات بھی شامل ہوتی ہیں اور کبھی مخصوص سیدہ فاطمہ، امام حسن و حسین اور علی رضی اللہ عنہم مراد ہوتے ہیں، اس بنا پر کہ ان میں فضیلتیں بکثرت ہیں۔ سلام اللہ علیہم اجمعین۔ (اردو ترجمہ مدارج النبوۃ، جلد:۱، ص: ۵۴۴) شاہ صاحب نے چادرِ تطہیر میں انھیں چاروں نفوسِ قدسیہ کی شمولیت کا اظہار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ''مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ آیۂ تطہیر میں اہلِ بیت سے کون مراد ہے۔ اکثر مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ اس سے مراد سیدہ فاطمہ، حسنینِ کریمین اور علی مرتضیٰ سلام اللہ علیہم اجمعین ہیں، جیسا کہ اکثر روایتیں اس پر دلالت کرتی ہیں لیکن تقاضائے انصاف یہ ہے کہ اس میں ازواجِ مطہرات بھی داخل ہیں۔ اس بنا پر کہ آیۂ کریمہ کا سیاق و سباق اور اس کا نزول انھیں ازواجِ مطہرات کے ضمن میں ہے۔ حضورؐ کا ان چاروں تنِ پاک کو بلانا، آغوش میں لے کر چادر شریف اُڑھانا، پھر یہ دُعا مانگنا کہ اللھم ھٰؤلاء اھل بیتی یعنی اے خدا یہ ہیں میرے اہلِ بیت، اس میں ازواجِ مطہرات کے دخولِ ناپاکی کو دور کرنے کی فضیلت اور پاکی و صفائی میں ان کی شمولیت کوئی منافات یا تعارض نہیں ہے۔'' (ایضاً، ص:۵۴۵)

اسی طرح آیت مودۃ: قل لا اسئلکم علیہ اجراً . . . الاخ'' کی تشریح کرتے ہوئے شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ یہاں قربیٰ سے مراد علی، فاطمہ اور ان

کے دونوں فرزند علیہم السلام ہیں۔ (ایضاً، ص:۵۴۵)

نواب صدیق حسن خاں صاحب نے ترمذی کی مذکورہ بالا حدیث شریف جس میں عترتی و اہل بیتی آیا ہے درج کی ہے۔ اس کے بعد یہ لکھا ہے۔ ''حدیث دلیل ہے اخذِ کتاب اللہ و عترتِ رسول اللہ پر اور اقتران پر ان دونوں کے۔ مراد عترت سے فاطمہ و علی و حسنین اور ان کی نسل ہے۔ (سلام اللہ علیہم اجمعین)

(تشریف البشر بذکر الائمة اثنیٰ عشر، ص:۷)

مختصر یہ کہ اہلِ بیتِ اطہار میں خصوصی طور پر چاروں نفوسِ قدسیہ شامل ہیں۔ ازواجِ مطہرات کی بھی عظمت اور پاکیزگی کا ذکر قرآنِ پاک میں موجود ہے، اس سے بڑی عظمت کیا ہوگی کہ قرآنِ پاک میں انھیں امتِ محمدی کی مائیں قرار دیا گیا ہے۔ ان ہی ازواجِ مطہرات میں سے ایک زوجۂ پاک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خلاف منافقین نے جو تہمت لگائی تو اللہ تعالیٰ نے اس تہمت سے آپ کی برأت کا قرآنِ پاک کی سورۂ نور میں اعلان کیا تا کہ آپ کی پاکیزگی ظاہر ہو جائے۔

آیت مباہلہ

فقل تعالوا ندع ابنائنا و ابنائكم و نسائنا و نسائكم و انفسنا و انفسكم ثم نبتهل فنجعل لعنة الله على الكاذبين

(پارہ:۳، سورہ: آلِ عمران، آیت:۶۱) یعنی ''اے نبی ان سے کہہ دیجئے کہ ہم تم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں۔ پھر مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر لعنت کریں'' اس آیۂ کریمہ کے بارے میں اکابر علمائے اسلام متفق ہیں کہ ان آیات کے مصداق بھی یہی چاروں نفوسِ قدسیہ ہیں۔

مباہلہ کا واقعہ تفاسیر، احادیث اور تاریخ کی کتابوں میں درج ہے اور بے حد مشہور ہے۔ میدان مباہلہ میں نبی کریمؐ اور چاروں نفوس قدسیہ تشریف لے گئے تھے، ان ہی کو پنجتن پاک کہا جاتا ہے (عربی میں خمسۂ نجباء کہتے ہیں)۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ

ہے کہ نجران، یمن میں ایک مقام ہے وہاں عیسائی رہتے تھے اور وہاں ایک عظیم الشان کلیسا تھا، جس کی دنیائے عیسائیت میں مرکزی حیثیت تھی۔ نبی کریمؐ نے انھیں بھی دعوت اسلام بھیجی۔ انھوں نے تحقیقِ حالات کے لئے ایک وفد عبدالمسیح عاقب کی قیادت میں بھیجا۔ وہ وفد مسجد نبوی کے صحن میں مقیم ہوا۔

پیغمبر اسلام سے مباحثہ ہوا مگر وہ قائل نہ ہوئے آخر آیہ مباہلہ نازل ہوئی۔ چنانچہ مباہلہ طے ہو گیا اور ۲۴ ذی الحجہ ۱۰ھ کو پنجتن پاک جھوٹوں پر لعنت کرنے کے لئے نکلے۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۳۵۷)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے نہایت عقیدت و معرفت کے ساتھ واقعہ مباہلہ کی تصویر کشی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "آنحضرتؐ نے ان سے (چاروں نفوس قدسیہ سے) کہا کہ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔" سبحان اللہ کیا وقت اور کیا حالت ہے۔ کیسے گواہان ہیں اور کیسا شہود۔ جماعت نصاریٰ نے جب ان پنجتن پاک کو دیکھا اور دعا و آمین کی بات سنی تو ڈر گئے۔ ان میں سب سے زیادہ عالم و عقلمند ابوالحارث بن علقمہ تھا۔ اس نے کہا کہ "وفدِ محمدی میں ایسے چہرے نظر آرہے ہیں کہ اگر وہ چاہیں تو خدا ان کی خاطر پہاڑ کو اس جگہ سے سرکا دے۔ ہرگز مباہلہ نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور کوئی نصرانی روئے زمین پر باقی نہ رہے گا۔" شیخ محقق نے واقعہ کی مزید تفصیل پیش کی ہے اور نتیجہ یہ بتایا ہے کہ عیسائی وفد نے مباہلہ سے انکار کر دیا، خراج دینا منظور کیا اور رعایا بننا قبول کیا" خراج میں یہ طے ہوا کہ نجران کے عیسائی ہر سال چالیس درہم کے قیمتی دو ہزار حلّے (پوشاکیں) دیں گے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ تیس گھوڑے، تیس شتر، تیس زرہ، تیس نیزے دیں گے۔ پس ان سب اشیاء کی پیش کش کے ساتھ مصالحت ہو گئی۔"

(مدارج النبوۃ، جلد: دوم، شیخ عبدالحق محدث دہلوی،
ص: ۴۹۸ تا ۵۰۰، مطبوعہ نولکشور، ۱۹۰۴ء)

مولانا احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی آیہ مباہلہ کی روایت میں اضافہ کرتے ہوئے

لکھتے ہیں۔ "سیدِ عالمؐ نے فرمایا کہ اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے نجران والوں پر عذاب قریب ہی آچکا تھا۔ اگر وہ مباہلہ کرتے تو بندروں اور سوروں کی صورت میں مسخ کر دیئے جاتے اور جنگل آگ سے بھڑک اٹھتا اور نجران اور وہاں کے رہنے والے پرند تک نیست و نابود ہو جاتے اور ایک سال کے عرصہ میں تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔ (کنز الایمان، ص:۱۰۴، یٰسین بک ڈپو۔ دہلی)

علامہ جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری نے اپنی تفسیر کشاف میں من و عن یہی واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے درج کیا ہے۔ آخری جملہ زمخشری نے یہ لکھا ہے کہ "اس واقعہ میں آل عبا (چاروں نفوس قدسیہ) کے لئے نہایت قوی دلیل ان کی فضیلت کی ہے۔" (تفسیرِ کشاف، جلد ۱، ص ۳۰۷، مطبوعہ مصر)

علامہ صائم چشتی نے اس واقعہ کے ثبوت میں نہایت اہم کتابوں کے حوالے دیئے ہیں۔ راقم الحروف حصولِ سعادت کے لئے چند حوالوں کا اضافہ کرتا ہے۔

(۱) علامہ بیضاوی: تفسیر بیضاوی، ص:۷۶ (۲) علامہ اسمٰعیل حقی، تفسیر روح البیان، جلد:۱، ص: ۴۵۷ (۳) امام بیہقی: سنن بیہقی، جلد:۱، ص:۶۳ (۴) امام احمد بن حنبل: مسند جلد:۱، ص: ۱۸۵ (۵) علامہ بغوی: مصابیح السنہ، جلد:۲، ص:۲۰۱ (۶) علامہ ذہبی سیر اعلام النبلاء، جلد:۳، ص:۱۹۳، (۷) علامہ ابن قیم: زادالمعاد، ج:۱، ص: ۴۹۱۔ (۸) تفسیر تبصیر الرحمان از علامہ علی بن احمد، جلد:۱، ص:۱۱۴ (۹) تفسیرِ فتح البیان، از نواب سید صدیق حسن خاں، جلد:۲، ص:۵۵)

مختصر یہ کہ اس واقعہ کی روایت کو بھی اسناد و رواۃ کے اختلاف لیکن معنیٰ کے اتفاق کے ساتھ ایک بہت بڑی تعداد نے بیان کیا ہے۔

پیغمبرِ اعظمؐ نے یہ بھی فرمایا ہے "لکل بنی ام عصبة ینتمون الیهم الا ابنی فاطمه فأنا ولیهما و عصبتهما یعنی ہر ماں کی اولاد کا عصبہ (باپ) ہوتا ہے جس کی طرف وہ منسوب ہوتی ہے، سوائے حضرتِ فاطمہ علیہا السلام کے بیٹوں کے کہ میں ہی ان کا ولی اور عصبہ ہوں۔ (امام حاکم کی مستدرک، جلد:۳، ص:۱۷۹؛

علامہ سخاوی کی کتاب استجلاب ارتقاء الغرف بحب اقرباء الرسول وذوی الشرف، ص:۱۳۰)

نبی کریمؐ نے مزید فرمایا۔ "ان اللّٰہ تعالیٰ جعل ذریۃ کل نبی فی صلبہ و جعل ذریتی فی صلب علی ابن ابی طالب"

یعنی تمام نبیوں کا سلسلۂ نسل ان کی اپنی پشت سے چلا لیکن میری اولاد کا ظہور پشت علی ابنِ ابی طالب سے ہوگا۔ (الجامع الصغیر از علامہ سیوطی، جلد:۱، ص:۴۹)

جملہ اہل بیت کرام کے لئے جن میں یہ چاروں نفوس قدسیہ بطورِ خاص شامل ہیں، امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ روایت درج کی ہے......

" انا تارك فیکم الثقلین اولھا کتاب اللّٰہ فیہ الھدیٰ والنور فخذوا کتاب اللّٰہ وا ستمسکوا بہ فحث علیٰ کتاب اللّٰہ و رغب فیہ ثم قال و اھل بیتی اذکرکم اللّٰہ فی اھل بیتی، اذکرکم اللّٰہ فی اھل بیتی" یعنی میں دو گراں قدر چیزیں تم میں چھوڑ رہا ہوں۔ ان میں سے پہلی کتاب اللہ ہے جس میں ہدایت اور نور ہے، اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو، پھر آپ نے کتاب کی رغبت دلائی، پھر آپ نے فرمایا اور (دوسری چیز) میرے اہل بیت ہیں۔ میں اپنے اہل بیت کے متعلق تم کو اللہ کی یاد دلاتا ہوں، میں اپنے اہلِ بیت کے متعلق تم کو اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔

اس حدیث پاک کی روشنی میں اہل حق کو ان چاروں نفوس قدسیہ کی توقیر صاف نظر آتی ہے۔ قرآن حکیم کی مزید ایک آیت ملاحظہ ہو......

انا اعطینک الکوثر (سورہ کوثر پارہ ۳۰)

(یعنی اے رسولؐ...... ہم نے تمہیں کوثر عطا کیا)

علامہ حاکم الحکانی حنفی روایت کرتے ہیں کہ ہم سے حصین نے (اسناد کامل کے ذریعہ) علی بن الحسین سے اور علی بن الحسین نے اپنے جد کے حوالے سے رسولؐ کی حدیث بیان کی۔

علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسولؐ نے فرمایا (اے علی)

کیا تم جنت کے کوثر کو جانتے ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کوثر کیا ہے؟ پیغمبر اسلام نے فرمایا کوثر میرے اہل بیت کا مقام ہے۔
(علامہ الحکانی شواھد التنزیل، جلد:۲، ص:۳۷۶)

علامہ فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ ''کوثر سے مراد پیغمبر اسلامؐ کی اولاد ہے، اس لئے کہ یہ سورہ ان (کافروں) کے جواب میں نازل ہوئی جنھوں نے پیغمبر اسلامؐ کو اولاد (نرینہ) نہ ہونے کا طعنہ دیا تھا۔ لہٰذا آپؐ کو ایسی اولاد عطا کی گئی جو ہر زمانے میں باقی رہے گی۔ چنانچہ اہل بیت سے کتنے افراد شہید کئے گئے، پھر بھی دُنیا ان سے بھری پڑی ہے اور بنی امیہ سے کوئی ایک بھی روئے زمین پر باقی نہ رہا۔''
(تفسیر کبیر، جلد:۳۰، سورہ کوثر کی تفسیر میں)

حضرت شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے ان چاروں نفوس قدسیہ کے بارے میں اپنے رسالہ تکمیل الایمان میں فیصلہ کن بات کہی ہے۔
''بہ حسبِ شرفِ ذات، طہارتِ طینت و پاکیٔ جوہر ہیچ کس بہ فاطمہ، حسن و حسین و دیگر اہلِ بیت نہ رسد۔'' یعنی شرفِ ذات، طہارتِ طینت، پاکی جوہر میں کوئی بھی فاطمہ، حسن و حسین اور دیگر اہلِ بیت کو نہیں پہنچتا۔

اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے شیخ محقق لکھتے ہیں: ''این فضائل که ذکر کرده شده راجع به شرف ثواب و نفعِ اهلِ اسلام نیست بلکه به مزید شرفِ نسب و کرامتِ جوهر ذات است. چه شک نیست که در اولادِ پیغمبر که اجزائے اویند شرفے و شانے هست که در ذاتِ شیخین نیست. هیچ کس را در آنجا مجالِ توقف و انکار نه خواهد بود.'' یعنی جن فضائلِ اہلِ بیت کا ذکر کیا گیا وہ کثرتِ ثواب اور اہلِ اسلام کے نفع کی طرف راجع نہیں ہیں بلکہ اس پر مزید ان کا (اہلِ بیت کا) شرفِ نسب اور کرامتِ جوہرِ ذات ہے کیونکہ اس بات میں شک نہیں کہ اولادِ پیغمبر میں جو کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اجزاءِ مبارکہ ہیں۔ ایک ایسا شرف و شان ہے جو شیخین (یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت

عمر رضی اللہ عنہما) کی ذات میں نہیں ہے۔ کسی شخص کو اِس مقام پر انکار اور توقف کی مجال نہیں ہوگی۔ (رسالہ تکمیل الایمان، ص:۵۷، فارسی)

چاروں نفوسِ قدسیہ میں حضرات حسنینؑ کا فرزندانِ رسول ہونا

ان چاروں نفوسِ قدسیہ میں حضرات حسنین کو آیۂ مباہلہ اور دوسری احادیث مبارکہ کی روشنی میں نبی کریمؐ کا بیٹا قرار دیا گیا ہے۔ نواسے ہونے کے علاوہ یہ دونوں شہزادے بیٹے بھی قرار پائے۔ بعض مسلم شخصیتوں کو ان کے بیٹے ہونے میں اشکال پیدا ہوا تو اس دور کے مستند علما نے اس کا جواب دیا۔ مثال کے طور پر امام فخرالدین رازیؒ نے حضرت امام شعبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کی موجودگی میں حجاج بن یوسف اموی نے خراسان کے مشہور فقیہ یحییٰ بن یعمر کو بلخ سے بیڑیاں پہنائے ہوئے بلوایا۔ ان کا قصور یہ تھا کہ وہ حضرات حسنین کے اولادِ رسول ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ حضرتِ یحییٰ سے حجاج نے کہا کہ تم اپنے دعوے کی دلیل میں آیۂ مباہلہ کے علاوہ کوئی اور دلیل پیش کرو۔ حضرتِ یحییٰ نے برجستہ درجِ ذیل آیۂ قرآنِ پاک تلاوت کی۔ ''و نوحاً هدينا من قبل و من ذريته داؤد و سليمٰن و ايوب و يوسف و موسىٰ و هرون و كذالك نجزى المحسنين و زكريا و يحيىٰ و عيسىٰ و الياس كل من الصلحين'' (پارہ: ۷، الانعام سورہ:۶، آیت: ۸۵، ۸۶) یعنی ان سے پہلے نوح کو بھی ہم نے راہِ راست دکھائی اور ان ہی کی نسل میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون سب کو ہم نے راہِ راست دکھائی اور خلوص دل سے نیک کام کرنے والوں کو ہم ایسے ہی صلے عطا کرتے ہیں اور اسی طرح زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کو جو سب کے سب صالحین میں سے تھے۔ حضرتِ یحییٰ فقیہ نے حجاج سے مخاطب ہوکر کہا کہ حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی والدہ حضرت مریمؑ کے واسطے سے انھیں حضرت نوح کی اولاد میں شامل کیا۔ خداوندِ عالم نے جس طرح حضرت نوح کے پوتوں کو ان کی اولاد میں شامل

کیا، اسی طرح ان کے نواسے حضرت عیسیٰ کو بھی حضرت نوح کی ذریت میں داخل کیا۔
امام شعبی کا بیان ہے کہ حضرت یحییٰ کی اس دلیلِ قرآنی کو سن کر حجاج مبہوت ہو گیا۔
(تفسیرِ کبیر، جلد: ۱، ص: ۴۰۹)

امام سیوطی نے بھی یہ واقعہ اسی طرح درج کیا ہے۔ (تفسیر درِ منثور، جلد: ۳، ص: ۲۸) نواب صدیق حسن خاں اس واقعہ کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ "حجاج اور یحییٰ بن یعمر کا یہ واقعہ مختلف عبارتوں اور بہت سے طریقوں سے بیان کیا گیا ہے اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ نسب ماں کی طرف سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے کہ خدا نے حضرتِ عیسیٰ کو حضرتِ نوح کی ذریت میں ذکر کیا ہے اور ان کا کوئی باپ تھا ہی نہیں، پھر ان کی ماں کی وجہ سے تو خدا نے ان کو حضرتِ نوح کی ذریت میں ذکر کیا۔
(تفسیر فتح البیان، جلد: ۳، ص: ۱۸۷، مطبوعہ مصر)

علامہ ابنِ کثیر نے بھی یہ واقعہ اسی دلیل کے ساتھ لکھا ہے۔ (تفسیر ابنِ کثیر، ص: ۹۳، مطبوعہ مصر) علامہ ابنِ خلکان نے بھی اس واقعہ کو تفصیل سے لکھ کر حضرت یحییٰ کے استدلال کی بیحد تعریف کی ہے۔ (وفیات الاعیان المعروف بہ تاریخ ابنِ خلکان، جلد: ۲، ص: ۲۲۷، مطبوعہ مصر) اس واقعے کا تذکرہ امام شافعی نے بھی کیا ہے۔ (مرأۃ الجنان، جلد: ۱، ص: ۱۷۲، مطبوعہ حیدرآباد دکن) علامہ کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی اپنی کتاب مطالب السؤل (ص: ۱۳) میں لکھتے ہیں کہ امام شعبی جو بہت بڑے عالم تھے، ان سے بھی حجاج نے اسی موضوع پر مناظرہ کیا تھا اور انھوں نے آیۂ مذکورہ بالا کے علاوہ بخاری شریف کی حدیث شریف کا یہ فقرہ امام حسنؑ سے متعلق پیش کیا تھا۔ "ان ابنی هذا سيدٌ" یعنی یقیناً میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد: ۸، ص: ۱۶) امام شعبی کے سامنے حجاج ان کے دلائل سن کر خاموش ہو گیا۔

مقامِ تعجب ہے کہ حجاج اور حضرت یحییٰ کے اس فیصلہ کن مباحثے کے بعد بھی یہ اشکال باقی رہا اور عباسی خلیفہ ہارون رشید نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے سوال کیا کہ آپ اپنے کو کس طرح ذریتِ رسول کہتے ہیں جبکہ آپ حضرت علی کی ذریت ہیں۔

امام موصوف نے آیۂ مباہلہ بھی پڑھی اور مذکورہ بالا آیۂ کریمہ سے بھی استدلال کیا۔
(صواعق محرقہ عربی، ص:۱۲۲، اردو ترجمہ صواعق محرقہ، ص:۶۷۳ تا ۶۷۴
نورالابصار، ص:۱۳۴؛ وفیات الاعیان، جلد:۲، ص:۱۳۱)

اہلِ بیتِ اطہار کی پانچ امور میں نبی کریمؐ کے ساتھ شرکت

اللہ تعالیٰ نے اہلِ بیتِ اطہار کو پانچ باتوں میں رسالت مآب کا شریک کیا ہے۔
علامہ ابنِ حجر مکی نے امام فخرِ رازی کے حوالے سے لکھا ہے۔" ذکر الفخر الرازی
ان اھل بیتہ یساوونہٗ فی خمسۃ اشیاء فی السلام قال السلام
علیک ایھالنبی و قال سلامٌ علیٰ آلِ یٰسین و فی الصلوٰۃ
علیہ و علیھم فی التشھد و فی الطھارت قال تعالیٰ طٰہٰ ای یا
طاھر و قال یطھرکم تطھیرا و تحریم الصدقہ وفی المحبہ
قال تعالیٰ فاتبعونی یحببکم اللہ و قال قل لاِاسئلکم علیہ
اجراً الا المؤدۃ فی القربیٰ" یعنی امام فخرالدین رازی نے بیان کیا ہے کہ
رسولِ پاکؐ کے اہلِ بیت پانچ باتوں میں آپ کے مساوی ہیں۔ (۱) سلام میں کہ
السلام علیک ایھا النبی اور سلام علیٰ آلِ یٰسین (۲) تشھد کے اندر صلوٰۃ میں (الھم صل علی
محمد و علیٰ آل محمد.. الاخ) (۳) طہارت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے فرمایا طٰہٰ یعنی
اے طاہر اور اہلِ بیت کے لئے فرمایا یطھرکم تطھیرا (۴) صدقے کے حرام ہونے میں
کہ جس طرح رسول پاکؐ پر حرام کیا آپ کے اہلِ بیت پر بھی حرام کیا۔(۵) محبت
واجب ہونے میں کہ خدا نے جس طرح مسلمانوں کو حکم دیا کہ میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ
تم سے محبت کرے گا۔ یہاں اتباع سے مراد محبت کے ساتھ اطاعتِ رسول میں فنا ہونا
ہے اور اہلِ بیت کے ساتھ آیۂ مؤدت (قل لااسئلکم . . الاخ) کی روشنی میں
محبت کو واجب قرار دیا ہے۔ (صواعق محرقہ عربی، ص:۸۹ و اردو ترجمہ ص:۵۰۳)
صواعقِ محرقہ کے علاوہ امام رازی کا یہ قول درج ذیل کتابوں میں بھی موجود

ہے۔(۱) رشفۃ الصاوی از علامہ سید ابوبکر بن شہاب الدین علوی، ص:۳۴، مطبوعہ مصر (۲) اسعاف الراغبین از علامہ الصبان، ص:۱۷۷، مطبوعہ مصر (۳) تشریف البشر بذکر الائمۃ الاثنی عشر از نواب صدیق حسن خاں، ص:۸۔

یہاں سلام علیٰ آلِ یٰسین کی وضاحت ضروری ہے، کیونکہ قرآنِ پاک میں سلام علی الیاسین آیا ہے۔اس سلسلے میں مستند مفسرین کے اقوال درج ذیل ہیں۔

علامہ سیوطی نے سلام علیٰ آلِ یٰسین لکھا ہے۔(تفسیرِ درِ منثور، جلد:۵، ص:۲۸۵، مطبوعہ مصر) امام رازی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔(تفسیرِ کبیر جلد:۷، ص:۱۶۱) نواب صدیق حسن خاں کی بھی یہی رائے ہے۔(تفسیرِ فتح البیان، جلد:۸، ص:۷۷، مطبوعہ مصر) علامہ ابنِ کثیر نے وضاحت سے لکھا ہے"قرأ آخرون سلام علیٰ آلِ یٰسین و ہی قرأۃ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہٗ و قال آخرون سلام علیٰ آلِ یٰسین یعنی آلِ محمد ﷺ" یعنی دوسرے لوگوں نے سلام علیٰ آلِ یٰسین پڑھا ہے اور یہی قرأت ابنِ مسعودؓ کی ہے اور دوسرے لوگوں نے کہا ہے کہ سلام علیٰ آلِ یٰسین ہے یعنی آلِ محمد پر خدا کا سلام ہو۔(تفسیرِ ابنِ کثیر، جلد:۸، ص:۳۷۳، مطبوعہ مصر) امام سیوطی نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ ابنِ عباس کا قول ہے کہ آلِ یٰسین سے مراد آلِ محمد ہیں۔(تفسیرِ درِ منثور، جلد:۵، ص:۲۸۶) مذکورہ بالا مستند مفسرین کے اقوال کے مطابق سلام علی الیاسین کی تشریح کر دی گئی ہے تاکہ کوئی اشکال باقی نہ رہے۔راقم الحروف نے اہلِ بیتِ اطہار کے لئے اسی بنا پر علیہم السلام لکھا ہے۔ اگرچہ ان کے لئے رضی اللہ عنہم کہنا بھی صحیح ہے۔یہ الفاظ عام طور پر صحابۂ کرام کے لئے لکھے جاتے ہیں لیکن ان کے لئے مخصوص نہیں ہیں۔مستند علمائے اسلام نے غیرِ صحابہ کے لئے بھی یہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ردالمحتار شرح درمختار (جلد:۵، ص:۴۸۰) میں ہے کہ"یستحب الترضی للصحابۃ والترحم للتابعین و من بعدھم من العلماء ولعباد وسائرالاخیار وکذا یجوز عکسہٗ وھو الترحم للصحابۃ والترضی للتابعین و من بعدھم علی

الراجح" ملخصاً یعنی صحابہ کے لئے رضی اللہ عنہ مستحب ہے اور تابعین کے لئے رحمۃ اللہ علیہ مستحب ہے اور اس کا الٹا یعنی صحابہ کے لئے رحمۃ اللہ علیہ اور تابعین وغیرہ علماء و مشائخ کے لئے راجح مذہب پر رضی اللہ عنہ بھی جائز ہے۔ علمائے دیوبند نے بھی اپنے اکابر مولوی محمد قاسم نانوتوی اور مولوی رشید احمد گنگوہی کو رضی اللہ عنہما لکھا ہے۔

(تذکرۃ الرشید، جلد:۱، ص:۲۸)

اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ ہم خلفاء ثلاثہ اور جملہ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کا احترام نہ کریں بلکہ ان کا ادب و احترام تو جزو ایمان سمجھنا ضروری ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اپنے ایک مکتوب میں صحابہؓ کے بارے میں حدیث نجوم کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ کشتی میں سفر کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ستارے پر نظر رکھے تاکہ دریا میں صحیح رہنمائی حاصل کر سکے، حضرت مجدد نے آیتِ قرآنی و بالنجم هم يهتدون یعنی اور ستارے سے وہ راہ پاتے ہیں کو سامنے رکھ کر بڑا جامع استدلال کیا۔

(مکتوب امام ربانی، دفتر اوّل مکتوب نمبر:۵۹)

جہاں تک ائمہ اہل بیت اطہار اور ابو الائمہ حضرت علی کا تعلق ہے، ان کی خصوصی شان کو ایک دوسرے مکتوب میں ظاہر کیا ہے جس کا حوالہ تنظیم سلاسل کے باب میں موجود ہے، ان چاروں نفوس قدسیہ کے فضائل و کمالات کا ماننا رفض نہیں ہے۔ رفض تو صحابہ کرام سے عداوت رکھنے کا نام ہے جیسے خوارج و نواصب جو اہل بیت کے دشمن ہیں۔ اہل سنت الحمدللہ صحابہ اور اہل بیت دونوں کی محبتوں کے جامع ہیں۔ فاضل بریلوی نے بجا فرمایا ہے......

اہلِ سنت کا ہے بیڑا پار، اصحاب حضور
نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی

عجیب معاملہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان ان چاروں نفوس قدسیہ کے فضائل و کمالات کا کماحقہ ذکر کرتا ہے تو بعض سنی نما لوگ (جو حقیقت میں سنی نہیں ہیں) اس مسلمان کو

شیعہ یا رافضی کہہ کر بدنام کرنے لگتے ہیں۔ ایسا ہی ایک واقعہ حضرت شاہ عبد العزیز کے ساتھ ہوا۔ ایک روہیلہ پٹھان جس کا نام آفتاب تھا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے درس میں شریک ہوا کرتا تھا۔ ایک دن شاہ صاحب نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل ومناقب بیان کیے تو اس کو اتنا غصہ آیا کہ اس نے درس میں شریک ہونا بند کر دیا۔ خود شاہ صاحب کا بیان ہے "بندہ را شیعہ فہمیدہ آمدن در درس موقوف کرد"

(تاریخِ مشائخِ چشت، نشر کردہ، ندوۃ المصنفین، دہلی، ص ۳۶۵،

بحوالۂ ملفوظاتِ شاہ عبدالعزیز)

ایسا ہی ایک واقعہ شاہ صاحب کے والدِ ماجد حضرت شاہ ولی اللہ کے ساتھ پیش آیا۔ ایک شخص نے شاہ ولی اللہ سے شیعوں کو کافر قرار دینے کے متعلق فتویٰ دریافت کیا تو شاہ صاحب نے اختلاف کیا۔ وہ شخص یہ کہہ کر کہ "ایں شیعی است" چلا گیا۔ (ایضاً)

حد یہ ہے کہ ایک نام نہاد مصنف احسان الٰہی ظہیر نے عربی میں البریلویۃ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، جس میں فاضل بریلوی کی رسول پاکؐ، جناب سیدۃ النساء العالمین فاطمۃ الزہرا اور ائمہ اہل بیت سے والہانہ عقیدت کی وجہ سے ان پر شیعیت کا الزام لگایا ہے۔ وہ لکھتا ہے، "وہ (یعنی فاضل بریلوی) شیعی روایات واحادیث کی روایت کرتے تھے اور انھیں اہل سنت میں رواج دیتے تھے۔" (البریلویۃ، ص: ۲۱ تا ۲۲)

کن روایات کی بناء پر اس نے ایسا لکھا ہے، ان کا ذکر آگے آرہا ہے۔ نجدی علماء میں یہ کتاب خاصی مقبول ہوئی۔

حضرت علی کا ذکر باب ولایت اور باب امامت میں موجود ہے قارئین ملاحظہ کر لیں گے۔ ازواج مطہرات، خلفاء راشدین، عشرہ مبشرہ اور اصحاب صفہ کا ذکر بھی کتاب ہذا میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی گئی ہے۔ اس ذکر شریف اہلِ بیتِ کرام سے مقصود حضرات صوفیاء اسلام پر ان کا اثر دکھانا ہے۔ ایک ذات گرامی یعنی حضرت سیدۃ النساء العالمین فاطمہ زہرا کا ذکر یہاں ضروری ہے تاکہ ان کے حیات طیبہ کے وہ پہلو سامنے آجائیں جن سے، صوفیاء اسلام متاثر ہوئے ہیں۔

سیدۃ النساء العالمین فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا

آپ کی فضیلت کی انتہاء یہ ہے کہ پدر بزرگوار نبی الانبیاء محمد مصطفیٰؐ ہیں، شوہر نامدار ولی الاولیاء حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہیں اور پسران ذی وقار (یعنی امام حسن اور امام حسین علیہما السلام) سردارِ جوانان اہل جنت ہیں۔

آپ دو اماموں (حسن و حسین علیہما السلام) کی والدہ ہیں اور نو ائمہ اہل بیت اطہار کی جدہ عالیہ ہیں اور حضور غریب نواز کی بھی جدہ عالیہ ہیں۔

شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال مرحوم نے جناب سیدہ کی اس فضیلت کو اپنے خاص عارفانہ اور عاشقانہ انداز میں اس طرح پیش کیا ہے......

مریم از یک نسبتِ عیسیٰ عزیز　　　از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز

یعنی جناب مریم کو صرف ایک نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عزت حاصل ہوئی (کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ ہیں) مگر حضرت فاطمہ زہرا کو تین نسبتوں کی وجہ سے عزت ملی ہے......

نور چشم رحمت للعالمین　آں امام اولین و آخریں

یعنی وہ نبی کریمؐ جو رحمۃ للعالمین اور امام اولین و آخرین ہیں، ان کی نور نظر ہیں

بانوئے آں تاجدار ھل اتیٰ　　مرتضیٰ مشکل کشا شیر خدا

آپ زوجہ گرامی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ہیں جو مرتضیٰ ہیں، مشکل کشا ہیں اور شیرِ خدا ہیں اور جو قرآن حکیم کی سورہ ھل اتیٰ (سورہ دہر) کے تاجدار ہیں۔

اس سورہ دہر میں ان کے اور ان کے گھر والوں کے فضائل کا ذکر ہے۔

مادر آں مرکز پرکار عشق　　　مادرِ آں قافلہ سالار عشق

عشق الٰہی کے پرکار کے مرکز کی اور قافلہ سالار کی مادر گرامی ہیں۔

اس شعر سے اقبال کی مراد حضرت امام حسین علیہ السلام سے ہے۔

آں یکے شمع شبستان حرم　　　حافظ جمعیت خیر الامم

اس شعر سے اقبال کی مراد امام حسن علیہ السلام ہیں، جن کا ذکر خلفائے راشدین میں بہ حیثیت خلیفۂ پنجم اسی شعر کے ساتھ کر دیا گیا ہے۔ اسی نظم میں جو اقبال کی مثنوی اسرار و رموز میں ہے انھوں نے مزید کہا ہے

بہر محتاجے دلش آں گونہ سوخت　　با یہودے چادر خود را فروخت
نوری و ہم آتشی فرماں برش　　گم رضایش در رضائے شوہرش
آں ادب پروردۂ صبر و رضا　　آسیا گردان و لب قرآں سرا
گریہ ہائے او ز بالیں بے نیاز　　گوہر افشاندے بدامانِ نماز
اشک او بر چید جبریل از زمیں　　ہمچو شبنم ریخت بر عرشِ بریں

یعنی وہ فاطمہ زہرا جس نے اپنی چادر مبارک یہودی کو فروخت کر کے سائل کا سوال پورا کر دیا۔　　(خاتون جنت مولفہ ملک محمد دین، ص: ۱۲۴ تا ۱۲۵)

ملائکہ (نوری مخلوق) اور اجنہ (آتشی مخلوق) دونوں ان کے فرمانبردار تھے مگر (اس عظمت و وجاہت کے باوجود) انھوں نے اپنی رضا کو شوہر (حضرت علی) کی رضا میں گم کر دیا تھا۔ یعنی ان کی رضا حضرت علی کی رضا کے تابع تھی۔ جن کی پرورش نبی کریمؐ نے صبر و رضا کے آداب سکھا کر کی تھی۔ وہ چکی بھی پیستی جاتی تھیں اور قرآن کی تلاوت بھی کرتی جاتی تھیں۔ جب وہ نماز پڑھتی تھیں تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ ان آنسوؤں کو حضرت جبریل علیہ السلام موتیوں کی طرح چن کر مثلِ شبنم عرش بریں پر بکھیر دیتے تھے۔

عصرِ حاضر کے عظیم عالم اہل سنت احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے بارگاہِ سیدہ میں جو گلہائے عقیدت اشعار کی شکل میں پیش کئے ہیں ان کا جواب ممکن نہیں۔

اس بتول جگر پارۂ مصطفیٰ　　حجلہ آرائے عفت پہ لاکھوں سلام
جس کا آنچل نہ دیکھا مہ و مہر نے　　اس ردائے نزاہت پہ لاکھوں سلام
سیدہ، زاہرہ، طیبہ، طاہرہ　　جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام

اسم گرامی فاطمہ کی وجہ تسمیہ

محققین علمائے اہل سنت نے نام مبارک فاطمہ رکھے جانے کی جو وجہ بتائی ہے، وہ حضرت ملا علی قاری حنفی علیہ الرحمۃ کی زبان سے سنیے۔ وہ فرماتے ہیں: **فقد ورد مرفوعاًانما سميت فاطمة لان الله قد فطمها و ذريتها عن النار يوم القيامة اخرجه الحافظ الد مشقي و روى النسائي مرفوعاً انما سميت فاطمة لان الله تعالىٰ فطمها و محبيها عن النار**

(علی بن محمد القاری المعروف بہ ملا علی قاری شرح فقہ اکبر ص: ۱۱۰، مصطفیٰ البابی مصر)

(ترجمہ) "مرفوعا وارد ہے (یعنی یہ نبی کریمؐ کا فرمان ہے) کہ فاطمہ، اس لئے نام رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اور ان کی اولاد کو قیامت کے دن آگ سے محفوظ کر دیا ہے۔ یہ روایت حافظ الحدیث ابن عساکر دمشقی نے بیان کی ہے۔ امام نسائی حدیث مرفوعا روایت کرتے ہیں کہ فاطمہ اس لئے نام رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اور ان کے محبین کو آگ سے محفوظ کر دیا ہے"۔

علامہ شبلنجی شافعی اور علامہ ابن حجر مکی شافعی نے علامہ ابن درید کے حوالے سے حضرت سیدہ کے اسم مبارکہ فاطمہ کی یہی وجہ بتائی ہے۔

(نور الابصار، ص: ۴۵، صواعق محرقہ عربی، ص: ۱۸۸)

فاضل بریلوی نے مذکورہ بالا علماء کرام کی تائید کرتے ہوئے فتاویٰ رضویہ میں جزاء اللہ عدوہ" کے زیر عنوان یہی خیال ظاہر کیا ہے۔

جناب سیدہ کی یہ فضیلت کیا کم ہے کہ نبی کریمؐ کی خدمت میں جب وہ حاضر ہوتی تھیں تو آپؐ کھڑے ہو جاتے تھے اور ان کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیتے تھے اور اپنی جگہ ان کو بٹھاتے تھے۔ الفاظ حدیث میں یہ ہیں...... **واذا دخلت على النبى ﷺقام اليها فقبلها و اجلسها فى مجلسه** (ترمذی شریف،

جلد:۲، ص: ۲۲۷) علامہ عسقلانی نے فتح الباری (۱۱: ۵۰) میں ابوداؤد اور ترمذی کی یہ حدیث درج کی ہے...... "عن ام المومنین عائشة رضی الله عنها أنها قالت: کانت (فاطمة) اذا دخلت علیه ﷺ رحب بها و قام الیها فأخذ بیدها فقبلها و اجلسها فی مجلسه" یعنی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا حضور نبی کریمؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتیں تو آپؐ سیدہ سلام اللہ علیہا کو خوش آمدید کہتے، کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے، ان کا ہاتھ پکڑ کر اسے بوسہ دیتے اور انھیں اپنی نشست پر بٹھاتے۔ علامہ عسقلانی کہتے ہیں کہ ابوداؤد اور ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے جبکہ ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

ایک بار بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہوئیں تا کہ آپؐ سے گھر کے کام کاج میں مدد کے لئے کوئی کنیز مانگ لیں۔ مگر آپ کے پاس مجمع دیکھ کر بغیر کچھ کہے سنے واپس آ گئیں۔ آپؐ دوسرے دن بیت الشرف فاطمہ پر تشریف لائے اور ان سے پوچھا کیا حاجت تھی جو تم میرے پاس آئی تھیں۔ حضرت علی نے وجہ بتائی تو آپؐ نے فرمایا کہ میں تم دونوں کو ایسی چیز بتاؤں جو خادم سے بہتر ہو۔ جب تم سونے لگو تو ۳۳ / بار سبحان اللہ، ۳۳ / بار الحمد للہ اور ۳۴ / بار اللہ اکبر پڑھا کرو (صحیح بخاری الجزء الثالث، ص: ۱۹۲، باب عمل المرأة فی بیت زوجها) حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے کہ ایک بار رسول پاکؐ خانہ سیدہ میں آئے تو آپ ان کے گلے میں چاندی کی زنجیر دیکھ کر واپس لوٹ گئے۔ حضرت فاطمہ کو سخت ملال ہوا۔ آپ نے اسے فروخت کر کے قیمت رسول خدا کو بھجوا دی۔ آپ نے اصحاب صفہ پر خرچ کر دی۔

غرض کہ آپ بقول اقبال "ادب پروردۂ صبر و رضا" ہیں اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو دیکھ کر صوفیاء اسلام نے بھی صبر و رضا اور اختیاری فقر و فاقہ کی راہ اختیار کی ہے۔ رسول پاکؐ کے دولت کدہ میں جس طرح فقر و فاقہ ہوتا تھا، اسی طرح جناب سیدہ کا بیت الشرف بھی فقر و فاقہ کا مظہر تھا۔ تاریخ اور احادیث میں بے شمار واقعات ہیں، جن سے

آپ کی قناعت پسندی، غرباء نوازی اور فقر و فاقہ کے حالات کا اندازہ ہوتا ہے۔
حدیث پاک ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ اے بیٹی فاطمہ! کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تو جنت کی عورتوں کی سردار ہو یا تمام مسلمان عورتوں کی سردار ہو۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں...... بداں کہ ایں حدیث دلالت دارد بر فضل فاطمہ بر تمامۂ نساء مومنات حتی کہ از مریم و آسیہ و خدیجہ و عائشہ رضی اللہ عنہن۔
(اشعۃ اللمعات، جلد:۴، ص:۳۸۰)
اس حدیث سے جناب سیدہ کی فضیلت تمام مومن خواتین پر ثابت ہوتی ہے حتیٰ کہ حضرت مریم و آسیہ و خدیجہ و عائشہ۔ مختصر یہ کہ آپ ہی کی ذاتِ گرامی منبع ہے، سیادت، ولایت، امامت اور معرفت کا۔ اسی لئے صوفیاء ان سے بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں۔ بعض بزرگوں نے اپنے منظوم شجروں میں رسولِ پاک اور علیٔ مرتضیٰ کے اسمائے گرامی کے بعد یہ شعر بھی بڑھایا ہے......
بلبلِ باغِ مدینہ، قرۃ العینِ رسول   یعنی بی بی فاطمہ خیر النساء کے واسطے
اس باب میں جتنی کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں وہ بحمد اللہ اہلِ سنت والجماعت کے علماء کی تصنیفات ہیں۔ یہاں یہ بات بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ حضرت خواجۂ بزرگ آلِ نبی اولادِ علی ہیں اور جگر گوشۂ رسول و آلِ رسول ہیں، اسی طرح اُن کے خادمِ خاص حضرت خواجہ سید فخر الدین گردیزی (خدامِ غریب نوازؒ کے مورثِ اعلیٰ) بھی کاظمی سادات میں سے ہونے کی بنا پر رسول و آلِ رسول سے وابستہ ہیں، اس لئے ان حضرات پر پنجتنِ پاک علیہم السلام کی محبت کا بے پایاں غلبہ ہے، جسے بزخود غلط اور خانہ بر اندازِ چمنِ اہلِ سنت شیعیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ خدام غریب نواز جس طرح پنجتن پاک کے ایامِ وصال پر نورانی مجلسیں منعقد کرتے ہیں، اسی طرح حضراتِ خلفائے ثلاثہ (صدیقِ اکبرؓ، فاروقِ اعظمؓ اور عثمانِ ذی النورینؓ) کے ایام وصال پر بھی مجالس کا انعقاد کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تاریخِ وصال پر بھی احاطۂ نور بارگاہِ غریب نوازؒ میں جلسوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ انجمن سیدزادگان خدام خواجہ صاحب کی طرف سے احاطۂ نور میں جو بورڈ اعراس کے سلسلے میں نصب کیا گیا ہے، اس میں سال کی ان تمام محافلِ اعراس کا ذکر موجود ہے۔ ان مجلسوں میں شیرینی کے علاوہ لنگرِ عام کا بھی انتظام ہوتا ہے۔ خدامِ غریب نواز کا وہی عقیدہ ہے، جسے امام شافعیؒ نے اپنے اس شعر میں ظاہر کیا ہے۔

فان الرفض حبُّ اهلِ بیت محمدٍ

فلیشهد الثقلان انی رافضُ

یعنی اگر اہلِ بیتِ نبوی سے محبت رفض ہے تو انسان اور جنات گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔

یہ شعر درج ذیل مستند کتابوں میں موجود ہے۔

ینابیع المودۃ، ص: ۳۹۴؛ صواعق محرقہ، ص: ۹۷؛ اسعاف الراغبین از علامہ محمد بن علی الصبان مصری، ص: ۱۱۸؛ نورالابصار، ص: ۱۱۵؛ طبقات الشافعیہ، ص: ۱۵۸؛ تفسیرِ کبیر، جلد: ۷، ص: ۴۰۶؛ دلیل الطالب از نواب صدیق حسن خاں بھوپالی، ص: ۱۹۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوباتِ مبارکہ میں امام شافعیؒ کا مذکورہ بالا شعر لکھ کر اہلِ سنت کے والہانہ جذبۂ حبِ اہلِ بیتِ نبوی پر استدلال کیا ہے۔ خدام حضرات کے پیشِ نظر یہ شعر بھی رہتا ہے......

اسلامِ ما اطاعتِ خلفائے راشدین

ایمانِ ما محبتِ آلِ محمد است

○○

تیسرا باب

ولایت علیٰ منہاج النّبوت

حضرت علی علیہ السلام کا ذکرِ خیر خلیفہ راشد، امام اول، چشم و چراغ اہلِ بیتِ نبوی کی حیثیت سے کیا جا چکا ہے۔ اب یہاں منہاج نبوت کے نقطہ نظر سے ولایتِ مرتضوی کا ذکر کیا جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی کریمؐ کے بعد فضائل و کمالات کی جو بھی فہرست دیانت داری سے بنائی جائے گی اس میں حضرت علیؓ کا نام گرامی سرِ فہرست نظر آئے گا۔ یہ شیعی رجحان و عقیدت کا مظاہرہ نہیں بلکہ مستند علمائے اہل سنت کی رائے ہے۔ چند آراء ملاحظہ ہوں۔

خلفائے راشدین میں حضرت علی کی امتیازی حیثیت

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی نظر میں

حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے حدیث سفینہ بیان کی تو ان کے بیٹے عبد اللہ نے کہا تفضیلِ خلفاء کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ موصوف نے کہا ابو بکر، عمر اور عثمان۔ عبد اللہ نے کہا اور علی؟ تو اس کے جواب میں آپ نے کہا "یا بنی! علی ابن ابی طالب من اھل البیت لایقاس بھم احدا" یعنی اے فرزند! علی کا شمار اہلِ بیت میں ہے، اہلِ بیت پر کسی کا قیاس نہیں ہوسکتا۔

(مناقب امام احمد بن حنبل، ص:۱۶۳؛ از علامہ ابن جوزی، مطبوعہ مصر)

خلفاء راشدین کو خلافت راشدہ کے منصب پر فائز ہونے سے جو شرف ملا، اس کا ذکر کرتے ہوئے "کرخ" کے لوگوں سے امام احمد بن حنبل اس طرح مخاطب ہوتے ہیں۔

"ان الخلافةلم تزین علیابل علی زینها" یعنی خلافت نے علی کی زینت نہیں بڑھائی بلکہ علی سے خلافت کو زینت ملی۔

(مناقب امام احمد بن حنبل، ص:۱۶۳)

حضرت امام احمد حنبلؒ ائمہ اربعہ مجتہدین میں سے ہیں، ان کے یہ دونوں اقوال حضرت علیؓ کی بلندیٔ مرتبت اور علوِ فضیلت کے حامل ہیں۔

علیؑ نبی کریمؐ کا معجزہ ہیں

علامہ شیخ شہاب الدین الاشبهی لکھتے ہیں...... "امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللّٰه عنه و کرم اللّٰه وجهه آیة من آیات اللّٰه و معجزة من معجزات رسول اللّٰه ﷺ و مؤید بالتائید الالهٰی کاشف الکروب و مجلیها و مثبت قواعد الاسلام و مرسیها"

(مستطرف، جلد: اوّل، ص: ۱۹۱، مطبوعہ مصر)

یعنی امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ وکرم اللہ وجہہ ایک نشانی ہیں خدا کی نشانیوں میں سے اور معجزہ ہیں رسول کریمؐ کے معجزات میں سے۔ آپ کے ساتھ تائید الٰہی شامل حال تھی، غم واندوہ کو آپ دور کرنے والے ہیں، ستونِ اسلام کو آپ ہی نے محکم کیا اور آپ ہی کشتیِ اسلام کا لنگر ہیں۔

علیؑ قرآنِ ناطق ہیں

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں......

"حضرت مرتضٰی فرمود کہ ایں قرآن قرآنِ صامت است، و من قرآنِ ناطقم" یعنی

حضرت علی مرتضٰی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ قرآن قرآنِ صامت (خاموش) ہے اور میں بولتا ہوا قرآن ہوں۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی نظر میں علیؑ قرآنِ ناطق ہیں

مفسر قرآن مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں...... ''اگر یہ سچ ہے کہ جناب امیر علیہ السلام (یاد رہے مولانا آزاد نے حضرت علی کے نام کے ساتھ علیہ السلام لکھا ہے) نے خوارج ومنکرین کے مقابلے میں فرمایا تھا کہ میں قرآنِ ناطق ہوں تو میں اس کی تصدیق کے لئے تیار ہوں اگر چہ حقیقت ناشناس طبیعتیں سمجھتی ہیں کہ یہ بہت بڑا دعویٰ تھا، یقیناً یہ بڑا دعویٰ تھا جو کوئی انسان نہیں کرسکتا ہے لیکن اگر حضرت امیر نے کیا تھا تو غلط نہ تھا۔ اگر ان کی مقدس زندگی آنحضرتؐ کے اسوۂ حسنہ کا ایک کامل عکس تھا اور ان کے اعمال کی روشنی سراجِ منیر رسالتؐ ہی سے ماخوذ تھی تو کیوں انھیں یہ حق نہ تھا کہ وہ اپنے تئیں ''قرآنِ ناطق'' کہیں جو کتاب الٰہی ما بین الدفتین حروف ونقوش کی شکل میں تھی، اس کی ہستی ناطق تھی جو اعمالِ حضرت مرتضوی کے اندر سے پکارتی تھی کہ یہ علی ابن ابی طالب کی آواز نہیں ہے بلکہ ''قرآن الحکیم'' کی صدائے الٰہی ہے اور چونکہ ''القرآن'' کی آواز ہے اس لئے یقیناً خود منزل القرآن کی آواز ہے ''کنت سمعه الذی یسمع به ولسانه الذی یتکلم به (بخاری) (لمعاتِ صداقت حصہ اوّل، مجموعہ مضامین ابوالکلام آزاد، ص:۱۳، طبع لاہور، ۱۳۴۰ھ) یعنی جب بندہ مقربِ الٰہی ہوجاتا ہے تو اللہ اس کے کان بن جاتا ہے، جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی زبان بن جاتا ہے، جس سے وہ کلام کرتا ہے۔

یہ تو علمائے اہل سنت کے آراء ہیں لیکن غیر مسلم دانشوروں نے بھی حضرت علی علیہ السلام کے بے پایاں علمی وعملی کمالات دیکھ کر بڑے حقیقت پسندانہ انداز میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ چند دانشوروں کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

(۱) فرانسیسی مستشرق گابریل انکیری (Gabriel Enkiri) نے حضرت علی پر ایک

مستقل کتاب فرانسیسی زبان میں لکھی ہے۔ کتاب کا نام ہے Lechevalier LL Islam ہے، جس کا ترجمہ فارسی میں شہسوار اسلام کے نام سے ایران میں شائع ہوا ہے۔

(۲) عیسائی مصنف جارج جرداق کی عربی کتاب "صوت العدالت الانسانی"۔

(۳) مشہور عیسائی ادیب و مورخ عبدالمسیح انطا کی حلبی مدیر العمران مصر نے اپنے شاہکار ادب عربی "العقیدہ العلویہ المبارکہ او تاریخ شعری لصدر الاسلام" میں لکھتے ہیں کہ علی علیہ السلام دنیا کے تمام حکماء و فلاسفہ کے امام ہیں (تاریخ الشعری لصدر الاسلام، ص: ۵۶۷، مطبوعہ مصر)

(۴) عصر حاضر کے عظیم عیسائی شاعر و ادیب اور ماہر قانون، جسٹس پولس سلامہ (Paulas Salama) چیف جسٹس بیروت اپنے ملحمہ عربیہ "عید الغدیر" کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ "عیسائی لوگ اپنی مجالس میں علی کا ذکر خیر کرتے ہیں، آپ کے علم و حکمت سے مستفید ہوتے ہیں اور آپ کے تقویٰ و پرہیز گاری کے سامنے تعظیماً جھکتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ زہد و عبادت کرنے والے، مفکرین و فلاسفہ، ادباء و خطباء ماہرین قانون اور فقہاء ہر شعبۂ حیات میں آپ کے کمالات کے آگے سرنگوں ہیں۔

(عید الغدیر یا اوّل ملحمۂ عوبیہ، المقدمہ، ص: ۲۷، طبع بیروت)

(۵) عصر حاضر کے عیسائی مصنف برنے بی راگرسن (Barnaby Rogerson) اپنی انگریزی کتاب (حالیہ تصنیف) "The Heirs Of The Prophet Muhammad" (P.286, Great Britain, 2006) میں حضرت علی علیہ السلام کے نام گرامی کے ساتھ امام کا لفظ استعمال کرتے ہیں جبکہ دوسرے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے لئے لفظ خلیفہ استعمال کرتے ہیں۔ موصوف حضرت علی علیہ السلام کو صرف خلیفۂ راشد ہی نہیں، امام تسلیم کرتے ہوئے ان کے اوصاف حمیدہ کا بلند آہنگی کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا عیسائی مشاہیر اہل علم کے علاوہ مصر کے مشہور عیسائی مورخ جرجی زیدان (صاحب تاریخ التمدن الاسلامی، جلد: ۴، ص: ۳۷، مطبوعہ مصر) مسٹر ڈیون

پورٹ صاحب کتاب "Apology For Muhammad And The Quran" مسٹر ٹامس کارلائل صاحب کتاب ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ، مسٹر واشنگٹن ارونگ صاحب کتاب "Muhammad And His Successors" اور شہرۂ آفاق مؤرخ ایڈورڈ گبن صاحب کتاب "The History Of The Decline And Fall Of The Roman Empire" نے حضرت علی علیہ السلام کی امتیازی صفات اور انفرادی خصوصیات کا ذکرِ جمیل کیا ہے۔ گبن لکھتے ہیں کہ: "دعوتِ ذوالعشیرہ کے موقع پر حضرت علی نے اپنی بے پایاں جرأت کا ثبوت دیا۔ آپ نے کہا کہ اے نبی! میں ہر طرح دینِ اسلام کے کام میں آپ کی نصرت و رفاقت کے لئے حاضر ہوں، میں مخالفین کی آنکھیں نکال لوں گا، ان کے دانت توڑ ڈالوں گا اور ان کے پیٹ پھاڑ ڈالوں گا۔ پیغمبرِ اسلام نے علی کی درخواست کو جوش کے ساتھ قبول فرمایا اور فرمایا کہ جو اس کام میں میری مدد کرے گا وہی میرا رفیق اور وزیر ہوگا۔ چونکہ حضرت علی نے دینِ اسلام کی مدد کے لئے پیغمبرِ اسلام سے کہا تھا اس لئے انھوں نے علی کے لئے رفیق اور وزیر ہونا طے کر دیا۔ چند حاضرین نے حضرت ابوطالبؑ سے ان کے بیٹے علی کے اس اعلیٰ عزت پانے پر طنزیہ کلمات کہے۔" یہ چند حوالے قارئین کے سامنے اس لئے پیش کئے جا رہے ہیں تا کہ انھیں حضرت علی علیہ السلام کی جامع الکمالات شخصیت کا اندازہ ہو جائے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر پیغمبر اسلام کا اعلان

ولایت علیٰ منہاج النبوۃ

تاریخ اسلام کے مسلمات میں سے ہے کہ آپ ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ ہجری کو حج آخر کے ارادے سے روانہ ہو کر ۴ ذی الحجہ کو مکہ معظمہ پہنچے۔ آپ کے ہمراہ ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور جناب سیدہ فاطمہ زہرا علیہا السلام بھی تھیں۔ حضرت علی یمن سے مکہ پہنچے اور شریک حج ہو گئے۔ غرض مناسک حج ادا کرنے کے بعد

آپ مدینہ منورہ کے ارادے سے ۱۴ ذی الحجہ کو روانہ ہوئے۔ آپ کے ہمراہ تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار اصحاب تھے۔ جحفہ کے قریب مقام غدیر پر پہنچتے ہی پالان شتر کا منبر بنوایا۔ اس پر چڑھ کر آپ نے ایک اہم خطبہ دیا، جس میں اللہ کی حمد وثنا کے بعد اپنی افضیلت کا اقرار لیا۔ پھر حدیث ثقلین ارشاد فرمائی جس میں قرآن اور اہل بیت کی تاکید فرمائی۔ مولوی شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ ''اہل بیت کی محبت کی تاکید تین بار فرمائی۔'' (سیرۃ النبی، ج: ۲، ص: ۱۰۱، مکتب مدنیہ، لاہور) صحیح مسلم میں یہ حدیث موجود ہے۔ اہل بیت سے تمسک کی تاکید کے بعد امام اہل بیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے قریب بلا کر دونوں ہاتھوں سے اٹھا لیا اور اتنا بلند کیا کہ ان کی بغلِ مبارک کی سفیدی ظاہر ہو گئی۔ پھر فرمایا...... ''کیا میں تمہارے نزدیک تمہارے نفسوں سے اولیٰ نہیں ہوں؟ سب نے کہا بیشک، تب آپ نے فرمایا جس کے نفس سے میں اولیٰ ہوں علی بھی اس کے نفس سے اولیٰ ہیں۔'' مولوی شبلی نعمانی لکھتے ہیں ''یہ صحیح مسلم میں (مناقب حضرت علی) کی روایت ہے، نسائی، مسند امام احمد بن حنبل، ترمذی، طبرانی، طبری، حاکم وغیرہ میں کچھ اور فقرے بھی ہیں، جن میں حضرت علیؑ کی منقبت ظاہر کی گئی ہے۔ ان سب روایتوں میں ایک فقرہ مشترک ہے'' من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ'' (سیرۃ النبی، ج:۲، ص: ۱۰۱) مولوی شبلی نے مولا کا ترجمہ محبوب کیا ہے، حالانکہ سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مولا کے معنیٰ مالک اور اولیٰ بالتصرف کے ہیں شاہ علی حسن چشتی جائسی علیہ الرحمۃ نے خوب کہا ہے......

چرا در معنیٔ من کنت مولا می روی ہر سو
علی مولا بہ آں معنیٰ کہ پیغمبر بود مولا

اس خطبے سے مقصد یہ تھا کہ اصحاب رسول حضرت علی علیہ السلام کی عظمت ولایت سے کماحقہٗ واقف ہو جائیں۔ مولوی شبلی نے منقبت علی کے اظہار کے لئے یمن کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے حضرت علی کی شکایت کی تھی۔ یہ لوگ یمن میں

حضرت علیؑ کے ہمراہیوں میں سے تھے۔ حالانکہ تفسیر ثعلبی میں علامہ ثعلبی نے ابوصالح و ابن عباس اور امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت یا ایھا الرسول بلغ ...الخ (پارہ نمبر:۶، سورہ مائدہ، آیت:۶۷) حضرت علی کے حق میں نازل ہوئی، جس کی بنا پر رسول پاک نے ولایتِ علیؑ کا اعلان کیا۔ صاحب ینابیع المودۃ علامہ سلیمان حنفی نقشبندی نے بھی یہی بات لکھی ہے۔

(ملاحظہ ہو اردو ترجمہ "ینابیع المودۃ"، ص:۱۹۳۔)

علامہ سلیمان نے اسی کتاب میں دوسری روایت (بحذف اسناد) ابوسعید خدری کی درج کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ غدیر خم کے موقع پر یہ آیت حضرت علیؑ کے حق میں نازل ہوئی۔ حلیۃ الاولیاء میں ابونعیم اصفہانی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ اس واقعہ غدیر خم کو امام المحدثین حافظ ابن عقدہ نے کتاب الموالاۃ میں ۱۴۶ رصحابہ کی سند سے بیان کیا ہے۔ ابن عقدہ نے ان صحابہ کے علاوہ ۲۸ رصحابہ کرام کو بھی راویانِ حدیثِ غدیر میں شمار کیا ہے لیکن ان کے نام نہیں لکھے۔ امام جزری نے اسّی صحابیوں سے، امام احمد بن حنبل نے تیس صحابیوں سے اور طبری نے پچھتر (۷۵) صحابیوں سے روایت کیا ہے۔ علاوہ اس کے اکابر علمائے اسلام مثلاً علامہ ذہبی، صنعائی اور ملا علی قاری اسے مشہور اور متواتر مانتے ہیں۔ نواب سید صدیق حسن خاں عالم اہل حدیث نے اپنی کتاب "منہج الوصول" (ص: ۱۳) میں اور اپنی تفسیر "فتح البیان" (جلد:۱، ص:۴۸) میں بھی اس واقعہ کو درج کیا ہے۔

علامہ محمد صالح کشفی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب مناقبِ مرتضوی میں پیغمبر اعظمؐ کے اس فرمان (حدیث غدیر) میں کچھ الفاظ کا اضافہ بھی ظاہر کیا ہے، وہ الفاظ یہ ہیں "وانصر من نصرہٗ و اخذل من خذلہٗ وادرالحق معہ حیث کان" یعنی اے اللہ! جو کوئی اس (علی) کا مددگار ہو تو بھی اس کا مددگار ہو اور جو کوئی اس کی مدد کرنا چھوڑ دے تو بھی اس کو بے یار و مددگار چھوڑ دے اور حق کو اس کے (علیؑ) ساتھ ساتھ گردش دے جہاں کہیں وہ ہو۔"

(کوکب دری، اردو ترجمہ، مناقب مرتضوی، ص:۴۲۵)

حدیث غدیر کو علامہ ابن حجر مکی نے بھی درج کیا ہے۔
(صواعق محرقہ اردو ترجمہ از علامہ اختر فتحپوری ص:۴۱۶)
حضرت مولانا محمد مبین فرنگی محلی نے حدیث غدیر کو مختلف اسناد صحیحہ کے ساتھ اپنی کتاب میں درج کیا ہے (وسیلۃ النجات فارسی مع ترجمہ اردو، ص: ۱۰۱ تا ۱۰۳، مطبع گلشن فیض، لکھنؤ، ۱۳۱۳ھ)

واقعہ غدیر کے جزئیات کی تفصیل محدثین، مفسرین اور مورخین نے اپنی اپنی تحقیق کے مطابق بیان کی ہے۔ مولانا ڈاکٹر طاہر القادری نے اپنی کتاب ''سیف الجلی علی منکرِ خلافتِ علی'' میں حدیثِ غدیر کی تخریج کرنے والے ائمہ حدیث (دوسری صدی ہجری تا گیارہویں صدی ہجری) کے اسمائے گرامی کی فہرست دی ہے جن کی تعداد ۱۶۳ ہے۔ اگر پندرہویں صدی ہجری تک کے ائمہ کو اس فہرست میں شامل کیا جائے تو مزید بہت سے اسمائے گرامی کا اضافہ ہو جائے۔

علامہ محمد صالح کشفی نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علی کو رسول پاکؐ نے ایک خیمہ میں بٹھایا، حضرات صحابہ اور ازواج مطہرات نے حضرت علی کو مبارک باد پیش کی۔ حضرت عمر ابن خطاب نے نمایاں طور پر تہنیت ان الفاظ کے ساتھ پیش کی ''اے ابوطالب کے فرزند! آپ کو مبارک ہو کہ آپ نے اس حال میں صبح کی کہ آپ میرے اور ہر مومن مرد اور عورت کے مولا ہو گئے۔'' علامہ شبلنجی نے لکھا ہے کہ ایک شخص حارث بن نعمان فہری نے حضرت نبی کریمؐ کی حدیثِ غدیر پر اعتراض کیا تو اسی وقت آسمان سے اس پر ایک پتھر گرا اور وہ مر گیا۔ (نور الابصار، عربی، ص: ۷۸)

مفسرین کا اتفاق ہے کہ حضرت جبریلؑ تکمیل دین کا مژدۂ جانفزا بارگاہِ الٰہی سے اس آیت کی صورت میں لے کر آئے ''الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا'' یعنی آج کے دن میں نے تمہارے واسطے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند کیا۔ مولوی شبلی نعمانی اور سبھی مفسرین نے اس آیت کریمہ کا نزول

حجۃ الوداع کے موقع پر تسلیم کیا ہے۔ (سیرۃ النبی، جلد:۲، ص:۹۶)

صاحبِ مناقب مرتضوی علامہ محمد صالح کشفی نے اس آیت کا ربط حدیث غدیر سے بتایا ہے اور کہا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ دین کے کامل، نعمت کے اتمام اور میری رسالت اور علی کی ولایت سے خدا کے راضی ہونے پر میں تکبیر (اللہ اکبر) کہتا ہوں۔ (کوکب دری اردو ترجمہ، مناقب مرتضوی، ص:۴۲۵)

علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ (تفسیر در منشور، ج:۲، ص: ۳۹۸) صاحبِ حلیۃ الاولیاء نے بھی یہی کہا ہے۔

اور صاحب مناقب مرتضوی، کا بیان ہے کہ نبی کریمؐ نے حضرت علی کے لئے ولایت کا اعلان اس آیت کریمہ کے مطابق کیا تھا۔

یا یہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس۔

(سورۂ مائدہ پارہ:۶، آیت: ۶۷)

یعنی اے رسول جو حکم تمہیں بھیج دیا گیا ہے، اسے پہنچا دو۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو سمجھا جائے گا کہ تم نے رسالت کا کوئی کام نہیں کیا اور اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچائے گا۔

امام ابوالحسن واحدی نے اپنی کتاب اسباب النزول میں اور علامہ ابوعبداللہ محمد بن یوسف الکنجی الشافعی نے اپنی کتاب مسمّی بہ کفایت الطالب میں بحوالہ علامہ محی الدین نووی لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت علی کی ولایت کے اعلان کے لئے نازل ہوئی۔

بہر حال نزول آیت کے سلسلے میں علماء مفسرین میں اختلاف اپنی جگہ ہے لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لئے حدیث غدیر سبھی کو تسلیم ہے اور اس سے صوفیائے اسلام نے حضرت علی کو شاہِ ولایت قرار دیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے حضرت علی کی ولایت کبریٰ کے سلسلے میں جو کچھ کہا ہے وہ حرف آخر کا درجہ رکھتا ہے۔ باب روحانی سلاسل کی تنظیم میں ان کا مکتوب ملاحظہ کیجئے، جس سے معلوم ہوگا کہ حضرت علی اور ان

کے بعد گیارہ ائمہ اہل بیت کو صوفیائے اسلام اپنا مرجع سمجھتے ہیں یعنی قرب ولایت کا منبع فیض حضرت علی ہیں۔ مکتوب نمبر ۱۲۳ اردو ترجمہ مکتوبات دفتر سوم حصہ دوم ص ۱۶۵ تا ۱۶۶ مجدد صاحب نے علی علیہ السلام کی جسدی پیدائش سے پہلے بھی تمام امتوں کے اولیاء کا حضرت علی کو منبع فیضِ ولایت مانا ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی لکھتے ہیں "والمشائخ فی علم السر و تصفیة الباطن فان المرجع فیه الیٰ العترة الطاهرة" یعنی مشائخ نے علم سرِ الٰہی اور تصفیۂ باطن میں عترتِ طاہرہ سے استناد کیا ہے کیونکہ اس علم کا سرچشمہ اہل بیت کرام ہیں۔

(علامہ تفتازانی کی کتاب شرح مقاصد، جلد:۲، ص: ۳۰۰، دار المعارف النعمانیہ، لاہور)

علماءِ دیوبند و اہلحدیث کے مسلم الثبوت بزرگ مولوی اسمٰعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ (صاحبِ تقویۃ الایمان) لکھتے ہیں "حضرت علی کے لئے شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) پر ایک گونہ فضیلت ثابت ہے اور وہ فضیلت آپ کے فرمانبرداروں کا زیادتی کے ساتھ ہونا ہے اور مقاماتِ ولایت بلکہ قطبیت و غوثیت و ابدالیت اور ان ہی جیسی باقی خدمات آپ کے زمانے سے لے کر دنیا کے ختم ہونے تک آپ ہی کی وساطت سے انجام پذیر ہوں گی۔ بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارت میں حضرت علیؓ کا دخل ہے، جو عالم ملکوت کی سیر کرنے والوں سے مخفی نہیں...... اہلِ ولایت کے اکثر سلسلے بھی جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی کی طرف منسوب ہیں، پس قیامت کے دن بہت فرمانبرداروں کی وجہ سے جن میں اکثر بڑی بڑی شانوں والے اور عمدہ مرتبے والے ہوں گے، حضرت مرتضیٰؓ کا لشکر اس رونق اور بزرگی سے دکھائی دے گا کہ اس مقام کا تماشا دیکھنے والوں کے لئے یہ امر نہایت ہی تعجب کا باعث ہوگا۔"

(صراطِ مستقیم، ص: ۶۷)

بعدِ ختم نبوت ولایت کا سلسلہ جاری ہے اور حضرت علی کے فیضان سے یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔ مولانا عبد الباری فرنگی محلی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ جب

تک مرتبۂ نبوت تمام نہیں ہوا تھا نبی و رسول آتے رہے، جب وہ تمام ہو گیا تو اولیاء اللہ خلفائے رسولؐ ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے۔ (ملاحظہ ہو مولانا عبد الباری کی کتاب ''فیوض حضرت بانسہ''، ص: ۸ تا ۱۹)

سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ کے نامور بزرگ حضرت گیسو دراز بندہ نواز علیہ الرحمۃ نے حضرت علی کی ولایت کبریٰ کو خلافت کبریٰ کہا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ خلافت آنحضرتؐ بر دو گونہ است، یکے خلافت صغریٰ کہ مراداز خلافت ظاہری است۔ دوم خلافت کبریٰ کہ مراداز خلافت باطنی است ومخصوص بحضرت علی است (جوامع الکلم) حضرت گیسو دراز کے علمی و عملی کمالات کا کما حقہٗ اعتراف اہل حدیث عالم حکیم سید عبدالحیؒ نے ''نزہت الخواطر'' میں اور ان کے فرزند ابوالحسن علی میاں ندوی نے تاریخ دعوت و عزیمت میں کیا ہے (تاریخِ دعوت و عزیمت، جلد: ۳)۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ سے بھی ایک رباعی صاحب تذکرۂ آتش کدہ لطف علی بیگ آذر بیکدلی نے منسوب کی ہے، جس میں حضرت علی کو بعدِ نبی کریمؐ ولایت کا تاجدار مانا گیا ہے۔

اے بر سرِ تو بعدِ نبی تاج نبی　　　اے دادہ شہاں زتیغ تو باج نبی
اے تو کہ زمعراجِ تو بالاتر شد　　　یک قامت احمدیؐ زمعراج نبی

(آتش کدۂ آذر، ص: ۳۵۸، از انتشارات مؤسسۂ نشر کتاب، ایران)

غریب نواز سے ایک اور رُباعی منسوب ہے، جس میں حضرت علی علیہ السلام کو بے مثل قرار دیا گیا ہے۔

اوصاف علی بہ گفتگو ممکن نیست　　　گنجائش بحر در سبو ممکن نیست
من ذاتِ علی بواجبی کے دانم　　　اِلّا دانم کہ مثل او ممکن نیست

سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ کے ایک جلیل القدر بزرگ حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی علیہ الرحمۃ نے بھی ولایتِ مرتضوی اور حدیثِ غدیر کے بارے میں اپنے شعر میں لطیف اشارہ کیا ہے......

ولی حق وصیِ مصطفیٰ دریائے فیضانے　　　امامِ دو جہانے، قبلۂ دین و ایمانے

پیمبر بر سر منبر نشست و خواند مولایش کہ تا مولائی اش را باشد اندر خلق برہانے

حضرت نیاز بے نیاز نے اپنے ایک اور شعر میں حضرت علی کو امام، وصیِ نبی اور ولیِ خدا تسلیم کیا ہے۔

بحق امام علی مرتضٰی وصی نبی و ولی خدا

(دیوان نیاز)

صوفیائے اسلام نے اپنے ملفوظات میں خرقۂ ولایت کا بھی ذکر کیا ہے جو نبی کریمؐ کو اللہ تعالیٰ نے شب معراج میں عطا کیا تھا اور آپ نے اسے حضرت علی علیہ السلام کو عطا کیا۔ اسے خرقۂ معراجیہ بھی کہتے ہیں۔ علامہ اخلاق حسین دہلوی مرحوم نے ''آئینۂ ملفوظات'' میں خرقۂ معراجیہ کا ذکر درج ذیل کتابوں کے حوالے سے کیا ہے۔

(۱) اسرار الاولیاء، ص:۳۹ (ملفوظات حضرت بابا فرید گنج شکر) (۲) مقابس المجالس، ص:۳۵۶، مصنفہ خواجہ غلام فرید چشتی، (۳) فوائد الفواد، ص:۱۹۶، (ملفوظات محبوب الٰہی نظام الدین اولالیاء، (۴) سیر الاولیاء، مصنفہ حضرت امیر خورد محمد بن مبارک کرمانی، (آئینہ ملفوظات، ص:۱۹۹ تا ۲۰۶)

امیر خورد نے اسے خرقۂ فقر لکھا ہے جو معراج کی رات بارگاہ رب العزت سے نبی کریمؐ کو عطا ہوا اور یہ بھی لکھا ہے کہ خلفائے راشدین میں سے یہ خرقہ نبی کریمؐ نے آخری خلیفہ وصی رسول اللہ مومنوں کے امیر اور ولیوں کے قطب اور حقائق توحید کے منبع اسد اللہ الغالب حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو عنایت کیا اور اسی کی برکت سے اولیاء کرام کی یہ سب قدر و منزلت و مدح و ثنا ہے اور اس کی بخشش کی کیفیات کو سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے خاص شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے، اور پھر حضرت علی نے یہ خرقہ حضرت خواجہ حسن بصری کو پہنایا۔ پھر اولیاء نامدار اور مشائخ کبار تک پہنچا۔ (سیر الاولیاء، اردو ترجمہ، ڈاکٹر عبداللطیف، ص:۴۱)

ملفوظات مخدوم جہانیان کے حوالے سے میر محمد صالح کشفی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ (کوکب دری، ترجمہ اردو، مناقب مرتضوی، ص:۱۶، مطبوعہ ہانڈہ الیکٹرک پریس، جالندھر)

علامہ اخلاق حسین دہلوی مرحوم نے تفصیل سے بحث کے بعد حدیثِ خرقہ کا معتبر مقام تسلیم کیا ہے۔ (آئینہ ملفوظات، ص:۲۰۶)

حدیثِ ولایت اور خرقۂ معراج کے سبب سے ہی جملہ اولیاء و اصفیا نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنا امام اور پیشوا تسلیم کیا ہے، جس پر خانقاہی نظام قائم ہے۔ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے مگر فی الحال خوف طوالت سے اتنے ہی دلائل پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

OO

چوتھا باب

امامت

ابتدائی کلمات

واذابتلیٰ ابراھم ربه بکلمٰت فاتمھن قال
انی جاعلک للناس اماماط قال ومن
ذریتی ط قال لاینال عھدی الظلمینه

(سورۃ البقر آیت ۱۲۴)

یعنی ''اور جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے رب نے آزمایا کچھ باتوں سے اور انھوں نے ان کو پورا کردیا تھا تو رب تعالی نے فرمایا میں تجھے انسانوں کا امام بنانے والا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اور میری ذریت کو بھی۔ رب تعالی نے فرمایا میرا عہد ظالموں کے لئے نہیں ہوا کرتا۔'' یعنی آپ کی اولاد میں جو ظالم (کافر) ہیں امامت کا منصب نہ پائیں گے۔

(کنزالایمان ترجمہ قرآن مع خزائن العرفان، ص:۳۵، یٰسین بک ڈپو، دہلی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبوت اور امامت حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں رہی بعد ازاں اولادِ اسمٰعیل علیہ السلام میں پہنچی۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد میں کوئی پیغمبر مبعوث نہیں ہوا، یہاں تک کہ نبی آخرالزماں محمد مصطفیٰ تشریف لائے اور ان کے بعد سلسلۂ امامت ان کے اہل بیت میں حضرت علیؑ سے امام

مہدیؑ تک جاری رہے گا۔ علامہ سلیمان قندوزی حنفی نقشبندی نے اپنی اسناد کے ساتھ حضرت مفضل سے روایت کی ہے کہ انھوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ وہ کلمات کون سے ہیں جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا گیا؟ تو جواب میں امام علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ وہی کلمات ہیں کہ جن سے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی، یعنی پنجتن پاک کے اسمائے گرامی۔ حضرت مفضل نے پھر پوچھا کہ ''فاتمھن'' سے کیا مراد ہے؟ امام جعفر صادقؑ نے بارہ اماموں کا نام لیا تھا، یعنی حضرت علی سے امام مہدی تک ''فاتمھن الی القائم المھدی اثنیٰ عشر اماماً تسعة من الحسین'' یعنی امام مہدی تک ائمہ کی پوری تعداد بارہ کردی جن میں نو ائمہ امام حسین کی اولاد سے ہوں گے۔

(اردو ترجمہ ینابیع المودۃ، ص:۱۶۰)

علامہ سید محمد صالح کشفی اسی آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''حضرت حمیدی، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے اس آیت کی شانِ نزول کے باب میں فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا جو انھوں نے اپنی ذریت کے لئے کی تھی منتہی ہوکر اس امام کو پہنچی جس نے ہرگز کسی بت کے آگے سجدہ نہیں کیا۔ اسی سبب سے حق تعالیٰ نے مجھے پیغمبر مرسل بنایا اور علی علیہ السلام کو میرا وصی مقرر کیا۔ (کوکبِ درّی، ص:۳۵)

بقولِ شیخ علی ہجویری علیہ الرحمۃ رسول اللہؐ کے اہلِ بیت وہ حضرات ہیں جن کی طہارت ازل سے مخصوص ہے۔ ان میں کا ہر فرد طریقت میں جامع و مکمل تھا۔ شیخ ہجویری نے حضور مولا علی کرم اللہ وجہہ کا ذکر خلفائے راشدین میں کیا ہے۔ راقم الحروف نے اس ذکر کو من وعن خلفائے راشدین کے عنوان کے تحت شامل کردیا ہے۔ ائمۂ طریقت از اہل بیت اطہار کے زیرعنوان حضرت شیخ ہجویری نے پانچ اماموں کا ذکر کیا ہے یعنی امام حسن سے حضرت امام جعفر صادق تک۔

(اردو ترجمہ کشف المحجوب، از مفتی غلام معین الدین نعیمی، جسیم بک ڈپو، اُردو بازار، دہلی)

چونکہ ابو الائمہ امام اول حضرت علی علیہ السلام کا ذکر شیخ ہجویری نے امامت کے نقطۂ نظر سے نہیں کیا ہے، اس لئے راقم الحروف حضرت علی علیہ السلام کا ذکر بہ حیثیتِ امام اوّل کر رہا ہے پھر امام حسن سے امام جعفر صادق تک کشف المحجوب سے ان کے حالات وصفات من وعن نقل کرے گا۔ اس طرح چھ آئمہ کا ذکر پورا ہو جائے گا، بعد ازاں چھ ائمہ کے اسماء گرامی مع فضائل و مناقب (یعنی امام موسیٰ کاظم سے امام محمد مہدی تک) بطور تبرک اجمالاً درج کرے گا تاکہ بارہ ائمۂ اہلِ بیتِ اطہار کی تعداد پوری ہو جائے یہاں بارہ اماموں کے تعلق سے مشاہیر اہل سنت کے دو تین اقوال پیش کر رہا ہوں تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہو جائے کہ اہلِ سنت کے نزدیک ان ائمہ اطہار کی کتنی بڑی قدر و منزلت ہے۔ سب سے پہلے امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب تفہیمات الٰہیہ میں جو کچھ لکھا ہے اُسے درج کر رہا ہوں۔ شاہ ولی اللہ کے فرزند ارجمند حضرت شاہ عبدالعزیز سے سوال کیا گیا کہ ''آپ کے والد نے اپنی کتاب تفہیمات الٰہیہ میں بارہ ائمہ اہل بیت کے لئے چار صفتیں یعنی عصمت، حکمت، وجاہت اور قطبیت باطنہ ثابت کی ہیں۔ کیا یہ عقیدہ مذہب اہلِ سنت کے خلاف نہیں ہے؟'' (فتاویٰ عزیزی فارسی مجتبائی، دہلی، ص: ۱۲۷)

حضرت شاہ عبد العزیز علیہ الرحمۃ نے اپنے تفصیلی جواب کے آخر میں لکھا ''خلاصہ یہ کہ ازروئے تحقیق ان چار صفات کا بارہ اماموں کے لئے ثابت کرنا مذہب اہل سنت کے خلاف نہیں ہے، اگر چہ ظاہر بیں حضرات ان الفاظ کے استعمال سے گھبرائیں گے۔''

(حوالہ سابق، ص: ۱۲۹)

حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب تحفۂ اثناء عشریہ میں ائمۂ اہلِ بیت اطہار کے تعلق سے مزید فرمایا ہے۔ ان کے دو اقوال ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی اولاد میں جو امامت باقی رہی اور ان میں ایک دوسرے کو وصی بناتا رہا وہ اسی قطبیت ارشاد اور فیض ولایت کا منبع ہوتا تھا۔''

(تحفۂ اثناء عشریہ، فارسی، ص: ۲۱۴)

(۲) نیز پچھلے امام مثل حضرت سجاد و باقر و صادق و کاظم و رضا تمام اہل سنت کے مقتدا اور پیشوا ہوئے ہیں کہ اہل سنت کے علماء مثلاً زہری، امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے ان حضرات کی شاگردی اختیار کی ہے اور اس وقت کے صوفیاء مثلاً حضرت معروف کرخی وغیرہ نے ان حضرات سے کسبِ فیض کیا ہے اور مشائخ طریقت نے ان حضرات کے سلسلے کو سلسلۃ الذہب قرار دیا ہے، اور اہل سنت کے محدثین نے ان بزرگوں سے ہر فن خصوصاً تفسیر و سلوک میں اوراحادیث میں دفتروں کے دفتر روایت کئے ہیں۔"

(تحفۂ اثناء عشریہ، فارسی، ص:۲۳۳)

شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ نے عصمت کی بھی نہایت نفیس تشریح کی ہے۔ فرماتے ہیں: (۱) "گناہ پر قادر ہونے کے باوجود اس کا صدور محال ہو اور یہ معنیٰ بہ اجماع اہل سنت، حضرات انبیاء و ملائکہ علویہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ (۲) گناہ کا صادر ہونا جائز ہے اس پر کوئی محال لازم نہیں آتا لیکن اس کے باوجود صادر نہ ہو اور اس معنیٰ کو محفوظیت کہتے ہیں۔" (فتاویٰ عزیزیہ، فارسی، جلد:۱، ص:۱۲۸)

شاہ عبدالعزیز کا منشاء یہ ہے کہ ائمہ اہل بیت اطہار معصوم بہ معنیٰ محفوظ عن الخطاء ہیں۔

ائمۂ اہلِ بیتِ اطہار علمائے اہلِ حدیث کی نظر میں

(۱) اس سے بھی بڑھ کر نواب وحید الزماں حیدرآبادی کا اعتراف دیکھئے جو نہ صرف مسلک اہل حدیث سے وابستہ ہیں بلکہ صحاح ستہ کے ترجمہ نگار بھی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"اہل حدیث شیعۂ علی ہیں، رسولؐ کے اہل بیت سے محبت و موالات رکھتے ہیں اور ان کے بارے میں رسولؐ کی اس وصیت کا پاس رکھتے ہیں کہ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں اور میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں (۱) کتاب اللہ (۲) میری عترت اور اہل بیت۔ اہلِ حدیث قیاسی مسائل میں اہلِ بیت کے اقوال کو دوسروں کے اقوال پر مقدم رکھتے ہیں۔ اہل بیت یہ ہیں۔ "حضرت علی، حسن و حسین، فاطمہ، اولاد فاطمہ اور قیامت تک ہونے والی ان کی اولاد۔"

(اردو ترجمہ عربی عبارت کا، کتاب ہدیۃ المہدی، مطبوعہ سیالکوٹ، ص:۱۰۰)

نواب وحید الزماں حیدرآبادی بارہ ائمۂ اہلِ بیت کے تعلق سے مزید وضاحت کرتے ہوئے اسی کتاب ہدیۃ المہدی میں رقم طراز ہیں۔ ان کی عربی عبارت کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو۔

''اہلِ حدیث ان روافض کے طریقے سے اپنی برأت کا اظہار کرتے ہیں جو صحابہ کو گالی دیتے ہیں اور ان سے بغض رکھتے ہیں، اسی طرح اہلِ حدیث خارجیوں اور ناصبیوں کے طریقے سے بھی اپنی برأت کا اظہار کرتے ہیں جو اہلِ بیت کے ساتھ لڑائی کرنے والے ہیں۔ اگر سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ اور معاویہ کے درمیان آج ہمارے زمانے میں جنگ ہو تو ہم علی کے ساتھ ہوں گے پھر اس کے بعد حسین ابنِ علی کے ساتھ، پھر جعفر بن محمد صادق کے ساتھ پھر علی بن محمد الہادی التقی کے ساتھ پھر حسین بن علی العسکری النقی کے ساتھ پھر اگر ہم اس وقت تک زندہ رہے تو انشاء اللہ سید محمد بن عبداللہ المہدی الفاطمی المنتظر کے ساتھ ہوں گے۔ یہ بارہ امام حقیقت میں امیر ہیں دینی ریاست کے اور سید المرسلین کی خلافت ان پر منتہٰی ہوتی ہے۔ پس یہی آسمانِ ایمان ویقین کے آفتاب ہیں۔ بنی امیہ وعباسیہ کے بادشاہ ائمۂ دین نہیں تھے۔ بلکہ ان میں کے اکثر تو لٹیرے اور زبردستی غلبہ حاصل کرنے والے تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کے خون بہائے اور زمین کو ظلم و جور اور عدوان سے ایسے ہی بھر دیا جیسا کہ زمانۂ نبوی و خلفائے راشدین میں وہ عدل ونور وایمان سے بھر گئی تھی۔''

نواب صاحب نے مذکورہ بالا عربی عبارت کے آخر میں بارگاہِ الٰہی میں بارہ اماموں کے تعلق سے اس طرح دعا کی ہے:''اللّٰھم احشرنا مع ھولاء الائمۃ الاثنا عشر و ثبتنا علی حبھم الی یوم النشر.'' یعنی اے اللہ ہم کو ان بارہ اماموں کے ساتھ اٹھانا اور ان کی محبت پر قیامت تک باقی رکھنا۔ (ھدیۃ المھدی، عربی، ص:۱۰۲ تا ۱۰۳) نواب صاحب نے اپنی دوسری کتاب میں مجمع البحرین مصنفہ شاہ عیسٰی جند اللہ برہان پوری، متوفی ۱۰۳۱ھ کے حوالے سے لکھا ہے کہ

معصوم وہ ہے جو حرام کاموں سے بچے...... اس معنیٰ کر ائمہ اثنیٰ عشر علیہم السلام بیشک معصوم ہیں۔ (انوار اللغت ، پارہ ۱۸، ص:۱۲۹) نواب صاحب مزید برآں صاحب کتاب ''دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنہ بالحبیب ، علامہ مخدوم محمد معین الدین سندھی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ علمائے اہلِ سنت میں سے مصنف مذکور نے ائمہ اثنیٰ عشر کی معصومیت کو تسلیم کیا ہے۔ (انوار اللغت ، پارہ: ۲، ص:۸۷) نواب صاحب نے ائمہ اہلِ بیت کی عصمت کے بارے میں وہی عقیدہ پیش کیا ہے جو شاہ عبدالعزیز اور شاہ ولی اللہ کا ہے۔ واضح رہے کہ کتاب دراسات اللبیب سندھی ادبی بورڈ پاکستان سے ۱۹۵۷ء میں شائع ہو چکی ہے۔

(۴) نواب سید صدیق حسن خاں بھوپالی دوسرے جلیل القدر اہلِ حدیث عالم ہیں ، انہوں نے بارہ ائمہ اہلِ بیت پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام ''تشریف البشر'' بذکر الائمۃ الاثنیٰ عشر طبع ۱۳۰۰ھ ہے۔ نواب صاحب نے کتاب کے آخر میں ایک منظوم مناجات لکھی ہے جس میں نبی کریمؐ ، جناب سیدہ فاطمہ علیہا السلام اور بارہ اماموں کے وسیلے سے بارگاہِ الٰہی میں دعائیں مانگی ہیں۔

مذکورہ بالا عبارات سے یہ مفہوم ظاہر ہوتا ہے کہ اولادِ فاطمہ میں وہ تمام حضرات بھی شامل ہیں جنہیں ائمہ اہل بیت اطہار کہا جاتا ہے اور وہ حضرت علی کے علاوہ گیارہ ہیں اور حضرت علی سمیت بارہ ہیں۔ ذیل میں راقم الحروف مولوی شبلی نعمانی کی رائے بھی درج کر رہا ہے جو انھوں نے ائمہ اہل بیت کے بارے میں پیش کی ہے۔

شبلی نعمانی لکھتے ہیں: ''ابو حنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیض صحبت تھا۔ امام صاحب (ابو حنیفہ) نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اس کی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابو حنیفہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہم عصر تھے۔ اس لئے ان کی

شاگردی کیوں کر اختیار کرتے ۔لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ امام ابو حنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہہ ہوں لیکن فضل وکمال میں ان کو حضرت جعفر صادق سے کیا نسبت ؟ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہل بیت کے گھر سے نکلے ہیں۔'' وصاحب البیت ادریٰ مافی البیت ''گھر والے ہی گھر کی تمام چیزوں سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔'' (شبلی نعمانی کی کتاب: سیرۃ نعمان، ص: ۴۵، طبع آگرہ)

اب راقم الحروف حضرت علی کا ذکر بہ حیثیت امام کر رہا ہے۔

ابو الائمہ امام اوّل حضرت علی علیہ السلام

حضرت علیؑ کے اوصاف ، فضائل اور کمالات کا ذکر تفسیر ،حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ آپ کی کثرت فضائل کے متعلق امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ نے جو کچھ کہا ہے وہ حق ہے۔''مالاحد من الصابحة من الفضائل بالا سانید الصحابة مثل مالعلی '' یعنی جیسی صحیح سندوں کے ساتھ فضائلِ علی ہیں کسی ایک صحابی کے بھی فضائل سامنے نہیں آئے۔

(کتاب مناقب امام احمد بن حنبل، از علامہ ابن جوزی)

حافظ الحدیث امام احمد بن شعیب بن علی بن نسائی المعروف بہ امام نسائی (۲۲۵ تا ۳۰۳ ہجری) کی کتاب ''خصائص علی'' اور دوسری ''مسند علی'' ہے۔ امام نسائی فضائل علی بیان کرنے کے باعث شہید کیے گئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا قول بھی ملاحظہ ہو۔ وہ فرماتے ہیں: ''جس قدر حضرت علی مرتضیٰ کے فضائل مروی ہیں اتنے کسی صحابی کے فضائل مروی نہیں''۔ (ازالۃ الخفاء)

شاہ صاحب حضرت عبداللہ ابن عباس کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''خدا کی قسم علی کو علم کے نو حصے حاصل ہیں اور دسویں حصے میں تمام لوگ شریک ہیں۔''

(ازالۃ الخفاء)

صاحب کتاب اللمع حضرت شیخ ابوالنصر سراج متوفی ۳۷۸ھ لکھتے ہیں کہ اللہ

تعالی نے حضرت علی کو "علمِ لدنی" عطا فرمایا تھا اور یہ علم لدنی ایسا علم ہے جس سے حضرت علی علیہ السلام کو بھی نوازا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔"و علمنه من لدنا علما" یعنی اور اسے اپنا علمِ لدنی عطا کیا۔

(اردو ترجمہ کتاب اللمع، ص: ۲۱۸، از سید اسرار بخاری،
ناشر: اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۲ء)

اور یہ سارے کمالات آپ کو اس لئے حاصل ہوئے کہ نبی کریمؐ نے آپ کو امتِ اسلامیہ کا امام اور اپنا وصی قرار دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا انت امام امتی و وصی یعنی تم میرے امت کے امام اور میرے وصی ہو۔

(ینابیع المودۃ، عربی، ص: ۱۵۳)

صاحب ریاض النضرۃ علامہ محب الدین طبری شافعی لکھتے ہیں کہ آپؐ نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا۔" هذا سيد المسلمين و امام المتقين و قائد الغرالمحجلين و يعسو ب الدين " یعنی یہ مسلمانوں کے سردار، متقیوں کے امام، سفید منہ ہاتھ والوں کے سردار اور یعسوب الدین ہیں۔

(ریاض النضرہ، عربی، ص: ۲۳۴)

علم قضا علم امامت کا ایک اہم شعبہ ہے۔ ابونعیم اصفہانی لکھتے ہیں کہ پیغمبر اعظمؐ نے فرمایا علم قضا کو دس حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ پس نو حصے حضرت علی کو عطا فرمائے اور ایک حصہ باقی دنیا میں تقسیم کیا گیا۔ (حلیۃ الاولیاء، عربی، جلد: ۱، ص: ۶۵)

یہی وجہ ہے کہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنھم کو جب بھی کوئی مسئلہ دین کا یا دنیا کا پیش آتا تو حضرت علی علیہ السلام سے رجوع کرتے۔

نبی کریمؐ نے بھی اپنی ظاہری حیات میں بعض مقدمات کو حضرت علی کی طرف رجوع کیا۔ جب حضرت علی نے فیصلہ کیا تو آپ نے اس فیصلے کو نافذ کیا۔ آپؐ خوش ہوئے اور حضرت علی کے لئے فرمایا:" اقضاكم على " علامہ محمد بن طلحہ شافعی التوفی ۶۵۴ھ نے نبی کریمؐ کی مشہور حدیث " اقضاكم على "پر والہانہ انداز

میں تبصرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ رسول خدا نے حضرت علی کو اس صفت سے متصف فرمایا تو آپ نے ان تمام علوم کو ان کے اصل و فروع کے ساتھ ان میں ثابت کیا۔ نبی کریمؐ نے حضرت علی کو قاضی بنا کر یمن بھیجا تو فرمایا۔ "یھد اللّٰہ قلبک و یثبت لسانک" اس کے بعد علم قضا کے حقائق آپ کے سینۂ مبارک میں جوش زن ہو گئے۔ جب حضرت علی کا علم قضا عروج پر پہنچ گیا تو آپ نے فرمایا۔ "اقضاھم علی" (مطالب السؤل فی مناقب آل رسول، علامہ محمد بن طلحہ شافعی)

یہی وجہ ہے کہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم نے آپ کو شرعی مشکلات و مہمات میں مرجع اعلیٰ سمجھا۔ اس معاملے میں حضرت عمر ابن الخطاب نے سب سے زیادہ حضرت علی کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ ہر موقع پر حضرت علی کی رائے عالی سننے کے بعد اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔ حضرت عمرؓ نے کبھی کہا۔" اقضانا علی " (صواعق محرقہ، عربی، ص:۱۹۸) کبھی کہا۔"لا بقانی اللّٰہ لمعضلۃ ان لم یکن علی لھا"
(استیعاب ابن عبدالبرج:۲، ص:۸۳، اور ذخائر العقبیٰ محب طبری شافعی)

کہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول اس طرح ملتا ہے۔"لا ابقانی اللّٰہ لمعضلۃ لیس لھا ابوالحسن" یعنی جس عقدہ کو حل کرنے کے لئے علی نہ ہوں اس وقت خدا مجھے باقی نہ رکھے۔

(ا۔ ریاض النضرۃ، جلد:۲، ص:۱۹۶ تا ۱۹۷، از محب الدین طبری شافعی۔
۲۔ فیض القدیر شرح جامع الصغیر، جلد:۳، ص:۴۶، از علامہ عبدالروٗف المناوی)

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتہائی بلند آہنگ انداز میں درج ذیل کلمات کے ساتھ اعترافِ عظمتِ علی کیا۔"عجزت النسآء ان یلدن مثل علی بن ابی طالب، لولا علی لھلک عمر" یعنی علی ابن ابی طالب جیسا فرزند پیدا کرنے سے تمام عورتیں قاصر ہیں۔ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

(ا۔ ریاض النضرۃ محب طبری شافعی، جلد: دوم، ص:۱۹۶ تا ۱۹۷؛
۲۔ کتاب المناقب علی ابنِ ابی طالب، از علامہ خوارزمی حنفی، ص:۴؛

۳۔اربعین فی اصول الدین علامہ فخر رازی، ص:۴۶۶ ؛
۴۔تذکرہ خواص الامۃ از علامہ سبط ابنِ جوزی، ص:۸۷)

علامہ عبدالرحمن جامی نے آپ کے بیشمار علمی و روحانی کمالات دیکھ کر اعتراف کیا ہے کہ حضرت علی بارہ ائمہ اہل بیت میں سے امام اول ہیں (شواھد النبوت فارسی ملا جامی) افسوس ہے کہ اس کتاب میں گنجائش نہیں اس لئے صرف شعبۂ قضا میں آپ کے کمالات کا مختصر ذکر کیا ہے ورنہ جملہ علوم وفنون اسلامی اور کمالات انسانی میں راقم الحروف آپ کی امامت کبریٰ کا ثبوت پیش کرتا۔ امامت کے علاوہ ولایت کا سلسلہ بھی آپ ہی سے قائم ہوا جو آج تک قائم ہے۔اس کا ذکر باب ولایت علیٰ منہاج النبوت میں ملاحظہ کیجئے۔

امام حسن علیہ السلام

ائمہ اہل بیت اطہار میں سے جگر بندِ مصطفیٰ، ریحان دل مرتضیٰ، قرۃ العین سیدہ زہرا، ابو محمد سیدنا امام حسن بن علی مرتضیٰ علیہم السلام ہیں۔طریقت میں آپ کی نظر کامل اور تعبیرات حقائق میں اعلیٰ درجہ کی دسترس حاصل تھی۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنی وصیت میں فرمایا۔

علیکم بحفظ السرائر فان اللّٰہ تعالیٰ مطلع علی الضمائر ''تم اسرارِ ربانی کی حفاظت میں محکم رہنا کیونکہ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید وں سے واقف ہے۔''

اس کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اسرار ربانی کی حفاظت ایسے ہی کرتا ہے جس طرح دلوں کے بھیدوں کو وہ دوسروں سے پوشیدہ رکھتا ہے۔ لہٰذا حفظ اسرار یہ ہے کہ غیروں کی طرف متوجہ نہ ہو اور حفظ ضمائر یہ ہے کہ اس کے اظہار میں حیاء مانع ہو۔

علمِ طریقت کے حقائق و لطائف میں بلند مرتبہ کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب فرقۂ قدریہ کو عروج ہوا اور معتزلہ کا مذہب پھیلا تو حضرت حسن بصری

رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام حسنِ مجتبیٰؑ کی خدمت میں بدیں مضمون خط لکھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم السلام علیکم یا ابن رسول اللہ وقرۃ عینیہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ اما بعد! فانکم معاشر بنی ہاشم کالفلک الجاریۃ فی بحر لجی و مصابیح الدجیٰ واعلام الھدیٰ والائمۃ القادۃ الذین من تبعھم نجیٰ ۔ کسفینۃ نوح المشحونۃ التی یؤل الیھا المومنون ینجوا فیھا المتمسکون فما قولک یا ابن رسول اللہ ﷺ عند حیرتنا فی القدرو اختلافنا فی الاستطاعۃ لتعلمنا بما تأکد علیہ رأیک فانکم ذریۃ بعضھا من بعض بعلم اللہ علمتم وھو الشاھد علیکم و انتم شھداء اللہ علی الناس ۔"

(ترجمہ) اللہ کے نام سے جو رحمٰن ومہربان ہے۔ آپ پر خدا کا سلام اور رحمت اور برکت ہو۔ اے رسولِ خدا کے فرزند اور ان کی چشمانِ مبارک کی راحت۔ آپ گروہِ بنی ہاشم میں اس کشتی کی مانند ہیں جو گہرے اور تاریک سمندر میں چل رہی ہو۔ آپ ہدایت کے روشن چراغ اور اس کی نشانیوں میں سے ہیں اور آپ ائمہ دین کے سرخیل و قائد ہیں کہ جس نے ان کی پیروی کی وہ اس طرح نجات پائے گا جس طرح کشتی نوح میں سوار ہونے والے مسلمانوں نے نجات پائی ۔ اے فرزندِ رسول! آپ کا کیا ارشاد ہے قدر و استطاعت (جبر وقدر) کے مسئلہ میں ہمیں پریشانی لاحق ہے۔ آپ ہماری رہنمائی فرماتے ہوئے بتایئے تاکہ اس مسئلہ میں ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپ کی روش کیا ہے؟ کیونکہ آپ فرزندِ رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کو علم خصوصی سے نوازا ہے ۔ وہ آپ سب کا محافظ ہے اور آپ، تمام لوگوں پر خدا کی طرف سے محافظ و نگہبان ہیں ۔ والسلام!

حضرت امام حسنِ مجتبیٰ علیہ السلام نے اس مضمون کا جواب مرحمت فرمایا:

" بسم الرحمٰن الرحیم - اما بعدا! فقد انتهیٰ الی کتابک عند حیرتک و حیرة من زعمت من امتنا . و الذی علیه رائی ان من لم یؤمن بالقدر خیره و شره من الله تعالیٰ فقد کفر و من حمل المعاصی علیٰ الله فقد فجر ، ان الله لا یطاع با کراه ولا یعصیٰ بغلبة ولایمهل العباد فی ملکه لکنه المالک لما یملکهم و القادر علی ما علیه قدرهم فان ائیتمروا با لطاعة لم یکن لهم اختیار ولا لهم عنها مشبعا و ان اتوا بالمعصیة و شاء ان یمن علیهم فیحول بینهم و بینها فعل و ان لم یفعل فلیس هو حملهم علیها اجبارا ولا الزمهم اکراها ایاها باحتجاجه علیهم ان عرفهم و مکنهم و جعل لهم السبیل خذوا ما دعاهم الیه و ترکوا ما نهٰهم عنه و لله الحجة البالغة۔"

(ترجمہ) "اللہ کے نام سے جو مہربان و رحیم ہے۔ مکتوب تمہارا مجھے وصول ہوا۔ جس میں تم نے اپنی اور امت کے دوسرے لوگوں کی پریشانی کا تذکرہ کیا ہے۔ اس مسئلہ میں میری جو رائے ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص نیک و بد اور تقدیر پر ایمان نہیں رکھتا وہ کافر ہے اور جو اپنے گناہوں کا ذمہ دار خدا کو ٹھہراتا ہے وہ بے ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو شتر بے مہار کی طرح نہیں چھوڑا ہے، نہ وہ جبراً اطاعت کراتا ہے اور نہ جبراً گناہ۔ لیکن بندوں کی تمام ملکیتوں اور ان کی تمام قوت و طاقت کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر بندوں کو طاعت پر مجبور کر دیا جاتا تو ان کے لئے کوئی اختیار نہ ہوتا اور انھیں طاعت کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہتا، اور اگر بندے اس کی معصیت کریں اور خدا کی

مشیت ان پر احسان کرنا چاہے تو ان کے اور ان کے گناہ کے درمیان کوئی فعل حائل کردیتا ہے۔ اب اگر وہ ارتکاب معاصی نہ کرسکیں تو یہ بات نہیں ہے کہ خدا نے انھیں مجبور کردیا تھا اور نہ جبر سے وہ فعل ان پر لازم کردیا تھا۔ یہ ان پر دلیل و حجت کے طور پر ہے، اگر انھیں اس کی معرفت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے راہِ ہدایت بنا دی ہے لہٰذا جس کے کرنے کا حکم دیا ہے اسے کرو اور جس سے بچنے کا حکم دیا ہے اس سے بچو! اور اللہ ہی کے لئے حجت بالغہ ہے۔" والسلام۔

(اردو ترجمہ کشف المحجوب، از مفتی غلام معین الدین نعیمی، ص: ۱۱۷)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو جس قدر توفیق مرحمت فرمائی ہے بندہ عمل میں اسی قدر مختار ہے۔ ہمارا دین جبر و قدر کے درمیان ہے۔ اگر چہ اس خط کے تمام مضمون سے ایک ہی جملہ ہمارا مقصود تھا لیکن فصاحت اور بلاغتِ کلام کے اعتبار سے ہم نے پورا خط نقل کردیا ہے۔ اور یہ کہ تمہیں اندازہ ہوجائے کہ حضرت امام حسن مجتبیٰ علم حقائق و اصول میں کیسی مہارت تامہ رکھتے تھے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کمالِ علم و فضل کے باوجود حضرت امام حسن مجتبیٰ کے علم و فضل کے مقابلے میں دسویں درجے پر تھے۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ کے تحمل و بردباری کا اندازہ اسی واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک روز حضرت امام حسن مجتبیٰ کوفہ کے دار الخلافہ کے دروازے پر تشریف فرما تھے صحرا سے ایک دیہاتی آیا اور اس نے آتے ہی آپ کو اور آپ کے والدین کو گالیاں دینا شروع کردیں۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا تو بھوکا پیاسا ہے یا تجھ پر کوئی مصیبت پڑی ہے اس نے پھر کہا آپ ایسے ہیں اور آپ کے والدین ایسے ہیں۔ حضرت امام حسنؓ نے اپنے غلام سے فرمایا طشت میں چاندی بھر کر لاؤ اور اسے دے دو۔ پھر فرمایا اے دیہاتی ہمیں معذور سمجھنا۔ گھر میں اس کے سوا کچھ اور نہ تھا ورنہ اس کے دینے سے انکار نہ ہوتا۔ جب دیہاتی نے آپ کا یہ صبر و تحمل دیکھا تو کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً آپ فرزند رسول ہیں۔ (اردو ترجمہ کشف المحجوب، از مفتی غلام معین الدین، ص: ۱۱۸)

حقیقت یہ ہے کہ تمام مشائخ و اولیاء کی عموماً اور خواجگانِ چشت کی خصوصاً یہ صفت آپ کے اتباع میں ہے، کیونکہ ان کے نزدیک بھی لوگوں کا بُرا بھلا کہنا برابر ہے اور ان کے ظلم وستم اور سبّ وشتم سے وہ کوئی اثر نہیں لیتے۔ آپ کی شہادت کا ذکر باب اوّل میں کیا جاچکا ہے۔

حضرت امام حسین شہزادۂ گلگوں قبا خامس آلِ عبا علیہ السلام

ائمہ اہل بیت اطہار میں سے شمع آل محمد، تمام دنیاوی علائق سے پاک وصاف اپنے زمانہ کے امام وسردار، ابوعبداللہ سیدنا امام حسین بن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما ہیں۔ آپ اہل ابتلاء کے قبلہ ورہنما اور شہیدِ دشتِ کرب وبلا ہیں اور تمام اہل طریقت آپ کے حال کی درستگی پر متفق ہیں۔ اس لئے کہ جب تک حق ظاہر وغالب رہا آپ حق کے فرمانبردار رہے اور جب حق مغلوب ومفقود ہوا تو تلوار کھینچ کر میدان میں نکل آئے اور جب تک راہ خدا میں اپنی جان عزیز قربان نہ کردی چین اور آرام نہ لیا۔ آپ میں حضور اکرمؐ کی بیشتر نشانیاں تھیں، جن سے آپ مخصوص ومزین تھے۔ چنانچہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک روز حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ امام حسین کو آپ نے اپنی پشت مبارک پر سوار کر رکھا ہے۔ ڈوری کا ایک حصہ حضور نے اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے اور دوسرا حصہ امام حسینؓ کے ہاتھ میں ہے۔ امام حسینؓ آپ کو چلاتے ہیں اور حضور اکرمؐ زانو کے ذریعہ چلتے رہے۔ میں نے جب یہ حال دیکھا تو کہا ''نعم الجمل جملک یا ابا عبد اللّٰہ '' اے ابوعبداللہ کتنی اچھی سواری ہے آپ کی۔ حضور نے آپ سے فرمایا۔ ''نعم الراکب' یا عمر! یہ سوار بھی تو کتنا عمدہ ہے۔ (اردو ترجمہ کشف المحجوب، از مفتی غلام معین الدین، ص:۱۱۹)

حضرت ہجویری کے بیان کردہ مذکورہ بالا واقعہ کے علاوہ صاحبِ روضۃ الشہداء نے امام حسن و امام حسین کا عید کے دن دوشِ رسول پر رونق افروز ہونا لکھا ہے۔ (روضۃ الشہداء فارسی، ص: ۱۸۹) علامہ اقبال نے مثنوی اسرار و رموز میں اپنے مصرعہ

"دوشِ ختم المرسلین نعم الجمل" کے نیچے حاشیہ میں لکھا ہے۔"نعم الجمل جملکما" یعنی تم دونوں کی سواری کتنی اچھی ہے۔ یہ تعریف دونوں شہزادوں کو دوشِ رسولؐ پر دیکھ کر ایک صحابیٔ رسول نے کی۔ اس پر رسول پاک نے فرمایا کہ اے صحابیٔ رسول یہ بھی تو کہو۔"نعم الراکبانِ انتما" یعنی تم دونوں سوار کتنے اچھے ہو کہ تمہیں دوشِ رسول پر رونق افروز ہونے کی سعادت ملی ہے۔

سیدنا امام حسین علیہ السلام سے طریقت میں بکثرت کلام لطیف اور اس کے رموز و معاملات منقول ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔"اشفق الاخوان علیک دینک" تمہارے لئے سب سے زیادہ رفیق و مہربان تمہارا دین ہے۔ اس لئے کہ بندے کی نجات دین کی پیروی میں ہے اور اس کی ہلاکت اس کی مخالفت میں ہے۔ صاحب عقل وخرد وہی شخص ہے جو مہربان کے حکم کی پیروی کرے، اور اس کی شفقت کو ملحوظ رکھے اور کسی حالت میں اس کی متابعت سے روگردانی نہ کرے۔ برادر مشفق وہی ہوتا ہے جو اس کی خیر خواہی کرے اور شفقت و مہربانی کا دروازہ اس پر بند نہ کرے۔

امام حسن اور امام حسین کی مشترکہ سخاوت کا واقعہ

ابوالحسن مدائنی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین اور حضرت عبداللہ ابنِ جعفر طیار حج کو جا رہے تھے۔ راہ میں بھوک اور پیاس نے غلبہ کیا، دور سے ایک جھونپڑی نظر آئی۔ یہ تینوں حضرات جھونپڑی تک پہنچے تو وہاں ایک ضعیفہ رہتی تھی۔ ان لوگوں نے اس سے کھانے پینے کے لئے کچھ طلب کیا۔ اس نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک بکری ہے اس کا دودھ دوہ کر پیاس بجھائی جا سکتی ہے۔ تینوں حضرات نے بکری کا دودھ دوہنے کے بعد نوش کیا لیکن بھوک اتنی شدید تھی کہ تسلی نہ ہوئی، تو ان لوگوں نے اس سے کہا کہ کیا کچھ کھانے کا بندوبست بھی ہو سکتا ہے؟ اس نے کہا کہ میرے پاس تو بس یہی ایک بکری ہے لیکن میں قسم دیتی ہوں کہ آپ اسے ذبح کر کے تناول فرمالیں۔ بکری ذبح کی گئی، گوشت بھونا گیا اور سب نے کھا لیا۔ اس

کے بعد تھوڑی دیر آرام کر کے یہ لوگ روانہ ہو گئے۔ جب شام کو اس خاتون کا خاوند آیا تو اس نے سارا واقعہ سنایا۔ خاوند نے پوچھا کہ وہ کون لوگ تھے؟ اس نے کہا معلوم نہیں، جاتے وقت صرف یہ کہا تھا کہ ہم مدینہ کے رہنے والے ہیں۔ خاوند نے کہا کہ اے نیک بخت! یہ تو بتا اب ہمارا ذریعۂ معاش کیا ہوگا؟ کچھ دنوں بعد اس علاقہ میں شدید قحط پڑا، اور یہ دونوں میاں بیوی بھیک مانگتے ہوئے مدینہ جا پہنچے۔ یہ لوگ مدینہ میں گھوم رہے تھے کہ اچانک امام حسن علیہ السلام کی نگاہ اس ضعیفہ پر پڑی اور آپ اسے پہچان گئے۔ آپ نے اسے بکری والا واقعہ یاد دلایا اور اس کو ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار اشرفیاں عنایت کیں اور اسے امام حسین علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ انھوں نے بھی اسی قدر بکریاں اور اشرفیاں عطا کیں۔ پھر عبداللہ ابنِ جعفر کو اطلاع دی گئی، انھوں نے بھی تقریباً اتنا ہی مال اسے عطا کیا۔ وہ انتہائی مسرت کے ساتھ اپنے گھر لوٹ گئی۔

(ملاحظہ ہو علامہ شبلنجی کی کتاب ''نورالابصار'' عربی، ص:۱۲۱

اور علامہ محمد ابنِ طلحہ شافعی کی کتاب ''مطالب السؤل''، عربی، ص:۲۲۹)

اس واقعہ کے علاوہ امام حسین علیہ السلام کی سخاوت کے بارے میں علامہ ابنِ شہر آشوب رقمطراز ہیں کہ آپ نے مشہور صحابیٔ رسول حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے ان کی بیماری کی حالت میں ملاقات کی۔ ان پر ۶۰ ہزار درہم کا قرضہ تھا اور اس بنا پر وہ گریہ و زاری میں مصروف تھے۔ امام حسین نے انھیں تسلی دی اور ان کا پورا قرض اپنی طرف سے ادا کر دیا۔ ابنِ شہر آشوب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دیہاتی عرب شہرِ مدینہ میں آیا اور اس نے دریافت کیا کہ یہاں سب سے زیادہ سخی کون ہے؟ لوگوں نے امام حسین کا نام لیا۔ دیہاتی عرب نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بذریعۂ اشعار سوال کیا۔ امام حسین نے چار ہزار اشرفیاں دو چادروں میں باندھ دیں اور اپنے دروازے سے ہاتھ باہر نکال کر دونوں چادریں اسے عطا کر دیں۔ اتنا عطا کرنے کے باوجود آپ شرم کی وجہ سے اس کے سامنے نہیں آئے اور معذرت کے اشعار پڑھے، جن کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے پاس اس وقت اتنا ہی مال تھا ورنہ اگر زیادہ ہوتا تو مزید

دیتے۔ چونکہ ہمارے پاس مال دینے کو اس سے زیادہ نہیں ہے اس لئے ہمیں شرمندگی محسوس ہو رہی ہے۔

ایک شخص شعیب خزائی نے بیان کیا کہ شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد آپ کی پشتِ مبارک پر باربرداری کے گھٹے دیکھے گئے جس کی وجہ امام زین العابدین نے یہ بتائی کہ آپ اپنی پشت پر لاد کر اشرفیاں اور غلوں کے گٹھر بیواؤں، یتیموں اور مسکینوں کے گھر رات کے وقت پہنچایا کرتے تھے۔

(کتاب مناقب علامہ ابنِ شہر آشوب، جلد: ۴، ص: ۷۴)

حضرت امام سید سجاد زین العابدین علیہ السلام

ائمہ اہل بیت اطہار میں سے وارثِ نبوت، چراغ امت، سیدِ مظلوم، زین العباد، شمع اوتاد، سیدنا ابوالحسن علی المعروف بہ زین العابدین بن امام حسین رضی اللہ عنہما ہیں۔ آپ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے زاہد و عبادت گزار اور کشفِ حقائق و نطق دقائق میں مشہور ہیں۔ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ نیک بخت و سعید کون شخص ہے؟ آپ نے فرمایا۔ " من اذا رضی لم یحمله رضاه علی الباطل و اذا سخط لم یخرجه سخط من الحق " وہ شخص جب راضی ہو تو اس کی رضا اسے باطل پر آمادہ نہ کرے اور جب ناراض ہو تو اس کی ناراضگی اسے حق سے بھٹکنے نہ دے۔ یہ وصف راست رو لوگوں کے اوصافِ کمال میں سے ہے، اس لئے کہ باطل سے راضی ہونا بھی باطل ہے اور غصہ کی حالت میں حق کو ہاتھ سے چھوڑنا بھی باطل ہے۔ مومن کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو باطل میں مبتلا کرے۔

(اردو ترجمہ "کشف المحجوب"، از مفتی غلام معین الدین، ص: ۱۲۰)

آپ کے بارے میں منقول ہے کہ میدانِ کربلا میں حضرت امام حسین کو اپنے اہل و عیال اور رفقاء سمیت شہید کر دیا گیا اور حضرت زین العابدین کے سوا مستورات

حرم کا محافظ و نگہبان کوئی نہ بچا آپ اس وقت بیمار و علیل تھے چنانچہ اہل بیت اطہار کو اونٹوں کی ننگی پشت پر سوار کر کے دمشق لے جایا گیا۔ یزید بن امیر معاویہ (علیه ما یستحقه اخزاه الله دون ابیه) کے دربار میں کسی نے آپ سے پوچھا۔ ''کیف اصبحت یا علی ویا اهل بیت الرحمة۔'' اے علی اے رحمت کے گھر والو، کس حال میں صبح کی؟ ''قال اصبحنا من قومنا بمنزلة قوم موسیٰ من آل فرعون۔ یذبحون ابنائهم و یستحیون نسائهم فلا ندری صباحنا من مساءنا من حقیقة بلائنا۔'' آپ نے فرمایا ہماری صبح اپنی قوم کے ہاتھوں ایسی ہے جیسے حضرت موسیٰ کی قوم کی صبح فرعون اور اس کی قوم کے ہاتھوں ہوئی تھی کہ وہ ان کے مردوں کو قتل کرتے اور ان کی عورتوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ لہٰذا ہم نہیں جانتے کہ اس امتحان گاہ میں ہماری صبح، ہماری شام کے مقابلہ میں کیا حقیقت رکھے گی۔ ہم خدا کی نعمتوں پر شکر بجا لاتے ہیں اور ڈالی ہوئی مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں۔ (اردو ترجمہ، کشف المحجوب، از مفتی غلام معین الدین، ص:۱۴۰)

علامہ اقبال نے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے تناظر میں حضرت حسین اور یزید کو پیشِ نظر رکھ کر کہا ہے......

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید   ایں دو قوت از حیات آمد پدید

(مثنوی اسرارِ خودی و رموزِ بیخودی)

حکایت

ایک سال ہشام بن عبد الملک بن مروان حج کے لئے آیا، طواف کعبہ کر رہا تھا اور چاہتا تھا کہ حجر اسود کو بوسہ دے لیکن اژدہام میں وہاں تک پہنچنے کی راہ نہ ملتی تھی۔ جب وہ منبر پر خطبہ دینے کھڑا ہوا تو حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ مسجدِ حرام میں اس جاہ و جلال سے داخل ہوئے کہ آپ کا چہرہ درخشاں، رخسارِ مبارک تاباں اور لباس مبارک معطر تھا۔ جب آپ طواف کرتے ہوئے حجر اسود کے قریب پہنچے تو آپ کے احترام اور تعظیم میں حجرِ اسود کے گرد سے تمام لوگ ہٹ کر کھڑے ہوگئے تا کہ آپ حجر

اسود کو بوسہ دے سکیں۔ شامیوں نے جب آپ کی یہ شان وشوکت دیکھی تو وہ ہشام سے کہنے لگے، اے امیر المومنین لوگوں نے تمہیں حجر اسود کو بوسہ دینے کی راہ نہیں دی باوجودیکہ تم امیر المومنین تھے لیکن اس خوبرو نوجوان کے آتے ہی سب لوگ حجر اسود کے پاس سے ہٹ گئے اور انھیں راستہ دے دیا۔ ہشام نے ازراہ تجاہل عارفانہ کہا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ شخص کون ہے؟ اس انکار کا مقصد یہ تھا کہ شامی لوگ انھیں پہچان نہ سکیں اور کہیں ان کی پیروی اختیار نہ کر لیں جس سے اس کی امارت خطرے میں پڑ جائے۔ فرزدق شاعر اس وقت وہیں کھڑا تھا۔ ہشام کی اس حرکت پر فرزدق کی غیرتِ ایمانی جوش میں آئی اور بانگِ دہل کہنے لگا۔ میں انھیں خوب جانتا ہوں۔ شامیوں نے پوچھا اے ابوفراش! بتاؤ یہ کون ہے؟ اس سے بڑھ کر پُر وقار اور دبدبہ والا نوجوان ہم نے نہیں دیکھا۔ فرزدق شاعر نے کہا کہ کان کھول کر سن لو، میں ان کے اوصاف بتاتا ہوں اور ان کے نسب کو بیان کرتا ہوں۔ اس کے بعد فی البدیہہ یہ قصیدہ موزوں کر کے پڑھا......

قصیدہ مدحیہ درشان امام زین العابدین رضی اللہ عنہ

هذا الذی تعرف البطحا و طأته
والبیت یعرفه والحل و الحرم

یہ وہ شخص ہے جس کے نشانِ قدم کو اہلِ حرم پہچانتے ہیں
خانۂ کعبہ اور حل و حرم سب اسے جانتے ہیں

هذا ابن خیر العبادکلهم
هذا التقی النقی الطاهر العلم

یہ خدا کے بندوں میں سے بہترین بندے کا فرزند ہے
سب سے زیادہ متقی، پاک وصاف اور بے داغ نشان والا ہے

هذا ابن فاطمة الزهرا ان کنت جاهله
بجده انبیاء • الله قد ختم

اگر تو نہیں جانتا تو سن یہ فاطمہ زہرا کے جگر گوشہ ہیں
۔ ان کے نانا پر اللہ نے نبیوں کا سلسلہ ختم فرمایا ہے

یبین نور الدجیٰ عن نور طلعته
کالشمس ینجاب عن اشراقها الظلم

ان کی منور پیشانی سے نور ہدایت اس طرح جلوہ فگن ہے "
جیسے آفتاب کی روشنی سے تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں

یغضی حیاءً و یغضی مهابةً
فما یکلم الا حین یتبسم

یہ اپنی آنکھیں حیا سے نیچی رکھیں اور لوگ ہیبت سے
ان کی طرف آنکھیں اونچی نہیں کر سکتے
اور جب بات کریں تو پھول جھڑیں

اذ رأته قریش قال قائلها
الیٰ مکارم هٰذا ینتهی الکرم

جب کوئی قریش انھیں دیکھتا ہے تو وہ بول اٹھتا ہے
کہ ان پر تمام خوبیاں تمام ہو چکی ہیں

ینمی الیٰ ذروة العز التی قصرت
من نیلها عرب الاسلام و العجم

یہ عزت و منزلت کی ایسی بلندی پر فائز ہیں
کہ عرب و عجم کا کوئی مسلمان ان سے ہمسری نہیں کر سکتا

من جده وان فضل الانبیاء له
و فضل امته و انت له الامم

ان کے نانا تمام نبیوں سے افضل اور ان کی امت تمام
امتوں سے افضل ہے اور تو بھی ان کی امت کا ایک فرد ہے

يكاد يمسكه عرفان راحته
ركن الحطيم اذا ماجاء يستلم
جب حجرِ اسود کو بوسہ دینے قریب ہوں تو ممکن ہے وہ ان کی
انگلیوں کی راحت پہچان کر انھیں تھام لے

فی كفه خيز ران ريحه عبق
من كفه اروع فی عرنينه شمم
ان کے دستِ مبارک میں چھڑی ہے جس کی خوشبو دلنواز ہے
ان کی ہتھیلی کی خوشبو ہر طرف پھیل رہی ہے

سهل الخليقة لا تخشى بوادره
يزينه اثنان حسن الخلق والشيم
یہ نرم خو ہیں خفگی وغصہ کا ان سے کوئی اندیشہ نہیں
یہ اپنی دو خوبیوں سے یعنی حسنِ اخلاق اور پاکیزہ خصلت سے آراستہ ہیں

منشقة عن رسول الله نبعته
طابت عناصره و الخيم والشيم
ان کے اوصافِ حمیدہ اللہ کے رسول سے ماخوذ ہیں
ان کے عناصر اور ان کی خو، بو پاکیزہ ہے

فليس قولك من هذا بضائره
العرب تعرف من انكرت والعجم
اے ہشام! تیرا انکار کرنا انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا
انھیں تو عرب وعجم سب پہچانتے ہیں

كلتا يديه غياث عم نفعهما
يستو كفان ولايعروهما العدم

ان کے دونوں ہاتھ ایسے ہیں جن کا فیض بارش کی مانند عام ہے
ان کی بخشش ہر وقت جاری ہے حتیٰ کہ تنگدستی میں بھی ختم نہیں ہوتی

عم البرية بالاحسان فانقشعت
عنها الغيابة والاملاق والظلم

خدا کی تمام مخلوق پر ان کا احسان عام ہے
جس سے گمراہی، تنگدستی اور ظلم وزیادتی پراگندہ ہو کر رہ گئے ہیں

لایستطیع جواد بعد غایتهم
ولا یُدٰ نیهم قوم وَان کرموا

کسی سخی کی سخاوت ان کی بخشش کی حد تک نہیں پہنچ سکتی
اور کوئی قوم ان کے برابر نہیں پہنچ سکتی اگرچہ شمار میں کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو

هم الغيوث اذا ما ازمة ازمت
وَالاسد اسد الشرىٰ والباس محتدم

یہ حضرات قحط سالی کے زمانہ میں بارش کی مانند سیراب کرتے ہیں
یہ شیرِ ببر ہیں جب کہ لوگ جنگ کی بھٹی میں جل رہے ہیں

من معشرٍ حبهم دين و بغضهم
كفر و قربهم منجىٌ و معتصم

یہ اس گروہ سے ہیں جن سے محبت کرنا دین اور ان سے بغض رکھنا
کفر اور ان سے وابستہ رہنا نجات اور پناہ دینے والا ہے

ان عدا اهل التقىٰ كانوا انمتهم
او قيل من خير اهل الارض قيل هم

اگر تمام اہلِ تقویٰ کو جمع کیا جائے تو یہ ان سب کے امام ہوں گے
اگر اہلِ زمین سے اچھے لوگوں کے بارے میں پوچھا جائے تو سب کہیں گے کہ یہی ہیں

سیان ذالک ان اثر وا وان عدموا
لایَنقُصُ العسر بسطا من اکفهم
ان کے لئے تونگری و مفلسی دونوں برابر ہیں تنگدستی ان کے ہاتھوں کی فراخی کو کم نہیں کرتی۔

اللہ فضلہ کرما و شرفہ
جرىٰ بذاك له فى اللوح والقلم
اللہ نے انھیں فضیلت دی اور ان کو شرافت و بزرگی سے نوازا اور لوح و قلم میں ان کے لئے یہی حکم نافذ ہو چکا ہے۔

مقدم بعد ذکر اللہ ذکرھم
فی کل بدءٍ و مختوم بہ الکلم
ان کا ذکر، ذکرِ خدا کے بعد مقدم ہے، ہر میدان میں ان کے کلمات ثبت ہیں۔

ای القبائل لیست فی رقابھم
اما لآبائہ ھذا اولہ نعم
وہ کون سا قبیلہ ہے جن کی گردنوں پر ان کا اور ان کے آباء و اجداد کے احسان کا بوجھ نہیں ہے۔

من یعرف اللہ یعرف اولیّة ذا
والدین من بیت ھذا نالہ الامم
جسے خدا کی معرفت ہے وہ ان کی برتری کو پہچانتا ہے چونکہ ان کے گھر سے دین ساری امت کو پہنچا ہے۔

(اردو ترجمہ، کشف المحجوب، از مفتی غلام معین الدین، ص:۱۲۴)

اس قصیدہ میں اور بھی اشعار ہیں مگر حضرت ہجویری نے انھیں چھوڑ دیا۔ ایک شعر جو حاصلِ قصیدہ ہے درج کیا جاتا ہے۔

قال لا قط الا فی تشھدہ
لولا التشھد کانت لاءہٗ نعَمُ

(منظوم ترجمہ)

کبھی نہ اس نے کہا لا بجز تشہد کے　　اگر نہ ہوتا تشہد تو ہوتا لا بھی نعم

فرزدق شاعر نے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کی منقبت میں اشعار کہنے کے علاوہ رسول اللہؐ اور اہل بیت اطہار کی تعریف و توصیف میں اور بھی اشعار کہے ہیں۔ اس قصیدہ پر ہشام بہت برافروختہ ہوا اور فرزدق کو گرفتار کر کے عسفان کے جیل خانہ میں قید کر دیا جو کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے۔ ہشام کی یہ پہلی ناروا جسارت ہے کہ بلا ثبوت و مقدمہ کسی کو قید کیا حالانکہ اسلام میں اس کا کہیں جواز نہیں ہے۔　　(اردو ترجمہ، کشف المحجوب، از مفتی غلام معین الدین، ص:۱۲۴)

حضرت امام کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو فرزدق کی جرأت ایمانی کی تحسین فرمائی اور دل جمعی کے لئے بارہ ہزار درہم اس پیغام کے ساتھ بھجوائے کہ ہمیں معذور سمجھنا، اگر اس سے زیادہ ہمارے پاس ہوتے تو اس میں بھی دریغ نہ کرتے۔ فرزدق نے وہ مال واپس کرتے ہوئے عرض کیا کہ اے فرزند رسول! میں نے بادشاہوں اورا میروں کی شان میں بکثرت قصیدے کہے ہیں، اگر ان کے کفارہ میں کچھ اشعار فرزندان رسولؐ کی محبت میں عرض کر دیئے تو کیا کمال کیا ہے؟ میں نے اپنی ایمانی غیرت کا ثبوت دیا ہے۔ کسی مال و منال کی طمع میں یہ کام نہیں کیا ہے۔ اس کا اجر خدا سے ہی چاہتا ہوں، اور خدا کے رسول کے اہل بیت سے محبت و دوستی کا طلبگار ہوں۔ حضرت امام کو جب یہ پیغام پہنچا تو آپ نے وہ رقم واپس کر کے کہلوایا کہ اے ابو الفراش! اگر تم ہم سے محبت رکھتے ہو تو جو ہم نے بھیجا ہے اس کو قبول کر لو۔ کیونکہ ہم نے رضائے الٰہی کے لئے اپنی ملک سے نکال کر تمہاری ملک میں دے دیا ہے۔ اس وقت فرزدق شاعر نے وہ عطیہ لے لیا اور احسانمندی کا اظہار کیا۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی تعریف و توصیف اس سے کہیں زیادہ ہے، جتنی کی جائے کم ہے۔

تاریخِ وفات حضرت امام ابوجعفر محمد باقر صادق علیہ السلام

ائمہ اہل بیت اطہار میں سے، طریقت میں دلیل و حجت، ارباب مشاہدہ کے برہان، امامِ اولادِ نبیؐ، برگزیدہ نسلِ علی، سیدنا امام ابوجعفر محمد باقر صادق بن علی بن حسین بن علی مرتضیٰ الملقب بہ الامام باقر علیہم السلام ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ علوم کی باریکیوں اور کتابِ الٰہی کے رموز و اشارات اور اس کے لطائف واضح طور پر بیان کرنے میں آپ کو کمالِ دسترس تھی۔ آپ کی کرامتیں اور روشن دلائل اور دلائلِ قاطعہ زبان زدِ خاص و عام ہیں۔ بادشاہِ وقت نے آپ کو شہید کرنے کے ارادے سے کسی کے ذریعہ بلوایا۔ جب اس کے قریب پہنچے تو وہ معذرت کرنے لگا اور تحائف پیش کر کے عزت و احترام کے ساتھ واپس کیا۔ درباریوں نے حیرت و تعجب سے پوچھا کہ آپ نے تو انھیں شہید کرنے کے لئے بلایا تھا لیکن سلوک اس کے برعکس کیا؟ بادشاہ نے جواب دیا کہ جب وہ میرے قریب آئے تو میں نے دو شیروں کو ان کے داہنے اور بائیں کھڑے دیکھا اور وہ زبانِ حال سے گویا تھے کہ اگر تو نے امام کے ساتھ بدسلوکی کی تو ہم تجھے مار ڈالیں گے۔ منقول ہے کہ آپ نے آیۂ کریمہ "فمن یکفر بالطاغوت و یومن باللّٰہ" (جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان رکھا) کی تفسیر میں فرمایا۔ "من شغلک عن مطالعة الحق فھو طاغوتک۔" جو تجھے حق تعالیٰ کے مطالعہ سے غافل کرے وہی تیرا طاغوت ہے۔

تو اے طالب حق! اب تمھیں یہ دیکھنا چاہئے کہ کون سی چیز حجاب بنی رہی ہے جو معرفت الٰہی میں مانع ہے اور یادِ الٰہی سے تمھیں غافل بنا رہی ہے اسے ترک کر دو، تاکہ مکاشفہ ربانی حاصل ہو اور کوئی حجاب و مانع درمیان میں حائل نہ رہے۔ کیونکہ کسی ممنوع و محجوب شخص کو زیب نہیں دیتا کہ وہ قرب کا دعویٰ کرے۔ آپ کے ایک خادم خاص بیان کرتے ہیں کہ جب رات کا ایک پہر گزر جاتا ہے اور آپ ورد و وظائف سے فارغ ہو جاتے ہیں تو بلند آواز سے مناجات کرتے ہیں اور کہتے ہیں "اے میرے خدا،

اے میرے مالک! رات آگئی ہے اب بادشاہوں کا تصرف و اختیار ختم ہو چکا ہے، آسمان پر ستارے جھلملانے لگے ہیں۔ خلق گھروں میں جا چکی ہے اور لوگ سو چکے ہیں، آوازیں سکوت میں ڈوب چکی ہیں۔ خلقت لوگوں کے دروازوں سے ہٹ چکی ہے۔ بنوامیہ بھی محوخواب وخور ہیں۔ انھوں نے اپنے خزانوں کو مقفل کر کے پہرے دار کھڑے کر دئے ہیں۔ جو لوگ ان سے طمع اور لالچ رکھتے تھے وہ بھی ان سے دور ہو چکے ہیں۔ اے خدا تو زندہ و پابندہ اور دیکھنے اور جاننے والا ہے۔ تیرے لئے خواب بیداری برابر ہے۔ جو تجھے ایسا نہ جانے وہ کسی نعمت کا مستحق نہیں ہے۔ اے خداوند کریم! تجھ کو کوئی چیز کسی چیز سے روک نہیں سکتی اور رات اور دن، تیری بقا میں اثر انداز نہیں ہوتے۔ تیری رحمت کے دروازے ہر دعا کرنے والے کے لئے کھلے ہوئے ہیں اور تیرے خزانے تیری حمد و ثنا کرنے والوں کے لئے وقف ہیں۔ تو ایسا مالک حقیقی ہے کہ کسی سائل کو محروم رکھنا تیرے شایانِ شان نہیں ہے۔ تو ہر مومن کی دعا قبول فرماتا ہے کسی کی دُعا ردّ نہیں کرتا، اور زمین و آسمان میں کسی سائل کو محروم نہیں رکھتا۔ اے میرے خدا! جب موت، قبر، حساب اور حشر کو یاد کرتا ہوں تو دنیا میں یہ دل کسی طرح چین اور قرار نہیں پاتا۔ لہٰذا جو بھی حاجت مجھے لاحق ہوتی ہے میں تجھی سے عرض کرتا ہوں اور تجھی کو فریاد رس جان کر تجھی سے مانگتا ہوں۔ اب میری عرض یہ ہے کہ بوقتِ موت، عذاب سے محفوظ رکھنا اور بوقتِ حساب بے عتاب راحت عطا فرمانا۔ آپ کا معمول تھا کہ اس دعا میں تمام رات گزار دیتے اور برابر آہ و فغاں میں مشغول رہا کرتے تھے۔ ایک رات میں نے عرض کیا: اے میرے اور میرے ماں باپ کے آقا! یہ گریہ و زاری کا اور سینہ فگاری کا سلسلہ کب تک جاری رہے گا؟ آپ نے فرمایا۔ اے دوست! حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک فرزند حضرت یوسف علیہ السلام نظروں سے روپوش ہوگئے تھے، اس پر وہ اتنا روئے تھے کہ ان کی آنکھوں کی بصارت جاتی رہی تھی، اور آنکھیں سفید ہوگئی تھیں لیکن میرے اب وجد کے خاندان کے ۱۸ نفوس حضرت امام حسینؑ کی رفاقت میں میدان کربلا کے اندر گم ہوئے ہیں۔ یہ غم کیا اس سے کچھ کم ہے۔

میں ان کے غم و فراق میں اپنے رب کے حضور فریاد کر کے کیوں آنکھیں سفید نہ کروں۔
(یہ مناجات عربی میں بہت فصیح ہے، طوالت کے لحاظ سے صرف ترجمہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔) (اردو ترجمہ کشف المحجوب، از غلام معین الدین نعیمی، ص: ۱۲۷)

امام جعفر صادق علیہ السلام

ائمہ اہل بیت اطہار میں سے یوسفِ سنت، جمال طریقت، معبرِ معرفت، مزین صفوت، سیدنا ابو محمد امام جعفر صادق بن محمد باقر بن علی بن حسین بن علی مرتضیٰ علیہم السلام ہیں۔

آپ کا حال بلند، سیرت پاکیزہ، ظاہر و باطن آراستہ و پیراستہ اور شمائل و خصائل شستہ و منور تھے۔ آپ کے ارشادات تمام علوم میں خوبی اور دقیق کلام کی بنا پر مشہور ہیں اور مشائخ طریقت میں باعتبار لطائف و معانی معروف ہیں، جن سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے کہ "من عرف اللّٰہ اعرض عما سواہ" جسے اللہ کی معرفت حاصل ہوگئی وہ ماسوئی اللہ سے کنارہ کش ہوگیا۔ اس لئے کہ جو شخص خدا سے واصل ہو جاتا ہے اس کے دل میں کسی غیر کی کوئی قدر و منزلت باقی نہیں رہتی۔ دراصل خدا کی معرفت، اس کے غیر سے دستکش ہونے ہی کا نام ہے اور اسی علیحدگی سے معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ جب تک غیر اللہ سے لگاؤ اور تعلق رہے گا، معرفت الٰہی سے وہ محروم ہی رہے گا۔ چنانچہ عارف باللہ، مخلوق اور اس کی فکر سے بے نیاز ہوتا ہے اور اس کا دل ماسوئی اللہ سے جدا ہو کر خدا کے ساتھ واصل ہو جاتا ہے۔ اس کے دل میں مخلوق کی کوئی قدر و منزلت نہیں رہتی نہ وہ کسی حال میں ان کی طرف التفات کرتا ہے، اور نہ کوئی اس سے علاقہ رکھتا ہے۔

آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "لا تصح العبادۃ الا بالتوبۃ لان اللّٰہ تعالیٰ قدم التوبۃ علی العبادۃ قال اللّٰہ تعالیٰ التائبون العابدون الآیہ۔" توبہ کے بغیر عبادت صحیح نہیں ہوتی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ

کو عبادت پر مقدم فرمایا۔ چنانچہ فرماتا ہے توبہ کرنے والے ہی عبادت کرنے والے ہوتے ہیں کیونکہ توبہ مقامات کی ابتداء اور عبودیت اس کی انتہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب گنہگار بندوں کا ذکر فرمایا تو توبہ کے حکم سے یاد کیا۔ چنانچہ فرمایا......

توبوا الیٰ اللّٰہ جمیعا ایھا المومنون اَے مسلمانوں! خدا کی بارگاہ میں تمام گناہوں سے توبہ کرو۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے جب اپنے حبیب سید عالمؐ کو یاد فرمایا تو عبودیت و بندگی سے یاد کیا۔ چنانچہ فرمایا:

فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ (پارہ: ۲۷، سورہ النجم، آیت: ۱۰) ہم نے اپنے بندۂ خاص پر جو وحی چاہی نازل فرمائی۔

حکایت

ایک مرتبہ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ اے فرزندِ رسول! مجھے کوئی نصیحت فرمایئے؟ میرا دل سیاہ ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابا سلیمان! تم تو اپنے زمانہ کے مشہور عابد و زاہد ہو، تمہیں میری نصیحت کی حاجت ہی کیا؟ انھوں نے عرض کیا کہ اے فرزند رسول! آپ کو ساری مخلوق پر فضیلت حاصل ہے اور آپ پر سب کو نصیحت فرمانا واجب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابا سلیمان! میں ہمیشہ اس بات سے خائف رہتا ہوں کہ کل روز قیامت میرے جد کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اس پر میری گرفت نہ فرمائیں کہ تم نے کیوں میری اتباع کا حق ادا نہ کیا۔ کیونکہ اتباعِ نبویؐ کا تعلق نہ نسب صحیح سے ہے اور نہ نسبت قوی سے، بلکہ پیروی کرنے سے ہی متعلق ہے۔ یہ سن کر حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ رو کر عرض کرنے لگے، خداوندا! جس شخص کا خمیر ہی نبوت کے نور سے ہے اور جس کی طبع کی نشوونما اپنے جدِ کریم علیہ السلام کے برہان و حجت کے اصول سے ہے اور جس کی مادر معظمہ بتول الزہرا ہیں، جن کا نامِ نامی سیدہ فاطمہ علیہا السلام ہے، وہی جب بذاتِ خود اس حیرانی

و پریشانی میں ہیں تو داؤد کس گنتی اور شمار میں ہے، وہ زہد و ورع پر کیسے بھروسہ کر سکتا ہے۔

حکایت : ایک دن آپ اپنے غلاموں کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ آؤ ہم سب مل کر عہد و پیمان کریں کہ ہم میں سے جو بھی بخشا جائے گا وہ روزِ قیامت دوسرے کی شفاعت کرے۔ تمام غلام عرض کرنے لگے اے فرزندِ رسول! آپ کو ہماری شفاعت کی کیا حاجت ہے؟ آپ کے جدِ کریم علیہ السلام تو خود ساری مخلوق کے شفیع ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے ربّ تعالیٰ سے شرمسار ہوں اور روز قیامت اپنے جدِ کریم علیہ السلام کے رو برو کھڑے ہونے کی طاقت نہیں رکھتا۔

آپ کی یہ کیفیت اپنے نفس کی عیب گیری پر مبنی تھی۔ کیونکہ یہ صفت اوصافِ کمال سے متعلق ہے اور اسی صفت پر خدا کے تمام مقبول بندے ہیں، خواہ وہ انبیاء و مرسلین ہوں یا اولیاء و اصفیاء کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے......

"اذا اراد اللّٰہ بعبدہ خیراً ابصرہ بعیوب نفسہ"

......اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے پر بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو اس کے نفس کے عیوب دکھا دیتا ہے۔ جو بندہ بارگاہِ صمدیت میں تواضع و بندگی سے سر جھکاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے دونوں جہان میں سر بلند رکھتا ہے۔ آپ کا یومِ شہادت دوشنبہ ۱۵ر شوال ۱۴۸ھ ہے۔ آپ کی عمر وصال کے وقت ۶۵ر سال تھی۔ علامہ ابنِ حجر مکی (صواعق محرقہ، ص: ۱۲۱)، علامہ سبط ابنِ جوزی (تذکرۂ خواص الامۃ) اور علامہ شبلنجی (نور الابصار، ص: ۱۳۳) رقم طراز ہیں کہ خلیفۂ وقت منصور نے آپ کو زہر دلوا کر شہید کرایا تھا۔

اگر ہم تمام اہل بیت اطہار کا اسی طرح تذکرہ کریں اور ان کے فضائل و مناقب شمار کرائیں تو یہ کتاب اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

یحییٰ بن حسن نے اپنی کتاب "عمدہ" میں بیس طریقوں سے روایت کیا ہے کہ نبیؐ کریمؐ کے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے اور وہ سب قریش سے ہوں گے۔ یہ حدیث اتنی مستند

ہے کہ بخاری نے تین طریقوں سے، مسلم نے نو طریقوں سے، ابوداؤد نے تین طریقوں سے اور ترمذی نے ایک طریقہ سے اس حدیث کو بیان کیا ہے۔

(اردو ترجمہ "ینابیع المودہ" ص:۶۹۷، مترجم مولوی محمد شریف، ملتان پاکستان)

حدیث کے حوالے کے لئے درج ذیل کتابیں ملاحظہ ہوں۔(۱) کنزالعمال، جلد۶، ص: ۱۹۸ (۲) مشکوۃ بابِ مناقب قریش، جلد۸، ص:۹۳ (۳) سنن ابوداؤد، ص: ۵۸۸، (۴) جامع ترمذی، ص:۲۶۹ (۵) صحیح مسلم، جلد: ۲، ص: ۱۱۹ (۶) صحیح بخاری کتاب الفتن باب الاستخلاف، پارہ: ۲۹، ص:۶۲۸ (۷) فتح الباری شرح بخاری، پارہ: ۲۹، ص: ۶۲۹، (۸) عمدۃ القاری، جلد: ۱۱، ص: ۴۳۵)

سید علی ہمدانی علیہ الرحمۃ نے تشریح کی ہے کہ قریش کے کس قبیلے سے ہوں گے؟ جابر بن سمرہ کی روایت کا حوالہ دیتے ہوئے سید علی ہمدانی لکھتے ہیں کہ یہ سب خلیفہ بنی ہاشم سے ہوں گے۔ (ینابیع المودہ)

علامہ سلیمان قندوزی حنفی مفتی اعظم قسطنطنیہ صاحب کتاب "ینابیع المودہ"، سید علی ہمدانی کی کتاب "مودۃ القربیٰ" کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ امام میرے فرزندوں میں سے ہوں گے، جس شخص نے ان کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، جس نے ان کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی (حبل اللّٰہ) ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ ہیں۔ (حوالہ سابق)

مزید تشریح کرتے ہوئے علامہ سلیمان لکھتے ہیں کہ بعض محققین نے کہا ہے کہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی کریمؐ کے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے اور یہ بات کافی طریقوں سے شہرت پاچکی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہؐ کی مراد اس حدیث سے وہ بارہ ائمہ ہیں جو آپ کے اہلِ بیت اور آپ کی عترت سے پیدا ہوں گے، اور یہ بات ناممکن ہے کہ اس حدیث کو ان خلفاء پر محمول کیا جائے جو آپؐ کے بعد آپ کے اصحاب میں سے ہوئے تھے کیونکہ ان کی تعداد بارہ سے کم ہے اور یہ بات بھی

ناممکن ہے کہ اس حدیث کو اموی بادشاہوں پر محمول کیا جائے کیونکہ ان کی تعداد بارہ سے زیادہ ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سوا باقی سب سے صریح ظلم کا ارتکاب ہوا ہے اور یہ لوگ بنی ہاشم میں سے بھی نہیں ہیں جبکہ رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ تمام کے تمام بنو ہاشم میں سے ہوں گے...... یہ بات بھی درست نہیں ہے کہ اس روایت کو عباسی بادشاہوں پر محمول کریں کیونکہ ان کی تعداد بھی مذکورہ تعداد سے زیادہ ہے اور وہ لوگ اس آیت "قل لااسئلکم علیہ اجراً الا المؤدۃ فی القربیٰ" اور حدیث کسا کا مصداق نہیں ہوتے۔

پس ضروری ہے کہ اس حدیث کو نبی اکرمؐ سے وابستہ ان ائمہ پر محمول کیا جائے جو آپ کے اہلِ بیت اور آپ کی عترت میں سے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے زمانے میں تمام لوگوں سے زیادہ عالم، زیادہ بزرگ، زیادہ پرہیزگار اور زیادہ متقی ہیں۔ یہ لوگ نسب کے لحاظ سے سب سے بلند اور حسب کے لحاظ سے سب سے افضل ہیں اور اللہ کے نزدیک عزت والے ہیں۔ مذکورہ بالا عبارات میں چھ اماموں کے نام اور ان کے اوصافِ حمیدہ آچکے ہیں۔ باقی چھ اماموں کے اسمائے گرامی اور اختصاراً ان کے مناقب درج کیے جائیں گے۔

سید علی ہمدانی کا بیان ہے کہ نبیٔ اکرمؐ نے بارہ اماموں کے اسمائے گرامی بھی بتا دیئے تھے۔ (مؤدۃ القربیٰ، ص:۳۴)

علامہ سلیمان نے روایت درج کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میرے کل وصی بارہ ہوں گے، پہلے علی اور آخر قائم مہدی ہوں گے۔ (ینابیع المودۃ) علامہ سلیمان نے کتاب "فرائد السمطین" سے مزید روایت نقل کی ہے جس میں صراحت سے بارہ ائمہ کے نام موجود ہیں۔

(اردو ترجمہ "ینابیع المودۃ" ص:۶۹۱ تا ۶۹۲، مترجم مولوی محمد شریف، ملتان پاکستان)

حضرت امام جعفر صادقؑ کی شہادت زہرخورانی سے ہوئی۔ تاریخِ شہادت

۱۵ر شوال ۱۴۸ھ مطابق ۷۶۵ء ہے۔ مدفن جنت البقیع میں ہے۔

(صواعق محرقہ، ص:۱۲۱، نورالابصار، ص:۱۴۱)

برِ صغیر کے عظیم محدث حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی نے بھی ان بارہ ائمہ کے اوصاف و کمالات پر ایک مستقل کتاب "احوال الائمۃ الاثنی عشر خلاصۃ اولاد سید البشر" لکھی ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ آج کل کے سنی حضرات نے ان ائمۂ اطہار کو شیعوں کی جھولی میں ڈال دیا ہے اور ان پر کتابیں لکھنے کا سلسلہ بہت کم ہوگیا ہے۔ راقم الحروف تبرک کے طور پر اجمالاً ان باقی چھ ائمہ کے مبارک حالات درج کر رہا ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ۷ر صفر ۱۲۸ھ مقام ابواء جو مکے اور مدینے کے درمیان واقع ہے پیدا ہوئے۔ (شواہد النبوۃ فارسی، ص: ۱۹۲، روضۃ الشہداء، فارسی، ص: ۴۳۶) نام گرامی موسیٰ کنیت ابوالحسن، ابو ابراہیم، ابوعلی اور ابوعبداللہ تھی۔ آپ کے القاب کاظم، عبد صالح، نفس زکیہ، صابر، امین، باب الحوائج وغیرہ تھے۔ شہرت عامہ آپ کے لقب کاظم کو ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ بدسلوک انسان کے ساتھ احسان کرتے اور ستانے والے کو معاف کرتے تھے اور غصہ کو پی جاتے تھے، بڑے حلیم و بردبار اور اپنے پر ظلم کرنے والے کو معاف کردیا کرتے تھے۔

(مطالب السؤل عربی، ص:۲۷۶، شواہد النبوت، فارسی، ص:۱۹۲، روضۃ الشہداء، ص:۴۳۲، تاریخ خمیس، جلد:۲، ص:۳۲)

علامہ ابن حجر مکی نے بھی کاظم لقب کی یہی وجہ بتائی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پاس ضروریات کو پورا کرنے والے، دروازہ (باب الحوائج) کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عابد، عالم اور سخی تھے۔

(اردو ترجمہ صواعق محرقہ، ص:۶۷۱ تا ۶۷۲)

علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ خدا سے حاجت طلب کرنے کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے آپ کو باب الحوائج کہا جاتا ہے۔

(مطالب السؤل، عربی، ص:۲۷۸)

حضرت کی ظاہری حیات میں تو حاجتیں آپ کے توسل سے اللہ تعالیٰ پورا کرتا ہی تھا، آپ کی شہادت کے بعد بھی آپ کے مزار پُرانوار سے یہ سلسلۂ حاجت روائی جاری ہے۔ ۱۰ راگست ۱۹۲۸ء کے انگریزی اخبار پائنیر (PIONEER) الہ آباد میں زیرِ عنوان "امام موسیٰ کاظم کے روضے پر ایک اندھے کو بینائی مل گئی" ایک خبر شائع ہوئی۔ یہی خبر اخبار انقلاب اور اخبار اہل حدیث امرتسر مورخہ ۲۴ راگست ۱۹۲۸ء میں بھی شائع ہوئی۔ یہ تو ایک خبر تھی جو شائع ہو گئی، آپ کے مزار مبارک سے آج بھی بے شمار کرامات کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ والرضوان نے بھی آپ کی قبر مبارک کے لئے کہا ہے، قبر موسیٰ کاظم تریاق مجرب لاجابۃ الدعاء۔

(ملاحظہ ہو شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب جذب القلوب، فارسی، ص:۲۱۶)

حضرت خواجۂ خواجگان سلطان الہند معین الدین چشتی کا شجرہ نسب آپ سے ملتا ہے اور اسی سلسلۂ نسبی کے فیضان کے باعث اللہ تعالیٰ نے غریب نوازؒ کے مزار پرانوار کو بھی کرامات کا مظہر بنا رکھا ہے۔

آپ کی عجیب وغریب کرامات

ابن جوزی وغیرہ نے شفیق بلخی سے بیان کیا ہے کہ میں ۱۴۹ھ میں حج کے ارادے سے نکلا تو میں نے آپ کو قادسیہ میں لوگوں سے الگ تھلگ دیکھا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ نوجوان صوفیاء میں سے ہے جو لوگوں پر بوجھ بننا چاہتا ہے۔ (یہ ان کی بدگمانی تھی) میں اس کے پاس جا کر اسے زجر و توبیخ کرتا ہوں۔ جب اس کے پاس گیا تو اس نے کہا اے شفیق اجتنبو اکثیراً من الظن ان بعض الظن

اثم یعنی بدگمانی سے بہت بچنا چاہئے بعض بدگمانیاں گناہ ہوتی ہیں۔

اس کے بعد وہ آنکھوں سے غائب ہوگیا۔ پھر میں نے انہیں وادئ فضہ میں نماز پڑھتے دیکھا۔ ان کے اعضاء مضطرب اور آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ میں معذرت کے لئے ان کے پاس گیا تو انہوں نے اپنی نماز کو ہلکا کر کے کہا۔" و انی لغفار لمن تاب و آمن۔۔۔ الایۃ۔" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ توبہ کرنے والے اور ایماندار کو میں بخش دیتا ہوں۔

جب وہ منزل زبالہ میں اترے تو میں نے انہیں ایک کنویں پر دیکھا جس کی ٹینڈیں اس میں گری ہوئی تھیں، انہوں نے اس میں ریت پھینکی تو پانی ان کے لئے اوپر چڑھ آیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے پانی لے کر وضو کیا اور چار رکعت نماز پڑھی۔ پھر وہ ایک ریتیلے ٹیلے پر گئے اور ریت سے انھوں نے پانی پیا۔ میں نے انہیں کہا اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو دیا ہے اس سے جو بچ رہا ہے وہ مجھے کھلا دو، تو انہوں نے کہا۔" اے شفیق ہم پر اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتیں ہمیشہ نازل ہوتی رہتی ہیں۔ اپنے رب سے حسن ظن رکھا کر۔ پس انہوں نے مجھے پانی دیا اور میں نے اسے پی لیا۔ کیا دیکھتا ہوں وہ تو ستو اور شکر ہے۔ خدا کی قسم میں نے اس سے زیادہ لذیذ اور خوشبودار چیز کبھی نہیں پی۔ میں اسے پی کر سیر ہوگیا، میں کئی دن تک وہاں ٹھہرا رہا، مجھے کھانے پینے کی خواہش ہی پیدا نہیں ہوئی۔ علامہ ابن حجر مکیؒ نے اتنا ہی بیان کیا ہے۔

(اردو ترجمہ صواعق محرقہ، ص:۶۷۴ تا ۶۷۵)

دوسرے علماء نے حضرت شیخ بلخی کا مزید بیان درج کیا ہے کہ کچھ دیر بعد حضرت امام موسیٰ کاظم میری نظروں سے غائب ہو گئے۔ پھر میں مکہ معظمہ پہنچا تو میں نے آپ کو نماز پڑھتے اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ آپ کے گرد بے شمار لوگ جمع ہیں۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں تو مجھے بتایا گیا کہ یہ فرزند رسول حضرت امام موسیٰ کاظم ہیں۔ میں نے کہا بے شک ایسے کرامات جو

میں نے دیکھے وہ اسی گھرانے کے لئے سزاوار ہیں۔
(علامہ محمد بن طلحہ شافعی مطالب السوٴل، عربی، ص: ۲۷۹،
علامہ شبلنجی نورالابصار، عربی، ص: ۱۳۵،
علامہ جامی: شواھد النبوۃ، ص: ۱۹۳)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا آپ سے استفادہ

جب آپ کی عمر ۵/سال کی تھی، حضرت ابوحنیفہ حضرت امام جعفر صادق سے استفادہ کے لئے ان کے دولت کدے پر آئے جس کا ذکر اس کتاب کے ص: ۹۹ تا ۱۰۰ پر کیا جاچکا ہے۔ امام جعفر آرام فرما رہے تھے۔آپ مکان سے باہر آگئے تو حاضرین اس کمسن بچے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے کمسنی کے باوجود علوم کے دریا بہانا شروع کئے، امام اعظم ابوحنیفہ نے کچھ فقہی سوالات کئے آپ نے ایسے جوابات عطا کئے کہ امام صاحب حیران رہ گئے۔

(کتاب مناقب، علامہ ابن شہرآشوب، جلد: ۵، ص: ٦۹)

شہادت

آپ کو بقول علامہ جامی ہارون رشید نے بغداد میں لا کر تاعمر قید رکھا۔آخر میں اپنے وزیراعظم یحییٰ بن خالد برمکی کے ذریعہ قید خانے میں زہر دلوادیا اور اس طرح آپ کی شہادت ہوئی۔ (شواھد ۃ النبوۃ، فارسی، ص: ۱۹۳)
شہادت کے وقت آپ کی عمر شریف ۵۵ سال تھی۔ (مطالب السوٴل، ص: ۲۸۲)
کاظمین میں مقبرۂ قریش میں آپ کو سپردِ خاک کیا گیا۔ ۲۵ رجب ۱۸۳ھ آپ کی تاریخ شہادت ہے۔

اولادِ امجاد

علامہ ابن حجر مکی نے لکھا ہے کہ آپ کی اولاد کی تعداد ۳۷ تھی۔ طبرسی، اربلی اور

شیخ مفید جو شیعہ عالم ہیں ان کی تحقیق کے مطابق ۱۹ بیٹے اور ۱۸ بیٹیاں تھیں۔ ان میں ایک صاحبزادے کا نام ابراہیم عرف ادریس تھا جن سے حضرت خواجہ غریب نواز کا نسبی شجرہ گرامی ملتا ہے اور ایک صاحبزادے کا نام حسین تھا جن سے حضرت خواجہ فخر الدین گردیزی (جو خدام خواجہ کے مورثِ اعلیٰ ہیں) کا شجرہ نسبی ملتا ہے۔ علمائے شیعہ نے بھی حسین اور ابراہیم کے اسماء گرامی درج کئے ہیں۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام

آپ ۱۱ ذی قعدہ ۱۵۳ھ یوم پنجشنبہ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔

(روضۃ الصفا، جلد: ۳، ص: ۱۳)

آپ کے والد ماجد حضرت امام موسیٰ کاظم نے آپ کا اسم مبارک علی رکھا۔ آپ ائمہ اہلِ بیت میں آٹھویں امام ہیں (مطالب السؤل، عربی، ص: ۲۸۲) آپ کی کنیت ابوالحسن تھی اور آپ کے القاب صابر، زکی، ولی، رضی اور وصی تھے اور مشہور ترین لقب رضا تھا۔ (نور الابصار، عربی، ص: ۱۲۸، وتذکرۂ خواص الامہ، ص: ۱۹۸)

صاحب روضۃ الصفا نے آپ کا لقب رضا ہونے کی یہ وجہ لکھی ہے کہ آپ سے موافق ومخالف دونوں راضی تھے۔ (روضۃ الصفا، جلد: ۳، ص: ۱۲)

مولانا محمد مبین فرنگی محلی نے لکھا ہے۔ ''آنحضرتؑ (امام رضا علیہ السلام) را از آباء و اجداد علم جمیع ما کان و ما یکون بوراثت رسیدہ...... وہمہ درویشان و اولیاء اللہ سلسلۂ خود منسوب بہ آنجناب میکشد و معروف کرخی کہ سید طائفہ فقرا است دربان در حضرت علی موسیٰ رضا بود'' (وسیلۃ النجات، ص: ۳۷۸، فارسی مع ترجمہ اردو برحاشیہ) یعنی امام رضا کو گزشتہ و آیندہ کا علم اپنے آباء و اجداد سے وارثت کے طور پر پہنچا تھا...... اور تمام درویش اور اولیاء اللہ اپنا سلسلہ حضرت سے منسوب کرتے ہیں اور معروف کرخی جو فقراء کے گروہ کے سردار ہیں امام رضا کے در مبارک کے دربان تھے۔ علامہ ابن حجر مکی لکھتے

ہیں کہ حضرت سری سقطی نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔

(اردو ترجمہ، صواعق محرقہ، ص: ۶۷۸)

آپ کی شہادت ۲۳رذی القعدہ ۲۰۳ھ مطابق ۸۱۸ء بمقام طوس واقع ہوئی جو آج کل مشہدِ مقدس کے نام سے مشہور ہے۔آپ کو انگور کے دانوں میں زہر ملا کر کھلایا گیا اور اس طرح آپ شہید ہوئے۔ (نورالابصار، ص:۱۴۴)

امام محمد تقی علیہ السلام

آپ کی ولادت مدینہ منورہ میں ۱۰رجب ۱۹۵ھ میں ہوئی، اسم گرامی محمد ہے۔ آپ کی کنیت ابوجعفر ہے اور القاب تقی اور جواد ہیں۔ (روضۃ الصفا، جلد:۳، ص:۱۶، اردو ترجمہ شواہد النبوت، ص: ۳۵۴ تا ۳۵۵) آپ کی ولادت کے وقت امین ابن ہارون رشید بادشاہ وقت تھا۔ (وفیات الاعیان از ابن خلکان)

۱۹۸ھ میں مامون رشید بادشاہ وقت ہوا۔ (تاریخ خمیس و ابوالفدا)

۲۱۸ھ میں معتصم عباسی خلیفۂ وقت قرار پایا (ابوالفدا) صاحب مرآۃ الاسرار عبدالرحمن چشتی نے جو کچھ لکھا ہے وہ ہدیۂ قارئین ہے۔ چشتی کے بیان کے ساتھ دوسری کتب کے حوالے بھی راقم الحروف درج کر رہا ہے۔

آپ کی عمر اپنے والد کی وفات کے وقت سات سال اور چند ماہ تھی کہ مسند امامت پر بیٹھے۔ حدیث من سعد سعد فی بطن امہ (جو سعید ہوا وہ سعید ہوا اپنی ماں کے پیٹ میں) آپ کے حق میں صادق آتی ہے۔ آپ کے کمالات اور کرامات بہت ہیں۔ شواہد النبوت میں لکھا ہے کہ امام تقی نے صغر سنی میں علم و ادب و فضل اور ظاہری و باطنی کمالات میں اس قدر ترقی کر لی تھی کہ جس کی اس زمانے میں مثال نہ تھی۔ اسی وجہ سے مامون رشید خلیفہ وقت امام کا شیدا ہو گیا اور اس نے اپنی لڑکی کا عقد ان سے کر کے ان کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ خلیفہ ہر سال ہزاروں دینار ان کی خدمت میں بھیجا

کرتا تھا۔ جب آپ کوفہ پہنچے آخری دن مسجد میں قیام کیا۔ اس مسجد میں ایک درخت تھا جو ابھی بار آور نہ ہوا تھا۔ آپ نے پانی کا کوزہ منگوا کر اس درخت کی جڑ میں وضو کیا اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ ایک ساعت میں اس درخت کے پھل نمودار ہوئے جو نہایت تروتازہ، شیرین اور بے دانہ تھے۔ لوگ اس کے پھل تبرکاً لے جاتے تھے اور کھاتے تھے۔ شواہد النبوت میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ شام کے لوگ ایک شخص کو زنجیروں میں جکڑ کر لے آئے کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ آپ نے اس سے دریافت کیا تو اس نے کہا ملک شام کا رہنے والا ہوں، میں اس مسجد میں مشغول بہ عبادت تھا جس میں بنی امیہ نے حضرت امام حسینؑ کا سر مبارک لٹکا دیا تھا۔ ایک رات میں قبلہ رو بیٹھا تھا کہ ایک بزرگ اچانک میرے سامنے ظاہر ہوئے اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ اُٹھو، میں اٹھ کر ان کے پیچھے ہو لیا۔ چند قدم چلا تھا کہ اپنے آپ کو مسجد کوفہ میں پایا۔ میں نے ان کے پیچھے نماز ادا کی وہاں سے روانہ ہوئے تو چند قدم چلنے کے بعد ہم مدینہ منورہ میں روضۂ رسولؐ پر پہنچ گئے اور ان کے ساتھ نماز ادا کی۔ وہاں سے بھی روانہ ہوئے اور تھوڑی دیر میں مکہ معظمہ پہنچ گئے اور ان کے ساتھ طواف کیا۔ وہاں سے باہر آ کر وہ میری نظروں سے غائب ہو گئے اور پھر میں نے اپنے آپ کو اسی شام کی مسجد میں پایا اور حیران رہ گیا۔ دوسرے دن وہ بزرگ پھر تشریف لائے اور اسی طرح تمام مقامات کی سیر کے بعد انھوں نے مجھے واپس اسی مسجد میں پہنچا دیا۔ میں نے ان کو خدا تعالیٰ کی قسم دے کر دریافت کیا کہ آپ کون صاحب ہیں؟ فرمایا، میں محمد بن علی بن موسیٰ کاظم ہوں۔ جب صبح ہوئی میں نے یہ قصہ اپنے دوستوں کے سامنے بیان کیا۔ آخر یہ بات حاکم شام تک پہنچ گئی اور مجھے مشتبہ سمجھ کر انہوں نے قید میں ڈال دیا ہے اور یہ الزام لگاتے ہیں کہ تم نبوت کا دعویٰ کرتے ہو۔ چنانچہ چند اہل دانش حضرات نے حقیقت حال سے واقف ہو کر والیٔ شام سے درخواست کی کہ یہ آدمی بے گناہ ہے اسے رہا کر دینا چاہئے۔ اس نے جواب دیا کہ جو بزرگ اسے ایک رات میں شام سے کوفہ، کوفہ سے مدینہ، مدینہ سے مکہ اور مکہ سے واپس شام پہنچا سکتا ہے، وہ اسے

قید سے کیوں نہیں چھڑا سکتا؟ حق تعالیٰ نے فوراً امام محمد تقی کی توجہ سے اسے خلاصی دی۔ اس کے ہاتھوں سے لوہے کی زنجیر ٹوٹ کر گر پڑی اور وہ پہرہ داروں کی نظروں سے غائب ہوگیا۔ (اردو ترجمہ، شواہد النبوت، ص: ۳۵۶ تا ۳۵۷)

حضرت امام کی اس قسم کی کرامات اس قدر زیادہ ہیں کہ جن کا ذکر احاطۂ تحریر میں نہیں آسکتا۔ آپ کا وصال منگل کے دن چھ ماہ ذی الحجہ ۲۲۰ھ کو خلیفہ معتصم باللہ کے عہدِ حکومت میں ہوا۔ آپ کی عمر پچیس سال اور مدت امامت سترہ سال تھی۔ بعض مورخین کی رائے یہ ہے کہ خلیفہ معتصم باللہ نے امام معصوم کو زہر دلوایا۔ (اردو ترجمہ صواعق محرقہ، ص: ۶۸۵) آپ کا مدفن بغداد میں مقبرہ بنی ہاشم کے اندر اپنے دادا امام موسیٰ کاظم کے قریب ہے۔ آپ کے تین لڑکے اور ایک لڑکی تھی، لیکن حبیب السیر کے مطابق آپ کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ صاحب نور الابصار نے تاریخِ شہادت ۵ر رجب ۲۱۴ھ لکھی ہے۔ (نور الابصار، عربی، ص: ۱۴۹)

آپ کا اس زمانے کے قاضی القضاۃ یحییٰ بن اکثم سے مناظرہ ہوا۔ قاضی مذکور نے آپ کے علمی کمالات کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا۔ (صواعقِ محرقہ، ص: ۶۸۳ تا ۶۸۴، نور الابصار، عربی، ص: ۱۴۳)۔ کچھ کتابوں میں تاریخِ شہادت ۲۹ر ذی القعدہ ۲۲۰ھ بھی لکھی گئی ہے اور معتصم باللہ کے زہر دینے کا واقعہ بھی لکھا گیا ہے۔

(کشف الغمہ، ص: ۱۲۱، روضۃ الصفا، جلد: ۳، ص: ۱۶)

امام نقی علیہ السلام

آپ ائمہ اہل بیت میں سے دسویں امام ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ ام فضل بنت خلیفہ مامون تھیں آپ کی پیدائش مدینہ منورہ میں پندرہ ماہ ذی الحجہ ۲۱۰ھ کو ہوئی۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ کی تاریخ پیدائش ماہ رجب ۲۱۴ھ ہے (نور الابصار، عربی، ص: ۱۴۹) آپ کا اسم مبارک اور کنیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور امام علی رضا سے مشابہ ہے۔ اسی وجہ سے آپ کو امام ابوالحسن ثانی کہتے ہیں۔ آپ کے القاب نقی، ہادی،

عسکری، ناصح، متوکل، فتاح اور مرتضٰی ہیں۔ امام ابوالحسن علی نقی کی عمر اپنے والد بزرگوار کی وفات کے وقت ۶ سال تھی کہ آپ مسندِ امامت پر بیٹھے۔ آپ سے اس قدر کرامات صادر ہوئیں کہ دائرۂ تحریر سے باہر ہیں۔ وہ علومِ الٰہی جو خانوادۂ اہلِ بیت کو رسولِ خداؐ کی طرف سے پہنچے تھے، امامِ وقت کو مسندِ امامت پر بیٹھتے ہی اپنے والد بزرگوار کی طرف سے منکشف ہوجاتے تھے۔ حدیث: ''الائمة من بعدی اثنٰی عشری'' میرے بعد بارہ امام ہوں گے کے مطابق ۱۲ پشت تک یہ سنت جاری رہی۔ حبیب السیر میں لکھا ہے کہ ایامِ صغرسِنی میں امام نقی سے قسم قسم کے کرامات ظاہر ہونے لگے تو تمام خلقت ان کی طرف متوجہ ہوئی۔ اس کے بعد خلیفۂ بغداد متوکل عباسی کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ اس لئے اس نے حکم دیا کہ امام نقی کو مدینہ سے سرمن رائے میں، جو سامرہ کے نام سے مشہور ہے، قید رکھا جائے۔ (صواعقِ محرقہ) جب حضرت امام اس وحشت کدہ میں پہنچے تو ان کے ایک محب نے جس کا نام صالح ابنِ سعید تھا امام صاحب سے عرض کیا: اے ابنِ رسولؐ یہ لوگ تمام امور میں آپ کے خاندان کو حقیر جانتے ہیں اور اس ویران منزل میں جگہ دی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ اے ابنِ سعید، تو ابھی اس مقام میں ہے (یعنی عالمِ اسباب میں پھنسا ہوا ہے) آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا۔ اس ابنِ سعید نے دیکھا کہ فوراً اس مقام پر ہرے بھرے باغ، بہتی ہوئی نہریں اور بلند محل پیدا ہوگئے۔ یہ دیکھ کر وہ حیرت زدہ ہوا۔ حضرت امام نے فرمایا کہ اے ابنِ سعید ہم جہاں جائیں یہ سب چیزیں ہمارے ساتھ ہیں اور ہمارے لئے یہ کوئی ویران اور وحشت بھری منزل نہیں ہے۔ (اردو ترجمہ، شواہد النبوت، ص: ۳۶۱)

شواہد النبوت میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میری بیوی حاملہ ہے۔ دعا فرمائیے کہ لڑکا پیدا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ لڑکا پیدا ہوگا اور اس کا نام محمد رکھنا۔ چند دنوں کے بعد اس کے لڑکا پیدا ہوا جس کا نام انھوں نے محمد رکھا۔ (اردو ترجمہ، شواہد النبوت، ص: ۳۶۲)

آپ کا وصال دوشنبہ کے دن آخر ماہ جمادی الثانی یا ماہ رجب کی ۲ر تاریخ کو

۲۵۴ھ میں خلیفہ معتز بن متوکل کے عہدِ حکومت میں ہوا۔ ایک روایت یہ ہے کہ خلیفہ معتز نے امام معصوم کو زہر دے کر ہلاک کیا۔ (تذکرہ خواص الامہ، عربی، از علامہ ابنِ جوزی، نورالابصار عربی، ص ۱۵۰، صواعق محرقہ عربی، ص: ۱۲۴) اور سامرہ میں دفن کرایا۔ آپ کی عمر ۴۰/ سال اور مدت امامت ۳۳/ سال چند ماہ تھی۔ آپ کے چار لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔

حضرت امام حسن عسکری

آپ کی ولادت دوشنبہ کے دن ماہ ربیع الاول یا ربیع الآخر ۲۳۱ھ اور ایک روایت کے مطابق ۲۳۲ھ کو مدینہ میں ہوئی۔ گیارہویں امام کے نام اور کنیت کی مشابہت حضرت امام حسن بن علی کے ساتھ تھی۔ آپ کے القاب زکی، عسکری، خالص اور سراج ہیں۔ آپ اپنے والد بزرگوار کی وفات کے وقت تئیس سال کے تھے۔ دوسری روایت کے مطابق آپ کی عمر بائیس سال تھی جب اپنے والد کی مسند پر بیٹھے۔ آپ کے کمالات و کرامات کا ذکر اکثر کتابوں میں ملتا ہے۔ شواہدالنبوت میں محمد بن علی بن ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم افلاس میں مبتلا ہو گئے۔ میرے والد نے کہا آؤ! امام محمد عسکری کی خدمت میں چلیں۔ اگر آپ ۵۰۰ درہم ہمیں دے دیں تو ہمارا کام بن جائے گا۔ جب ہم امام عسکری کے دروازے پر پہنچے، قبل اس کے کہ ہم کسی سے بات کرتے، ان کے غلام نے باہر آ کر کہا کہ علی بن ابراہیم (آنے والے کا نام ہے) اور اس کا لڑکا محمد اندر آ جائیں۔ جب ہم اندر گئے تو ہم نے سلام کیا، امام صاحب نے فرمایا کہ اے علی! تجھے کس چیز نے روک رکھا تھا کہ آج تک ہمارے پاس نہیں آیا۔ میرے باپ نے عرض کیا کہ اے میرے آقا! مجھے شرم آتی تھی کہ اس حال میں آپ کے سامنے حاضر ہوں۔ جب ہم ان سے رخصت ہوئے تو حضرت امام کے غلام نے باہر آ کر میرے والد کے ہاتھ میں ۵۰۰ درہم کا ایک تھیلا دیا اور میرے ہاتھ میں ۳۰۰ درہم کا تھیلا دیا۔ اس نے کہا کہ اس رقم سے اپنا سامان خریدو، لیکن

کوہستان کی طرف نہ جاؤ بلکہ فلاں جگہ جاؤ کیونکہ وہاں تمہیں کافی نفع ہوگا۔ پس جس جگہ کا انھوں نے اشارہ فرمایا تھا ہم وہاں گئے۔ وہاں میری شادی ہوگئی اور مجھے دو ہزار درہم بھی ملے۔ (اردو ترجمہ شواہد النبوت، ص: ۳۶۳ تا ۳۶۴)

آپ کا وصال ماہِ ربیع الاول یا ربیع الثانی ۲۶۰ھ میں خلیفہ معتمد کے عہدِ حکومت میں ہوا۔ علامہ طبری تاریخِ طبری میں لکھتے ہیں کہ خلیفہ معتمد نے آپ کو زہر دلوایا۔ (اردو ترجمہ صواعق محرقہ، ص: ۶۸۹) آپ کو اپنے والد بزرگوار کی قبر کے پاس بہ مقامِ سامرہ دفن کیا گیا۔ آپ کی عمر وصال کے وقت ۲۹/سال اور دوسری روایت کے مطابق ۲۸/سال تھی۔ (اردو ترجمہ، مرآۃ الاسرار، ص: ۲۲۳ تا ۲۲۴)

امام محمد مہدی علیہ السلام

آپ کی ولادت جمعہ کی شب پندرہویں ماہِ شعبان ۲۵۵ھ میں ہوئی۔ آپ کے اسمِ شریف اور کنیت میں نبیٔ کریمؐ سے مشابہت ہے۔ آپ کے القاب مہدی، حجت، قائم، المنتظر، صاحب زمان اور خاتم ائمہ اثنا عشر ہیں۔ (اردو ترجمہ، مرآۃ الاسرار، ص: ۲۲۵) آپ کی عمر اپنے والد کی وفات کے وقت پانچ سال تھی کہ آپ مسندِ امامت پر جلوہ افروز ہوئے۔ (اردو ترجمہ صواعق محرقہ، ص: ۶۸۹)

جس طرح حق تعالیٰ نے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو بچپن میں علم و حکمت اور کرامت عطا فرمائی تھی اور حضرت عیسیٰ ابنِ مریم کو عہدِ طفلی میں پیغمبری جیسا بلند مرتبہ عطا فرمایا تھا، بلا تشبیہ و بلا تمثیل اسی طرح حضرت امام کو صغرِ سنی میں امامت کا منصب عطا کیا۔ آپ کے کمالات اور کرامات اس قدر ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے۔ شواہد النبوت میں لکھا ہے کہ ایک آدمی نے امام حسن عسکری کی خدمت میں آکر عرض کیا تھا کہ اے ابنِ رسول اللہ آپ کے بعد امام کون ہوگا؟ آپ اپنے گھر تشریف لے گئے اور اپنے لڑکے کو کندھے پر اُٹھا کر لائے۔ بچے کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ اس وقت بچے کی عمر تین سال تھی۔ حضرت حسن عسکری نے فرمایا کہ اے شخص اگر تو

حق تعالیٰ کے نزدیک گرامی مرتبت نہ ہوتا تو میں اپنا بیٹا تجھ کو نہ دکھاتا۔اس کا نام اور کنیت رسول اللہؐ کے اسم مبارک اور کنیت سے مشابہ ہے۔پس یہ دنیا میں عدل گستری کرے گا اس وقت جب کہ جور و ظلم اور فتنہ و فساد کا دور دورہ ہوگا۔

(اردو ترجمہ،شواہد النبوت،ص:۳۶۸)

شواہد النبوت میں یہ بھی لکھا ہے کہ خلیفہ معتمد باللہ نے دو آدمی سامرہ کی طرف بھیجے، یہ کہہ کر کہ امام حسن عسکری فوت ہوگئے ہیں، جلدی وہاں جاؤ اور ان کے گھر میں داخل ہو جاؤ، جو کوئی وہاں ملے اس کا سر کاٹ کر میرے سامنے لے آؤ۔پس وہ دونوں ان کے گھر میں داخل ہوئے، درمیان میں ایک پردہ حائل تھا۔انھوں نے پردہ اٹھایا اور پردے کے پیچھے دیکھا کہ ایک دریا بہہ رہا ہے اور اس دریا کی سطح پر مصلّی بچھائے ایک نہایت خوبصورت جوان کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہے۔یہ دونوں اس کے پاس گئے لیکن اس خوبصورت لڑکے نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ ان میں سے ایک شخص نے یہ جسارت کی کہ اس نوجوان کے قریب جا کر دیکھے، جونہی وہ آگے بڑھا دریا میں ڈوبنے لگا۔دوسرے شخص نے آگے بڑھ کر اس کو دریا سے باہر نکال لیا۔یہ دیکھ کر دونوں حیران ہوگئے اور اس جوان سے معذرت کرنے لگے کہ ہم نے اپنے اختیار سے یہ گستاخی نہیں کی۔غرض کہ یہ دونوں شخص اظہارِ عجز کرتے رہے پھر بھی وہ نوجوان ان کی طرف ذرہ برابر بھی متوجہ نہیں ہوا۔دونوں شخصوں نے خلیفہ معتمد کے پاس جا کر یہ واقعہ بیان کیا۔ خلیفہ بہت حیرت زدہ ہوا اور اس نے حکم دیا کہ یہ واقعہ کسی سے بیان نہ کیا جائے۔

(اردو ترجمہ،شواہد النبوت،ص:۳۶۹)

حبیب السیر میں لکھا ہے کہ اس امر پر تمام علمائے اسلام کا اتفاق ہے اور امتِ محمدیہ کے تمام فرقے اس پر متفق ہیں کہ امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ضرور ہوگا اور ان کے حسنِ اہتمام، اجتہاد اور عدل و انصاف سے ساری دنیا جگمگا اٹھے گی۔کیونکہ احادیث صحیح و متواتر سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ مہدیٔ آخرالزماں بنی فاطمہ سے ہوں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔تمام عارفینِ باتمکین

بھی اسی بات پر متفق ہیں۔ چنانچہ شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی قدس سرہ نے فتوحاتِ مکیہ میں مفصل لکھا ہے کہ مہدیٔ آخرالزماں اہلِ بیتِ رسول اللہؐ اور اولادِ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام سے ظاہر ہوں گے اور ان کا نام رسول اللہؐ کے اسمِ مبارک کی طرح ہوگا اور ۳۶۰ اولیاء اللہ ان کے ہمراہ ہوں گے۔ پس وہ دنیا کو ظلم و ستم سے پاک کریں گے...... الیٰ آخرہٖ۔ (اردو ترجمہ، مرآۃ الاسرار، ص: ۲۲۵ تا ۲۲۹)

کتاب مقصدِ اقصیٰ میں لکھا ہے کہ شیخ سعدالدین حموی قدس سرہٗ نے امام مہدیٔ آخرالزماں کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے جس میں انھوں نے امام آخرالزماں کے ساتھ وہ کرامات اور کمالات منسوب کیے ہیں جو کسی بشر کے مقدور میں نہیں ہیں۔ جب ان کا ظہور ہوگا تو ولایت آشکارا ہوجائے گی، مذہبی اختلافات مٹ جائیں گے اور برائیاں دور ہوجائیں گی۔ ولایتِ مطلقۂ محمدی ان پر ختم ہوجائے گی۔

جمہور علمائے اسلام امام مہدی کے وجود پر متفق ہیں۔ درج ذیل علمائے اہلِ سنت کی کتابیں اس بات پر شاہد ہیں کہ امام مہدی پیدا ہوچکے ہیں اور موجود ہیں۔

(۱) مطالب السؤل از علامہ محمد بن طلحہ شافعی (۲) فصول المہمہ از علامہ علی بن محمد صباغ مالکی (۳) تاریخ الموالید از علامہ شیخ عبداللہ بن احمد خشاب (۴) فتوحات مکیہ از علامہ محی الدین ابنِ عربی (۵) الیواقیت والجواہر از علامہ شیخ عبدالوہاب شعرانی (۶) مفتاح النجاۃ علامہ بدخشانی (۷) شواہد النبوۃ از علامہ عبدالرحمٰن جامی (۸) احوال الائمۃ الاثنیٰ عشر خلاصۂ اولادِ سید البشر از شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹) روضۃ الاحباب از علامہ جمال الدین محدث (۱۰) مرآۃ الاسرار از عبدالرحمٰن چشتی (۱۱) ھدایۃ السعداء از علامہ شہاب الدین دولت آبادی، صاحبِ تفسیر بحرِ مواج (۱۲) موالید ائمہ از علامہ نصر بن علی جہمنی (۱۳) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ از ملا علی قاری (۱۴) براہینِ ساباطیہ از علامہ جواد ساباطی (۱۵) الواقع از علامہ شیخ حسن عراقی (۱۶) مقصدِ اقصیٰ از علامہ شیخ سعدالدین (۱۷) مکاشفات از علامہ علی اکبر ابن سعداللہ (۱۸) رسالہ نوادر از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔

شاہ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام مہدی بن حسن کے بارے میں شیعوں کا کہنا درست ہے۔ مولانا ابوالفضل محمد عباس شروانی نے اپنی فارسی کتاب تاریخ آل امجاد میں شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کی کتاب "فضلِ مبین" کا بھی حوالہ دیا ہے اور بہت سے علمائے اہلِ سنت کے اسمائے گرامی ان کی تصانیف کے حوالے کے ساتھ درج کئے ہیں جو اس ضمن میں شیعوں سے متفق ہیں کہ امام مہدی علیہ السلام پیدا ہوکر غائب ہوگئے اور قربِ قیامت میں ان کا ظہور ہوگا۔

(تاریخ آل امجاد، ص:۴۷، مطبع انصاری واقع دہلی ۱۳۱۲ھ)

(۱۹) تاریخِ خمیس، فی احوال انفس نفیس از علامہ حسین بن محمد الدیار بکری (۲۰) تاریخ اسلام از علامہ ذہبی (۲۱) صواعق محرقہ از علامہ ابن حجر مکی (۲۲) کنزالعمال از علامہ متقی (۲۳) ینابیع المودۃ از علامہ شیخ سلیمان قندوزی حنفی نقشبندی (۲۴) کتاب البیان از علامہ ابوعبداللہ محمد بن یوسف گنجی شافعی۔

کچھ علمائے اہلِ سنت کا یہ خیال ہے کہ امام مہدی علیہ السلام پیدا ہوں گے۔ بہرحال ظہور امام مہدی علیہ السلام پر سب کا اتفاق ہے۔

ان بارہ ائمۂ اہلِ بیتِ اطہار کے حالات، کمالات، کرامات اور علمی وعملی خدمات کے لئے امام ابنِ حجر مکی کی کتاب صواعقِ محرقہ کا مطالعہ قارئین کے لئے مفید ثابت ہوگا۔ اس کا اردو ترجمہ لاہور (پاکستان) سے طبع ہو چکا ہے۔

بابِ امامت کو دورِ متاخرین سے متعلق سلسلۂ چشتیہ نظامیہ فخریہ کے ایک عظیم المرتبت بزرگ قطبِ عالم، مدارِ اعظم حضرت مولانا شاہ نیاز احمد علیہ الرحمہ خلیفۂ حضرت محب النبی مولانا فخرالدین محدث دہلوی علیہ الرحمہ مجددِ سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ کی بارگاہِ الٰہی میں مناجات پر ختم کیا جارہا ہے، جس سے آپ نے اپنے دیوان کا آغاز کیا ہے اور جس میں رسولِ پاک، سیدہ فاطمہ اور ائمۂ اہلِ بیت کے وسیلے سے دعائیں مانگی ہیں......

الٰہی بحقِ نبیٔ انام — علیہ الصلوٰۃ و علیہ السلام
بحقِ امامِ علی مرتضیٰ — وصیٔ نبی و ولیٔ خدا

بحق بتولے کہ زہراست او	نسائے جہاں راویست آبرو
بحقِ امامِ حسن مجتبیٰ	جگر گوشۂ شاہِ مشکل کشا
بحقِ امامِ شہیداں حسین	شہادت از و یافتہ زیب و زین
بحقِ امامے شہِ دین و داد	کہ نامش علی ہست و زین العباد
بحقِ امامے کہ باقر خطاب	شنیدیم او را ز روئے کتاب
بحقِ امامے کہ اُو جعفرست	بصدق و صفا خلق را رہبرست
بحقِ امامے کہ موسیٰ ست نام	از و یافتہ شرع و دیں انتظام
بحقِ امامِ علی رضا	لقب ضامن و ثامن آمد ورا
بحقِ امامِ محمد تقی	کہ دینِ نبی شد از و منجلی
بحقِ امامِ نقی رہنما	شفیعِ خلائق بہ روزِ جزا
بحقِ امامِ حسن عسکری	کہ سوئے حقیقت کند رہبری
بحقِ امامے کہ مہدیست آں	جہاں منتظر کے شود او عیاں
بحقِ ہمہ ذریاتِ رسول	کہ ہستند شاں جملہ اہلِ قبول

(دیوانِ شاہ نیاز بہ اہتمام شاہ محمد سبطین عرف شبو میاں، نیازیہ اکیڈمی، بریلی، یو۔ پی، ص: ۱ تا ۲)

OO

پانچواں باب

تصوّف

تصوّف کا ارتقاء اور اس کی عصرِ حاضر میں معنویت

''کشف المحجوب'' حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمۃ کی فارسی کتاب ہے، جس کا اردو ترجمہ علامہ فضل الدین گوہر نے کیا ہے۔ اس ترجمہ کا مقدمہ حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری نے لکھا ہے۔ مقدمہ نگار نے جس گہرائی اور گیرائی سے اسلامی تصوف کا جائزہ لیا ہے اور مخالفین کے جملہ اعتراضات کی علمی اور معروضی طریقہ پر تردید کی ہے وہ بے نیاز داد و تحسین ہے۔ اللہ تعالیٰ مقدمہ نگار کو دونوں جہان کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے۔ یہاں مقدمہ کے ضروری حصے کو نقل کیا جارہا ہے، نیز مقدمہ سے استفادہ کرتے ہوئے مزید وضاحت کی کوشش کی گئی ہے اور مقدمہ میں واقع ہونے والے تسامحات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

ابوریحان البیرونی (۹۷۳ تا ۱۰۴۸ء) کا نام محتاج تعارف نہیں ہے۔ وہ بیک وقت ریاضی، طب، فلکیات، تقاویم اور تاریخ میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ انھوں نے کئی سال ہندوستان میں بسر کئے، سنسکرت میں مہارت حاصل کی اور یہاں کے تمدن اور مذہبی افکار و اعمال کا گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ وہ کہتے ہیں......

''صوفی'' کا ماخذ سوف ہے جو یونانی زبان کا لفظ ہے۔ سوف کا معنیٰ ''حکمت'' ہے۔ اسی لئے حکیم اور دانشور کو فیلوسوف کہتے ہیں۔ فیلا کا

معنیٰ محبت اور سوف کا معنیٰ حکمت یعنی دانش و حکمت سے محبت کرنے والا۔ سوف کے لفظ کو جب عربی میں ڈھالا گیا تو تحریف کے بعد صوفی ہو گیا کیونکہ یونان میں حکماء کا ایک ایسا گروہ تھا جس کا نظریہ تھا کہ وجود حقیقی صرف علت اولیٰ کے لئے ہے، کیونکہ وہی ماسوئ سے مستغنی ہے، باقی سب اس کے محتاج ہیں۔ اس لئے موجود حقیقی صرف وہی علت اولیٰ ہوگی باقی اشیاء کا وجود حقیقی نہیں بلکہ خیال ہے، کیونکہ مسلمانوں میں بھی بعض حضرات کا عقیدہ بظاہر ان سے قریب ہے، اسی مناسبت سے انہیں بھی صوفی کہا گیا ہے۔"

(کتاب الہند، ص:۱۶)

محمد کرم شاہ الازہری صاحب سے پہلے ممتاز مستشرق نولڈیکے NOLDEKE بھی البیرونی کی رائے سے اپنا سخت اختلاف ظاہر کر چکے ہیں۔ Z.D.M.G,XL VIII,P:45 لیکن البیرونی کی یہ رائے قابلِ اعتنا نہیں ہے۔ چونکہ یونانی کتب کے عربی تراجم کا سلسلہ تیسری صدی ہجری کے نصف کے لگ بھگ شروع ہوا اور اہل عرب کے ہاں صوفی کا لفظ اس سے بہت پہلے مستعمل ہوتا تھا۔ جو صاحب سب سے پہلے صوفی کے لقب سے ملقب ہوئے، وہ ابوالہاشم الکوفی تھے جن کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی تھی۔ مولانا عبدالرحمن جامی کی بھی یہی رائے ہے۔ (نفحات الانس، ص:۲۲، بمبئی) یعنی ترجمہ کے دور سے تقریباً ایک سو سال پہلے۔ اس لئے البیرونی کی رائے میں کوئی وزن نہیں۔ البیرونی اپنے اس رویہ پر اس لئے مُصر ہیں کہ اگر اس کے علاوہ صوفی کا کوئی اور مادہ اشتقاق مانا جائے تو اس میں حکمت و معرفت کی نسبت مفقود ہو جائے گی اور یہ لفظ سطحی قسم کا ہو جائے گا۔ البیرونی نے صوفی لفظ کے تقدس کو تو برقرار رکھا لیکن انہیں یہ خیال نہ آیا کہ اس طرح وہ اسلامی تصوف کو یونانی علوم کا ریزہ چیں ثابت کر رہے ہیں اور اس کی انفرادیت کو ختم کر رہے ہیں، جو واقعہ کے بھی خلاف ہے اور تصوف کے مقام سے بھی فروتر۔ اس لئے البیرونی کے اس قول کو تمام مسلم محققین نے

رد کردیا،البتہ یورپ کے مستشرقین میں سے انہیں کئی لوگ اپنے ہمنوامل گئے لیکن اس کی وجہ کچھ اور ہے جس سے قارئین واقف ہیں۔ مستشرقین کا یہ تعصب ہے کہ وہ ہر اسلامی عقیدہ اور نظریہ کو دوسروں سے ماخوذ بتاتے ہیں۔

بعض کے نزدیک صوفی ،صفا سے ماخوذ ہے کیوں کہ یہ لوگ ظاہر اور باطن دونوں کی صفائی اور پاکیزگی کا بے حد اہتمام فرماتے تھے ، اس لئے ان کو صوفی کہا جانے لگا، لیکن علم صرف کے قواعد اس کی اجازت نہیں دیتے ۔ اگر صفائی کی طرف نسبت کوملحوظ رکھنا ہوتا تو انھیں صوفی کے بجائے صفوی کہا جاتا۔ اشتقاق لغوی کے قاعدہ کونظر انداز کرنا درست نہیں ۔

بعض علماء نے صف کوصوفی کا ماخذ قرار دیا ہے کیونکہ جہاد اصغر ہو یا جہاد اکبر، یہ لوگ ہمیشہ صفِ اول میں ظاہری اور باطنی دشمنوں کے سامنے سینہ سپر ہوتے رہے ہیں لیکن قواعد اشتقاق اس قول کی بھی تغلیط کرتے ہیں۔ صف کی نسبت سے انہیں صفی کہلانا چاہئے تھا نہ کہ صوفی ۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اصحاب صفہ کی نسبت سے انہیں صوفی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ حضرات دنیا کے علائق سے اپنے آپ کو آزاد کرکے دن رات ذکر الٰہی اور اطاعت رسالت پناہی میں سرگرم رہتے تھے اور فقر و درویشی کی زندگی بسر کرنے والے لوگوں نے بھی دنیا کی لذتوں ، آسائشوں اور دلچسپیوں کو طلاق دے رکھی تھی اور صرف رضائے الٰہی کے حصول کے لئے شب و روز سرگرداں رہتے تھے ۔ چونکہ انہیں اصحاب صفہ سے خصوصی نسبت ہے اسی وجہ سے انہیں صوفی کہا گیا ۔ بظاہر تو یہ وجہ بڑی معقول معلوم ہوتی ہے لیکن قواعد اشتقاق اس کی بھی اجازت نہیں دیتے ۔ اگر انہیں صفہ سے نسبت ہوتی تو صفوی کہا جاتا ۔

بعض محققین مثلاً شیخ ابو النصر سراج المتوفی ۳۷۸ھ مطابق ۹۸۸ء اسی خیال کی تائید کرتے ہیں ۔ (کتاب اللمع عربی، ص:۲۱) اور اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ یہ لوگ صوف کا لباس پہنتے تھے، اس سے صوفی کا لفظ بنا ہے ۔ قواعد کے لحاظ سے تو یہ

نسبت درست ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر صوفی صوف کا لباس پہنے۔ بڑے بڑے جلیل القدر صوفیاء ایسے گذرے ہیں جو صوف کا لباس نہیں پہنتے تھے۔ امام قشیری مختلف آراء نقل کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

”ولا یشهد لهذا الاسم اشتقاق من جهة العربیة
و قیاس و الظاهر انه لقبٌ“

ترجمہ ”یعنی صوفی کے لفظ کا اشتقاق عربیت کے لحاظ سے اور قواعدِ صرف کی رو سے معلوم نہیں ہوتا۔ سیدھی صاف بات یہ ہے کہ یہ اس فن کا لقب ہے۔“

امام قشیری کی تحقیق کے مطابق تصوف کا نام دوسری صدی ہجری سے پہلے مشہور ہو گیا تھا۔ (رسالہ قشیریہ، ص:۹، مطبوعہ مصر، نیز اردو ترجمہ رسالہ قشیریہ از پیر ڈاکٹر محمد حسن، مطبوعہ پاکستان، ص:۱۴۶) علامہ ابن خلدون نے بھی قشیری کی اس رائے کو پسند کیا۔

صوفی کے لفظ کی لغوی تحقیق کے بعد اب ہم اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ تصوف کا مفہوم کیا ہے؟ علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں علم تصوف کے باب میں اس کی توضیح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

اصل التصوف العکوف علے عبادة وانقطاع الی الله تعالیٰ والاعراض عن زخرف الدنیا وزینتها والزهد فیما یقبل الیه الجمهور من لذة ومال وجاه و کان ذالک عاما فی الصحابه والسلف۔

ترجمہ: تصوف کے معنیٰ ہیں ہمیشہ عبادت پر پابندی کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونا۔ دنیا کی زیب و زینت کی طرف سے روگردانی کرنا۔ لذت، مال اور جاہ جس کی طرف عام لوگ متوجہ ہیں اس سے کنارہ کش ہونا۔ یہ طریقہ صحابہ کرام اور سلف صالحین میں عام مروج تھا۔“

ابنِ خلدون کی رائے میں لفظ ”صوفی“ صوف سے مشتق ہے۔

(اردو ترجمہ، مقدمہ ابنِ خلدون، جلد:۳، ص:۱۳۷)

پروفیسر براؤن کی بھی یہی رائے ہے۔

"A LITERARY HISTORY OF PERSIA, VOL. i, P:417"

اکثر حضرات تصوف کی تعریف میں اخلاقی پہلو کی طرف زیادہ توجہ کرتے ہیں اور یہ نظریہ حلقۂ صوفیاء میں بھی مقبول ہے۔ اس نظریہ کے مطابق جن حضرات نے تصوف کی تعریف کی ہے ان میں سے چند نمونے پیش خدمت ہیں۔ تصوف کی تعریف میں اخلاقِ حسنہ کے موضوع پر باب ''سیرتِ محمدی کا اخلاقی پہلو'' میں لکھا جا چکا ہے اور کشف المحجوب کے حوالے دیئے جا چکے ہیں۔

ابوبکر الکتانی (المتوفی ۳۲۲ھ بحوالہ اردو ترجمہ مرأۃ الاسرار) فرماتے ہیں......

ابو محمد الجریری (المتوفی ۳۱۱ھ صاحب مرأۃ الاسرار نے الحریری لکھا ہے) سے کسی نے تصوف کے بارے میں پوچھا، آپ نے فرمایا......

'' الدخول فی کل خلق سنی والخروج من کل خلق دنی''

یعنی ہر اعلیٰ اور عمدہ خلق میں داخل ہونا اور ہر رذیل عادت سے باہر نکلنا تصوف ہے۔

حضرت ابوالحسین نوری کا ارشاد ہے......

''التصوف ھوالحریة والفتوة و ترك التكلف والسخاء و بذل الدنیا''

(یعنی نفس اور حرص و ہوا کی غلامی سے آزادی پانے، باطل کے مقابلے میں جرأت و مردانگی دکھانے، دنیاوی تکلفات کو ترک کر دینے، اپنے مال کو دوسروں پر صرف کر دینے اور دنیا کو دوسروں کے لئے چھوڑ دینے کا نام تصوف ہے۔)

اگر چہ اخلاقی نقطۂ نظر سے تصوف کی یہ تعریف شرق و غرب میں مشہور بھی ہے اور مقبول بھی لیکن اسے تصوف کی صحیح تعریف نہیں کہا جا سکتا۔ بہت سے لوگ جو مکارم اخلاق میں اپنی نظیر نہیں رکھتے انہیں صوفی نہیں کہا جاتا۔ یہ بات مسلم ہے کہ تصوف کی بنیاد اخلاق کریمہ پر ہے اور صوفی کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ مکارمِ اخلاق سے متصف

ہو، لیکن اسے تصوف کا حقیقی مفہوم نہیں قرار دیا جا سکتا۔

تصوف کی تعریف میں دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس کا معنیٰ زہد ہے یعنی دنیا اور دنیا کی زیب و زینت اور لذات سے کلیتاً کنارہ کشی، یہ بجا کہ صوفی کا دل دنیا سے بیزار ہوتا ہے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ زہد و تقشف اور چیز ہے۔ بعض لوگوں نے عبادت گزار کو صوفی کہا ہے، لیکن ان کا یہ قول بھی حقیقت سے بہت دور ہے۔ ایک شخص عبادت میں سرگرم ہوتا ہے لیکن پھر بھی اسے صوفی نہیں کہا جاتا۔

ابن سینا نے اپنی کتاب ''الاشارات'' میں بڑی وضاحت سے زاہد، عابد اور صوفی میں جو فرق ہے، اُسے بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''جو شخص دنیا اور اس کے لذتوں سے منہ موڑ لے، اُسے زاہد کہتے ہیں۔ جو شخص ہر وقت عبادت میں مصروف رہے، اُسے عابد کہتے ہیں اور والمنصرف بفکره الی القدس الجبروت مستدیما لشرق نور الحق فی سره یخص باسم العارف''

یعنی جو شخص ہمیشہ اپنی فکر کو قدس جبروت کی طرف متوجہ رکھتا ہے اور ہر لحظہ اپنے باطن میں نورِ حق کی تابانی کا آرزومند ہوتا ہے، اسے عارف کہتے ہیں اور ابن سینا کے نزدیک عارف ہی صوفی کہلانے کا مستحق ہے۔

زاہد اور عابد، زہد و عبادت کو اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ انہیں دوزخ سے نجات ملے اور نعیم جنت کی سرمدی مسرتیں نصیب ہوں۔ صوفی بھی دنیا کی زینت اور لذت سے دامن کش رہتا ہے اور ہمہ وقت مصروفِ عبادت رہتا ہے، لیکن اس کے پیشِ نظر کوئی خوف یا طمع نہیں ہوتا، فقط اس لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے کہ وہ اس کا محبوب و مطلوب ہے اور ہر قسم کی عبادت اور نیاز مندی کا مستحق ہے۔ حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ ارشاد اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے۔ ایک روز انھوں نے بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کیا۔

"الهم ان کنت اعبدك خوفا من نار ك فالقنی فیها"

اے اللہ! اگر میں تیری عبادت آتشِ دوزخ کے خوف سے کرتی ہوں تو مجھے اس میں جھونک دے۔

و ان کنت اعبد ك طمعا فی جنتک فاحرمینها"

اور اگر میں جنت کے لالچ کے لئے تیری جناب میں سربسجود رہتی ہوں تو مجھے اس جنت سے محروم کردے۔

"و ان کنت اعبدك لوجهک الکریم فلا تحرمنی من رویته۔"

یعنی اور اگر میں صرف تیری ذات کے لئے تیری عبادت کرتی ہوں تو اے میرے محبوب مجھے اپنے شرفِ دیدار سے محروم نہ رکھیو۔

(مقدمہ از حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری، شاملِ کتاب اردو ترجمہ کشف المحجوب، ص: ۲۵، از فضل الدین گوہر، ناز پبلشنگ ہاؤس، دہلی)

معلوم ہوا کہ تصوف نہ صرف اخلاقِ حسنہ کا نام ہے، نہ صرف دنیا کی لذتوں اور مسرتوں سے کنارہ کشی کا نام ہے اور نہ صرف شب و روز مصروفِ عبادت رہنے کا نام ہے، اگر چہ وہ ان تمام چیزوں میں شامل ہے لیکن وہ ان کے ماسوا کوئی اور چیز ہے۔

اس لئے ابھی ہمیں تصوف کی ایسی تعریف کی ضرورت ہے جس سے اس کی حقیقت تک رسائی حاصل ہو جائے۔ابو سعید الخراز (المتوفی ۲۸۶ھ) سے صوفی کے بارے میں پوچھا گیا۔آپ نے فرمایا......

"من صفی ربه قلبه فامتله قلبه نورا و من دخل فی عین اللذة بذکر الله"

یعنی جس کے دل کو اس کا ربِ پاک صاف کردے اور اس کا دِل نورِ الٰہی سے لبریز ہو جائے اور جو شخص ذکرِ الٰہی شروع کرتے ہی لذّت و سرور میں کھو جائے۔

حضرت جنید بغدادیؒ تصوف کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں......

"التصوف: هوان يميتك الحق عنك و يحييك به"
یعنی تصوف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے تیری ذات سے فنا کردے اور اپنی ذات کے ساتھ تجھے زندہ کردے۔
ابوبکر الکتانی کی تعریف ایجاز اور جامعیت کا شاہکار ہے، وہ فرماتے ہیں۔
"التصوف :صفاءٌ و مشاهدة"
یعنی تصوف صفاء یعنی تزکیہ اور مشاہدہ کا نام ہے۔
ان دو میں سے پہلی بات (صفاء) سبب ہے اور دوسری بات (المشاہدہ) غایت اور مدعا ہے۔ یہ تعریف بڑی جامع ہے، اس میں سالک کی منزل کا بھی ذکر ہے اور اس راستہ کا بھی جو سالک کو اس منزل تک لے جاتا ہے۔
حجۃ الاسلام امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے "احیاء العلوم" میں اس حقیقت کو ذرا تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں......

الطريق تقديم المجاهدة و محو الصفات المذمومة و قطع العلائق كلهم والاقبال بكنه على الله تعالىٰ و مما حصل ذلک كان الله المتولى لقلب عبده المتكفل له بتنويره بانوار العلم۔

(ترجمہ: اس منزل کا راستہ یہ ہے کہ پہلے مجاہدہ کرے، صفات مذمومہ کو مٹائے، تمام تعلقات کو توڑ ڈالے اور پوری طرح اللہ کی ذات کی طرف متوجہ ہو جائے۔ جب یہ سعادت حاصل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل کا متولی بن جاتا ہے اور علم کے انوار سے اس کو منور کرنے کا ذمہ دار بن جاتا ہے۔)
یہ ہے تصوف کا وہ مفہوم جس کو اولیاء اللہ اپنا مقصد حیات بناتے ہیں۔ ان کی ساری زندگی صفا اور تزکیہ کے کٹھن مرحلوں کو صدق دل سے طے کرنے کے لئے وقف

رہتی ہے تاکہ آخر کار وہ مشاہدہ کی منزل میں خیمہ زن ہونے کی سعادت حاصل کریں۔ اسی طرح وہ انسانیت کے اس مقام رفیع کو پالیتے ہیں جہاں "نفخت فيه من روحي" کا سرِ نہاں عیاں ہوتا ہے اور وہ "خليفة الله في الارض" کی مسند جلیل پر متمکن ہوتے ہیں۔

اس تصوف پر جس کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم کی تشریح آپ ابھی پڑھ چکے ہیں، گزشتہ زمانہ میں بھی اور آج بھی اپنوں نے بھی اور بیگانوں نے بھی بدنیتی سے یا غلط فہمی کے باعث بڑی بے رحمی سے طعن و تشنیع کے تیروں کا مینہ برسایا ہے اور آج اس تحریک میں مزید شدت پیدا ہوتی جارہی ہے۔ یہاں تک کہ عدل و تحقیق کا دامن بھی بسا اوقات ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ اس حالیہ شدت کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مادی لذتوں کی طرف رجحان روز بروز بڑھتا جارہا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو لوگ تصوف کے علمبردار بنے بیٹھے ہیں ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو باعثِ رُسوائیِ اسلاف ہیں یا اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے آثار کو دیکھ کر ابلیسی قوتیں ہراساں ہیں اور وہ مسلمانوں کو اس چشمۂ حیات سے بدظن اور متنفر کرنے کا قبل از وقت پروگرام بنا رہی ہیں تاکہ مسلمان اس بیداری سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کے قابل نہ رہیں۔ وجہ کچھ بھی ہو ہمیں حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے ان اعتراضات کا جائزہ لینا چاہیئے۔ انھوں نے اگر کسی واقعی خامی کی نشاندہی کی ہے تو اس کے ازالہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے اور اگر انھوں نے غلط اعتراضات کیئے ہیں تو ان کا مسکت جواب دینا چاہیئے۔

ایک بات ابتداہی میں صاف ہوجانا چاہیئے کہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ صوفیا کی صفوں میں ایسے لوگ بھی درآئے ہیں جو بظاہر عابد و زاہد نظر آتے ہیں لیکن در اصل اپنے زہد و عبادت کو حصولِ مال و جاہ کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں لیکن یہ تو بتایا جائے کہ انسانی زندگی کا کون سا شعبہ ایسا ہے جہاں یہ کالی بھیڑیں موجود نہیں ہیں۔ علماء، اطباء، قضاۃ، تجار اور صنعت کار سب جماعتوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے طبقہ کے لئے ننگ و عار کا باعث ہیں۔ لیکن اگر ان کے وجود سے صحیح اور راست باز

لوگوں کی افادیت کم نہیں ہوئی تو نام نہاد صوفیوں کے ہتھکنڈوں سے بھی اصلی صوفیائے کرام کی عظمت پر حرف نہیں آسکتا۔ ہم جن صوفیاء کے بارے میں کلام کریں گے وہ ایسے لوگ ہیں جو صحیح معنیٰ میں اس لقب کے اہل ہیں۔

پہلا اعتراض

تصوّف پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا رہا ہے اور اب بھی کیا جارہا ہے کہ اس کا ماخذ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ نہیں بلکہ یہ ایک اجنبی چیز ہے جسے اسلام میں زبردستی ٹھونس دیا گیا ہے۔ لیکن جب ان معترضین سے اس اجنبی مصدر اور منبع کے بارے میں استفسار کیا جاتا ہے تو بھانت بھانت کی بولیاں سننے میں آتی ہیں اور انسان تصویر حیرت بن کر رہ جاتا ہے کہ تصوف کے کس معترض کی بات کو وقیع اور وزنی سمجھا جائے اور کسے لایعنی سمجھ کر نظر انداز کردیا جائے۔ ان معترضین کا باہمی اختلاف، اور کسی ایک منبع پر متحد نہ ہونا ہی ان کے اس قول کے بطلان کے لئے کافی ہے، لیکن پھر بھی تمام اقوال کا ایک ایک کر کے ذکر کیا جارہا ہے اور اس کا علمی تجزیہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہے۔ وہ خود ہی حق و باطل میں امتیاز کرلیں گے۔

معترضین کا ایک طبقہ جس میں مستشرقین کے جید علماء بھی شامل ہیں، یہ کہتا ہے کہ تصوف کا ماخذ ہندوؤں کے وید ہیں۔ وہ بڑے وثوق سے دعویٰ کرتے ہیں کہ تصوف میں چلہ کشی اور ریاضت وغیرہ کے سارے طریقے ہندو جوگیوں اور سادھوؤں سے مستعار ہیں۔ اس طبقہ کے سرخیل ہارٹن (Horton) اور بلوشیٹ (Blochet) ہیں۔ یہ لوگ بڑی بڑی کتابوں کے مصنف ہیں اور بڑے محقق اور مدقق شمار ہوتے ہیں۔ معلوم نہیں ان صاحبان کو ان سے بے مقصد تکلف کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ کیا انہیں معلوم نہیں کہ مسلمان صوفیاء کے ہادی و راہبر نبی کریمؐ نے غارِ حرا میں چلہ کشی کی تھی اور ذکر الٰہی پر مداومت کے متعدد احکام قرآن کریم اور احادیثِ نبوی میں بصراحت موجود ہیں اور یہ سب اس وقت ان کو میسر تھا جب کہ ہندوؤں کی تہذیب و تمدن کے

بارے میں جزیرہ عرب کے باشندوں کو سطحی قسم کی معلومات بھی میسر نہ تھیں۔ اس لئے صوفیائے کرام کی ریاضتوں اور چلہ کشیوں کو ہندو جوگیوں کی طرف منسوب کرنا صریحاً غلط ہے۔ مزید برآں دونوں ریاضتوں کے مقاصد میں بعد المشرقین ہے۔

علامہ الازہری نے جو کچھ لکھا ہے وہ بہت پہلے کی بات ہے۔ اب ان مستشرقین کا رجحان بدلتا جارہا ہے۔ چنانچہ پروفیسر لوئی میسی نیون (Louis Massignon) جو اسلامی تصوف پر مستشرقین میں سب سے بڑا محقق اور متخصص مانا جاتا ہے۔ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف میں بڑی تحقیق و تدقیق کے ساتھ ثابت کرتا ہے کہ اسلامی تصوف کا منبع و مخرج قرآن و احادیث ہیں اور یہ تحریک خالصاً واصلاً اسلامی ہے۔ ملاحظہ ہو اس کی کتاب بہ زبانِ فرانسیسی

"ESSAI SURLES ORIGINESDE LEXIQUE TECHNIQUE DELA MYSTIQUE MUSULMANE" (PARIS :922)

تعجب کا مقام ہے کہ علامہ ازہری نے میسی نون کو بھی ہارٹن اور بلوشیٹ کی صف میں شامل کردیا ہے جو اسلامی تصوف کو غیر اسلامی مذاہب کے تصوف کا رہینِ منت قرار دیتے ہیں۔

دوسرا طبقہ ان معترضین کا ہے جو مسلمانوں کے زہد و تبتل کو بدھ مت سے ماخوذ سمجھتے تھے۔ گولڈ زیہر (GOLDZIHER) اور اولیری (O'LEARY) پایہ کے مستشرق بھی یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ صوفیاء کا دنیا سے قطع تعلق درحقیقت گوتم بدھ کی تقلید ہے۔ جس طرح اس نے تخت و تاج کو ترک کرکے جنگلوں اور پہاڑوں کے غاروں میں آکر بسیرا کیا۔ علامہ الازہری کے بیان میں راقم الحروف اضافہ کرتے ہوئے عرض کررہا ہے کہ اسلامی تصوف پر عیسائی اثرات کا تذکرہ Adalbert Merx اور Margaret Smith نے، ایرانی اثرات کا تذکرہ E.H.Palmer, F.R.D. Tholuck اور حسین نصر نے اپنی تصانیف میں کیا ہے۔ نو افلاطونی اور بدھ مذہب کے اثرات کا تذکرہ نکلسن نے کیا ہے۔ ویدانت کے اثرات کا تذکرہ Alfred Von

R. C. Zaehner اور Kremer, W.Jones, Max Herten, نے کیا ہے۔ان مستشرقین نے اپنی جن کتابوں میں ان اثرات کا ذکر کیا ہے ان کے نام انگریزی کتابوں کی ببلیو گرافی میں دیئے گئے ہیں، قارئین ملاحظہ فرمالیں۔

لیکن اتنا بڑا الزام لگانے سے پہلے ان حضرات نے یہ غور کرنے کی زحمت برداشت نہیں کی کہ گوتم بدھ نے خدا کے وجود سے انکار کیا ہے اور نفس انسانی ہی کو سب کچھ خیال کیا ہے۔ اس کے برعکس مسلمان اللہ تعالٰی کی ذات اور اس کی وحدانیت پر پختہ ایمان رکھتے ہیں اور یہ ریاضتیں مقصود بالذات نہیں، بلکہ بارگاہِ الٰہی میں شرف بار یابی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہیں۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اسلام کا تصوف دراصل ایرانی تصوف کا آئینہ دار ہے۔ اہلِ عرب ہر لحاظ سے اہلِ ایران سے فروتر تھے۔ انھوں نے ان سے ہی سب کچھ لیا ہے، ایرانیوں کو دینے کے لئے ان کے پاس کوئی چیز نہ تھی۔ اگر یہ لوگ اسلام سے پہلے کی بات کہہ رہے ہیں تو ہم اسے تسلیم کر لیتے ہیں لیکن ہم اس زمانہ سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ ہماری بحث اس تصوف سے ہے جو آفتاب اسلام کے طلوع ہونے کے بعد رونما ہوا۔ جب قرآن کریم کے فیضان سے عرب مسلمانوں کی جھولیاں علم وحکمت کے جواہرات سے بھر گئیں تو وہ اپنے گھروں سے نکل کر دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچے اور بڑی دریا دلی اور فیاضی سے انھوں نے ان جواہرات کو لٹایا۔ تاریخ کا ادنیٰ طالب علم یہ کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا کہ اہلِ فارس نے عرب کے مسلمانوں کو دینی، تہذیبی اور علمی اعتبار سے متاثر کیا، بلکہ یہ وہ عرب تھے جنھوں نے اپنی ظاہری فتوحات کے جھنڈے گاڑنے کے بعد اہل ایران کے عقائد، نظریات وافکار اور تہذیب وتمدن کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ جب اسلام کی برکت سے اہل فارس آتش پرستی چھوڑ کر خداوند واحد و یکتا کے پرستار بن گئے تو باقی اور کیا چیز تھی جس کے لئے مسلمان صوفی ان کے شکست خوردہ افکار سے دریوزہ گری کرتے۔ پروفیسر براؤن نے اپنی کتاب ''اے لٹریری ہسٹری آف پرشیا'' میں اس بات پر زور دیا ہے۔ حقیقت کی روشنی میں پروفیسر موصوف

کی رائے بے بنیاد ہے۔ ان کا یہ کہنا سراسر خلاف حقیقت ہے کہ ایرانی افکار نے عربوں کو متاثر کیا اور اسی سے ان کا تصوف ماخوذ ہے۔ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں بہر حال اگر کہیں کچھ مشابہت پائی بھی جاتی ہے تو اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ اسلامی تصوف اہلِ فارس کے نظریات سے ماخوذ اور مستعار ہے۔ اسلام کا تصوف صرف اسلام سے ماخوذ ہے اور وہ ہر اعتبار سے ایک الگ اور جداگانہ چیز ہے۔

معترضین کے ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ اسلام کے تصوف پر نصرانی تصوف کا بہت بڑا اور گہرا اثر ہے۔ اس دعویٰ کی تائید کے لئے وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ عرب اور عیسائیوں میں عہدِ قدیم سے باہمی روابط تھے۔ عرب ایک غیر متمدن اور جاہل قوم تھی، جبکہ عیسائی دنیا علم و حکمت کے نور سے جگمگا رہی تھی۔ اس لئے لازمی طور پر مسلمان صوفیوں نے عیسائی راہبوں سے تصوف سیکھا اور اس کو اپنایا۔ ہم عرض کرتے ہیں کہ اسلام کی آمد سے پہلے کے بارے میں آپ کا یہ نظریہ درست ہوسکتا ہے، لیکن ہم اس زمانہ کی بات کر رہے ہیں جب کہ عرب کے ظلمت کدہ کو وحی الٰہی کے نورِ تاباں نے رشک صد طور بنا دیا تھا اور ان ابجد ناشناسوں کو نہاں خانہ تقدیر کے اسرار و رموز سے آشنا کر دیا تھا۔ حضور نبی کریمؐ نے خود اپنے ماننے والوں کو دنیا کی لذتوں میں کھو جانے سے سختی کے ساتھ روکا تھا۔ قرآن کریم کی صدہا آیات ایسی ہیں جو مسلمانوں کو زہد و تقویٰ کی تلقین کرتی ہیں اور دنیا کی بے ثباتی کا نقش لوحِ قلب پر ثبت کرتی ہیں۔ سورہ الحدید کی ایک آیت ملاحظہ ہو......

اعلموا انما الحیٰوۃ دنیا لعب و لھوو زینۃ و تفاخر بینکم و تکاثر فی الاموال و الاولاد کمثل غیث اعجب الکفار نباتہ ثم یھیج فتراہ مصفراثم کان حطاما و فی الاخرۃ عذاب شدید و مغفرۃ من اللہ و رضوان وما الحیٰوۃ الدنیا الا متاع الغرور۔
(سورۃ الحدید پارہ ۲۷ آیت نمبر ۲۰)

(ترجمہ) تم خوب جان لو کہ دینوی زندگی محض لہو ولعب، زینت اور ایک دوسرے پر اترانے اور مال واولاد میں زیادتی پر فخر کرنے کا نام ہے۔ جیسا کہ بارش ہے کہ اس کی پیداوار کاشت کاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ پھر وہ خشک ہو جاتی ہے سو تو اس کو زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں عذاب شدید ہے اور خدا کی طرف سے مغفرت اور رضا مندی بہت بہتر چیز ہے اور نہیں ہے دنیا مگر دھوکے کا سامان۔"

اور حضورؐ کی ایک حدیث یہ بھی سماعت فرمایئے:

ان مما اخافا علیکم من بعدی ما یفتح علیکم من زھرۃ الدینا و زینتھا۔ (بخاری و مسلم)

یعنی اپنے بعد میں تم سے جس چیز کے بارے میں ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ دنیا کی زینت اور کامیابی کے دروازے تم پر کھول دیئے جائیں گے۔

خود سوچئے کہ جس قوم کے پاس ان کی کتاب مقدس میں زہد و پرہیزگاری کے اتنے مؤثر مواعظ موجود ہوں، انہیں ان پریشان حال راہبوں کی تقلید کی کیا ضرورت ہے، جو خود بے یقینی کی موجوں کے تھپیڑے کھا رہے ہیں۔ اسی طرح عبادتِ الٰہی کی تلقین و ترغیب میں قرآن کریم کی بے شمار آیات موجود ہیں، ان کے ہوتے ہوئے کسی اور واعظ کی ایک مومن کو کیوں ضرورت محسوس ہوگی۔ ارشاد ربانی ہے......

واذکرربک فی نفسک تضرعا و خیفة و دون الجھر من القول بالغدو وا لأصال ولا تکن من الغفلین (الاعراف، آیت نمبر:۲۰۵)

(ترجمہ) اپنے رب کو یاد کیا کرو، اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ، زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ، صبح اور شام اور غافلوں میں سے مت ہو جانا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

یا یھا الذین اٰمنوا اذکروا اللّٰہ کثیرا و سبحوہ بکرۃ

و اصیلاً (الاحزاب، آیت نمبر: ۴۱-۴۲)

(ترجمہ) اے ایمان والو! تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہا کرو۔

قرآن کریم کی دوسری سورت کی یہ دل افروز اور روح افزا آیت بھی پڑھ لیجئے:

فاذکرونی اذکرکم و اشکروالی ولا تکفرون۔

(البقرہ: آیت نمبر: ۱۵۲)

ترجمہ: تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کیا کروں گا۔ میرا شکر ادا کرو اور ناشکری نہ کرو۔

جب ذکر الٰہی کے لئے ایسی آیات موجود ہوں تو ان کے ہوتے ہوئے کسی مسلمان کا کسی غیر کی طرف متوجہ ہونا ممکن ہی نہیں۔

مستشرقین کے غول کے غول اسلامی تصوف کو غیر اسلامی ثابت کرنے کے جنون میں جگہ جگہ ٹامک ٹوئیاں مارتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان میں چند ایسی شخصیتیں بھی ہیں جنہوں نے پہلے تو اپنے پیشروؤں کی تقلید کرتے ہوئے اسلامی تصوف کو غیر اسلامی افکار کا نتیجہ کہا لیکن مزید تحقیق کے بعد جب حقیقت ان کے سامنے واشگاف ہوگئی تو انہوں نے بڑی جرأت سے اپنے سابقہ افکار و نظریات سے رجوع کیا۔ یہی نکلسن جو پہلے تصوف کو عیسائیت کا عطیہ کہتے رہے، بعد میں "Encyclopaedia of Religion and ethics" میں تصوف کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے اعتراف کرتے ہیں کہ آج تک اسلامی تصوف کے آغاز اور نشو و نما کے بارے میں غلط اندازے لگائے گئے ہیں۔ یہ کہنا کہ تصوف اسلام میں باہر سے آیا قطعاً قابل تسلیم نہیں بلکہ روز اول ہی سے مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ تھا جو تلاوت قرآن اور مطالعہ حدیث میں مشغول رہتا تھا اور ان کے تمام افکار و نظریات کا منبع قرآن و سنت کے بغیر کچھ بھی نہیں تھا۔

اکابر صوفیاء نے اپنی مستند کتب میں اس بات کو واضح طور پر لکھ دیا ہے کہ صوفی

کے لئے کتاب وسنت کے ارشادات پر عمل پیرا ہونا کامیابی کے لئے شرط اوّل ہے۔
حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہر قسم کے شک وشبہ کے بطلان کے لئے کافی ہے، فرماتے ہیں۔

"ایں راہ کس یابد کہ کتاب بردست راست گرفتہ باشد وسنت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بردست چپ وددر روشنائی ایں دو شمع میرود تانہ درمغاک شبہت افتد نہ درظلمت بدعت"

(تذکرۃ الاولیاء، فارسی، شیخ عطار، ص:۸)

(ترجمہ) یہ راہ تو وہی پا سکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن پاک ہو اور بائیں ہاتھ میں سنت مصطفیٰ اور ان دونوں شمعوں کی روشنی میں وہ قدم بڑھاتا جائے تا کہ نہ شبہات کے گڑھوں میں گرے اور نہ بدعت کے اندھیروں میں پھنسے۔

شیخ ابوبکر طمستانی فرماتے ہیں:

الطریق واضح و الکتاب والسنۃ قائم بین اظھرنا۔ (عربی رسالہ قشیریہ، ص:۳۴)

(ترجمہ) راستہ کھلا ہوا ہے اور کتاب وسنت ہمارے سامنے موجود ہے۔

حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ ایک خط میں لکھتے ہیں:

"اے برادر درتفاوت مراتب فقرا اگر امروز خواہی کہ دریابی بجانب شریعت اونگاہ کن کہ شریعت معیارست۔عیار فقیر بر شریعت روشن میگردد۔"

(مکتوبات کلیمی فارسی، ص:۷۲، مکتوب:۹۵)

(ترجمہ) اے بھائی اگر تم فقراء کے مراتب کا پتہ آج لگانا چاہو تو ان کے اتباع شریعت پر نظر کرو۔ شریعت معیار ہے، اس کسوٹی پر فقیر کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

صوفیاء کرام نے خود کتاب وسنت پر عمل کیا اور اپنے حلقۂ عقیدت میں داخل ہونے والوں کو بھی کتاب وسنت کی پیروی کی تاکید کی۔ مندرجہ بالا تصریحات کے علاوہ آپ قوت القلوب، رسالہ قشیریہ، کشف المحجوب، عوارف المعارف، فوائد الفواد وغیرہ کا

طالعہ کریں تو آپ کو ان کے ہر صفحہ پر کتاب وسنت پر عمل کرنے کی تلقین ملے گی۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص تصوف کو شریعت کے خلاف کہتا ہے تو اس کی اپنی مرضی!

دوسرا اعتراض

معترضین یہ بھی کہتے ہیں کہ تصوف جاہلوں اور ناخواندہ لوگوں کا مسلک ہے۔ جو ل زیورِ علم سے آراستہ ہیں اور تحقیق و تدقیق کے میدان میں ید طولیٰ رکھتے ہیں، وہ صوف کے قریب بھی نہیں پھٹکتے۔ یہ ایک ایسا الزام ہے جو الزام لگانے والوں کی کم ری اور لاعلمی پر دلالت کرتا ہے۔ اکابر صوفیاء اپنے اپنے زمانہ میں علم وفضل میں بھی ن نظیر نہیں رکھتے تھے۔ وہ اپنے ہمعصر علماء وفضلاء پر ہر لحاظ سے فوقیت رکھتے تھے، تصوف کے میدان میں قدم رکھنے سے پہلے وہ علوم وفنون میں مہارت حاصل کرنا روری سمجھتے تھے۔ حضرتِ عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم، حضرت خواجۂ خواجگاں معین ن والدین اجمیری، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی، غوث العٰلمین شیخ الاسلام رت بہاء الحق و الدین زکریا ملتانی، حضرت خواجۂ خواجگاں بہاء الدین نقشبند اور رت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی و امثالھم قدس اللہ اسرارھم نہ صرف اقلیم فقرو ویشی کے شہنشاہ تھے بلکہ کشور علم وفضل کے بھی تاجدار تھے۔ کون ہے جو ان حضرات ان کے جلیل القدر خلفاء پر جہالت کی تہمت لگا سکے۔ ان کی تصانیف آج بھی اہل تحقیق سے خراج تحسین وصول کر رہی ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت بابا فرید الدین مسعود نج شکرؒ فرمایا کرتے تھے کہ جاہل کبھی مسخر شیطان ہو جاتا ہے، اس کی نگاہ حقیقت اور راب میں امتیاز کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ وہ دل کی بیماریوں کی صحیح تشخیص اور اسب علاج نہیں کر سکتا۔

حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے.....

"پیر آں چناں باید کہ در احکام شریعت و طریقت و حقیقت عالم باشد و

چوں ایں چنیں باشد او خود ہیچ نامشروع نفرماید۔"

(فوائد الفواد، فارسی، ص:۱۴۷)

(ترجمہ) "پیر ایسا ہونا چاہئے جو شریعت، طریقت اور حقیقت کے احکام کا علم رکھتا ہو اگر ایسا ہوگا تو وہ کسی ناجائز بات کے لئے نہ کہے گا۔"

حضرت محبوب الٰہی کا یہ اصول تھا کہ وہ کسی ایسے شخص کو خلافت عطا نہیں فرماتے تھے جو عالم نہ ہو۔ (سیر الاولیاء، فارسی، ص:۲۸۸)

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی کا یہ قول ہے......

اجتنب صحبة ثلاثة اصناف من الناس العلماء الغافلين والفقراء المداهنين والمتصوفة الجاهلين. (کشف المحجوب، فارسی، ص:۱۳)

(ترجمہ) "تین قسم کے آدمیوں کی صحبت سے اجتناب کیا کرو۔ ایسے عالموں سے جو غافل، ہوں ایسے فقیروں سے جو دھوکے باز ہوں اور ایسے صوفیوں سے جو جاہل ہوں۔ علامہ ابن جوزی، جو صوفیاء پر تنقید کرنے میں مشہور عالم ہیں وہ بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ......

"وما كان المتقدمون فى التصوف الارئوسا فى القرآن والفقه والحديث والتفسير"

......یعنی صوفیاء متقدمین علوم قرآن، فقہ، حدیث اور تفسیر میں امام ہوا کرتے تھے۔

(تلبیس ابلیس ص:۳۲۵)

تیسرا اعتراض

صوفیاء نے عیسائی راہبوں کی طرح دنیا سے قطع تعلق کرلیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی تھیں ان سے وہ لطف اندوز ہونے سے دست کش ہو گئے تھے۔ حالانکہ حدیث پاک میں موجود ہے کہ......

"لا رهبانية فی الاسلام۔ یعنی اسلام میں رہبانیت کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔

بیشک صوفیاء کرام ابتداء میں ہر قسم کے علائق سے دست کش ہو کر خلوت گزیں ہو جاتے ہیں اور اچھے کھانے، اچھے پہننے، رات کو آرام کرنے وغیرہ راحتوں کو ترک کر دیتے ہیں لیکن یہ ان کا مقصد حیات نہیں ہوتا، بلکہ وقتی طور پر وہ تزکیۂ قلب اور تربیتِ نفس کے لئے ان مجاہدات کو اختیار کرتے ہیں اور جب وہ اس مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالٰی کے نورِ عشق سے ان کے سینے منور ہو جاتے ہیں، مذموم عادات سے ان کی طبیعت پوری طرح متنفر ہو جاتی ہے اور محاسنِ اخلاق ان کی فطرتِ ثانیہ بن جاتے ہیں، تو پھر ستیزہ گاہ حیات میں اسلام کا پرچم تھامے ہوئے وہ قدم رنجہ فرماتے ہیں۔ ان کے تربیت یافتہ نفوس کے راستہ میں آلام و مصائب کی کوئی چٹان حائل نہیں ہو سکتی۔ ابلیس کی کوئی فسوں کاری ان کو متاثر نہیں کر سکتی بلکہ وہ عزم و ثبات کا پیکر بن کر تسلیم و رضا کے پُرخار راستے پر خراماں خراماں گزرتے چلے جاتے ہیں اور وہ شخص جو اپنی زندگی اسلام کی سربلندی کے لئے وقف کرنا چاہتا ہو اور دنیا کے گوشے گوشے میں اس پیغام حق کو پہنچانے کے لئے میدان میں نکلنا چاہتا ہو، اس کے لئے ناگزیر ہے کہ پہلے وہ تزکیۂ قلب اور تربیتِ نفس کے کٹھن مرحلہ کو کامیابی سے طے کرلے۔ اگر اس میں ذرا سی بھی خامی باقی ہوگی تو اس کی ادنیٰ سی لغزش اسلام کے وقار کو سخت نقصان پہنچانے کا باعث بنے گی۔

آج جب کہ ہم تبلیغِ اسلام کے لئے تحصیل علم کو ہی کافی سمجھتے ہیں اور ریاضت و مجاہدہ کو غیر ضروری بلکہ خلاف اسلام چیز قرار دیتے ہیں تو ہماری تبلیغ کا رنگ ہی بدل گیا ہے۔ نہ کلام با اثر ہے، نہ وعظ و نصیحت کا کوئی نتیجہ برآمد ہوتا ہے اور ہماری اخلاقی کمزوریاں قدم قدم پر عیاں ہوتی ہیں اور اسلام کی تضحیک کا باعث بنتی ہیں۔ آپ یوں سمجھئے کہ کفار کے ساتھ گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی۔ آپ سپاہی بھرتی کرتے ہیں۔ کیا آپ انہیں بھرتی کرنے کے بعد فوراً میدان جنگ کی طرف روانہ کریں گے یا میدان

جنگ سے بہت دور ایک چھاؤنی میں بھیجیں گے جہاں وہ فوجی نظم و ضبط کے علاوہ اسلحہ کے استعمال کے ڈھنگ سیکھیں گے اور جب وہ تربیت کے اس مرحلہ کو مکمل کرلیں گے، تب وہ اس قابل ہوں گے کہ انھیں میدان جنگ میں کسی محاذ پر متعین کیا جائے۔ اگر آپ عجلت میں سپاہیوں کو فوراً جنگ میں جھونک دیں گے تو وہ دشمن کے بجائے اپنے دوستوں کو نقصان پہنچائیں گے اور کوئی بعید نہیں کہ وہ خود ہی اپنی گولی کا نشانہ بن جائیں۔

عیسائیوں کے نزدیک رہبانیت مقصد حیات ہے۔ وہ ہمیشہ کے لئے دنیا سے الگ تھلگ زندگی بسر کرنے میں ہی سلامتی اور نجات سمجھتے ہیں۔ صوفیائے کرام کے ہاں اس قسم کا قطعاً کوئی تصور نہیں۔ صوفیائے کرام کی سوانحِ حیات کا مطالعہ کیا جائے تو روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انھوں نے دنیا کو ترک کرنے کی تلقین نہیں کی بلکہ دنیا کے بے اعتدلانہ استعمال اور اس کی محبت میں کھو جانے سے منع کیا ہے۔ انھوں نے شادیاں کیں، ان کے اہل و عیال تھے، ان کے ذاتی مکانات اور مزروعی آراضی تھیں۔ ان حقائق کی موجودگی میں ان پر رہبانیت کا الزام کیوں کر درست ہوسکتا ہے، اور یہ قرآن کریم کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی ان الفاظ میں ثنا گری فرماتا ہے:

رجالٌ لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله

(سورۂ نمبر: ۲۴ النور، پارہ: ۱۸، آیت: ۳۷)

یعنی یہ وہ مردان پاکباز ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انھیں نہ تجارت غافل کرسکتی ہے اور نہ خرید و فروخت۔

حضرت محبوب الٰہیؒ کا ارشاد بھی سماعت فرمائیے......

''ترک دنیا آں نیست کہ کسے خود را برہنہ کند مثلاً لنگوتہ بہ بندد و بنشیند ۔ترک دنیا آں ست کہ لباس بپوشد طعام بخورد و آنچہ می رسد روا بدارد و بہ جمع او میل نکند و خاطر را متعلق چیزے ندارد''

(فوائد الفواد، فارسی، ص:۹)

"ترک دنیا یہ نہیں ہے کہ کوئی آدمی اپنے آپ کو برہنہ کرے اور لنگوٹہ باندھ کر بیٹھ جائے، بلکہ ہمارے نزدیک ترک دنیا یہ ہے کہ لباس بھی پہنے، کھانا بھی کھائے اور حلال کی جو چیز دستیاب ہو اسے استعمال بھی کرے لیکن دولت کو جمع کرنے کی طرف راغب نہ ہو اور دل میں اسے جگہ نہ دے۔"

چوتھا اعتراض

یہ اعتراض بڑے زور وشور سے تصوف اور صوفیائے کرام پر کیا جاتا ہے اور اس زمانہ میں تو اس اعتراض نے بڑی اہمیت اختیار کر لی ہے اور ہر شخص جو چند سطریں لکھنے کی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے، وہ اہل حق پر یہ اعتراض کرنا اپنا فرضِ منصبی سمجھتا ہے۔ آیئے پہلے معترضین کی بات سنیں اور اس کے بعد حقیقت کی کسوٹی پر اسے رکھیں۔

معترضین حضرات کہتے ہیں کہ تصوف ایک افیون ہے اور صوفیاء نے ملت کے قوائے عمل کو مضمحل بلکہ مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ ان کو اس بات پر اصرار ہے کہ ملت کو چاہئے کہ تصوف کی بنائی ہوئی سنہری زنجیروں سے اپنے آپ کو رہا کرائے اور تصوف کی پیدا کردہ خواب آلود فضا سے نکل کر حقائق کی تلخیوں سے دوچار ہونے کے لئے تیار ہو جائے۔

بات یہی ہے معترضین نے اسے نئے نئے جاذبِ قلب ونظر اسالیب میں بیان کر کے بڑی رنگ آمیزیاں کی ہیں۔

بڑی ذمہ داری اور وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ الزام سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان بزرگوں نے ملت کے عروقِ مردہ میں ہمیشہ نئی روح پھونکی ہے، ان کے فیضِ نگاہ نے حوصلوں میں بلندی، عزائم میں پختگی، ولولوں میں جولانی اور قوتِ عمل میں برق آسا سرعت اور چمک پیدا ہوئی ہے۔ آپ ذرا تعصب کی پٹی اُتار دیجئے اور تبلیغ اسلام کی تحریک کے جواں مرد علمبرداروں کے نقوش پا

دیکھتے ہوئے ان میدانوں تک پہنچنے کی کوشش کیجئے جہاں حق نے باطل پر ابدی فتح حاصل کی ۔ برصغیر پاک و ہند پر ذرا سرسری نظر ڈالیے۔ بحستان کا ایک مرد درویش تبلیغ اسلام کے جذبہ سے سرشار ہو کر اپنے وطن کو چھوڑتا ہے، اپنے اقارب و احباب کو الوداع کہتا ہے، اپنی منقولہ اور غیر منقولہ املاک سے دست کش ہوتا ہے اور تنہا بتکدۂ ہند کا رخ کرتا ہے یہاں بھی کئی ایسے گوشے ضرور تھے جہاں اسلام کے مبارک قدم پہنچ گئے تھے لیکن اس کے حوصلہ کی بلندی اور اس کے عزائم کی پختگی اور اس کے جوش کی جولانی اسے ہندوستان کے راجپوتانہ کے اس علاقہ میں لے جاتی ہے جہاں کفر کی کالی رات چھائی ہوئی ہے۔ ایک آمر مطلق راجہ وہاں کا حکمران ہے وہ ظالم راجہ کی اس ریاست کے کسی دور افتادہ گوشہ کو اپنا مسکن نہیں بناتا، بلکہ اس کی راجدھانی میں جا کر اپنا مصلیٰ بچھا دیتا ہے۔ ساری آبادی بت پرست ہے اور اپنے ان مشرکانہ عقائد میں حد درجہ غلو رکھتی ہے۔ وہ اپنے ان معبودوں کے خلاف کوئی بات سننا گوارا تک نہیں کر سکتی۔ جگہ جگہ مندر موجود ہیں۔ بڑے برہمن ان لوگوں کے عقائد اور نظریات کی حفاظت کے لئے ہر قسم کے علوم و فنون سے مسلح ہیں ۔ مسندِ حکومت پر پرتھوی راج جیسا متعصب راجہ براجمان ہے۔ اس ناسازگار ماحول میں جو شخص حق کی دعوت دیتا ہے اور ہر قسم کے خطرات کے سامنے سینہ سپر ہوتا ہے اور پھر اسلام کے پرچم کو یوں لہراتا ہے کہ اسے صدیوں کے انقلابات بھی سرنگوں نہیں کر سکتے ۔ وہ شخص کون ہے؟ وہ ایک صوفی ہے۔ تصوف کے رنگ میں اس کا ظاہر اور باطن، اس کا ذہن، اس کا دل، اس کی سوچ اور اس کا نطق سب رنگے ہوئے ہیں۔ کیا ایسے شخص کے بارے میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی تعلیمات قوائے عمل کو مفلوج کر دینے والی ہیں ۔ وہ رزمگاہِ حیات سے فرار کا راستہ بتاتا ہے۔ اگر آپ میں یہ جرأت ہو تو آپ کہئے اور کہتے رہئے۔ لیکن آپ کے غل مچانے سے حقیقت مسخ نہیں ہو سکتی۔ اس کی خانقاہ کے فیض یافتہ صوفی ہندوستان کے شرق و غرب میں پھیل جاتے ہیں اور کفر و شرک کا اندھیرا جو صدیوں سے یہاں خیمہ زن تھا اس کو اپنے نعرۂ حق سے نیست و نابود کر کے رکھ دیتے ہیں۔ کاش اس قسم کے نفوسِ

قدسیہ ملت کو ہمیشہ نصیب ہوتے!

الازہری صاحب نے اس مقام پر خواجۂ خواجگاں، نائبِ رسول اللہ فی الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ کے بے مثال کارنامۂ تبلیغِ اسلام پر بغیر نام لئے ہوئے تبصرہ کیا ہے۔

شاید معترضین کے علم میں نہ ہو کہ جب چنگیزی طوفان نے دنیائے اسلام کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔ ہزاروں آباد شہر ویران کر دیئے گئے تھے، لاکھوں بے گناہوں کو تہ تیغ کر دیا گیا تھا، عروس البلاد بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی تھی اور عقل و دانش کے پرستار اسلام کے مستقبل سے مایوس ہو گئے تھے۔ معلوم ہے آپ کو کہ کس نے ان سرکش طوفانوں کا رخ موڑا تھا، کس نے اسلام کے دشمنوں کو اسلام کی شمع کا پروانہ بنا دیا تھا۔ وہ انہی صوفیاء کے گروہ کا ایک فرد تھا، جس کی ایک نظر نے ساری فضا کو بدل کر رکھ دیا تھا۔ ایک خراسانی بزرگ اشارۂ غیبی کے تحت ہلاکو خان کے بیٹے تگودار خان کو دعوتِ اسلام دینے کے لئے تشریف لائے۔ وہ شکار سے واپس آرہا تھا۔ اپنے محل کے دروازے پر ایک درویش کو دیکھ کر اس نے ازراہِ تمسخر پوچھا۔ "اے درویش! تمہاری داڑھی کے بال اچھے ہیں یا میرے کتے کی دم؟ اس بیہودہ سوال پر آپ قطعاً برہم نہ ہوئے۔ بڑے تحمل سے فرمایا۔ "اگر میں اپنی جاں نثاری اور وفا داری سے اپنے مالک کی خوشنودی حاصل کرلوں تو میری داڑھی کے بال اچھے ہیں، ورنہ آپ کے کتے کی دم اچھی ہے جو آپ کی فرمانبرداری کرتا ہے اور آپ کے لئے شکار کی خدمت انجام دیتا ہے۔ تگودار خان اس غیر متوقع جواب سے بہت متاثر ہوا اور آپ کو مہمان کی حیثیت سے اپنے پاس ٹھہرایا اور آپ کی تبلیغ سے اس نے درپردہ اسلام قبول کر لیا۔ لیکن اپنی قوم کی مخالفت کے خوف سے اس کا اظہار نہ کیا۔ پھر انہیں یہ کہہ کر رخصت کیا کہ ابھی آپ تشریف لے جائیں، میں اپنی قوم کو ذہنی طور پر اسلام قبول کرنے پر آمادہ کروں گا۔ چنانچہ آپ وطن واپس آگئے۔ کچھ مدت بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔ وفات سے پہلے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ وہ تگودار خان کے پاس جائے اور اسے اپنا وعدہ یاد دلائے۔ کچھ

مدت بعد وہ تگودار خان کے پاس پہنچے، اس سے اپنا تعارف کرایا اور اپنے آنے کی وجہ بتائی۔ اس نے کہا کہ دوسرے تمام سردار اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہیں، لیکن فلاں سردار ابھی اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اگر وہ راہِ راست پر آجائے تو یہ مشکل آسان ہوسکتی ہے۔ آپ نے اسے بلا بھیجا اور تبلیغ کی۔ اس نے کہا کہ میری ساری عمر میدانِ جنگ میں گزری ہے، میں علمی دلائل کو نہیں سمجھ سکتا۔ میرا ایک ہی مطالبہ ہے کہ یہ درویش میرے پہلوان سے مقابلہ کرے۔ اگر اسے پچھاڑ دے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ تگودار خان نے آپ کا نحیف و لاغر جسم دیکھ کر اس مطالبہ کو مسترد کرنا چاہا، لیکن آپ نے اس کا چیلنج منظور کرلیا۔ مقابلہ کے لئے تاریخ اور جگہ کا تعین ہوگیا۔ مقررہ دن بے شمار مخلوقات یہ عجیب وغریب دنگل دیکھنے کے لئے جمع ہوگئی۔ ایک طرف نحیف و کمزور پیر مرد اور دوسری طرف ایک پیل تن گرانڈیل نوجوان۔ تگودار خان نے بڑی کوشش کی کہ یہ مقابلہ نہ ہو لیکن وہ درویش مقابلہ کرنے کے لئے مُصر تھا۔ جب دونوں پہلوان اکھاڑے میں نکلے تو آپ نے اس زور سے اپنے حریف کو ایک طمانچہ مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا وہ غش کھا کر زمین پر آگرا۔ وہ سردار حسب وعدہ میدان میں نکل آیا۔ آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ تگودار خان نے بھی اپنے ایمان کا اظہار کر کے اپنا نام احمد رکھا۔

ازہری صاحب کو یہاں تسامح لاحق ہوا ہے۔ جو واقعہ انھوں نے درج کیا ہے وہ تگودار خاں سے متعلق نہیں ہے بلکہ ایلخانی شہزادہ تغلق تیمور خاں سے متعلق ہے۔ (دی پریچنگ آف اسلام، ص: ۲۳۵ تا ۲۳۷) یہ صحیح ہے کہ تگودار خاں اس دور کے صوفیا سے گفت وشنید کے بعد متاثر ہوا تھا۔ پروفیسر آرنلڈ نے تاریخِ وصاف کے حوالے سے لکھا ہے کہ تگودار خاں پہلا ایلخانی بادشاہ ہے جس نے اسلام قبول کیا۔ (ایضاً، ص: ۲۲۹)

واقعۂ مذکور میں بجائے کسی خراسانی بزرگ کے شیخ جمال الدین کا نام آتا ہے۔ تیمور خاں شکار کے موقع پر شیخ جمال الدین کی گفتگو سے متاثر ہوا، اور اس نے کہا کہ بادشاہ ہونے پر وہ اسلام قبول کرے گا۔ شیخ جمال الدین نے وفات کے وقت اپنے

بیٹے شیخ رشید الدین بخاری کو وصیت کی کہ جب شہزادہ بادشاہ ہو جائے تو اسے اپنا وعدہ یاد دلانا اور دعوتِ اسلام پیش کرنا۔ چنانچہ شیخ رشید الدین بخاری نے تعمیلِ وصیت کی اور اس طرح شہزادہ مذکور جواب بادشاہ ہو گیا تھا مشرف باسلام ہوا اور اس نے دوسرے امراء کو بھی مائل باسلام کیا۔ (ایضاً، ص: ۲۳۵)

ہلاکو خان کا ایک چچا زاد بھائی تھا جس کا نام برکہ تھا۔ اسے بھی حضرت شیخ شمس الدین باخوری نے مشرف باسلام کیا۔ اس طرح ان پاک نہاد صوفیاء کی جرأت ایمانی اور دلآویز اسلوبِ تبلیغ کے طفیل......

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

پروفیسر آرنلڈ نے بھی ابوالغازی بہادر خاں کے حوالے سے لکھا ہے کہ برکہ خاں پہلا منگول شہزادہ ہے جس نے اسلام قبول کیا۔ (ایضاً، ۲۲۷ تا ۲۲۸)

جن صوفیاء کی مساعیٔ جمیلہ کے طفیل دنیا میں اسلام پھیلا اور قوموں اور ملکوں کے مقدر سنور گئے، ان کے بارے میں اسی ملت کے افراد اگر یہ کہیں کہ تصوف ایک افیون ہے، یہ غور وفکر کی قوتوں کو شل کر دیتا ہے اور قوائے عمل کو اپاہج بنا دیتا ہے، تو اس زیادتی پر کس سے شکوہ کیا جائے؟ بانیٔ جماعت اسلامی ابوالاعلیٰ مودودی نے تصوف کو چنیا بیگم یعنی افیون سے تعبیر کیا ہے، ملاحظہ ہو ان کی کتاب ''تجدید واحیاءِ دین'' مگر اسے اکابر تصوف کا اعجاز کہیے یا خداوند قدوس کی حکمتِ بالغہ کہ جماعتِ اسلامی ہند کے سابق امیر ڈاکٹر محمد عبد الحق انصاری نے ''تصوف اور شریعت'' کے نام سے دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے۔ یہ کتاب پہلے انگریزی میں طبع ہوئی بعد میں مفتی محمد مشتاق تجاروی نے انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا جسے مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی نے شائع کیا ہے۔ اس میں صوفیائے کرام خصوصاً امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے بعنوان تصوف تبلیغ اسلام کے کارناموں کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔

آیئے بیگانوں سے پوچھئے کہ وہ صوفیاء کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔

''یورپ کے مستشرق جب اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو انھیں یہ دیکھ کر

حیرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا سیاسی زوال بھی ان کے دینی نظام کو تباہ نہ کرسکا بلکہ بقول پروفیسر ہٹی (HITTI) اکثر ایسا ہوا کہ سیاسی اسلام کے تاریک ترین لمحات میں روحانی اسلام نے بعض نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔ ہالینڈ کے ایک فاضل لو کے گاردنے دبے انداز میں اس بات پر استعجاب کا اظہار کیا ہے کہ گو اسلام کا سیاسی زوال تو بارہا ہوا، لیکن روحانی اسلام میں ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔" (تاریخ مشائخ چشت، ص:۹ بحوالہ (History of The Arabs, P.475.)

پروفیسر نظامی نے ایک مشہور مستشرق ایچ۔اے۔آر۔گب (GIBB) کی ایک تقریر کا حوالہ بھی دیا جو انھوں نے آکسفورڈ یونیورسٹی کی مجلس کے سامنے کی تھی۔

"تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا، لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہوسکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیاء کا اندازِ فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا تھا، اور اس کو اتنی قوت اور توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کرسکتی تھی۔"

(تاریخ مشائخ چشت، ص:۱۰، بحوالہ (Islamic Culture, P.265,1942)

اسلام کے مخالف اور بدخواہ تو اس طوفانی قوت کا اندازہ کرکے لرزہ براندام ہیں جو تصوف کے چشمہ شیریں سے ملت کو حاصل ہوتی ہے۔ ادھر ہم ہیں کہ احساس کمتری میں مبتلا ہیں اور شکوک وشبہات کے خس و خاشاک سے اس چشمہ صافی کو گدلا کرنے کے درپے ہیں۔

عصر حاضر مادیت گزیدہ ہے۔ ہر شخص مادی ثروت، مادی لذتوں اور مسرتوں اور مادی جاہ و منصب کے حصول کے لئے دیوانہ وار مصروفِ عمل ہے۔ اس دور میں اسے اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں کہ پاکیزہ اخلاقی قدریں کس طرح پامال ہو رہی ہیں۔ روحانیت کا رخ زیبا کیونکر مسخ ہو رہا ہے اور دل کی دنیا طمع وحرص اور حسد وبغض کی آلائشوں سے کس قدر متعفن ہو رہی ہے۔ اگر یہ دیوانگی ہمیں کسی اچھے انجام سے دوچار کردیتی تو ہم قطعاً اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ کرتے، لیکن ہم کھلی

آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ہم بڑی سرعت سے زوال و انحطاط کے قریب ہوتے جارہے ہیں اور یہ ایسا گڑھا ہے جس میں جو قوم گری ہے پھر اسے ابھرنا نصیب نہیں ہوا۔ ملت کے بہی خواہوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی جملہ علمی، روحانی اور عملی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اپنی ملت کو اس گڑھے میں گرنے سے بچائیں۔ اس کا مؤثر ترین طریقہ یہ ہے کہ ان پاکیزہ فطرت ہستیوں کی زندگی کا مرقعِ زیبا پیش کریں جہاں للّٰہیت، خلوص، قناعت، استغنا، عالی حوصلگی، جرأت، سخاوت اور ہر انسان سے بے پناہ ہمدردی کے انوار قلب ونظر کو روشنی بخش رہے ہوں اور یہ ساری خوبیاں اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ صوفیائے کرام کی سوانح حیات میں ہی دستیاب ہوسکتی ہیں۔

اسی مقصد کی تکمیل کے لئے حضرت خواجہ خواجگان عطائے رسول سیدنا خواجہ معین الدین حسن چشتی علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیاتِ مقدسہ کے چند حوصلہ زا، دل گداز اور جاں نواز پہلوؤں سے واقف ہونا ہمارے لئے ضروری ہے جن کی بارگاہِ جہاں پناہ کے لئے یہ کہنا درست ہے......

زرنج وبیم جہاں فارغ است ہرزائر حریم تست کہ دارالاماں غریب نوازؒ

اس دارالامان میں بلاتخصیصِ مذہب وملت اور بلا امتیازِ رنگ ونسل ہر فرد غریب و ناشکیب کے لئے درمانِ دردِ ناشکیبائی میسر ہے۔ بقولِ شاعرِ مشرق علامہ اقبال علیہ الرحمۃ......

دل بیتاب جا پہنچا دیارِ پیر سنجر میں
میسر ہے جہاں درمانِ دردِ ناشکیبائی

OO

چھٹا باب

روحانی سلاسل کی تنظیم

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے فتنۂ تاتار (حملہ چنگیز خاں ۱۲۲۱ء) سے صوفیہ کے روحانی سلاسل کی تنظیم کا رشتہ جوڑا ہے۔ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ مسلمانوں کی سیاسی اور سماجی زندگی ایک مدت سے زوال پذیر تھی اور فتنۂ تاتار نے مسلمانوں کی تباہی و بربادی کو آخری منزل تک پہنچا دیا تھا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ سیاسی زوال سے زیادہ مسلمانوں کا اخلاقی زوال اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ فتنۂ تاتار مسلمانوں کے زوال کا نتیجہ تھا، سبب نہ تھا۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کہ فتنۂ تاتار نے صوفیاء کو سلاسل کی تنظیم کی طرف متوجہ کیا۔ ان کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ فتنۂ تاتار کے روح فرسا مناظر کو دیکھ کر مسلمانوں کی طبیعتیں خود بخود تصوف کی طرف راغب ہوگئیں۔ انابت، خضوع، تضرع اور توکل جو تصوف کے خاص مقامات ہیں خود بخود دلوں پر طاری ہو گئے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا فتنۂ تاتار سے پہلے تصوف کے یہ خاص مقامات مسلمانوں میں اور صوفیاء میں ناپید تھے۔ یہ خاص مقامات یقیناً عہدِ رسالت سے فتنۂ تاتار تک مسلمانوں میں موجود تھے۔ مثال کے طور پر کبرویہ سلسلہ کے سرخیل شیخ نجم الدین کبریٰ (م: ۱۲۲۱ء) کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ چنگیز خاں کی وفات ۱۲۲۷ء میں ہوگئی تھی۔ اس کی موت کے بعد اس کے پوتے ہلاکو خاں نے تاتاریوں کو ساتھ لے کر بغداد پر حملہ کیا، گویا فتنۂ تاتار دوبارہ برپا ہوا۔

شیخ نجم الدین کبریٰ کی خانقاہ میں دور و دراز مقامات سے لوگ جوق در جوق رشد و ہدایت کے طلبگار بن کر آتے رہتے تھے۔ انھوں نے فتنۂ تاتار سے قبل سب کو جمع کیا اور کہا......

"زود برخیزید و بلاد خود روید کہ آتشے از جانب مشرق برافروخت کہ تا نزدیک بمغرب خواہد سوخت این فتنہ ایست عظیم کہ دریں امت مثل ایں واقع نہ شدہ است" (نفحات الانس، فارسی، ص: ۴۲۹)

(ترجمہ) جلدی کھڑے ہو جاؤ اور اپنے وطن کو چلے جاؤ۔ ایک آگ مشرق میں بھڑکی ہے وہ جلد ہی مغرب تک جلا دے گی۔ ایسا زبردست فتنہ رونما ہونے والا ہے کہ اس امت میں اس نوعیت کا فتنہ کبھی واقع نہیں ہوا ہے۔"

حضرت نجم الدین کبریٰ نے منگولوں کا مقابلہ کرتے ہوئے شہادت پائی۔ ان کے منظم سلسلے کا یہ اعجاز تھا کہ ان کے خلفاء اور مریدین نے منگولوں کو حلقہ بگوش اسلام بنایا اور وسط ایشیا میں اسلام کی نشر و اشاعت کا سامان فراہم کیا۔ شیخ کے خصوصی تربیت یافتہ نمائندوں میں شیخ مجد الدین بغدادی (م:۱۲۱۹ء) شیخ سعد الدین حموی (م:۱۲۵۲ء) شیخ رضی الدین علی لالا (م:۱۲۴۴ء) شیخ سیف الدین باخرزی (م:۱۲۶۰ء) اور شیخ بہاؤ الدین والد مولانا رومی کے اسماء گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

خواجہ فرید الدین عطار جو فتنۂ تاتار میں شہید ہوئے شیخ مجد الدین بغدادی کے روحانی طور پر تربیت یافتہ تھے۔ شیخ سیف الدین باخرزی کے مرید خاص بدر الدین سمرقندی نے ہندوستان میں سلسلۂ فردوسیہ کا آغاز کیا۔

اسی طرح سلسلۂ قادریہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ متوفی ۵۶۱ھ مطابق ۱۱۶۶ء کی مساعیٔ جمیلہ سے منظم ہو چکا تھا اور ان کے فکر انگیز مواعظ و خطبات نے ایک عظیم روحانی انقلاب برپا کر دیا تھا۔ اصل میں کچھ مستشرقین نے یہ رائے بنا رکھی ہے کہ مسلمانوں کو صرف ملک گیری کا شوق و ذوق تھا۔ حالانکہ ان ہی مستشرقین میں بعض ایسے بھی ہیں جو اسلام کی روحانی عظمت کا جسے تصوف نے ابھارا، دل کھول کر اعتراف

کرتے ہیں۔ پروفیسر نظامی نے ہالینڈ کے ایک فاضل فریڈے لو کے گارڈ (Frede Lokke Gaard) کا ایک قول نقل کیا ہے کہ "گو اسلام کا سیاسی زوال تو بارہا ہوا لیکن روحانی اسلام میں (تصوف کے ذریعہ) ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔"

(تاریخ مشائخ چشت، ص: ۳۵)

ذیل میں ایسے مستشرقین کے کچھ اقوال پیش ہیں جو کھلے طور پر اسلام کی روحانی برتری کا اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ روحانی برتری تصوف کے اس دور کے منظم سلاسل کی بدولت رونما ہوئی۔ پہلے ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ پھر فلپ ہٹی کا قول درج کیا جاتا ہے۔

Although in after years great empire was split up and the political power of Islam diminished, still its spiritual conquests went on uninterruptedly. When the Mongol hordes sacked Baghdad (AD1258) and drowned in blood the faded glory of the Abbasid dynasty, Islam had just gained a footing in the island of Sumatra and was just about to commence its triumphant progress through this island of the Malaya Archipelago. In the hours of its political degradation Islam has achieved some of its most brillant spiritual conquests. On two great historical occasions, infidel barbarians have set their feet on the necks of the followers of the Prophet, the Saljuq Turks in the eleventh and the mongols in the thirteenth century and in each case the conquerers have accepted the religion of the conquered.

T.W. Arnold, The preaching of Islam(1896) P,2

(ترجمہ) بعد کے سالوں میں اگر چہ یہ عظیم سلطنت ٹوٹ گئی اور اسلام کی سیاسی قوت کم ہوگئی۔ مگر اس کی روحانی فتوحات مسلسل جاری رہیں۔ مغل قبائل نے جب ۱۲۵۸ء میں بغداد کو تباہ کیا اور عباسی خلافت کی شان وشوکت کو خون میں غرق کر دیا، اس وقت اسلام

جزیرۂ ساترا میں اپنی جگہ بنا چکا تھا اور جزائرِ ملایا میں اپنا فاتحانہ سفر شروع کر رہا تھا۔ اپنے سیاسی زوال کے زمانہ میں اسلام نے اپنی بعض انتہائی نمایاں فتوحات حاصل کی ہیں۔ دو بڑے مواقع پر کافر قبائل نے اپنے پاؤں مسلمانوں کی گردن پر رکھ دیئے تھے۔ گیارہویں صدی عیسوی میں سلجوق ترکوں نے اور تیرھویں صدی عیسوی میں مغلوں نے، مگر ہر بار فاتح نے اپنے مفتوح کے مذہب کو قبول کر لیا۔

(ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ: دی پریچنگ آف اسلام، ص:۱۲)

Hard pressed between the mounted archers of the wild mongols in the fast and the mailed knights of the crusaders in the west, Islam in the early part of the 13th centuary seemed for ever lost. How diffrent was the sitution in the last part of the same century, the last crusader had by that time been drived into the sea. The seventh of the eleven khans. many of whom had flirting with christianity had finally recognised Isalm as the state religion.

A Dazzling victory fo r the faith of Mohammad. Just as in the case of the seijuqs, the reiligion of the Muslim had conquered where their arms had failed. Less than half a century after Hulagu's merciless attempt at the destruction of islamic culture, his great-grandson Ghazan, as a devout Muslim, was consecrating much time and energy to the revivification of the same culture.

Philip K. Hitti : History of the Arabs, The macmillan press Ltd. London, 1968. p.488

(ترجمہ) مشرق میں وحشی منگولوں کے تیر اندازوں کی یلغار اور مغرب میں زرہ پوش صلیبی سرداروں کے درمیان تیرھویں صدی عیسوی کے ابتدائی حصہ میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسلام ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔ مگر اسی صدی کے آخری حصہ میں صورت

حال کتنی مختلف ہو چکی تھی ۔ آخری صلیبی اس وقت سمندر میں دھکیلا جا چکا تھا ۔ گیارہ تاتاری خانوں میں سے ساتویں خان نے، جن میں سے اکثر کے یہاں عیسائی بیویاں تھیں اور وہ عیسائیت کی طرف مائل تھے ۔ بالآخر اسلام کو سرکاری مذہب کے طور پر تسلیم کرلیا۔ محمدؐ کے مذہب کی یہ کیسی شان دار فتح تھی۔ بالکل سلجوقوں کے معاملہ کی طرح، مسلمانوں کے مذہب نے وہاں کامیابی حاصل کرلی جہاں ان کے ہتھیار ناکام ہو چکے تھے۔ ہلاکو کے ہاتھوں اسلامی تہذیب کی بے رحمانہ تباہی کے بعد نصف صدی سے بھی کم مدت میں اس کا پوتا غازان مسلمان ہو کر اسی تہذیب کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے زیادہ وقت اور قوت خرچ کر رہا تھا۔

بلاشبہ تاتاری قبائل نے ملکوں اور شہروں کو زیروزبر کردیا، یہاں تک کہ بغداد کی عظیم سلطنت کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ چنگیز خاں وسط ایشیا سے ۱۲۱۶ء میں ساٹھ ہزار وحشی اور بربریت کے علم بردار انسانوں کو لے کر نکلا۔ عراق، ایران، اور ترکستان ان کے قدموں کے نیچے کچل گئے۔ سارے عالم اسلام پر دہشت چھا گئی۔ ۱۲۵۸ء میں چنگیز کا پوتا ہلاکو سامنے آیا۔ اس نے دوبارہ فتنۂ تاتار کو اٹھایا اور ان کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو بھی ملیامیٹ کردیا جو ابھرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ہم عصر مورخ ابنِ اثیر (م ۶۳۸ھ) کے الفاظ میں ''اگر کوئی کہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک ایسا کوئی حادثہ دنیا میں پیش نہیں آیا تو اس کا کہنا غلط نہ ہوگا۔''

(احیاءِ اسلام، از وحیدالدین خاں، ص:۴۵، بحوالہ ابنِ اثیر متوفی ۶۳۸ھ)

ایک مغربی مورخ ہیرولڈ لیم (Herold Lamb) نے تو یہاں تک لکھ دیا۔ ''آسمان نے زمین پر گر کر تمام چیزوں کو مٹا دیا۔'' دیکھئے اس کی کتاب Chenghiz Khan P: 266 علامہ اقبال نے یورشِ تاتار کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے۔

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

بعض لوگ اپنی کم نظری اور کوتاہی مطالعہ کی بناء پر ایسا سمجھتے ہیں کہ صنم خانے

سے کعبہ کے پاسباں پیدا کرنا اس دور کے علماء کا کارنامہ تھا، تو وہ لوگ اچھی طرح غور کرلیں کہ علامہ تقی الدین ابن تیمیہ (۶۶۱-۷۲۸ھ) فتنۂ تاتار کے وقت موجود تھے۔ اسلام کی سیاسی تباہی برداشت نہ کر سکے۔ انھوں نے مصر و شام کے مسلمانوں کو نعرہ دیا کہ جنگ کا علاج جنگ (الحرب انفی للحرب)۔ وہ ۷۰۲ھ میں مصر کے سلطان الناصر کے ساتھ تاتاریوں سے جنگ کرنے کے لئے نکلے۔ ابتدا انھیں تاتاریوں کے مقابلے میں کچھ فوجی کامیابی ملی، بپایانِ کار تاتاری ہی غالب ہوگئے اور ابن تیمیہ کچھ دن دمشق کے قلعے میں اور کچھ دن علمی مشاغل میں منہمک رہ کر راہی ملک بقا ہوگئے۔

یہاں سے صوفیاء اور علماء کے طریق کار کا وہ فرق ظاہر ہوتا ہے جو اسلام کی نشر و اشاعت میں صوفیاء کی کامیابی اور علماء ظاہر کی ناکامی پر منتج ہوتا ہے، اور مذکورہ بالا دو مستشرقین کی صائب رائے کا اظہار ہوتا ہے کہ سیاسی طور پر اسلام کتنا ہی مغلوب ہوجائے لیکن روحانی طور پر (صوفیاء اسلام کی بدولت) اسلام ہمیشہ غالب رہا اور رہے گا۔ یقیناً صوفیاء نے آیۂ قرآنی "لیظهره علی الدین کله" کی عملی تفسیر پیش کر کے اہل دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ علامہ ابن تیمیہ سے متعلق جو باتیں لکھی گئی ہیں۔ وہ محمود مہدی الاستانبولی کی کتاب میں دیکھی جا سکتی ہیں (ابن تیمیہ بطل الاصلاح الدینی مکتبہ دارالمعرفۃ دمشق، ص: ۳۶، مطبوعہ: ۱۳۹۷ھ)

ابن تیمیہ فتنۂ تاتار کو مسلمانوں کی فوجی طاقت سے ختم کرنا چاہتے تھے اور بلا شبہ فوجی طاقت کی ایک اہمیت ہوتی ہے اور عالمِ ظاہری میں یقیناً ایک سبب بن جاتی ہے لیکن اس کے ماسوا جس چیز کو اسلام نے سب سے زیادہ اہمیت دی ہے وہ اس کی روحانی قوت ہے جو صوفیاء کو حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ابن تیمیہ فوجی طاقت کا سہارا لے کر ناکام رہے اور صوفیاء اسلام کی روحانی طاقت کے ذریعے کامیاب ہوئے اور انھوں نے تاتاریوں کو اسی اسلام کا حلقہ بگوش بنا دیا جس کی جڑوں کو اکھاڑنے کی وہ قسمیں کھا چکے تھے۔ جیسا کہ باب تصوف اسلامی میں لکھا جا چکا ہے، ایک خراسانی بزرگ کے بیٹے نے تگودار خاں اور اس کی فوج کے سپہ سالار کو مشرف بہ اسلام کیا۔

(اردو ترجمہ کشف المحجوب، مقدمہ علامہ الازہری) اور اس کے بعد دوسرے سرداروں نے بھی اسلام قبول کیا۔ ہلاکو خاں کے چچا زاد بھائی برکہ خاں کو حضرت شیخ شمس الدین باخوری نے مشرف بہ اسلام کیا۔ شیخ سیف الدین باخرزی جو شیخ نجم الدین کبریٰ کے محبوب ترین خلفاء میں سے تھے۔ ان کا تاتاری خاندان اس قدر معتقد ہو گیا کہ جب ان کا وصال ہوا تو منکو خاں بن تولی چنگیز خاں کی والدہ نے ایک ہزار دینار کی لاگت سے ان کے مزار پر ایک خانقاہ تعمیر کرائی اور چند گاؤں خرید کر مزار کے لئے وقف کئے۔

اصل میں صوفیاء کے سلاسل امام الاولیاء حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ الکریم کے عہد میں ہی تشکیل پا چکے تھے۔ ان سلسلوں کی تشکیل رفتہ رفتہ تنظیم کی راہ پر گامزن ہوتی گئی۔ ان کا فتنۂ تاتار کے اثر سے کوئی تعلق نہیں۔

تصوف کے تصورات کا اظہار کسی قوم کا اجارہ نہیں۔ وہ ہر ملک، ہر زبان اور ہر مذہب میں ہوا ہے۔ اس کا تعلق زمان و مکان کی حد بندیوں سے نہیں۔ مستشرق لامنس (Lammens) نے اپنی کتاب (Islam: Belief and Institution) میں صفحہ: ۱۱۱ پر ایک عظیم مستشرق لوئی میسی نون کا قول نقل کیا ہے۔

"Mystical sense is not the sole prerogative of any race, language or nation"

یعنی تصوف کے خیالات کسی قوم، زبان اور ملک کا مخصوص حصہ نہیں۔

پروفیسر لوئی میسی نون (Louis Massignon) نے زندگی بھر بڑی عرق ریزی سے اسلامی تصوف کا مطالعہ کیا، وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اسلامی تصوف کا ماخذ و مخرج اور منبع و مصدر قرآن و احادیثِ رسولؐ ہیں اور یہ تحریک اپنے اصول و فروع کے تناظر میں خالصتاً اسلامی ہے۔ پروفیسر مذکور کا یہ بھی خیال ہے کہ باطنی تربیت و اصلاح کی تلاش کرنا خود فطرت انسانی کا تقاضہ ہے اور ہر قوم اس فطری تقاضے کی طرف خود بخود مائل ہو جاتی ہے۔ اصلاح و تربیت کی راہوں کی تلاش حوادث و حالات کے جبرِ کامل سے اثر پذیر نہیں ہوتی۔ اسلامی تصوف کا ارتقاء عہد رسالت مآب سے شروع ہو گیا تھا اور یہ تیسری

صدی ہجری سے صوفیاء کی تصنیف و تالیف کا موضوع بن گیا۔ علامہ ابن ندیم المتوفی ۳۸۳ھ نے اپنی وفات سے دس سال پہلے اپنی گراں بہا تالیف ''الفہرست'' مرتب کی۔ چوتھی صدی ہجری کے اس عظیم مورخ کتب اور بالغ نظر مفکر نے اپنی کتاب ''الفہرست'' کی شق پنجم کے تحت جو مقالۂ پنجم کی ایک فصل ہے ان متعدد صوفیاء کرام کی گراں قدر تصانیف کے نام درج کر دیئے جو اس کے معاصرین میں سے تھے یا اس سے پہلے گذر چکے تھے اور اپنی کاوشوں کے نتائج بطور یادگار چھوڑ گئے تھے۔ چند صوفیاء کے اسماء گرامی ملاحظہ ہوں۔

(۱) شیخ یحیٰ بن معاذ رازی اوائل قرن سوم ہجری صاحب کتاب المریدین (۲) شیخ عمر بن محمد بن عبد الحکیم المعروف بہ ابو حفص قرن سوم ہجری صاحب قیام اللیل والتہجد (۳) شیخ حارث بن اسد المعروف بہ محاسبی بغدادی صاحب ''کتاب التفکر والاعتبار'' متوفی ۲۷۳ھ (۴) شیخ ابوالسری منصور بن عمار متوفی ۲۷۳ھ صاحب ''مجالس'' (۵) شیخ ابو جعفر محمد بن حسین بر جلانی اواخر قرن سوم مصنف (۱) کتاب الصحبت و کتاب المتمین (۲) کتاب الجود و الکرم (۳) کتاب الھمۃ (۴) کتاب الصبر (۵) کتاب الطاعۃ (۶) شیخ عبید اللہ بن محمد المعروف بہ ابن ابی الدنیا متوفی ۲۸۰ھ مصنف کتاب مکائد الشیطان، کتاب الاخلاق، کتاب التقویٰ، کتاب المکارم الاخلاق، (۷) حضرت جنید بغدادی متوفی ۲۹۷ھ مصنف کتاب امثال القرآن، کتاب الرسائل (۸) شیخ ابو حمزہ صوفی متوفی ۲۸۹ھ مصنف کتاب المتمین من السیاح والعباد المصوفین (۹) شیخ محمد یحیٰ المعروف بہ ہشام القاری متوفی ۲۹۲ھ مصنف کتاب التوکل (۱۰) شیخ عبد اللہ تستری متوفی ۲۸۳ھ مصنف دقائق المحبین، مواعظ العارفین (۱۱) شیخ حسین ابن منصور حلاج متوفی ۳۰۹ھ مصنف طاسین الازل، علم البقا و الفنا، کتاب الیقین، کتاب التوحید۔

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ نے ''کشف المحجوب'' میں صوفیاء کے ان تمام سلاسل اور مکاتیب فکر کا ذکر کیا ہے جو چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں معرض وجود

میں آ کر مائل بہ ارتقاء ہو رہے تھے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ فتنۂ تا تار سے پہلے یہ سلسلے منظم ہو چکے تھے جنھیں فتنۂ تا تار سے مزید توانائی مل گئی۔ پروفیسر نظامی نے لکھا ہے:

''ولایتوں کی تقسیم اور قطب وابدال وغیرہ کی نوعیت پر عموماً تو ہمانہ انداز سے غور کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ منگولوں کی پیدا کی ہوئی ذہنی ابتری کو مشائخ نے اس طرح ختم کیا کہ چپہ چپہ پر اپنا روحانی نظام قائم کر دیا اور ہر جگہ لوگوں کی اصلاح اور تربیت کے لئے انتہائی ذمہ داری کے ساتھ کوششیں کیں۔''

(تاریخ مشائخ چشت، صفحہ:۱۵٦)

تصوف کی جن کتابوں میں تصورِ ولایت اور تصور قطب و ابدال کی وضاحت کی گئی ہے ان میں سب سے اہم تشریح امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ کے مکتوب میں موجود ہے اردو ترجمہ مکتوبات دفتر سوم، حصہ دوم، ص:۱٦۵، مکتوب نمبر:۱۲۳ار پر قارئین کرام توجہ کریں جو حسب ذیل ہے۔

''اور ایک وہ راہ ہے جو قرب ولایت سے تعلق رکھتی ہے۔ اقطاب واوتاد اور بدلا اور نجباء اور عام اولیاء اللہ اسی راہ سے واصل ہیں اور راہ سلوک اسی راہ سے عبارت ہے بلکہ متعارف جذبہ بھی اسی میں داخل ہے اور سی راہ میں توسط اور حیلولت ثابت ہے اور اس راہ کے واصلین کے پیشوا اور ان کے سردار اور ان کے بزرگوں کے منبع فیض حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہٗ الکریم ہیں اور یہ عظیم الشان منصب ان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس راہ میں گویا کہ رسولؐ کے دونوں قدم مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مبارک سر پر ہیں اور حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس مقام میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔''

''میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت امیر (علی) اپنی جسدی پیدائش سے پہلے بھی اس

مقام کے ملجا و ماویٰ تھے جیسا کہ آپ جسدی پیدائش کے بعد ہیں اور جس کو بھی فیض و ہدایت اس راہ سے پہنچا، ان کے ذریعہ سے پہنچا۔ کیونکہ وہ اس راہ کے آخری نقطہ کے نزدیک ہیں اور اس مقام کا مرکز ان سے تعلق رکھتا ہے اور جب حضرت امیر کا دور ختم ہوا تو یہ عظیم القدر منصب ترتیب وار حضرات حسنین کو سپرد ہوا اور ان کے بعد وہی منصب ائمہ اثنا عشر میں سے ہر ایک کو ترتیب وار اور تفصیل سے مقرر ہوا اور ان بزرگوں کے زمانہ میں اور اسی طرح ان کے انتقال کے بعد جس کو بھی فیض و ہدایت پہنچتا ہے ان بزرگوں کے ذریعہ اور حیلولت سے پہنچا ہے۔ اگر چہ اقطاب و نجبائے وقت ہی کیوں نہ ہوں اور سب کے ملجا و ماویٰ یہی بزرگ ہیں کیونکہ اطراف کو اپنے مرکز کے ساتھ الحاق کرنے سے چارہ نہیں ہے۔''

یہاں تک کہ نوبت حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ تک پہنچی تو منصب مذکور آپ کے سپرد ہوا اور ائمہ مذکورین اور حضرت شیخ کے درمیان کوئی بھی اس مرکز پر مشہود نہیں ہوتا اور اس راہ میں فیوض و برکات کا حصول جس کو بھی ہو خواہ وہ اقطاب و نجبا ہوں، آپ کے واسطہ ہی سے مفہوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ مرکز ان کے علاوہ اور کسی کو میسر نہیں ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا......

افلت شموس الاولین و شمسنا
ابدا علی افق العلیٰ لا تغرب

شمس سے مراد فیضان ہدایت و ارشاد کا آفتاب ہے اور اس کے غروب ہونے کا مطلب فیضان مذکور کا عدم ہے اور جب حضرت شیخ کے وجود سے وہ معاملہ جو پہلے لوگوں سے تعلق رکھتا تھا، مقرر ہوا، اور وہ رشد و ہدایت کے حصول کا واسطہ ہوئے جیسا کہ ان سے پہلے لوگ تھے اور پھر یہ بھی کہ جب تک فیض کے توسط کا معاملہ قائم ہے انہی کے وسیلہ سے ہے تو لازماً درست ہوا۔

افلت شموس الاولین و شمسنا ....الخ

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ خلیفہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں

نقشبندی مجددی علیہ الرحمۃ کی توضیح بھی اس موضوع کے سلسلے کی ایک کڑی ہے، جو درج ذیل ہے۔

حضرت قاضی ثنا اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب السیف المسلول میں فرماتے ہیں۔ یہ تفصیل قاضی صاحب نے حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات دفتر سوم، حصہ دوم سے حاصل کی ہے۔

" کارخانۂ ولایت کے فیوض و برکات اور مناصب و درجات جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولیاء کرام کے لئے زمین پر نازل ہوتے ہیں وہ براہِ راست قطب الارشاد پر اتارے جاتے ہیں۔ وہ حسب استعداد منصب ولایت کے وہ سارے مراتب و درجات زمین کے طول و عرض میں رہنے والے اقطاب و اوتاد اور نجباء وغیرہ کے درمیان تقسیم کرتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے عہدِ مبارک سے اس منصب پر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روح مبارک فائز تھی۔ پھر بالترتیب ائمہ اہل بیت اطہار یکے بعد دیگرے اس منصب جلیل پر فائز ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت امام حسن عسکریؒ تک سلسلہ پہنچا۔ جب ان کی وفات ہوئی تو عالم برزخ میں ان کی روح مقدس کو اس منصب پر فائز کیا گیا۔"

(مقدمہ اردو ترجمہ بهجة الاسرار از علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ، مکتبہ جام نور دہلی، ص: س، ش)

علامہ ابن تیمیہ نے بھی بڑے محتاط انداز میں ان تصورات پر روشنی ڈالی ہے جو ان کے فتاویٰ میں موجود ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ المجلد الحادی عشر)

"فقد روي فيهم حديث شامي منقطع الاسنادعن علي ابن ابي طالب-رضى الله عنه مرفوعاالى النبى ﷺانه قال: ان فيهم -يعنى اهل شام -الابدال الاربعين رجلاً،كنمامات رجل ابدال الله تعالىٰ مكانه رجلاً." (فتاویٰ ابن تیمیہ، صفحہ: ۴۳۴)

ابن تیمیہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ بعض مشائخ متوسطین نے ان کے وجود کا

ذکر کیا ہے...... وانما توجد علیٰ هذه الصورة عن بعض المتوسطین من المشائخ ، و قد قالها اما آثراً لها عن غیره او ذاکراً. (فتاویٰ ابن تیمیہ، صفحہ:۴۳۴)

اوتاد اور اقطاب کے سلسلے میں ابن تیمیہ وضاحت کرتے ہیں۔

(واما الاوتاد)فقد یوجد فی کلام البعض انه یقول : فلان من الاوتاد ، یعنی بذلک ان الله تعالی یثبت به الایمان ، فی قلوب من یهدیهم الله به ، کما یثبت الارض باوتادها ، و هذا المعنی ثابت لکل من کان بهذه الصفة من العلماء ،فکل من حصل به تثبیت العلم والایمان فی جمهور الناس کان بمنزلة الاوتاد العظیمة، والجبال الکبیرة، و من کا ن بدونه کان بحسبه۔ (فتاویٰ ابنِ تیمیہ، ص: ۴۴۰)

(واماالقطب) فیوجد ایضاً فی کلامهم فلان من الاقطاب، او فلان قطب ،فکل من دار علیه امر من امور الدین اوالدنیا ، باطناًاوظاهراًفهو قطب الامر و مداره ، سواء کان الدائر علیه امر داره او دربه ، او قریته او مد نیته، امر دینها او دنیا ها ، باطناً او ظاهراً .....لکن الممدوح من ذالک من کان مدارالصلاح الدنیاو الدین دون مجرد صلاح الدنیا فهذا هو القطب فی عرفهم، فقد یتفق فی بعض الاعصار ان یکون شخص افضل اهل عصره، و قد یتفق فی عصر آخر ان یتکافأ اثنان او ثلاثة فی الفضل عند الله سواء و لایجب ان یکون فی کل زمان شخص واحد هو افضل الخلق عند الله مطلقاً (فتاویٰ ابنِ تیمیہ، ص: ۴۴۰)

والذین تکلموا باسم البدل فسروه بمعان: منها انهم ابدال

الانبیاء و منها انه کلما مات منهم رجل ابدال الله تعالیٰ مکانه رجلاً، و منها انهم ابدلوا السیئات من اخلاقهم و اعمالهم و عقائدهم بحسنات۔

(فتاویٰ ابنِ تیمیہ، ص:۴۴۲)

نعم یکون نور قلبه و هدی فؤاده وما فیه من اسرار اللّٰه تعالیٰ و امانته و انواره و معرفته غیباً عن اعین الناس، و یکون صلاحه وولایته غیباً عن اکثر الناس، فهذا هو الواقع، و اسرار الحق بینه و بین اولیائه و اکثر الناس لا یعلمون۔

(فتاویٰ ابنِ تیمیہ، ص:۴۴۴)

ان تصورات کا ثبوت ابن تیمیہ نے (جو فتنۂ تاتار کے وقت زندہ تھے) اپنے سے پہلے کے مشائخ متوسطین سے دیا ہے جس سے ثابت ہے کہ یہ تصورات پہلے سے موجود تھے۔ فتنۂ تاتار سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح شیخ ہجویری عرف داتا گنج بخش کی کتاب 'کشف المحجوب' بھی فتنۂ تاتار سے قبل لکھی گئی ہے جس میں یہ تصورات موجود ہیں۔

یہاں صوفیا کے سلاسل کی تنظیم اور ان کے مراتب (قطب، غوث اور ابدال و اوتاد) کو تفصیل کے ساتھ اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ مشائخِ چشت کے مراتبِ عالیہ اور ان کے سلسلۂ چشتیہ کی تنظیم کو سمجھنے میں آسانی پیدا ہو جائے۔

OO

ساتواں باب

خواجۂ خواجگاں کے مبارک حالات
ولادت سے وفات تک

خواجۂ بزرگ کی حیات مقدسہ کے حالات لکھتے وقت اکثر معاصر مورخین نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ خواجۂ بزرگؒ سے متعلق مستند کتابوں کا فقدان ہے۔ مثلاً شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں کہ......''فوائد الفواد'' جو حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات کا مستند مجموعہ ہے، اس میں حضرت خواجہ اجمیری کا بہت تھوڑا ذکر ہے۔ سیر الاولیاء میں بھی جسے امیر خورد نے مختلف کتب اور زبانی روایات کی بنا پر ترتیب دیا، آپ کے حالات زندگی بہت تھوڑے ہیں۔ آپ کے واقعات زندگی تفصیل کے ساتھ پہلی مرتبہ صوفیہ کے تذکرے سیر العارفین (سنِ تالیف ۹۴۱ھ) میں درج ہیں، جسے سکندر لودھی کے استاد شیخ جمالی نے حضرت خواجہ کی وفات کے کوئی تین سو سال بعد ترتیب دیا۔ جمالی کو اکثر حالات بلادِ عجم کے سفر میں دستیاب ہوئے، لیکن ظاہر ہے کہ جو حالات اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد سنے گئے ہوں ان پر پوری طرح بھروسہ نہیں کیا سکتا۔

(آب کوثر، مطبوعہ ادبی دُنیا، دہلی، ص:۱۹۸)

خواجہ عابد نظامی اپنی کتاب اولیاء اللہ میں لکھتے ہیں......''سیر الاولیاء'' حضرت خواجہ کے وصال سے ۱۲۵ برس بعد (سالِ تصنیف ۷۶۱ھ اور ۷۷۰ھ کے درمیان) لکھی گئی اور سیر العارفین تقریباً دو سو برس بعد مرتب ہوئی۔''

(اولیاء اللہ، مطبوعہ الفیصل، لاہور، ص: ۱۳۸)

شیخ اکرام سیر العارفین کو خواجہ بزرگ کے وصال کے تین سو سال بعد کی اور خواجہ عابد نظامی دو سو برس بعد کی تصنیف بتارہے ہیں۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کو بھی مواد کی کمی کی شکایت ہے۔ وہ لکھتے ہیں...... ''ہمارے پاس شیخ اجمیری کے مستند حالات مرتب کرنے کے لئے مواد کی بہت کمی ہے۔ بعد کے تذکرے تاریخی اعتبار سے ناقص ہیں۔ اس لئے اجمیر میں ان کے اثرات کا صحیح اندازہ لگانا ممکن نہیں۔''

(تاریخ مشائخ چشت، شائع کردہ ندوۃ المصنفین، اردو بازار، دہلی، ص:۱۴۶)

چشتیہ سلسلہ کی شاخ صابریہ پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر نظامی نے حضرت مخدوم علاء الدین صابر علیہ الرحمۃ کے متعلق لکھا ہے...... ''سترہویں اور اٹھارہویں صدی کے مذہبی تذکروں میں ان کے حالات بڑی تفصیل سے درج ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان تذکروں (مثلاً سیر الاقطاب، مولف شیخ اللہ دیا چشتی سن تالیف ۱۰۳۶ھ، مرآۃ الاسرار، مولفہ شیخ عبد الرحمٰن چشتی سال تالیف ۱۰۶۵ھ، معارج الولایت، مولفہ غلام معین الدین عبد اللہ ملقب بالخلیفہ خویشگی چشتی، سال تالیف ۱۰۶۵ھ) نے یہ حالات کہاں سے فراہم کئے ہیں ان کے مآخذ کیا ہیں اور ان کی تاریخی افادیت کس حد تک ہے؟ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان تذکروں کی بنیاد یا تو کشف پر ہے یا محض سنی سنائی روایات پر۔ دونوں صورتوں میں ان پر اعتماد کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ ہم نے ان تذکروں کے استعمال میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔''

(تاریخ مشائخ چشت، ص:۲۱۵)

اسی صفحے کے حاشیے میں پروفیسر نظامی رقمطراز ہیں...... ''زمانۂ حال کی کتابوں میں زمزمۂ صابری، مولفہ تسلیم احمد امروہوی (مطبوعہ مطبع محلہ حقانی، امروہہ، سنِ طباعت ۱۹۰۷ء) خاص طور سے توجہ کی مستحق ہے۔ اس میں اصل مآخذ کی بناء پر حالات ترتیب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

مذکورہ بالا عبارت کا آخری جملہ قابل غور ہے...... ''ہم نے ان تذکروں کے استعمال میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔'' پروفیسر نظامی مرحوم، پروفیسر محمد حبیب مرحوم

کے شاگرد رشید ہیں۔ پروفیسر حبیب نے انیس الارواح، دلیل العارفین، فوائد السالکین، اسرار الاولیاء، راحت القلوب، افضل الفوائد اور مفتاح العاشقین کو جعلی کتابیں بتایا ہے۔ البتہ فوائد الفواد، خیر المجالس، سیر الاولیاء، سیر العارفین اور اخبار الاخیار کو مستند قرار دیا ہے۔ مرحوم کے مقالے کا عنوان ہے...... ''عہد سلطنت میں چشتی صوفیہ کا قلمی ذخیرہ'' مڈیول انڈیا کوارٹرلی، علی گڑھ، اکتوبر ۱۹۵۰ء۔

مرحوم کا یہ مقالہ انگریزی میں ہے جس کے جواب میں سید صباح الدین عبدالرحمن نے ماہنامہ معارف اعظم گڑھ میں مضامین لکھے ہیں جو ان کی کتاب بزم صوفیہ میں بطور ضمیمہ شامل ہیں۔ مولوی اخلاق حسین دہلوی نے سید صباح الدین عبدالرحمن کے ایماء پر اپنی کتاب '' آئینہ ملفوظات'' میں خواجگان چشت کے ملفوظات پر تحقیق وتنقید کے نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی ہے۔ یہ کتاب کتب خانہ انجمن ترقی اردو، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

مولانا معنی اجمیری علیہ الرحمۃ نے بھی مذکورہ ملفوظات خواجگان چشت کو پروفیسر محمد حبیب سے پہلے اپنے مضامین مطبوعہ اخبار'' آستانہ'' اجمیر میں مستند ومعتبر نہیں مانا ہے۔

اس کتاب میں زیادہ تر انھیں مصادر و مآخذ کا استعمال کیا گیا ہے جن پر پروفیسر نظامی، پروفیسر محمد حبیب مرحوم اور مولانا معنی اجمیری نے مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ تحقیق میں کوئی بات حرف آخر نہیں ہوتی۔ اس راہ میں ہر گام پر منزلِ نو جستجو طلب ہوتی ہے۔

کیا ہی اچھا ہو کہ مسلم دانشوروں کا طبقہ حقیقت پسندی کی روشنی میں خواجگان چشت کے ملفوظات کا مطالعہ کرے اور عقیدتمندوں کو خواجگان چشت کی روحانیت آمیز فردوس گمشدہ کی بازیابی کے لئے آمادہ کرے۔ یہی وقت کا اہم تقاضہ بھی ہے۔ جن ملفوظات کو جعلی قرار دیا جارہا ہے انھیں تحقیق کے جدید اصولوں کی روشنی میں حواشی و تعلیقات کے ساتھ مدون کیا جائے۔

کاش ہم مستشرقین کے دینی تعصب سے قطع نظر ان کی محنت و جانفشانی سے سبق لیتے کہ انھوں نے کس طرح اسلامی علوم وفنون کو مدون کیا ہے۔ مولانا شبلی نعمانی نے

مسند امام احمد بن حنبل کی محققانہ تدوین پر پروفیسر مارگولیتھ کو خراج تحسین پیش کیا ہے، حالانکہ وہ اسلام کے خلاف ہے مگر اس نے تدوین کا بہترین شاہکار پیش کیا ہے۔

(سیرۃ النبی، ج:۱،ص:۹۶، طبع ششم)

احادیث نبوی کو مدون کرنا مسلمانوں کا طرۂ امتیاز رہا ہے اور اس ضمن میں فن اسماء الرجال کا وجود میں آنا علوم و فنون کی دنیا میں مسلمانوں کو ممتاز ترین مقام عطا کرتا ہے۔ خواجگانِ چشت صرف عابد و زاہد ہی نہ تھے بلکہ علوم و فنون سے آراستہ و پیراستہ بھی تھے۔ وہ اصولِ حدیث نہ صرف جانتے تھے بلکہ اس فن کا درس بھی دیتے تھے۔

(سیر الاولیاء، ص:۱۰۶)

اصول حدیث کی معتبر کتاب ''تمہید المہدی'' مصنفۂ شیخ ابوشکور سالمی حضرت نظام الدین اولیاؒ نے حضرت بابا فرید گنج شکرؒ سے پڑھی تھی، احادیث نبوی کا بے پایاں خزانہ موجود ہے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جتنا ذخیرہ تھا سب فراہم ہوگیا۔ اس نقطۂ نظر کو کہ سب کچھ فراہم ہوگیا ہے احصا کا نام دیا جاتا ہے جسے محدثین ناروا جسارت سے تعبیر کرتے ہیں۔ امام بخاری کا مشہور قول ہے۔ ''مجھے ایک لاکھ حدیثیں یاد تھیں ان میں سے چھ ہزار کو منتخب کر کے صحیح بخاری کی تدوین کی ہے۔''

(آئینۂ ملفوظات، از اخلاق حسین دہلوی، ص:۲۰۵،
ناشر: کتب خانہ انجمن ترقی اردو، دہلی)

چورانوے ہزار حدیثوں کا خزانہ اب بھی غیر محفوظ ہے۔ اس خزانے کی کچھ حدیثیں ایسی ہیں جو صوفیائے کرام کے مکتوبات و ملفوظات میں شامل ہیں۔ صوفیائے کرام اپنے ذوقِ روحانی کی بنا پر کلام نبوت کے رمز شناس ہیں۔ اگر کسی حدیث سے ان میں روحانی کیفیت پیدا نہ ہوتی تو وہ کہہ دیتے تھے۔

''لیس فیه ذوق کلامه علیه السلام'' (انتخاب الترغیب و الترھیب، مصنفۂ امام زکی الدین المنذری، ص:۱۸۸، جلد: اوّل)

صوفیاء کے اس قول کو حضرت فخر الدین زرادی خلیفۂ محبوب الٰہی نے بھی

نقل کیا ہے۔ (اصول السماع قلمی، ص:۲۴، مملوکہ پروفیسر نظامی۔)

مثال کے طور پر شب معراج کی حدیث خرقہ کو لیجئے (جس کا ذکر باب ولایت میں کیا جائے گا) جس سے اکابر صوفیا نے استناد کیا ہے۔ خرقہ انبیاء علیہم السلام کا شعار رہا ہے۔ اس کے اسرائیلیات سے ڈانڈے ملانا صحیح نہیں۔

حضرت خواجہ کا سن پیدائش

قدیم تذکرہ نگاروں نے تاریخ پیدائش کا ذکر نہیں کیا ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کا قول ہے کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے آپ کا سن وفات ۶۳۳ھ تسلیم کیا ہے۔ (اخبار الاخیار، فارسی، ص: ۲۲) مولانا جمالی نے لکھا ہے...... ''خواجہ بزرگ کی عمر شریف ۹۷ سال ہوئی، (سیر العارفین، فارسی، ص:۱۶) اس بنیاد پر حساب لگانے سے آپ کا سن پیدائش ۵۳۶ھ قرار پاتا ہے۔''

(Some Aspects of Religion And Politics in India During the Thirteenth Century. By K.A.Nizami, P.182)

پریچنگ آف اسلام مصنفہ ٹی ڈبلیو آرنلڈ اردو ترجمہ دعوت اسلام از شیخ عنایت اللہ ص: ۲۷۹ شائع کردہ محکمۂ اوقاف حکومت پنجاب لاہور کی سند پر خواجہ بزرگ کی تاریخ پیدائش ۱۴؍ رجب ۵۳۰ھ مطابق ۱۸؍ اپریل ۱۱۳۹ء قرار پاتی ہے۔ تقویمی قاعدے سے ۵۳۰ھ مطابق ۱۱۳۵ء صحیح ہے اور ۱۱۳۹ء غلط ہے۔ مولانا عبدالباری معنی اجمیری علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ ''۵۳۰ھ مطابق ۱۱۳۵ء میں ہمارے خواجہ پیدا ہوئے۔'' بہت سے تذکرہ نگاروں نے ۵۳۵ھ-۵۳۶ھ اور ۵۳۷ھ کو جدا جدا آپ کی پیدائش کا سن قرار دیا ہے۔ (ہمارے خواجہ، ص:۱)

خواجہ بزرگ کی جائے ولادت

بقول مولانا معنی ہرات کے قریب ایک بہت بڑا علاقہ سیستان کے نام سے مشہور ہے جس کو اہل عرب بجستان کہتے ہیں اور اس علاقے کے باشندے اپنی زبان

میں سیستانی یا سجستانی کہلاتے ہیں۔ اہل عرب سجستانی کو مخفف کر کے سجزی بولتے ہیں۔ مشہور محدث امام ابوداؤد مصنف کتاب سنن ابوداؤد بھی اپنی جائے پیدائش کے لحاظ سے سجستانی ہیں۔ مشہور مورخ علامہ ابن خلکان نے سجستان کو بصرہ کے قریب کا ایک قریہ بتایا ہے۔ علامہ سبکی نے ابنِ خلکان کی غلطی کو ظاہر کر دیا ہے۔ مولانا معنی نے مزید لکھا ہے کہ وہ مولانا سید احمد ہراتی سے ۳؍رجب ۱۳۶۲ھ کو حیدر آباد دکن میں ملے اور ان سے مل کر قصبہ سجز کے متعلق دریافت کیا۔ مولانا ہراتی تقریباً تیس سال سے حیدر آباد دکن میں مقیم تھے۔ مولانا ہراتی کا چشم دید بیان مولانا معنی نے اس طرح درج کیا ہے۔

''پچپن سال پہلے کا قصہ ہے کہ مولانا سید احمد کے والد مولانا سید مصطفیٰ ہردی نے ہرات سے کابل جاتے ہوئے سجز میں قیام کیا اور اپنے فرزند مولانا سید احمد کو وہاں کے سادات اور شیوخ سے ملایا۔ اس وقت مولانا سید احمد کی عمر بارہ تیرہ سال کی تھی۔ سجز چھ سات سو گھر کی آبادی کا ایک گاؤں ہے۔ چاروں طرف سبز و شاداب اور بلند و بالا پہاڑیوں کا قدرتی حصار ہے اور ان پہاڑیوں پر بھی لوگ رہتے ہیں۔ سجز میں داخل ہونے کے لئے دو پہاڑیوں کے درمیان ایک تنگ راستے سے گزرنا پڑتا ہے...... سجز والے ہمارے خواجہ کو حضرت پیر خواجہ کے نام سے یاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت پیر خواجہ اسی سجز میں پیدا ہوئے ہیں۔'' (ہمارے خواجہ، ص: ج) مولانا معنی کی اس تحقیق کے علاوہ پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم نے تاریخ مشائخ چشت میں رسالہ احوال پیران چشت کے حوالے سے (جس کا قدیم قلمی نسخہ ان کے پاس تھا) لکھا ہے کہ خواجہ صاحب کا وطن سجستان تھا اور اسی وجہ سے خواجۂ بزرگ کو سجزی کہا جاتا ہے، جو کاتب کی غلطی سے سنجری ہوگیا۔ فتوح السلاطین ہندوستان کی پہلی کتاب ہے جس میں مشائخ چشت کا منظوم شجرہ درج ہے۔ اس کتاب کا سن تصنیف ۱۳۵۰ء ہے۔ اس کے دو شعروں میں سجزی سے ہی وزن پورا ہوتا ہے۔

معین الدین آن سجزیٔ دیں پناہ کہ خفتہ است بہ اجمیر آن مردِ راہ

(فتوح السلاطین، ص: ۴۶۶)

وزودر برآن خرقہ عہدے بعید   معین الدین آں پیر سجزی کشید

(فتوح السلاطین، مطبوعہ مدراس، ۱۹۴۸ء، بہ تصحیح محمد یوشع، ص: ۷-۸)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں خواجہ بزرگ کو سجزی تسلیم کیا ہے۔ مولوی محمد زکریا شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور نے آپ کی جائے پیدائش علاقہ سیستان کا قصبہ سنجر قرار دیا ہے۔

(تاریخ مشائخ چشت، مطبوعہ سہارنپور، ص: ۱۶۵)

ڈاکٹر اقبال نے اردو اور فارسی میں دو مقامات پر خواجہ صاحبؒ کو پیر سنجری لکھا ہے۔

دل بیتاب جا پہنچا دیارِ "پیر سنجر" میں   میسر ہے جہاں درمانِ دردِ ناشکیبائی

(بانگِ درا)

سید ہجویر مخدوم امم   مرقدِ او پیر سنجر را حرم

(مثنوی اسرار و رموز)

اکبر نامہ مصنفہ ابو الفضل کے انگریزی مترجم نے اپنے ترجمہ کے ص ۲۳۸ پر خواجہ صاحب کو سجزی ہی لکھا ہے اور اسے سگزی کا معرب قرار دیا ہے۔

نسب نامہ

آپ والدین کی طرف سے نجیب الطرفین سید ہیں۔ اس پر سب تذکرہ نگاروں کا اتفاق ہے، مگر مختلف تذکرہ نگاروں نے آپ کا شجرۂ پدری و مادری مختلف طریقہ پر دیا ہے۔ سب سے پہلے شجرۂ پدری کو دیکھئے تو جواہر فریدی (قلمی نسخہ مملوکہ پروفیسر نظامی مرحوم) مصنفہ علی اصغر چشتی میں آپ کے مورث اعلیٰ سید ابراہیم کو امام محمد مہدی ابن امام حسن عسکری کا بیٹا بتایا ہے۔ خزینۃ الاصفیا، مصنفہ مولانا غلام سرور لاہوری (مطبوعہ مطبع ثمر ہندی، لکھنؤ، ۱۸۷۲ء) میں سید ابراہیم کو آپ کا مورث اعلیٰ قرار دیا ہے۔

علماء نے سید ابراہیم کو امام موسیٰ کاظم کا بیٹا بتایا ہے۔ تاریخ ائمہ مصنفہ سید علی حیدر، متوفی ۱۳۸۰ھ نے شیخ مفید کی کتاب "الارشاد" (ص: ۳۳۰) اور دوسری کتاب

''اعلام الوریٰ'' (ص: ۱۸۱) کے حوالے سے سید ابراہیم کو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا بیٹا قرار دیا ہے۔ (تاریخ ائمہ، ص: ۳۵۵)

سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے بزم صوفیہ میں مختلف تذکروں سے شجرہ پدری دیا ہے لیکن کوئی فیصلہ کن بات نہیں لکھی۔

(بزم صوفیہ، ص: ۴۱ تا ۴۲، دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ)

شجرہ ہائے مبارک کے اختلافات سے قطع نظر تذکرہ نگاروں کا اس بات پر کلی اتفاق ہے کہ آپ کا نسب نامہ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام تک نہایت متقی و پرہیزگار آباء واجداد پر مشتمل ہے۔ بلاتشبیہ و بلاتمثیل سرکار دو عالمؐ کے نسب نامہ پاک میں جس طرح جتنے آباء واجداد ہیں وہ سب مومن موحد اور ناجی ہیں۔ اسی طرح خواجہ بزرگ کے آباء واجداد بھی تقویٰ وطہارت کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہیں اور آپ کے نسب نامہ پدری میں چند ائمہ اہلِ بیت طاہرین کے اسماء گرامی بھی شامل ہیں، جو اپنی بزرگی و برگزیدگی میں اپنے زمانے میں بے مثل و بے نظیر ہیں۔ مولانا معنی اجمیری علیہ الرحمۃ نے بھی لکھا ہے۔ ''نامِ نامی معین الدین والد کا نام سید غیاث الدین حسن ہے جو آٹھویں پشت میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے پوتے ہیں۔ والدہ ماجدہ کا نام ام الورع بی بی ماہ نور ہے جو چند واسطوں سے حضرت امام حسن کی پوتی ہیں۔ اس لئے ہمارے خواجہ باپ کی طرف سے حسینی اور ماں کی طرف سے حسنی سید ہیں۔''

(ہمارے خواجہ، ص: ۱)

ماہرینِ انساب کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ مادری نسب سے آپ حسنی سید ہیں۔ کتاب ''ہمارے خواجہ'' میں مولانا معنی علیہ الرحمۃ نے آپ کو مادری شجرے کے لحاظ سے حسنی قرار دیا ہے۔

مولانا معنی نے علم الانساب سے عجمیوں کی بے اعتنائی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ''لیکن عجمیوں نے اس جانب کبھی التفات نہیں کیا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آج اولوالعزم شخصیتوں کے سلسلۂ نسب میں کچھ نہ کچھ اختلاف ضرور ہے۔ بالفرض کوئی

سلسلۂ نسب آج اگر بالترتیب قائم ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ ان لوگوں کو جن کے ہاتھوں سے یہ لڑی پروئی گئی ہے علم انساب سے پوری دلچسپی تھی اور انھیں اپنے سلسلۂ نسبی کو برقرار رکھنے کا پورا خیال تھا لیکن یہ ایک ایسی مثال ہے جسے دنیا شذوذ و ندرت (یعنی شاذ و نادر کی حیثیت سے) پیش کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج نائب النبی کے نسب نامے میں بھی ایک صریحی اختلاف موجود ہے۔" آپ نے جن کتابوں سے شجرۂ نسبی (تاریخ السلف، ص: ۸۹) کا ذکر کیا ہے ان میں تذکرۃ الانساب، مرآۃ الانساب، خزینۃ الاصفیا، روائح مصطفیٰ، اقتباس الانوار، قلمی حاشیہ اخبار الاخیار نوشتہ ۱۲۳۷ھ دیگر قلمی حاشیہ، اخبار الاخیار نوشتہ ۱۲۳۷ھ اور وقائع شاہ معین الدین چشتی شامل ہیں۔

(تاریخ السلف، ص: ۹۰) مختلف نسب نامے درج کرنے کے بعد آپ نے لکھا ہے۔

"ان تمام نسب ناموں میں کس کتاب نے صحیح نسب بیان کیا ہے، فی الحال ہم اس پر تاریخی اصول سے بحث نہیں کر سکتے۔ مختصر یہ ہے کہ کتاب مرآۃ الانساب نے صحیح سلسلۂ نسب بیان کیا ہے، اور عام طور سے بہ کثرت اس جانب رجحان ہے اور تمام تذکروں سے آپ کا سادات حسینی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (تاریخ السلف، ص: ۹۱)

جن کتابوں سے مولانا معنی نے نسب پدری کے مختلف شجرے دیئے ہیں ان کے مصنفین کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

(۱) مرآۃ الانساب کے مصنف مولوی ضیاء الدین وکیل (۲) خزینۃ الاصفیاء فارسی تصنیف مولانا غلام سرور لاہوری (۳) اقتباس الانوار تصنیف مولانا شیخ اکرم (۴) وقائع شاہ معین الدین چشتی فارسی تصنیف بابو لال الہ آبادی (۵) اخبار الاخیار فارسی تصنیف شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ۔

مرآۃ الانساب میں نسب نامہ پدری اس طرح دیا گیا ہے۔ خواجہ غیاث الدین حسن ابن خواجہ کمال الدین ابن خواجہ احمد حسین ابن خواجہ نجم الدین طاہر ابن خواجہ عبدالعزیز ابن خواجہ ابراہیم عرف خواجہ ادریس ابن امام موسیٰ کاظم۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ خواجہ ابراہیم امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے فرزند ہیں اور ان کی عرفیت

خواجہ ادریس ہے۔ صاحب مرآۃ الانساب مولانا ضیاء الدین وکیل سے سہو ہوا یا پھر سہو کاتب ہے۔ خواجہ ابراہیم کی عرفیت خواجہ ادریس ہے، اس کی تصدیق کے لئے ڈاکٹر شاکرہ کاظمی ایم.ڈی.فل کی کتاب ''تذکرہ ساداتِ کرام برِ صغیر'' (ص: ۲۹۷) ملاحظہ ہو۔ یہ کتاب ''آفتابِ رسالت کی کرنیں'' کاظمی پبلی کیشنز ۲۷ کانپور روڈ، الہ آباد (یو۔پی) سے نشر ہوئی ہے۔

خواجہ بزرگ کی خاندانی وجاہت

حضرت سید غیاث الدین مشائخ خراسان میں امتیازی شان کے مالک تھے۔
تقویٰ وطہارت کے علاوہ آپ صاحب دولت وثروت بھی تھے۔
(سیر الاقطاب اردو ترجمہ، ص: ۱۰۱، خزینۃ الاصفیاء، جلد اوّل، ص: ۲۵۷، مسالک السالکین، جلد: دوم، ص: ۲۷۱)

غوث الاعظم حضرت عبدالقادر جیلانی سے قرابت کا مسئلہ

حضرت غوث پاک حضرت عبداللہ الحنبلی کے پوتے ہیں اور خواجۂ بزرگ کی والدہ ماجدہ بی بی ماہِ نوران کی پوتی ہیں (مرآۃ الانساب، ص: ۱۴۸ تا ۱۶۰، مسالک السالکین، جلد: دوم، ص: ۲۷۱) اور دونوں کے والد آپس میں بھائی ہیں۔ اس تعلق سے غریب نواز کی والدہ غوث پاک کی چچازاد بہن ہیں، اور غریب نوازؒ غوث اعظمؒ کے ماموں ہیں۔
(اردو ترجمہ سیر الاقطاب، ص: ۱۴۱، مترجم: محمد معین دردائی، فرید بک ڈپو، دہلی)
مولانا معنی علیہ الرحمۃ نے سیر الاقطاب کی اس روایت کو اقتباس الانوار کی روشنی میں غلط بتایا ہے۔ آپ نے مصنف اقتباس الانوار شیخ اکرم کے لئے لکھا ہے۔ ''مصنف مرحوم نے مختلف تذکروں سے مختلف روایات نقل کردی ہیں اور درایت پر کبھی توجہ نہیں فرمائی لیکن ہاں جہاں ذرا تحقیق کی ہے تو صحیح نتیجہ نکالا ہے جیسے سیر الاقطاب کی اس روایت کو بہ لحاظِ روایت خبر آحاد سے تعبیر کرکے ضعیف و غلط بتایا ہے کہ حضرت غریب

نوازغوث اعظم کے ماموں تھے۔ یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ۶۳۳ھ میں خواجۂ اعظم کا وصال ہونا غلط ہے۔ (تاریخ السلف، ص: ۳۸)

غریب نوازؒ اور غوث پاکؒ

دونوں بزرگوں کی ملاقات کا معاملہ تاریخ کی روشنی میں

صاحب سیر العارفین مولانا جمالی کا بیان تاریخی تنقید کی روشنی میں

مولانا جمالی کا بیان ہے کہ غریب نوازؒ ڈھائی سال اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں رہے۔ باون سال کی عمر میں خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ پیر و مرشد سے رخصت ہو کر جیلان گئے اور وہاں حضرت محبوب سبحانی غوث الاعظم عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ سے ملاقات کی، حضور غریب نوازؒ کا ۹۷ سال کی عمر میں وصال ہوا۔ مستند مورخین نے غریب نوازؒ کا سنِ وصال ۶۳۲ھ تسلیم کیا ہے۔ اگر چہ مولانا جمالی نے سنِ وصال کا ذکر نہیں کیا، صرف حضرت کی عمر شریف ۹۷ سال ہونا بتایا ہے۔ اب اگر ۶۳۲ میں سے ۹۷ کی تفریق کی جائے تو ۵۳۵ھ سنِ ولادت نکلتا ہے۔ مولانا جمالی نے ۵۲ سال کی عمر شریف میں خواجۂ بزرگ کی اپنے پیر و مرشد سے رخصت و اجازت اور نعمت خلافت تسلیم کی ہے۔ اس لئے ۵۳۵ میں ۵۲ کو جمع کیا جائے تو ۵۸۷ نکلتا ہے جو سنِ رخصت و خلافت ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ۵۸۷ھ میں حضرت غوث پاک عالمِ ظاہری میں رونق افروز تھے؟ تمام مستند مورخین کا متفق علیہ قول ہے کہ ۵۶۱ھ میں غوث پاک کا وصال ہوا۔ ان تاریخی حقائق کی روشنی میں مولانا جمالی کا بیان درست معلوم نہیں ہوتا۔

(تاریخ السلف، ص: ۲۰ تا ۲۱)

صاحب سیر الاقطاب کا بیان تاریخی تنقید کی روشنی میں

مولانا الہدیا نے عہد شاہ جہانی میں کتاب سیر الاقطاب لکھی ہے۔ اس میں لکھا

ہے کہ دو بار ملاقات ہوئی۔ پہلی ملاقات ابتدائی زمانے میں، دوسری ملاقات حضرت خواجہ عثمان ہرونی سے رخصت ہو کر جب غریب نوازؒ جیلان آئے۔ (تاریخ السلف، ص: ۲۸) جیلان آنے سے پہلے غریب نوازؒ ۵۲ سال کی عمر ہونے تک پیر و مرشد کی خدمت میں رہے۔ صاحب سیر الاقطاب نے وصال کے وقت عمر شریف ۹۷ سال لکھی ہے اور سنِ وفات ۶۳۳ھ قرار دیا ہے۔ بعض روایات کے مطابق وصال کے وقت عمر ایک سو سات سال بتائی ہے۔ پہلی ملاقات کا کوئی سن نہیں لکھا۔ دوسری ملاقات کا بیان اسی طرح غلط ہے جس طرح صاحب سیر العارفین کا بیان جس کی تشریح کی جا چکی ہے۔ پہلی ملاقات کے سلسلے میں گزارش ہے کہ حضرت غریب نوازؒ اپنی ولادت شریف کے ۱۵ سال بعد یتیم ہو گئے۔ ۵۴۵ھ سے آپ اپنے ورثہ پدری میں ملے ہوئے باغ کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ اسی سن میں آپ کی ملاقات ابراہیم قندوزی مجذوب سے ہوئی اور آپ نے اسی سن میں اپنا سب کچھ راہِ خدا میں لٹا کر تحصیل علم کی جانب توجہ کی۔

تذکرہ نگاروں نے تفصیل نہیں بتائی کہ آپ نے کتنے سال تک کہاں کہاں کن کن اساتذۂ کرام سے تحصیل علوم کی، البتہ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ایک مدت تک آپ سمرقند و بخارا میں رہے اور وہاں قرآن مجید حفظ کیا اور علوم متداولہ حاصل کیے۔ اس سلسلے میں جو سنین مولانا معنی کے نزدیک بھی معتبر ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ خواجۂ بزرگ نے سترہ سال تک تحصیلِ علوم وفنون کی۔ اس طرح ۵۶۲ھ تک آپ علوم وفنون کی تحصیل سے فارغ ہوئے اور اس مدت میں سمرقند و بخارا میں قیام فرمایا۔ اس لئے دورِ یتیمی سے علوم وفنون کے عہد فراغت تک حضرت غوث پاکؒ سے ملاقات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ صاحب سیر الاقطاب جسے ابتدائی زمانہ کہہ رہے ہیں وہ کون سا زمانہ ہے؟ ۵۶۲ھ میں جب آپ بہ غرض بیعت حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ کی خدمت میں بغداد حاضر ہوئے اس وقت حضرت غوث پاکؒ وصال فرما چکے تھے جیسا کہ آپ کے مستند سنِ وصال ۵۶۱ھ سے ظاہر ہے۔ تعجب ہے کہ صاحب سیر العارفین ایک ملاقات کا ذکر کرتے ہیں اور صاحب سیر الاقطاب دو

ملاقاتوں کا ذکر کر رہے ہیں۔

صاحب اقتباس الانوار کا بیان تاریخی تنقید کی روشنی میں

صاحب کتاب اقتباس الانوار مولانا شیخ اکرم نے لکھا ہے کہ خواجہ بزرگؒ جب پیر و مرشد سے رخصت ہوئے اس وقت ان کا سنِ مبارک ۵۲ سال یا چالیس سال کا تھا، اسی زمانے میں آپ نے حضرت غوث پاکؒ سے ملاقات کی۔ شیخ اکرم نے خواجہ بزرگ کا سنِ ولادت ۵۳۷ھ لکھا ہے اور حضرت غوث پاک کا سنِ وصال ۵۶۱ھ بتایا ہے، جو اہل تحقیق کے نزدیک مسلّم ہے۔ اگر ہم غریب نوازؒ کی عمر مبارک اپنے پیر و مرشد سے رخصت کے وقت بقول مصنف چالیس سال ہی مان لیں تو سنِ ولادت ۵۳۷ھ میں ۴۰ جمع کرنے سے ۵۷۷ھ نکلتا ہے، جو مصنف ہی کے قول سے غلط ہے کیوں کہ بقول مصنف ۵۶۱ھ میں غوث پاک کا وصال ہو چکا تھا۔ اس لئے ملاقات کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ مولانا اکرم نے بلا حوالہ و ماخذ جو یہ لکھا ہے۔ ''جب سید کائنات علیه التحیته والتسلیمات کے حسب اجازت حضرت غوثیت مآب سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ اس وقت حضرت خواجۂ بزرگ کی عمر مبارک پچاس سال کی اور حضرت غوثیت مآب کی عمر شریف نوے سال کی تھی۔ غرض ملاقات حضرت غوثیت مآب کتب معتبرہ اور رواۃ ثقات کی روایات سے ثابت ہے اور اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔''

مولانا اکرم کے اس بیان کو مولانا معنی نے تاریخی تنقید کی روشنی میں غلط قرار دیا ہے۔ انھوں نے درج ذیل الفاظ میں ملاقات کے واقعہ کو غلط ٹھہرایا ہے۔ جب حضرت غوث پاکؒ سے ملاقات ہی نہیں ہوئی تو خرقۂ خلافت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ مولانا معنی کی تنقید ملاحظہ ہو۔ ''حضرت خواجۂ بزرگ جب حضرت غوث پاک سے رُخصت ہوئے اس وقت سرکار والا تبار خواجۂ بزرگ کا سنِ مبارک پچاس سال کا تھا اور حضرت غوث پاک کی عمر شریف نوے سال کی تھی۔ حالانکہ مصنف مرحوم شیخ اکرم نے سرکار والا

بتایا (خواجۂ بزرگ کا سنِ ولادت ۵۳۷ھ اور حضرت غوث اعظم کا سنِ پیدائش ۴۷۰ھ یا ۴۹۱ھ بتایا ہے۔ اس حساب سے حضرت خواجہ بزرگ ۵۸۷ھ میں پچاس سالہ بزرگ ہوتے ہیں اور حضرت غوث پاک روایت اولیٰ (سنِ پیدائش ۴۷۰ھ) کے مطابق جو عام طور پر صحیح تسلیم کی گئی ہے، ۵۶۰ھ میں نوے سال کے ہوتے ہیں اور دوسری روایت کے مطابق ۵۸۱ھ میں حضرت غوث پاک کو اس دارِ فانی میں قیام فرمانا چاہیے۔ حالانکہ خود مصنف اور نیز تمام مورخین کا قول یہ ہے کہ ۵۶۱ھ میں حضرت غوث اعظم اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ پس سنِ اولیٰ کی صحت کا اقرار لازمی ہے۔ اب اس صورت میں مصنف ہی کے قول سے ۵۸۷ھ یا ۵۶۰ھ سن ملاقات قرار پاتا ہے، و اذا تعارضا تساقطا۔ اس کے علاوہ اگر خواجہ بزرگ کی عمر مبارک بقول مصنف ہنگام رخصت باون سال تسلیم کی جائے تو ملاقات حضرت غوثیت مآب کے وقت پچاس سال کی عمر اک عجیب معمہ ہے، پھر اس پر یہ ہنگامہ آرائی کہ اثبات ملاقات میں کتب معتبرہ اور رواۃ ثقات کی شہادت اک طمطراق عظیم کے ساتھ پیش کی جاتی ہے۔

"بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بوالعجبی ست"

(تاریخ السلف ص ۳۶)

حضرت غوث الاعظم دنیائے اسلام کے وہ بطلِ جلیل اور رہبر عظیم ہیں کہ جن کے فضائل و مناقب میں علماء، محدثین، مختلف مکاتیب فقہ کے شارحین اور مختلف سلاسل کے اکابر نے ضخیم کتابیں تصنیف کی ہیں، ان میں سے بیشتر کے اردو اور فارسی میں ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔ ان اکابر علماء کی مستند کتابوں میں حضور غریب نوازؒ کی حضرت غوثِ پاک سے ملاقات کا واقعہ نہیں ملتا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ صاحب اقتباس الانوار کن کتب معتبرہ کے حوالے سے ملاقات کا واقعہ نقل کر رہے ہیں! اگر کسی صاحب کی نظر میں اس ملاقات کا کوئی مستند اور قدیم ماخذ (غوثِ پاک کے عہد یا قریب العہد کا) ہو تو ضرور آگاہ کریں تاکہ کتاب کی دوسری اشاعت میں اسے بصد شکریہ شامل کیا جا سکے۔ راقم الحروف کے پیشِ نظر فی الحال درج ذیل ماخذ ہیں۔

۱۔ نور الناظر فی اخبار شیخ عبدالقادر، علامہ ابوبکر، عبداللہ تمیمی عراقی
۲۔ بہجۃ الاسرار، علامہ نورالدین ابوالحسن علی بن یوسف شطنوفی ساتویں صدی ہجری
۳۔ رأس المفاخر فی مناقب الشیخ عبدالقادر: امام عبداللہ ابن السعد الیافعی الشافعی
۴۔ درر الجواہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر: علامہ سراج الدین ابوحفص عمر ابن علی
۵۔ روضۃ الناظر فی مناقب الشیخ عبدالقادر: از علامہ مجد الدین فیروز آبادی مصنف قاموس اللغت
۶۔ الروض الزاہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر: علامہ ابو العباس احمد قسطلانی صاحب مواہب اللدنیہ وشارح بخاری
۷۔ نزہۃ الخاطر الفاتر فی مناقب الشیخ عبدالقادر: علامہ علی بن سلطان محمد قاری المعروف بہ ملا علی قاری مجدد حنفیہ صاحب مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ومصنف کتب کثیرہ
۸۔ قلائد الجواہر: علامہ شیخ محمد یحییٰ تادفی دسویں صدی ہجری

مذکورہ بالا عربی کتب میں غوث پاک اور غریب نوازؒ کی ملاقات کا ذکر نہیں۔ سب سے پہلے یہ شوشہ ہندوستان میں لکھی گئی کتابوں میں چھوڑا گیا ہے جو کسی طرح مستند نہیں۔ افسوس ہے کہ غلط بیانی کا یہ سلسلہ تا ہنوز جاری ہے۔

حضرت غوث پاک کا قول مبارک

قدمی ھذہ علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ اور غریب نوازؒ

بہت سی باتیں اور روایتیں جو غلط طور پر رواج پا جاتی ہیں ان کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ غریب نوازؒ اور غوث پاک کی ملاقات کے سلسلے میں جو بحث کی گئی ہے، اُس سے واضح ہے کہ دونوں حضرات کی ملاقات ہی نہیں ہوئی تو پھر غوث پاک کے اس قول کے ارشاد کے وقت غریب نوازؒ کی موجودگی کیسے ممکن تھی؟ حال ہی میں ۲۰۰۸ء میں گیارہویں شریف کے موقع پر حیدر آباد کے روزنامہ ''رہنمائے دکن'' بروز جمعہ

۱۸/اپریل کی اشاعت میں مولانا محمد اویس ندوی نگرامی کا مضمون شائع ہوا ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں۔ ''حضرت شیخ الاسلام والمسلمین فرید الدین جن کے مرشد عظیم و کریم حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ہیں، قطب صاحب اور بابا جی کا ارشاد مبارک ہے کہ حضرت غوث الاعظم کا ہر قدم مبارک ہماری گردنوں پر ہونے کے ساتھ ساتھ ہماری آنکھوں اور آنکھوں کی پتلیوں پر بھی ہے۔''

روز نامہ اعتماد جمعہ ۱۸/اپریل ۲۰۰۸ء میں ایک عالم دین کا مضمون شائع ہوا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں۔ ''جب غوث الاعظم جیلانی نے بہ حکم الٰہی (یہاں بہ حکم الٰہی بھی محل نظر ہے) فرمایا: ''قدمی هذه علیٰ رقبة کل ولی اللّٰه'' تو تمام اولیاء کرام نے اپنی گردنیں جھکا دیں اور اس وقت حضرت خواجہ معین الدین خراسان کے ایک پہاڑی غار میں مجاہدہ کررہے تھے۔ آپ (نے) اس امر کی اطلاع پاتے ہی تمام اولیاء سے پہلے اپنے سر کو اتنا جھکا دیا کہ سر زمین پر لگ گیا اور عرض کی 'بل علی رأسی' یعنی بلکہ آپ کا قدم میرے سر پر ہے۔'' (تفریح الخاطر، ص:۴۶)

بعض حضرات نے حضرت نصیر الدین چراغ دہلی سے ایک فرضی کتاب منسوب کر کے قدمی هذا......الخ کا حوالہ دیا ہے اور ''بل علیٰ رأسی'' کو غریب نوازؒ کا ارشاد بتایا ہے۔ جبکہ حضرت چراغ دہلی کا واضح اشارہ ہے کہ میں نے اور میرے مشائخِ چشت نے کوئی کتاب ہی نہیں لکھی۔

''جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے حضرت غوث الاعظم کے ارشاد کو سن کر گردن جھکا دی (اللہ نے اسی وقت انکشاف فرمادیا کہ خراسان کی پہاڑیوں میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے اپنی گردن جھکادی ہے) اس پر غوث الاعظم نے اولیاء کے بھرے مجمع میں فرمایا کہ غیاث الدین کا لڑکا اولیائے کرام اور اپنے احباب میں گردن رکھنے میں سبقت لے گیا ہے اور تواضع اور ادب کی وجہ سے اللہ و رسول کا محبوب بن گیا ہے اور عنقریب اُسے ہندوستان کی حکومت کی باگ ڈور دی جائے گی۔
(تفریح الخاطر، ص:۴۵)

یہاں علماء حنفیہ کے محقق علی الاطلاق علامہ کمال ابن الہمام کا قول یاد آجاتا ہے جو انہوں نے اپنی کتاب مستطاب فتح القدیر میں لکھا ہے۔ "کثیرا ما یقلد السّاهون السّاهین یعنی اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سہو کرنے والے سہو کرنے والوں کا اتباع کرتے ہیں۔

حضرت غوثِ اعظم کا قول مبارک

دیکھنا یہ ہے کہ حضرت غوثِ پاک نے یہ قول کہاں ارشاد فرمایا۔ اس سلسلے میں حضرت علامہ شیخ محمد یحییٰ تادنی صاحب 'قلائد الجواہر' میں لکھتے ہیں۔ "حافظ ابوالعز عبد المغیث وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ حلب کی خانقاہ میں تھے۔ مشائخ عراق موجود تھے، آپ وعظ کہہ رہے تھے، دورانِ گفتگو حضرت شیخ نے مکاشفہ کیا اور پھر فرمایا۔ "قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله" شیخ لولوارمنی کہتے ہیں کہ جب شیخ نے یہ فرمایا۔ "قدمی هذه الخ" تو روئے زمین کے تین سو تیرہ اولیاء اللہ نے سر خم کر دیئے تھے جن میں ۱۷ حرمین شریفین میں تھے۔ ساٹھ عراق میں، چالیس عجم میں، تیس شام میں، بیس مصر میں، ستائیس مغرب میں، گیارہ حبشہ میں، گیارہ وادیٔ یاجوج ماجوج میں، سات سراندیپ میں، سینتالیس کوہ قاف میں، اور چوبیس بحر محیط میں۔ قلائد الجواہر کے اردو مترجم نے نوٹ لکھا ہے کہ "یہ کل تعداد ۲۹۴ ہوئی بقیہ اُنیس حضرات کے متعلق تفصیل معلوم نہیں۔"

(اردو ترجمہ "قلائد الجواہر" ص: ۸۹، از زبیر افضل عثمانی معہ مقدمہ شمس بریلوی، بہ اہتمام نور پبلشنگ ہاؤس، فراش خانہ، دہلی، ۱۹۸۹ء۔)

صاحب بہجۃ الاسرار علامہ شطنوفی رحمۃ نے ۳۱۳۔ اولیاءِ کبار کی مکمل تفصیل دی ہے جنھوں نے سر جھکا دئے تھے۔ حرمین شریفین میں ۱۷، عراق میں ۶۰، عجم میں ۴۰، شام میں ۳۰، مصر میں ۲۰، مغرب میں ۲۷، یمن میں ۲۳، حبشہ میں ۱۱، سدِّیا جوج ماجوج میں ۷، سراندیپ میں ۷، کوہِ قاف میں ۴۷، جزائرِ بحر محیط میں ۲۴۔)

(اردو ترجمہ بہجۃ الاسرار، از حافظ احمد علی شاہ لاہوری، ص: ۱۵، ناشر: مکتبہ جام نور، دہلی)

ان تین سو تیرہ افراد میں حضرت غریب نواز کا کسی نے ذکر نہیں کیا ہے۔ قلائد الجواہر اور بہجۃ الاسرار نے جن ۳۱۳ معاصر اکابر اولیاء اللہ کا ذکر شریف معہ مقامات کے کیا ہے ان میں حضرت غریب نواز شامل نہیں ہیں۔

غوثِ پاک کے قول مبارک کا مفہوم

علامہ تادنی نے اس قول کا مفہوم متعین کرنے میں مختلف اکابر علماء کی آراء کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ ''شیخ الاسلام علامہ شہاب الدین احمد ابنِ حجر عسقلانی شارحِ بخاری سے جس وقت پوچھا گیا کہ حضرت شیخ (غوث پاک) کے اس قول قدمی ھذہ الخ کا مفہوم کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس کا ظاہری مفہوم تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان سے ایسی خارق عادات کرامات ظہور پذیر ہوتی رہیں گی جن کا سوائے معاندین کے اور کوئی فرد انکار نہیں کر سکے گا کیونکہ ہمارے ائمہ نے کرامتوں کے لئے یہ اصول بتایا ہے کہ اگر کسی سے مطابق شریعت کرامتیں ظاہر ہوں جیسا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی سے ہوتی رہیں تو وہ مقبول ہیں لیکن اگر مطابق شریعت نہ ہوں تو وہ مردود ہیں۔

(اردو ترجمہ ''قلائد الجواہر''، ص: ۸۰)

علامہ تادنی مزید لکھتے ہیں۔ ''شیخ الاسلام علامہ عز الدین فرماتے ہیں کہ حضرت جیلانی سے تواتر کے ساتھ اتنی کرامتیں ملتی ہیں جو اوروں سے نہیں۔ حضرت شیخ (غوث پاک) شریعت پر سختی سے پابند تھے، اس لئے آپ نے قدمی ھذہ الخ فرمایا۔''

(اردو ترجمہ ''قلائد الجواہر''، ص: ۸۰)

علامہ تادنی علیہ الرحمۃ اس قول کے معنیٰ سے بحث کرتے ہوئے بعض حضرات کے حوالے سے اِسے مجازی معنی پر محمول کرتے ہیں اور مجازی معنی کو ترجیح دیتے ہیں۔ ''بعض حضرات قدم سے مجازی معنیٰ مراد لیتے ہیں اور ادب کے متقاضی بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے جس کا وقوع عام طور پر ممکن ہے۔ لہٰذا قدم سے مراد ''طریقہ'' بیان کیا

ہے جیسے کہا جاتا ہے فلان علیٰ قدم حمید یعنی فلاں عمدہ طریقہ پر ہے یا فلاں بڑا عبادت گزار ہے یا ادب اعلیٰ کا حامل ہے یا پھر اس سے مراد طریقت و قرب الٰہی اور منتہائے مقام ہے، اور اگر قدم سے حقیقی قدم مراد لیا جائے تو پھر اس کے مفہوم کا علم اللہ ہی کو ہے۔ غالباً قدم حقیقی شیخ (غوث پاک) کی مراد بھی نہیں ہے کیونکہ یہ کئی وجوہ کی بناء پر نا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اس طرح ان اسلاف کا احترام بے معنیٰ ہو کر رہ جاتا ہے جس پر اساسِ طریقت قائم ہے، جیسا کہ حضرت سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ایسے عظیم، ذی علم عارف کامل کے کلام کو فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ نمونہ پر محمول نہ کرنا انصاف کے تقاضے کے خلاف ہے۔ لہٰذا زیادہ فصیح و دل نشیں مفہوم وہی ہے جو ابتداء میں بیان کیا گیا، باقی پوشیدہ مفہوم کا علم تو عالم الغیب حق سبحانہ وتعالیٰ کو ہی ہے۔"

(اردو ترجمہ "قلائد الجواہر"، ص:۸۱)

غوثِ پاک کا ارشاد کس حالت میں ہوا

علامہ تادفی نے اس قول مبارک کا تعلق حالتِ مکاشفہ سے بتایا ہے۔ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ متوفی ۶۳۲ھ نے اسے حالتِ سکر پر محمول کیا ہے۔ (اردو ترجمہ عوارف المعارف، ص: ۳۹۴، از شمس بریلوی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی) حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی حضرت غوث پاک کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے ہیں۔ وہ ان کے صحبت یافتہ ہیں اور ان سے خرقۂ خلافت بھی حاصل کیا ہے، اگرچہ تصوف میں آپ کی نسبت آپ کے عمِ محترم شیخ ابوالنجیب سہروردی سے ہے۔ حضرت شہاب الدین علیہ الرحمۃ پر علمِ کلام کا غلبہ تھا جسے غوثِ پاک نے اپنے فیضانِ نظر سے ختم کر دیا۔ حضرت غوث پاک نے حضرت شیخ شہاب الدین سے فرمایا۔ "انت آخر المشهورين بالعراق" یعنی تم عراق کے آخری مشہور بزرگوں میں سے ہو۔

(اردو ترجمہ نفحات الانس، ص:۱۳۰۔۷ا، از حضرت شمس بریلوی،
ناشر: مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

یہاں یہ بھی واضح کردینا فنِ تحقیق کی دیانت داری کا تقاضا ہے کہ حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے غوثِ پاک کے قول مبارک کو حالت صحو پر محمول کیا ہے۔ آپ نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے بیان پر تنقید کرتے ہوئے ایک رسالہ بھی لکھا ہے جس کا نام "تنبیہ العارف بما وقع فی العوارف" ہے۔ اس کا قلمی نسخہ رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے جس کا نمبر ۳۲۹ ہے لیکن فہرست میں اس کا نام "الرسالة فی بیان قول قدمی هذه علیٰ رقبة کل ولی اللّٰه" ہے۔

تاریخی تحقیق کے اصول پر حضرت شیخ شہاب الدین معاصر غوثِ پاک ہونے کی وجہ سے زیادہ مستند ہیں۔ راقم الحروف ان دونوں بزرگوں کے اقوال پر محاکمہ کرنے سے قاصر ہے۔ قارئین کرام جس کو چاہیں ترجیح دے سکتے ہیں لیکن یہ ذہن میں رہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی بہت بعد کے دور کے بزرگ ہیں اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی غوثِ پاک کے ہم عصر اور فیض یافتہ ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث علیہ الرحمۃ نے اخبار الاخیار کی ابتداء حضرت غوث پاک کے ذکرِ مبارک سے کی ہے اور اس قول مبارک کی تشریح بڑے محتاط انداز میں کی ہے۔ غوثِ پاک کے متعلق وہ لکھتے ہیں۔ "اس وقت کے تمام اولیاء کو آپ کے سایۂ قدم اور دائرہ حکم میں دے دیا کیوں کہ آپ منجانب اللہ اسی پر مامور تھے، جیسا کہ آپ خود فرماتے ہیں کہ میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے۔

(اردو ترجمہ "اخبار الاخیار" ص:۳۴، از مولوی محمد فاضل استاذ الحدیث دارالعلوم،
ناشر: فرید بک ڈپو، دہلی)

یہاں یہ بات دیکھنے کی ہے کہ حضرت عبدالحق محدث نے "اس وقت کے تمام اولیاء" کا ذکر کرتے ہوئے اس قول مبارک کا اطلاق صرف معاصر اولیاء اللہ پر کیا

ہے۔ 'سایۂ قدم' اور 'دائرۂ حکم' کے بلیغ الفاظ لکھ کر غوث پاک کی جلالت اور معاصر اولیاء اللہ کی ولایت کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ غوث پاک کے ذکرِ مبارک کے فوراً بعد حضرت شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ نے اخبار الاخیار میں غریب نوازؒ کا تذکرہ لکھا ہے لیکن قدمی هذه... الخ کا تعلق غریب نوازؒ سے نہیں بتایا۔

حضرت مجدّد الف ثانی اور قول حضرت محبوب سبحانی

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کو نسبت قادری حضرت شاہ سکندر علیہ الرحمۃ متوفی ۱۰۲۳ھ مطابق ۱۶۱۴ء سے پہنچی تھی، جو سلسلۂ عالیہ قادریہ کے عارف کامل حضرت شاہ کمال کیتھلی کے خلیفہ و جانشین تھے۔ (حضرات القدس، فارسی تالیف شیخ بدرالدین سرہندی، ص: ۴۴ تا ۴۸) سلسلۂ قادریہ میں حضرت شاہ کمال کیتھلی نے حضرت مجدد الف ثانی کو بچپن ہی سے اپنی توجہ خاص سے نوازا تھا اور بعد میں خرقۂ خلافت عطا فرمایا تھا جو آپ کے جانشین حضرت شاہ سکندر علیہ الرحمۃ نے حضرت مجدد کو عنایت کیا۔ خرقۂ قادری پہننے کے بعد آپ (مجدد صاحب) پر عجیب حالت طاری ہوئی (زبدۃ المقامات، از خواجہ محمد ہاشم کشمی، ص: ۱۳۵، ملخصاً) خواجہ محمد ہاشم کشمی نے حضرت مجدد کا یہ قول نقل کیا ہے۔ "شیخ الانس و الجن حضرت سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے میرے دل کو اپنے قبضے میں لے لیا اور خاص نسبتوں کے انوار و احوال سے منور کیا اور میں ان احوال و انوار کی موجوں میں غرق ہوگیا۔" (زبدۃ المقامات، فارسی، ص: ۲۰۰)

حضرت مجدد نے قطب الارشاد کا منصب حضرت علی علیہ السلام سے امام حسن عسکری علیہ السلام تک ائمہ اہل بیت نبوی سے متعلق مانا ہے۔ جب غوث پاک پیدا ہوئے تو یہ منصب ان کو عطا کیا گیا اور امام مہدی علیہ السلام کے ظہور تک اس منصب پر غوث پاک ہی فائز رہیں گے۔ یہ سب باتیں مجدد صاحب نے تحریر کی ہیں پھر یہ بھی کہا ہے کہ میں (مجدد صاحب) حضرت غوث پاک کا نائب مناب ہوں۔ یہ ارشاد حضرت مجدد الف ثانی کے ہیں کہ ظہور امام مہدی تک غوث پاک اس منصب پر فائز رہیں گے

اور حضرت مجدد غوث پاکؒ کے نائب مناب ہیں۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ حضرت مجدد کے ماننے والوں کے علاوہ یہ بات دوسرے سلاسل کے لئے بھی قابل قبول ہو۔ (مکتوبات، جلد: ۳) حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے بعد ان کے سلسلۂ عالیہ کے مشائخ مثلاً حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں اپنے ملفوظات کلماتِ طیبات میں اور ان کے خلیفہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی کتاب سیف المسلول میں اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نقشبندی مجددی ہمعات میں حضرتِ غوثِ پاک کی تعریف میں رطب اللساں ہیں۔

حضرت مجدد اپنے یوم وصال تک حضرت غوث الثقلین کے فضائل و مناقب لکھتے رہے۔ انتہائی ضعف اور مرض میں آپ سے غوث پاک نے عالمِ رویا میں ملاقات فرمائی، اور فرمایا کہ میرے اس شعر......

افلت شموس الاولین و شمسنا

ابداً علیٰ افق العلیٰ لا تغرب

اور میرے قول قدمی ھذہ الخ کی شرح لکھو، انشاء اللہ صحت ہو جائے گی (وصال احمدی، ص: ۱۲-۱۳، از حضرت بدرالدین سرہندی) مزید تفصیل کے لئے حضرت مظہر جانِ جاناں کے معاصر بزرگ شاہ فقیر اللہ علوی شکار پوری کا طویل مکتوب ملاحظہ ہو۔ (مکتوب ۴۹/۲۲۰-۲۲۱) اردو ترجمہ مقامات مظہری، ص: ۲۹۰، تالیف: شاہ غلام علی، شاہ ابوالخیر اکاڈمی دہلی)

یہاں یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ مجدد صاحب اور ان کے بعد کے خلفاء میں سے کسی نے اس قول مبارک کا تعلق غریب نوازؒ سے نہیں بتایا ہے۔ حضرت مجدد صاحب کے غوث پاک سے متعلق بیان کردہ فضائل و مناقب کے بعد کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ مجدد صاحب کو غوث پاک سے والہانہ عقیدت نہیں ہے۔ اسی لئے اس ضمن میں ذرا تفصیل سے کام لیا گیا ہے۔ آیئے اب ہم دیکھیں کہ اس قول مبارک کا مصداق حضرت مجدد نے کن حضرات کو بتایا ہے اور کیا توجیہ کی ہے۔ مجدد صاحب لکھتے ہیں۔

''یہ بات محقق ہے کہ حضرت عبدالقادر جیلانی نے فرمایا ہے۔ ''میرا قدم تمام اولیاء کی

گردن پر ہے۔" اور آپ کے اس قول کا تعلق آپ کے زمانے کے اولیاء سے ہے لیکن آپ کے اتباع اور مریدین آپ کے حق میں بہت غلو کرتے ہیں اور ان کی افراط محبت شیعیانِ علی کی افراطِ محبت کی طرح ہے۔ وہ حضرت شیخ کے قدم کو تمام اولیاء کی گردن پر سمجھتے ہیں، حالاں کہ یہ ٹھیک نہیں، کیوں کہ حضرات صحابہ اللہ کے اولیاء ہیں اور وہ سب بالیقین حضرت شیخ سے افضل ہیں۔ حضرت مہدیؑ کا ظہور آپ کے بعد ہے۔ ان کے متعلق رسولؐ نے بشارت دی ہے اور ان کو خلیفة اللّٰه فرمایا ہے اور یہی کیفیت اصحاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہے۔ (آپ کے نزول کے بعد جو لوگ آپ کا ساتھ دیں گے) (مکتوب،۲۹۳، دفتر اوّل)

ایک اور مقام پر غوث پاک کے اس قول مبارک کی توضیح کرتے ہوئے حضرت مجدد لکھتے ہیں۔ "جاننا چاہئے کہ یہ حکم صرف اس وقت کے اولیاء کے ساتھ مخصوص ہے، اولیاء متقدمین و متاخرین اس حکم سے خارج ہیں۔ (مکتوبات دفتر اوّل/۱۹۳) حضرت مجدد کے علاوہ یہی رائے حضرت شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام کی بھی ہے۔

(ملاحظہ ہو سیرت غوثِ اعظم، ص:۱۱۰ تا ۱۰۲،

ماخوذ از کتاب مقاماتِ مظہری، ناشر: شاہ ابوالخیر اکادمی، دہلی)

آخرِ کلام میں حضرت مرزا مظہرِ جانِ جاناں علیہ الرحمۃ کی تشریح بھی پیش کئے دیتا ہوں۔ آپ نے اپنے ایک مکتوب میں مکتوب الیہ کو جواب دیتے ہوئے لکھا ہے۔ "جو کچھ آپ نے حضرت غوث الثقلین (شیخ عبدالقادر جیلانی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول قدمی هذه الخ کے بارے میں لکھا ہے اگر معاصرین سے مخصوص کریں تو آں جناب پر کیا نقصان عاید ہوتا ہے اور ادب کی وجہ سے متقدمین کو مستثنیٰ کرنا لازم ہے کیونکہ ان میں کچھ حضرات غوث الثقلین کے مشائخ اور اجداد ہیں۔ اس حدیث کے مطابق لایدری اوله خیر ام آخره یعنی امت کے بارے میں از خود یہ معلوم نہیں کیا جا سکتا کہ (دین پھیلانے میں) اس کا اول بہتر ہے یا آخر، متاخرین مستثنیٰ ہو جاتے ہیں کیونکہ تقدیم اور تاخیر نسبی امر ہے اور وہ ہر متاخر کا ایک متاخر ہے، اس لئے

ممکن ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا متاخران سے افضل ہو۔ (کمالات نبوت کے علاوہ دیگر کمالات قطعی طور پر ختم نہیں ہوئے۔) آپ کے التفات نامہ کے مطابق میں حق اور باطل میں فرق کرنے پر مامور تھا اور المامور معذور۔ اللھم ارنا الحق حقاً و ارنا الباطل باطلاً (جو کسی کام پر مامور ہو معذور ہوتا ہے۔ اے خدا ہم کو تو سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ دکھا) والسلام۔

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کا یہ چھٹا مکتوب ہے، حوالے کے لئے ملاحظہ ہو مقامات مظہری، ص: ۲۴۴، تالیف: شاہ غلام علی مجددی دہلوی علیہ الرحمۃ تحقیق و تعلیق و ترجمہ محمد اقبال مجددی ناشر شاہ ابوالخیر اکادمی دہلی، بارِ اول: ۲۰۰۵ء۔

یہاں اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے حدیث شریف لا یدری اولہ الخ سے جو استدلال کیا ہے وہ خصوصی توجہ کا مستحق ہے اور یہ حدیث شریف ترمذی (کتاب الامثال، باب ۶، نمبر: ۲۸۶۹) ۵/۱۵۲ میں موجود ہے جس کے تمام رواۃ بحمد اللہ ثقہ ہیں۔

حضرت مرزا صاحب کی اس تشریح کی روشنی میں حضور غریب نوازؒ پر اس قول مبارک کا اطلاق کسی طرح درست نہیں۔ یہاں یہ بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ مشائخ چشت اہلِ بہشت کے نزدیک حضرت غوثِ اعظم کا مقام بہت بلند ہے اور وہ ان کے مناقب و فضائل کے بیان میں پیش پیش ہیں۔ یہاں دو بزرگوں کا ذکر ضروری ہے۔

حضرت محبوب الٰہی کے ملفوظات فوائد الفواد میں یہ روایت آپ کی زبان مبارک سے نقل ہوئی ہے۔ "زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ ایک شخص حضرت عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز کی خانقاہ میں آیا۔ اس نے کسی کو دیکھا کہ ہاتھ پیر ٹوٹے ہوئے اور خراب (حال) خانقاہ کے دروازے پر آپڑا ہے۔ یہ شخص شیخ (غوث پاک) کی خدمت میں گیا اور اس دروازے پر پڑے ہوئے آدمی کا حال سنا کر دُعا کی درخواست کی۔ شیخ (غوث پاک) نے فرمایا خاموش رہو! اس نے بے ادبی کی ہے اس آنے والے نے پوچھا کہ اس نے کیا بے ادبی کی ہے؟ شیخ نے فرمایا کہ وہ ابدالوں میں سے

ایک ہے۔ کل وہ لوگ اپنے دوسرے دو ساتھیوں کے ساتھ، اس قوت پرواز سے جو ابدالوں کو حاصل ہے ہوا میں اڑ رہے تھے۔ جب اس خانقاہ (خانقاہِ غوث پاک) پر پہنچے تو ان کا ایک ساتھی تو خانقاہ سے ہٹ کر ادب سے داہنی طرف ہو کر گزر گیا، دوسرا ساتھی بھی خانقاہ کی بائیں جانب سے نکل گیا۔ یہ چاہتا تھا کہ بے ادبی کے ساتھ خانقاہ کے اوپر سے گزرے چنانچہ گر پڑا۔"

(اردو ترجمہ فوائدالفواد: خواجہ حسن ثانی نظامی دہلوی، ص: ۱۴۳)

اللہ اکبر! غوث پاک کی خانقاہ شریف کی ادنیٰ بے ادبی سے ایک ابدالِ وقت معرض عتاب میں آ گیا۔ مشائخ چشت میں سلسلہ عالیہ چشتیہ کے عظیم شیخ طریقت حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی کی اس روایت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مشائخِ چشت کے نزدیک غوث پاک کا مقام کتنا بلند و بالا ہے اور دورِ آخر کے سلسلہ چشتیہ کے بزرگ حضرت مولانا شاہ نیاز احمد بریلوی علیہ الرحمۃ کی جنہیں قادری نسبت بھی حاصل تھی، منقبت غوثِ اعظم کے دو شعر نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

بدہ دستِ یقیں اے دل بدستِ شاہ جیلانی
کہ دستِ او بود اندر حقیقت دست یزدانی
نشانِ شانِ بے چونی بیانِ سرِّ مکنونی
بہ سیرت مثلِ پیغمبر بصورت مرتضیٰ ثانی

(دیوانِ شاہ نیاز بریلوی، ص: ۷۰)

ان دو حوالوں سے چشتیوں کی غوث پاک سے والہانہ عقیدت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ صاحبزادگانِ غریب نوازؒ (خدام حضرات) کے تقریباً سبھی گھروں میں حضرت غوث پاک کی گیارہویں شریف کی نیاز ہوتی ہے۔

افسوس ہے کہ عصرِ حاضر میں قادریوں کے ایک حلقہ نے بے سروپا واقعات پر مشتمل کتابیں لکھنا شروع کر دی ہیں۔ یہ حضرات حضرت مجدد الف ثانی کی تنبیہ کو بھول گئے جس کا حوالہ پیش کیا جا چکا ہے۔ یہ حضرات افراط عقیدت میں اتنے بڑھ گئے کہ

غوثِ پاک کی غریب نواز سے نہ صرف ملاقات بتائی ہے بلکہ ان کے ہمراہ غوث پاک کے ایک صاحبزادے حضرت عبدالوہاب کا ہندوستان میں غریب نوازؒ کے ساتھ آنا اور غوث پاک کا ان کو بھیجنا تاریخی حقائق کے برخلاف لکھا ہے۔ یہاں تک کہ ان کا مدفن بھی ناگور میں بتایا ہے۔ مزید برآں غریب نوازؒ کی جملہ کرامات کو حضرت عبدالوہاب سے منسوب کردیا ہے۔ قادریت کے سچے علم برداروں سے گزارش ہے کہ وہ اس قسم کے اکاذیب واباطیل کا سد باب کرنے کے لئے آگے آئیں۔ ورنہ دنیا کے اہل علم و تحقیق حافظ شیرازی کی زبان میں یہ کہنے پر مجبور ہوں گے......

پری نہفتہ رُخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

مقامِ مسرت ہے کہ اس قسم کی غلط فہمیوں اور غلط بینیوں پر مبنی تحقیق کے خلاف علامہ محمد احمد صاحب پرنسپل جامعہ اشرفیہ مبارکپور نے ماہنامہ "جامِ نور" دہلی میں مقالے لکھے۔ بعد ازاں یہ مقالے کتابی صورت میں (سید عبدالوہاب جیلانی کا مدفن کہاں؟) شائع ہوکر منظرِ عام پر آگئے۔ اہلِ تحقیق کے لئے ان کی کتاب سنگِ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی طرح جناب محمد رحمت اللہ رونق سلیمانی ناگوری کی کتاب "رد الکاذبین و دلیل الصادقین" نشر شدہ از ناگور ۱۹۹۶ء اہلِ تحقیق کو دعوتِ مطالعہ دیتی ہے۔ تصوف سے متعلق تحقیق کرنے والے اہلِ علم کو حضرت مولانا امجد علی علیہ الرحمۃ کے شاگردِ رشید اور شارحِ بخاری مرحوم مفتی محمد شریف الحق امجدی کا بھی شکرگزار ہونا چاہئے۔ مرحوم کا ایک تحقیقی مضمون حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو "اہلِ سنت کی آواز، جلد: ۱۵، ص: ۱۳۷ تا ۱۴۰، نومبر ۲۰۰۸ء، ناشر: خانقاہِ برکاتیہ مارہرہ، ضلع ایٹہ" مفتی صاحب مرحوم نے برخود غلط واعظوں کے برخلاف ثابت کیا ہے کہ حضرت غریب نوازؒ حضرت غوث پاک کی حیاتِ ظاہری میں بغداد تشریف نہیں لے گئے اور بنا بریں حضرتِ غوثِ پاک سے حضرت غریب نوازؒ کی ملاقات نہیں ہوئی۔ مفتی مرحوم نے ملاقات کے افسانے کے فرقِ زمانی کو ملحوظ رکھ کر جامع و مانع تردید کی ہے، لیکن "قدمی ھذہ... الخ" کا تعلق

غریب نوازؒ سے بلا کسی حوالہ کے بتا کر تسامح کا شکار ہو گئے۔ اگر مرحوم اس گوشہ پر بھی داد تحقیق دیتے تو صحیح نتیجہ پر پہنچ جاتے کہ اس قول مبارک "قدمی ھذہ الخ" کا تعلق غریب نوازؒ سے بتانا بھی ایک فرضی افسانہ ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا سطور میں تشریح کی جا چکی ہے۔

یہ نکتہ بھی پیشِ نظر رہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام (بڑے بھائی) اور حضرت امام حسینؑ علیہ السلام (چھوٹے بھائی) دونوں حضرات امامت و ولایت کے تاجدار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بڑے بھائی سے اتحاد بین المسلمین کا کام لیا اور چھوٹے بھائی سے معرکہ کربلا سر کرایا اور ان کی شہادتِ عظمیٰ سے قیامت تک کے لئے اسلامی شریعت کی بنیادوں کو مستحکم کیا۔ آج چار دانگ عالم میں حضرت حسینؑ کی شہرت زیادہ ہے اور اس شہادت کے بعد پیدا ہونے والے اثرات کا غلبہ ہے۔ بلا تشبیہ و تمثیل حضرت غوث پاک نے بغداد شریف میں تبلیغِ اسلام سے زیادہ اصلاحِ اہلِ اسلام کا اہم کارنامہ انجام دیا جہاں اسلام تھا اور اسلامی حکومت پوری آب و تاب کے ساتھ موجود تھی۔ لیکن سرکار دو عالمؐ نے حضرت غریب نواز کو ہندوستان بھیجا جو کفر و شرک کا اہم مرکز تھا اور یہاں غریب نوازؒ نے اسلام کا ایسا چراغ روشن کیا جس سے آج برِ صغیر کے ساٹھ کروڑ مسلمانوں کے دل و دماغ منور ہیں اور ان شاء اللّٰہ قیامت تک منور رہیں گے۔ اس لئے عالمِ اسلام میں آپ کی شہرت و مقبولیت زیادہ ہے......

طالع شہرت رسوائی مجنوں بیش است
ورنہ طشت من و او ہر دو زیک بام افتاد

اقبالؔ نے بھی اپنے شعر میں یہی مضمون لکھا ہے......

اللہ کی دین ہے جسے دے　　میراث نہیں بلند نامی

اگر غریب نواز ہندوستان میں تبلیغِ اسلام نہ کرتے تو یہاں حضرت غوث پاکؓ سے لوگوں کا رشتۂ عقیدت کیسے قائم ہوتا؟ واضح رہے کہ بغداد میں اصلاحِ مسلمین کا کام ہوا اور اجمیر سے تبلیغِ اسلام کا کام کیا گیا۔

خواجہ بزرگ کے بہن بھائی

تاریخ کی روشنی میں معلوم نہیں ہوتا کہ آپ کے بہن بھائی تھے، البتہ بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ کے دو بھائی تھے۔

(مسالک السالکین، جلد: دوم، ص:۲۷۱)

خواجہ صاحب کا عہد ولادت اور فتنۂ تاتار

جس زمانے میں حضرت خواجہ پیدا ہوئے وہ زمانہ مسلمانوں کے لئے بڑی ابتلاء و آزمائش کا تھا۔ مسلمانوں میں خانہ جنگیاں ہورہی تھیں۔ مسلمانوں میں پیدا ہونے والے گمراہ فرقے ملاحدہ اور باطنیہ مسلمانوں کے دین وایمان پر ڈاکہ ڈال رہے تھے۔ چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں طمغاچ (چین) کے پہاڑوں سے وحشی تاتاریوں کا ایک قیامت خیز طوفان اٹھا جو سارے وسط ایشیا اور روس پر چھا گیا اور اس نے چند ہی سال میں تمام اسلامی ممالک کو تاخت وتاراج کردیا۔ لاتعداد مسلمان گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالے گئے۔ بڑے بڑے شہروں میں سناٹا چھا گیا اور وسط ایشیا کے طول وعرض میں جہاں تہذیب وتمدن کے پھول برستے تھے تباہی و بربادی کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔ غرض دنیائے اسلام میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک خاک اڑنے لگی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی دنیا میں فتنہ تاتار سے بڑھ کر کوئی مصیبت نازل نہیں ہوئی۔ تاتاریوں کی تباہ کاریوں سے عجم کے زرخیز علاقے بنجر اور ویران ہوگئے۔ بغداد جو اسلام کے سر کا تاج تھا، خون میں نہا گیا، دریائے دجلہ مسلمانوں کے لاشوں سے پٹ گیا اور کوسوں تک اس کا پانی مسلمانوں کے خون سے لال نظر آنے لگا۔ مسلمانوں کے بڑے بڑے مدارس اور ان کی عظیم الشان خانقاہوں کے چراغ گل ہوگئے۔ اسلامی کتب خانوں کو نذرآتش کردیا گیا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اپنے خون جگر سے جو تباہی بغداد کا مرثیہ لکھا ہے وہ اس وقت کے حالات کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔

آسماں راحق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین
اے محمد گر قیامت سر بروں آری زخاک
سر بروں آرو قیامت درمیانِ خلق بریں

جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے "عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا زوال تاتاریوں کے حملے کا نتیجہ تھا۔ لیکن یہ بات بالکل غلط ہے تاتاریوں کے حملے مسلمانوں کے زوال کا نتیجہ تھے، سبب نہ تھے۔ مسلمان اپنی اخلاقی پستی کی وجہ سے تباہی کی آخری منزل پر پہنچ گئے تھے، مسلمان اپنے سیاسی زوال سے پہلے اخلاقی زوال کی ساری منزلیں طے کر چکے تھے۔ مسلم سماج میں انتشار، افتراق، اور ابتری کے حالات رونما ہو چکے تھے۔ عطا ملک جوینی کے بقول اگر خوارزم شاہ سوفوجی افسروں کو طلب کرتا تھا تو دس حاضر ہوتے تھے۔ (تاریخ جہاں کشا گب میموریل سیریز، ص: ۳۳ تا ۳۵) لوگ عیش وعشرت میں بری طرح ڈوبے ہوئے تھے۔"

پہلی بار چنگیز خاں وسط ایشیا سے ۱۲۱۶ھ میں ساٹھ ہزار وحشی تاتاریوں کو لے کر نکلا یہ لوگ گھوڑوں پر سوار ہو کر اور تیر اور تلوار لئے ہوئے آبادیوں پر ٹوٹ پڑے اور تمام تمدنی نشانات کو برباد کر ڈالا۔ عراق، ایران اور ترکستان ان کے قدموں کے نیچے زیرو زبر ہو گئے، جہاں اس وقت کے مسلمانوں کی طاقتور سلطنت قائم تھی۔ دوسری بار ۱۲۵۸ء میں ہلاکو (چنگیز خاں کے پوتے) کی سرکردگی میں یہ قیامت خیز طوفان اٹھا اور اس نے ان ریاستوں کو بھی تباہ و برباد کر ڈالا جو عظیم الشان مسلم خلافت کی تخریب کے بعد از سرِ نو تعمیر کا جذبہ لے کر ابھرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ بغداد کے وہ علاقے جہاں کبھی دنیا بھر کے تاجروں کا جمگھٹ ہوتا تھا، اب کبوتر بازوں کے اڈے بن گئے تھے۔ (تاریخِ مشائخِ چشت، ص: ۱۲۵، بحوالۂ انگریزی کتاب

THE RENAISSANCE OF ISLAM, BY: ADAM MEZ P.7)

خوارزمیوں اور سلطان سنجر کے درمیان ایک زبردست جنگ ہوئی سلطان سنجر

نے شکست کھائی۔ خواجہ کا وطن مالوف بھونچال میں پڑ گیا ہر طرف ایک سخت بے چینی پھیل گئی۔ زندگی اور املاک محفوظ نہ رہی۔ ناگفتہ بہ حالات میں لوگ اپنا گھر بار چھوڑ کر جدھر منہ اٹھا چل دیئے۔ خواجہ بزرگ کے والد بھی اپنے قبیلہ کو لے کر نکل پڑے اور خراسان کے کسی شہر میں پہنچ کر رہنے لگے۔ چنانچہ تمام تذکرہ نگار متفق ہیں کہ غریب نوازؒ کے بچپن کا زیادہ تر زمانہ خراسان ہی میں گزرا۔

(اردو ترجمہ سیر الاقطاب، ص:۱۳۷، ہمارے خواجہ، ص:۲۰، پروفیسر نظامی کی کتاب

"Some Aspects of religion and politics in India during the thirteenth century," (F 29, Ist. edition 1961)

خواجہ بزرگ بہ حیثیت دُرِّ یتیم

حضرت خواجہ کے سر سے پندرہ سال کی عمر میں باپ کا سایہ اُٹھ گیا۔ ۵۴۵ھ مطابق ۱۱۵۰ء میں آپ کے والد ماجد کا وصال ہو گیا اور کارکنان قضا و قدر نے آپ کے سر مبارک پر دریتیمی کا تاج رکھ دیا۔ ابھی والد ماجد کی مفارقت کا داغ دل سے نہیں مٹا تھا کہ ان کی مادر مہرباں کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا اور اس طرح آپ بیک وقت دو دل شکن صدموں سے دو چار ہوئے۔ چھوٹی سی عمر میں دل پر مصیبتوں کے اتنے بڑے دو پہاڑ ٹوٹے اور تقاضائے بشریت کے مطابق آپ غمگین بھی ہوئے مگر صبر و استقلال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا اور والد ماجد کے کارو بار کو انتہائی مستعدی اور ہوش مندی سے سنبھالا۔ (اردو ترجمہ سیر الاقطاب، ص:۱۳۷)

خواجہ بزرگ کا ورثہ

ورثہ میں آپ کو ایک باغ ملا اور ایک پن چکی۔ باغ کی دیکھ بھال آپ بہ نفس نفیس فرماتے تھے اور اس کی پیداوار سے گھر کا خرچ چلاتے تھے۔

غزوترکوں کے ہاتھوں خراسان کی بربادی

ابھی زمانے کا ماحول سازگار نہ ہونے پایا تھا کہ خراسان پر ایک نئی آفت آن پڑی۔ جس خلفشار اورلوٹ مار سے پراگندہ خاطر ہوکر حضرت خواجہ کے والد بزرگوار نے اپنے وطن مالوف کو خیرباد کہا تھا وہی صورت حال خراسان میں پھر رونما ہوگئی۔ والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھنے کے بعد خراسان فتنہ وفساد کی آماجگاہ بن گیا۔ غزوترکوں سے سلطان سنجر ۵۴۳ھ میں پھر نبرد آزما ہوا اور بالآخر شکست سے دو چار ہوا۔ غزوترک لٹیرے پورے خراسان پر کشت وخون اورلوٹ مار کا بازار گرم کرنے میں مصروف ہو گئے۔ (ہمارے خواجہ، ص:۴، پروفیسر نظامی کی انگریزی کتاب حوالۂ سابق، ص:۲۹)

خواجہ بزرگ اور ابراہیم قندوزیؒ مجذوب

عام طور سے خیال کیا جاتا ہے کہ خواجہ بزرگ فتنہ وفساد کے حالات دیکھ کر دنیا سے دل برداشتہ ہوئے اور مجذوب ابراہیم کی ملاقات نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا مگر فقیر کی رائے حقیر میں غریب نواز مادر زاد ولی تھے اور اُن کے حالات سے پتا چلتا ہے کہ غریب نوازی کی شان بچپن ہی سے ظاہر ہونے لگی تھی جو آئندہ کے لئے ولایت کے اظہار کی نشان دہی کررہی تھی۔

با لائے سرش ز ہوش مندی
می تافت ستارۂ بلندی

چونکہ آپ مادر زادولی تھے، لہٰذا حضرت ابراہیم قندوزیؒ جب آپ کے باغ میں اچانک آئے تو دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ آپ نے مجذوب کا استقبال کیا اور انگور کے خوشوں سے ان کی تواضع کی۔ مجذوب اس تواضع سے بہت مسرور ہوئے اور کھلی کا ایک ٹکڑا اپنے دانتوں سے چبا کر خواجہ صاحب کے منہ میں دیا۔ آپ نے بہ طیب خاطر اسے نوش فرمالیا۔ (سیر العارفین، فارسی، مطبع رضوی، دہلی، ص:۵)

آپ تو پہلے ہی سے مادر زاد ولی تھے، مجذوب کی ملاقات نے عشق الٰہی کی بادۂ تاب کو دو آتشہ بنا دیا اور آپ نے دنیاوی امور سے یکسر بے تعلق ہونے کا ارادہ کرلیا۔ آپ نے اپنا باغ اور پن چکی بیچ دی، جو قیمت ہاتھ آئی اس کا کچھ حصہ سفر خرچ کے لئے رکھ لیا باقی حصہ فقراء و مساکین پر تقسیم کر دیا۔

(۱) سیر العارفین، فارسی، ص: ۵، مطبوعہ: مطبع رضوی، (۲) اردو ترجمہ سیر الاقطاب، مترجم: محمد معین الدین دردائی، ناشر: فرید بک ڈپو، دہلی، ص: ۱۳۷)

خواجۂ بزرگ اور طلب علم کے لئے سفر

خواجہ صاحب نے عمل پر علم کو ترجیح دیتے ہوئے طلب علم کے لئے سفر کا ارادہ کیا اور اپنے گھر سے پیدل نکل کھڑے ہوئے۔ اس دور میں سمر قند اور بخارا علوم وفنون کے مرکز تھے۔ آپ نے وہاں رہ کر ظاہری علوم کی تحصیل کی۔ زیادہ قرین قیاس یہ امر ہے کہ پہلے آپ نے سمر قند میں قیام کیا۔ بہر حال سب تذکرہ نگار متفق ہیں کہ سمر قند و بخارا میں آپ نے علوم ظاہری کی تکمیل کی۔ سب سے پہلے قرآن پاک حفظ کیا۔

(سیر العارفین، فارسی، ص: ۵، اردو ترجمہ سیر الاقطاب، ص: ۱۳۷)

سمر قند میں آپ نے صرف ونحو، فقہ، اصول فقہ، حدیث، اصول حدیث، تفسیر اور دوسرے علوم عقلی کی تحصیل کی۔ (ہمارے خواجہ، ص: ۱)

مولانا معنی اجمیری نے لکھا ہے "زمانہ طالب علمی میں آپ نے سمر قند و بخارا میں کئی استادوں سے استفادہ کیا ہے لیکن تذکرہ لکھنے والوں نے آپ کے استادوں کی فہرست میں صرف ایک مولانا حسام الدین کا نام لکھا ہے۔ (ہمارے خواجہ، ص: ٦) صاحب احسن السیر، صاحب تاریخ فرشتہ جلد دوم اور صاحب خزینۃ الاصفیاء جلد دوم نے مولانا حسام الدین بخاری کے علاوہ مولانا مشرف الدین صاحب شرع الاسلام کو بھی آپ کا استاد بتایا ہے۔

مدینہ طیبہ میں خواجہ صاحبؒ کا درس حدیث

مولانا معنی اجمیری نے لکھا ہے۔ ''مولانا سید ہاشم فتحپوری مجھ سے فرماتے تھے کہ انھوں نے کتب خانہ آصفیہ میں پانچویں یا چھٹی صدی ہجری کے ایک محدث کا لکھا ہو محدثین کا تذکرہ دیکھا ہے۔ اس کتاب میں ہمارے خواجہ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ نے تین سال تک مدینہ طیبہ میں رہ کر حدیث کا درس دیا ہے۔ قیاس کہتا ہے کہ علم کی تکمیل کے بعد آپ نے یہ حلقۂ درس آراستہ فرمایا ہوگا۔ (ہمارے خواجہ، ص:۷)

بہر حال یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ خواجہ صاحب اپنے زمانے کے زبردست عالم تھے۔

خواجہ صاحبؒ اور تلاشِ مرشد

سنت الٰہیہ جاری ہے کہ کوئی شخص خواہ مادر زاد ولی ہو یا نہ ہو اسے کسی مرشد طریقت کا دامن پکڑنا ضروری ہے۔ حضرت غوث پاک نے بھی مادر زاد ولی ہونے کے باوجود مرشد کا دامن پکڑا، بنابریں آپ بھی تلاش مرشد میں نکل پڑے۔ قصبہ ہرون علاقہ نیشا پور میں رہنے والے حضرت خواجہ عثمان ہرونی چشتیہ سلسلے کے بہت بڑے بزرگ تھے اور آپ کی عظمت ولایت کا شہرہ لوگوں کی زبانوں پر تھا۔ آپ ان کی خدمت عالی میں ۵۶۲ھ میں (غوث پاک کے وصال کے ایک سال بعد) حاضر ہوئے اور آپ سے مرید ہو گئے۔ اس وقت خواجہ عثمان ہرونیؒ بغداد میں مقیم تھے۔ جب حضرت خواجہ پہلی بار بغداد پہونچے تو حضرت شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ (متوفی ۱۱۶۶ء بقول پروفیسر گب اور متوفی ۵۶۱ھ بروایت اخبار الاخیار از شیخ عبد الحق محدث دہلوی) کو رحلت فرمائے ہوئے کچھ زیادہ مدت نہیں گزری تھی۔

بغداد کے سیاسی حالات

یہ وہ زمانہ تھا کہ بغداد المستنجد باللہ ابو المظفر یوسف بن المقتفی لامر اللہ عباسی کا

دار السلطنت تھا، جو ۵۵۵ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا تھا مگر یہ خلیفہ انتہائی کمزور تھا اور اس کا وزیر ابو الفرح عضد الدین تمام ملکی معاملات پر حاوی تھا۔ بالآخر ۵۶۳ھ میں خلیفہ نے حالات سے مجبور ہوکر ابن البلدی ابو جعفر شرف الدین احمد کو قلمدانِ وزارت دے دیا جس نے عضد الدین کے سب کس بل نکال دیئے۔

(ہمارے خواجہ، ص:۸) اردو ترجمہ سیر الاقطاب، ص: ۳۸، اردو ترجمہ سیر الاولیا، ص:۴۳، مطبوعہ: دہلی، ۲۰۰۷ء)

بیس سال تک مرشد کی خدمت میں

مرید ہونے کے بعد خواجہ بزرگ بیس سال تک خدمت مرشد میں مصروف رہے، یہاں تک کہ سفر میں پیر و مرشد کا بستر سر پر اٹھا کر مستقلاً ان کے ساتھ رہے۔ (اردو ترجمہ سیر الاقطاب، ص: ۱۳۸، اردو ترجمہ سیر الاولیاء، ص:۴۳، مطبوعہ: دہلی، ۲۰۰۷ء) کتاب سیر الاولیاء حضرت نظام الدین اولیا کے قریب العہد کی تصنیف ہے۔

مقصد حیات مکمل ہونے کی خوشخبری

اگر چہ بیس سال کی خدمت کے بعد غریب نواز کی باطنی تعلیم مکمل ہوگئی اور خلافت ملی، لیکن یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ بیعت ہونے کے فوراً بعد ہی پیر و مرشد کی زبان مبارک سے یہ مژدۂ جاں فزا سنا کہ ''معین الدین تمہارا کام پورا ہوگیا۔''

(سیر الاقطاب، اردو ترجمہ، ص:۱۳۸)

بالآخر آپ کو خواجہ عثمان ہرونی نے خرقۂ خلافت سے سرفراز کیا۔

(سیر العارفین، فارسی، ص:۵)

اس کے علاوہ جو تبرکات سلسلے کے بزرگوں سے پیر و مرشد کو ملے تھے سب کے سب غریب نوازؒ کو عطا کردیئے۔

(ہمارے خواجہ ص:۹، سیر الاقطاب، اردو ترجمہ، ص:۱۳۸)

صاحب سیر العارفین اور صاحب سیر الاقطاب دونوں متفق ہیں کہ خواجہ عثمان ہرونیؒ نے بارہا فرمایا کہ ہمارا معین الدین اللہ کا محبوب ہے اور ہمیں اس کی مریدی پر فخر ہے۔ (سیر العارفین، فارسی، ص:۷، و سیر الاقطاب، اردو ترجمہ، ص: ۱۳۸۔) صاحب سیر الاقطاب نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ نے فرمایا کہ مجھے اس کی مریدی کے علاوہ اس کے مریدوں سے بھی فخر حاصل ہے۔

حرمین کی زیارت

صاحب سیر الاقطاب نے تفصیل سے لکھا ہے۔ ''ایک مرتبہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اپنے پیر و مرشد خواجہ عثمان ہرونیؒ کے ساتھ مکہ معظمہ گئے تو ناودان (پرنالہ) کے نیچے کھڑے ہو کر حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ نے اپنے مرید کے لئے دعا فرمائی۔ غیب سے آواز آئی معین الدین میرا دوست ہے۔ میں نے اسے اپنے مقبول اور برگزیدہ بندوں میں شامل کیا۔ پھر سرور کائناتؐ کے روضۂ منورہ پر حاضر ہوئے اور اپنے مرید کو سلام کرنے کے لئے کہا۔ حضرت خواجہ معین الدین نے سلام کیا اور روضۂ منورہ سے جواب آیا۔

"وعليك السلام يا قطب المشائخ"

سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے بحوالۂ سیر الاقطاب و مونس الارواح لکھا ہے کہ مدینہ منورہ ہی میں بارگاہِ رسالت میں حضرت خواجہ کو ہندوستان جانے کی بشارت ملی۔ (بزمِ صوفیہ، ص: ۵۲، دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ) نبیٔ کریمؐ نے آپؒ کو ہندوستان عطا کیا۔ اسی لئے آپ کو نائب النبی فی الہند اور عطائے رسولؐ کہا جاتا ہے۔ [illegible] سے فارغ ہو کر دونوں بغداد آئے۔ پیر و مرشد خواجہ عثمان ہرونیؒ خود تو معتکف ہو [illegible] اور حضرت خواجہ کو اپنے خواجگان کی نعمت حوالے کر کے سفر کے لئے رخصت کیا۔

(سیر الاقطاب، اردو ترجمہ، ص: ۱۳۸، مونس الارواح، فارسی، ص: ۳۰، مرتبہ: سیدہ پروین کاظمی)

بارگاہ نبوت میں طلبی

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ آپ کو ہندوستان جانے کا حکم پیر و مرشد کی موجودگی میں ملا، اس کے علاوہ بعد میں آپ حرمین شریفین تنہا گئے تب حکم راوانگیٔ ہندوستان ملا۔ صاحب سیر الاقطاب نے خواجہ معین الدین چشتی کا دوسری مرتبہ حرمین تنہا جانے کا واقعہ لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ ''آپ سفر کرتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچے، کچھ روز وہاں ٹھہرے پھر مدینہ منورہ جاکر روضۂ اقدس کی زیارت سے شرف یاب ہوئے اور وہیں آستانۂ نبوی پر مقیم ہو گئے۔ ایک روز روضۂ اقدس سے آواز آئی کہ معین الدین کو بلاؤ۔ خدام نے معین الدین نام لے کر پکارنا شروع کیا۔ کئی جگہ سے لبیک کی آواز آئی۔ خدام نے عرض کیا کہ کس معین الدین کی طلبی ہے؟ یہاں تو معین الدین نام کے بہت لوگ حاضر ہیں۔ پھر آواز آئی کہ: ''معین الدین چشتی کو بلاؤ۔'' خدام حضرات معین الدین چشتی کے پاس پہنچے تو ان کی عجب حالت تھی۔ حضرت خواجہ گریاں و نالاں درود و سلام پڑھتے ہوئے روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے۔ آواز آئی کہ اے قطب المشائخ اندر چلے آؤ۔ حضرت بے خود و مدہوش اندر گئے۔ وہاں حضرت رسالت مآب کے جمال جہاں آرا سے مشرف ہوئے۔ (سیر الاقطاب، اردو ترجمہ، ص:۱۴۲)

ہندوستان جانے کا حکم

حضرت سرور کائنات نے آپ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ معین الدین تم میرے دین کے مددگار ہو، تم فوراً ہندوستان جاؤ، وہاں اجمیر نام کا ایک شہر ہے تمہارے دم قدم سے وہاں اسلام کا بول بالا ہوگا۔ پھر حضرتؐ نے ایک انار حضرت خواجہ کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا کہ اس میں دیکھو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ تمہیں کس جگہ جانا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ غریب نواز نبی کریمؐ کے حکم کی تعمیل میں ہندوستان آئے اور کسی دیگر بزرگ کو اس سلسلے میں کسی قسم کا ظاہری اور باطنی اشارہ نہ تھا۔ حسب الحکم

خواجہ صاحب نے انار میں دیکھا تو مشرق سے مغرب تک جو کچھ تھا سب ان کی نظروں کے سامنے آگیا۔ شہر اجمیر اور اس کی پہاڑیاں صاف دکھائی دینے لگیں۔ اجمیر کے راجہ کو ادھر منجموں کے ذریعہ حضرت کی تشریف آوری کی خبر مل گئی تھی۔ اس نے جگہ جگہ اپنے عمال کو حکم دیا تھا کہ اس قیافہ کا کوئی درویش اس طرف سے گذرے تو اس کو فوراً ہلاک کر دیا جائے۔ (سیر الاقطاب، اردو ترجمہ، ص: ۱۴۳)

بہر حال، عالم بیداری میں حضرت خواجہ بزرگ کو سرور کائناتؐ نے اجمیر جانے کا حکم دیا اور غریب نواز نے ہندوستان کے لئے کمر ہمت باندھ لی۔

بغداد میں آمد

مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر بغداد پہنچے اور وہاں آپ کی آمد کا حال لوگوں کو معلوم ہوا تو سارے بغداد میں دھوم مچ گئی اور آپ کے پاس ہر وقت مخلوق جمع رہنے لگی۔ اس قیام بغداد کے زمانے میں شیخ نجم الدین کبریٰ (سن ولادت ۵۴۰ھ سن وفات ۶۱۸ھ) سے بھی ملاقات ہوئی جو ایک شہرۂ آفاق بزرگ تھے۔ (سیر العارفین، فارسی، صفحہ: ۵) خواجہ بزرگؒ نے بقول صاحب مرآۃ الاسرار اپنے سلسلۂ عالیہ چشتیہ کی خلافت سے انھیں نوازا۔ فتنہ تاتار کو فرو کرنے اور تاتاریوں کو مشرف باسلام کرنے میں حضرت نجم الدین کبریٰ اور ان کے خلفاء نے جو اہم رول ادا کیا ہے اس میں غریب نواز کی باطنی امداد بھی شامل ہے۔ (مرآۃ الاسرار، اردو ترجمہ، ص: ۵۹۴)

اسی زمانے میں شیخ اوحد الدین کرمانی بغداد میں موجود تھے۔ وہ خود خدمت خواجہ میں حاضر ہوئے اور روحانی فیض حاصل کیا۔ صاحب سیر العارفین نے شیخ حسام الدین چلپی خلیفہ حضرت مولانا جلال الدین رومی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اوحد الدین کرمانی نے حضرت خواجہ غریب نوازؒ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا، اور حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی صاحب عوارف المعارف نے بھی خواجۂ بزرگ کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ (سیر العارفین، فارسی، ص: ۶) واضح رہے کہ صاحب سیر العارفین مولانا جمالی

سہروردی ہیں اس لئے حضرت شہاب الدین سہروردی کا غریب نوازؒ کے فیضِ صحبت سے مستفید ہونا ایک وقیع شہادت ہے۔

اسی قیام بغداد کے زمانے میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ بھی ۲۳ یا ۲۴ سال کی عمر میں حضرت خواجہ سے مرید ہوئے۔

ہرون سے واپس بغداد آ کر کچھ مدت تک قیام کیا اور بغداد میں آپ نے بہت سے بزرگوں کو روحانی فیض پہنچایا۔ اس دوران شیخ ابو نجیب سہروردی سے بھی ملاقات کی۔ شیخ کا سن وفات ۵۶۳ھ ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی آپ کے برادر زادہ تھے۔ (اردو ترجمہ، مرآۃ الاسرار، ص: ۵۳۸)

ہمدان کا سفر

بغداد میں بہت سے تشنگان شراب معرفت کو سیراب کرتے ہوئے حضرت خواجہ ہمدان پہنچے۔ (سیر العارفین فارسی ص:۶)

اسی دور کا واقعہ ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہرونی کو حضرت خواجہ غریب نواز کے دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ آپ اپنے قابل فخر مرید حضرت خواجہ فخر الدین (خدام خواجہ غریب نواز کے مورث اعلیٰ) کو ساتھ لے کر حضرت خواجہ معین الدین کی جستجو میں نکل کھڑے ہوئے۔

(ہمارے خواجہ، ص:۱۰، سیر العارفین، فارسی، ص:۸، اردو ترجمہ، سیر الاقطاب، ص:۱۳۱)

پارسیوں کا آتش کدہ اور خواجہ عثمان ہرونیؒ کی کرامت

"آپ خواجہ غریب نوازؒ کی تلاش میں ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں ایک بڑا آتش کدہ تھا اور لوگ آگ کی پرستش کرتے ہوئے دیکھے گئے۔ خواجہ عثمان ہرونی نے انھیں آگ کی پرستش سے روکا، جب وہ لوگ نہ مانے تو آپ ان آتش پرستوں کے ایک سات سالہ لڑکے کو لے کر آگ میں کود پڑے۔ صاحب سیر العارفین نے اس

واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ لڑکے کو جب آگ میں لے کر داخل ہوئے تو حضرت خواجہ عثمان ہرونی نے آیت کریمہ پڑھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قلنا یا نار کونی برداً و سلاماً علٰی ابراھیم۔ تقریباً چار گھنٹے تک آگ میں رہے۔ آتش کدہ گلستان بن گیا۔" بقول اقبال......

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا　　آگ کرسکتی ہے انداز گلستاں پیدا

"آپ کو اور اس لڑکے کو آگ سے کوئی نقصان نہیں پہنچا یہ دیکھ کر سب آتش پرست مسلمان ہو گئے۔"

صاحب سیر العارفین، فارسی، ص: ۸ تا ۹، اور صاحب سیر الاقطاب (اردو ترجمہ ص: ۱۳۱) نے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے اور دونوں تذکرہ نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ آتش پرستوں کے پیر مغاں کا نام آپ نے عبد اللہ رکھا اور اس لڑکے کا نام ابراہیم رکھا۔ صاحب گلزار ابرار (اذکار ابرار اردو ترجمہ، گلزار ابرار، ص: ۳۸ تا ۳۹) نے ان دونوں کا ذکر عبداللہ رازی اور ابراہیم پور عبداللہ رازی کے نام سے کیا ہے۔ صاحب سیر العارفین نے یہ بھی لکھا ہے کہ آتش کدہ مسمار کر دیا گیا اور وہاں ایک خوبصورت عمارت بنوائی گئی وہاں ایک متبرک اور عظیم الشان گورستان ہے، جہاں بزرگ حضرات کی قبریں ہیں اور ان سے فیض جاری ہے۔ صاحب سیر العارفین مولانا جمالی وہاں دو ہفتہ تک قیام پذیر رہے اور وہاں سے بہت فیض حاصل کیا۔ وہاں حضرت خواجہ عثمان ہرونی کا حجرہ اور خانقاہ بھی ہے۔ صاحب سیر العارفین کو وہاں کے لوگوں سے یہ بات معلوم ہوئی۔

حضرت خواجہ عثمان ہرونی کا تقریباً یہی واقعہ آتش کدہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کی زبانی بھی بیان ہوا ہے۔

(اردو ترجمہ خیر المجالس، ص: ۵۲ تا ۵۳، پرویز بک ڈپو، دہلی)

مختصر یہ کہ اس واقعہ کی صداقت ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک ہے کیونکہ سبھی تذکرہ نگاروں نے اس واقعہ کو اپنے اپنے انداز سے لکھا ہے۔

تبریز کا سفر

ہمدان سے آپ تبریز آئے جہاں شیخ المشائخ حضرت ابو سعید تبریزی سے ملاقات ہوئی جو حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کے پیر تھے جن کی تعریف حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے کی ہے۔ (سیر العارفین، فارسی، ص:۶ تا ۷)

خواجہ صاحب تبریز سے اصفہان کے لئے روانہ ہوئے اور وہاں حضرت شیخ محمود اصفہانی سے ملاقات کی جو اس وقت کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ حضرت خواجہ قطب الدین احمد بن موسیٰ اوشی سے بھی ملے۔ (سیر العارفین، فارسی، ص:۷)

خرقان میں قیام کے بعد استر آباد کا سفر

مہنہ و خرقان میں دو سال تک خواجہ صاحب مقیم رہے۔ آپ حضرت ابوالحسن خرقانی کے مزار پر حاضر ہوئے۔ خرقان سے روانہ ہو کر استر آباد آئے اور وہاں حضرت شیخ ناصر الدین استر آبادی کے ہم صحبت رہے۔ شیخ ناصر الدین دو واسطوں سے حضرت بایزید بسطامی کے مرید تھے۔ استر آباد سے روانہ ہو کر ہرات پہنچے، یہاں کسی مقام پر مستقل طور سے قیام نہیں کیا بلکہ دن بھر ادھر ادھر گشت کرتے رہے اور رات کے وقت حضرت شیخ الاسلام عبد اللہ انصاری ہروی کے مقبرہ میں قیام فرماتے رہے۔

(سیر العارفین، فارسی، ص:۹)

خواجہ بزرگ اپنے پیر و مرشد کی ہدایت کے مطابق آبادی سے دور کسی قبرستان میں قیام کرتے تھے اور جب خلق خدا میں آپ کا شہرہ ہوتا تو خاموشی سے اس جگہ کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتے تھے۔ (ہمارے خواجہ، ص:۱۱)

حضرت خواجہ سید فخر الدین گردیزی کے ساتھ سفر

خواجہ سید فخر الدین گردیزی جو آپ کے پیر و مرشد خواجہ عثمان ہرونی کی خدمت

کرتے ہوئے حضرت خواجہ کو تلاش کرنے میں اپنے پیر کے ساتھ تھے، پیر و مرشد کے حکم کے مطابق ان ہی مقامات میں سے کسی مقام پر آکر آپ سے ملے اور پھر آپ کے ساتھ ہو گئے۔ اگرچہ کسی مخصوص مقام کا تعین نہیں کیا جا سکتا، تاہم اتنا یقین ہے کہ خواجہ سید فخر الدین گردیزی مستقلاً خواجۂ بزرگ کے ساتھ ہم سفر ہو گئے۔

(ہمارے خواجہ، ص: ۱۲)

ہرات سے روانہ ہو کر سبزوار پہنچے اس وقت حضرت خواجہ فخر الدین آپ کے ساتھ تھے۔

(ہمارے خواجہ، ص: ۱۲)

سبزوار پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہاں کا حاکم فسق و فجور میں مبتلا ہے اور صحابۂ کرام کے بارے میں بھی غلط عقائد رکھتا ہے۔ آپ نے اسی کے باغ میں قیام کیا اور تلاوتِ قرآنِ شریف میں مشغول ہو گئے۔ حاکمِ سبزوار جیسے ہی باغ میں داخل ہوا، اجنبی لوگوں کو دیکھ کر برہم ہو گیا اور اپنے ملازمین کو ڈانٹنے لگا اور خواجۂ بزرگ سے متکبرانہ لہجہ میں مخاطب ہوا۔ آپ نے اپنی عتاب آمیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ فوراً بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ حاکم کا یہ حال دیکھ کر اس کے ملازمین آپ کے قدموں پر گر کر معافی مانگنے لگے۔ آپ نے از راہِ ترحم پانی پر کچھ دم کر کے اس کے منہ پر چھینٹے مارے۔ وہ ہوش میں آ گیا اور اس نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور خواجۂ بزرگ کا مرید ہو گیا۔

بقول صاحب سیر العارفین (فارسی، ص: ۱۱) حضرت خواجہ سبزوار ہوتے ہوئے بلخ آئے اور احمد خضرویہ کی خانقاہ میں قیام کیا۔ یہ خانقاہ بلخ میں سب سے زیادہ مشہور تھی۔ حضرت خضرویہ حضرت حاتم عاصم کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ نے سلطان ابراہیم ادہم اور حضرت بایزید بسطامی کو بھی دیکھا تھا۔ مولانا ضیاء الدین بلخی بلخ کے ایک گاؤں میں رہتے تھے اور معقولات کے درس میں شہرہ آفاق تھے۔ وہاں ایک باغ تھا اور باغ سے متصل ایک مدرسہ تھا جو فلسفیٔ بلخ کی درس گاہ بنا ہوا تھا۔ حضرت خواجہ کے پاس تیر و کمان رہتا تھا۔ آپ نے اس سے ایک پرند (کلنگ) کا شکار کیا اور خواجہ سید فخر الدین

نے پرندے کے گوشت سے کباب تیار کیے۔ (ہمارے خواجہ، ص:۱۲)

صاحب سیر العارفین نے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔ فلسفی مذکور صوفیاء سے سخت نفرت رکھتا تھا۔ یہ نفرت دشمنی کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ آپ کی آمد کا حال سن کر بحث کرنے کو آپ کے پاس آبیٹھا۔ آپ نے ازراہ تواضع، جو آپ کی عادت ثانیہ تھی، ایک کباب اٹھا کر اسے دیا، جس کے نوش کرتے ہی وہ اپنا سارا پڑھا لکھا بھول گیا اور بے خود ہو گیا۔ آپ نے ایک دوسرا کباب اس کے منہ میں ڈالا تو وہ ہوش میں آگیا۔ یہ کرامت دیکھ کر فلسفی قدموں میں گر گیا اور توبہ کرنے لگا، پھر مرید ہونے کی درخواست کی۔ آپ نے مرید بنالیا۔ آپ کے باطنی فیوض سے وہ درویش کامل بن گیا۔

(سیر العارفین، فارسی، ص:۱۱ تا ۱۲)

بلخ سے غزنی کی طرف سفر مبارک

بلخ سے روانہ ہو کر حضرت خواجہ غزنی پہنچے اور یہاں حضرت شمس العارفین عبد الواحد سے ملاقات کی۔ یہ بزرگ حضرت نظام الدین ابو المؤید (اخبار الاخیار، فارسی، ص:۴۵) کے پیرومُرشد تھے۔ حضرت خواجہ ان کے مہمان رہے۔ دونوں بزرگوں نے ایک دوسرے کی صحبت سے خوب لطف اٹھایا۔ (سیر العارفین، فارسی، ص:۱۲)

غزنی سے لاہور کا سفر

غزنی سے روانہ ہو کر حضرت خواجہ لاہور تشریف لائے۔ لاہور سے حضرت خواجہ براہ سامانہ (پٹیالہ) دہلی اور پھر اجمیر تشریف لائے۔ (حوالہ سابق، ص:۱۲)

غریب نوازؒ جب لاہور پہنچے تو داتا گنج بخش شیخ علی ہجویری علیہ الرحمۃ کے مزار مبارک سے فیض یاب ہوئے۔ لاہور میں حضرت شیخ حسین زنجانی اور آپ کے درمیان بے حد محبت ہو گئی۔ (سیر العارفین، فارسی، ص:۱۲)

پروفیسر نظامی نے بعض مشائخ کی طرف کشف المحجوب سے متعلق حضرت محبوب

الٰہی کا یہ قول منسوب کیا ہے۔ کتاب دُرِ نظامی فارسی میں حضرت محبوب الٰہی کا یہ قول ہے۔ ''کشف المحجوب از تصنیفِ علی ہجویری است قدس اللہ سرہٗ العزیز اگر کسے را پیرے نباشد چوں ایں را مطالعہ کند اورا پیدا شود۔ من ایں کتاب را بہ تمام مطالعہ کردہ ام۔''

(درِ نظامی، از شیخ علی محمود جہاندار)

یعنی کشف المحجوب حضرت علی ہجویری کی تصنیف ہے۔ اگر کسی کو پیر و مرشد میسر نہ ہو اور وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے تو اس کے لئے پیر پیدا ہو جائے گا۔ میں نے اس کتاب کا پورا مطالعہ کیا ہے۔

صاحب سیر الاقطاب کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ چالیس درویشوں کے ساتھ وارد اجمیر ہوئے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے چالیس ساتھیوں کی جماعت کے ساتھ آپ کا سرزمین ہند میں قدم رکھنا بتایا ہے۔ (ہمارے خواجہ، ص: ۱۳۰)

(سیر الاقطاب، اردو ترجمہ، ص: ۱۴۳)

کتاب ''احوال علمائے فرنگی محلی'' میں علامہ عبدالحئ فرنگی محلی علیہ الرحمۃ کا ایک قول نقل ہے جس میں اودھ کے مشہور قاضی حضرت قاضی قدوہ کو حضرت خواجہ عثمان ہرونی کا مرید اور غریب نواز کے ساتھ آپ کا اجمیر آنا بتایا ہے۔ (ہمارے خواجہ، ص: ۱۴۰)

تاریخی حقیقت یہ ہے کہ غریب نواز شہاب الدین غوری کے آخری حملے ترائین کی دوسری جنگ ۱۱۹۲ء سے پہلے اجمیر تشریف لائے۔

(پروفیسر نظامی کی انگریزی کتاب "Some Aspects of religion and politics in India during the thirteenth century," (P : 78 & 181) ۔

غوری سے پہلے عہد غزنوی کے علماء و مشائخ

عہد غزنوی میں ہندوستان کے جس شہر نے سب سے زیادہ شہرت پائی وہ لاہور تھا لیکن اس سرزمین میں اسلام کے قدیمی گہوارے سندھ اور ملتان ہیں اور ان میں صرف عرب ہی سے نہیں بلاد عجم سے بھی علماء و مشائخ آنے شروع ہو گئے تھے۔ سندھ

میں شیخ ابو تراب کا مزار ہے جو فی الواقع ایک ملکی حاکم تھے۔ ہندوستان میں قدیم اسلامی زیارت گاہوں میں سے ایک زیارت گاہ اچہ (ریاست بھاول پور) میں شیخ صفی الدین حقانی گازرونی کا مزار ہے۔ آپ مشہور صوفی بزرگ خواجہ ابو اسحاق گازرونی کے مرید اور خواہر زادے تھے، جو اپنی تبلیغی اور روحانی کوششوں کے لئے شہرۂ آفاق ہیں۔ شیخ صفی الدین ۹۶۲ء میں پیدا ہوئے ستره برس کی عمر میں اچہ تشریف لائے اور ۱۰۰۷ء میں وفات پا گئے۔ اخبار الاخیار میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ قصبہ اچہ کی بنیاد شیخ صفی الدین گازرونی نے رکھی ہے۔

(اخبار الاخیار، فارسی، ص: ۲۰۵)

شاہ محمد یوسف گردیزی ملتانی کا مزار بھی سندھ و ملتان کی قدیم زیارت گاہوں میں سے ہے۔ صحیح روایات کے مطابق آپ کی تاریخ ولادت ۴۶۲ھ مطابق ۱۰۶۹ء اور تاریخ وفات ۵۴۷ھ مطابق ۱۱۵۲ء ہے۔ مسلم سلاطین نے بہت سی جاگیریں معافی میں دے رکھی تھیں۔

لاہور کے علماء و مشائخ

سندھ اور ملتان کے بعد لاہور کو یہ عظمت نصیب ہوئی کہ اکابر اولیاء اللہ کا مستقر بن گیا، جن کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ کا دور دورہ شروع ہوا۔ شیخ اسماعیل لاہوری کا نام سب سے پہلے اس سرزمین کے مبلغ اسلام کی حیثیت سے آتا ہے۔ آپ بخاری سید تھے اور علوم ظاہری و باطنی میں یگانۂ روزگار تھے۔ وہ ۱۰۰۵ء میں وارد ہوئے۔ ان کی مجالس وعظ میں سامعین کا ہجوم ہوتا تھا اور ہر روز ان کا وعظ سن کر سینکڑوں لوگ داخل اسلام ہوتے تھے۔ (اردو ترجمہ تذکرۂ علمائے ہند، ص: ۱۱۱) کا حوالہ دیتے ہوئے شیخ اکرام نے لکھا ہے کہ ہزار ہا لوگ ان کی مجلس وعظ میں مشرف بہ اسلام ہوتے تھے۔ شیخ اسماعیل سے پہلے بقول شیخ اکرام بعد کی روایات کے مطابق جن کا تحریری آغاز ابن بطوطہ، برنی اور عفیف سے ہوتا ہے۔ ہندوستان کی ایک مشہور زیارت گاہ ان کی زندگی

میں ہی صوبجات متحدہ کے شہر بہرائچ میں قائم ہو چکی تھی۔ یہ حضرت مسعود غازی (جنھیں میاں غازی یا سالار بالا پیر بھی کہتے ہیں) کا مشہد اور مزار تھا۔ آپ سلطان محمود غزنوی کے خواہر زادے تھے۔ آپ بہرائچ کے سرکش سرداروں سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ آپ کا مزار مبارک مرجع خلایق ہے اور آپ کے مزار سے کئی کراماتیں منسوب کی جاتی ہیں۔ (حاشیہ آب کوثر، ص: ۴۷، شیخ محمد اکرام)

حضرت مسعود غازی کے علاوہ شیخ اکرام نے بابا رتن ہندی کا نام بھی دیا ہے جنھیں شیخ ابوالرضا رتن ہندی کہا جاتا ہے، جن کا ذکر امام ذہبی اور علامہ ابن حجر عسقلانی جیسے اکابر محدثین نے کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بھٹنڈہ میں پیدا ہوئے اور عہد رسالت میں موجود تھے۔ درجہ صحابیت پر فائز ہوئے اور حضور اکرمؐ نے انھیں درازیٔ عمر کی دعا دی تھی، چنانچہ وہ کئی سو سال کی عمر پاکر ۶۰۰ھ کے بعد وفات پاگئے اور بھٹنڈہ میں مدفون ہیں۔ (نزہتہ الخواطر، از مولوی عبدالحیٔ لکھنوی، جلد اوّل، ص: ۱۴۷ تا ۱۵۴) میں ان کا تذکرہ تفصیل سے کیا گیا ہے۔

مندرجہ بالا واقعات تاریخی لحاظ سے صحیح ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ سرزمینِ ہند میں مکمل تبلیغ اسلام کا سہرا حضرت خواجہ بزرگ کے سر ہے اور دراصل صحیح معنی میں وہی مبلغِ اسلام ہیں۔ بقول مولوی زکریا صاحب مؤلف ''فضائلِ اعمال'' اور ''نصاب تبلیغی جماعت'' اور شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور ''غریب نواز کے فیضان نظر سے نوے لاکھ افراد مشرف بہ اسلام ہوئے۔''

(تاریخ مشائخ چشت، مولوی محمد زکریا، ص: ۱۷۶، مکتبہ شیخ زکریا، سہارنپور)

امام حسن صغانی

بقول پروفیسر نظامی حضرت مولانا رضی الدین حسن صغانی صاحب مشارق الانوار جن کا نام ہندوستان کے علمائے حدیث میں سرفہرست آتا ہے، محمد غوری کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہونے سے تقریباً دس سال قبل بدایون میں پیدا ہوئے تھے۔

(فوائد الفواد فارسی، ص: ۱۰۳، مطبوعہ نولکشور ۱۳۰۲ھ) جب بدایوں کا یہ عظیم المرتبت فرزند بغداد پہنچا تو بڑے بڑے عالموں کی گردنیں جھک گئیں۔

(تاریخ مشائخ چشت، از نظامی، ص:۱۴۳)

سید صباح الدین عبد الرحمن نے اپنی کتاب "بزم مملوکیہ" میں لکھا ہے کہ "عالم اسلام کے ممتاز علماء نے ڈھائی ہزار سے زیادہ اس کتاب (مشارق الانوار) کے شروح وحواشی لکھے ہیں۔

سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اپنے لائق احترام پیش رو بزرگوں کا اعتراف کرتے تھے اور ان بزرگوں کی کتابوں کی نہ صرف تعظیم کرتے تھے بلکہ اپنے خلفاء کو ان کا باقاعدہ درس دیتے تھے۔ صاحب سیر الاولیاء کا بیان ہے کہ بابا فریدؒ نے کلام پاک، حدیث اور فقہ کے علاوہ حضرت محبوب الٰہیؒ کو جس کتاب کا درس دیا۔ وہ "عوارف المعارف" مصنفہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی تھی۔ بعد کو چشتیہ سلسلہ کے بزرگ اپنے خلفاء کو احیاء العلوم (امام غزالی)، مکتوبات عین القضاۃ، فصوص الحکم (شیخ اکبر محی الدین ابن عربی)، فتوحات مکیہ شیخ اکبر، کشف المحجوب (شیخ ہجویری)، رسالۂ قشیریہ (امام قشیری)، کیمیائے سعادت (امام غزالی)، مثنوی مولانا روم وغیرہ کا بھی درس دینے لگے۔ (تاریخ فیروز شاہی، مصنفہ ضیاء الدین برنی، ص: ۳۴۵-۳۴۶)

تصوف کی ان کتابوں کا درس دینا اس مقصد کے پیش نظر تھا کہ خلفاء میں صحیح مذہبی وجدان پیدا ہو۔ سرور الصدور میں لکھا ہے کہ حضرت سلطان التارکین شیخ صوفی حمید الدین ناگوری (خلیفۂ غریب نواز) ایک دن کیمیائے سعادت کا مطالعہ کر رہے تھے۔ جب فارغ ہوئے تو بے اختیار پکار اٹھے شاد باش اے شیخ محمد غزالی! پھر فرمایا۔ "بابا پیوستہ این را در نظر باید داشت" یعنی بابا اس کو ہمیشہ زیر مطالعہ رکھنا چاہئے کیونکہ اس کے مطالعہ سے خلق کو بہت فائدہ پہنچتا ہے۔

(سرور الصدور قلمی، مملوکہ پروفیسر خلیق احمد نظامی، ص: ۳۰ تا ۳۱)

یہاں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ کیا مشائخ چشت کی سینہ بہ سینہ تعلیمات خلفاء

کے لئے ناکافی تھیں جو مذکورہ بالا کتابوں کا درس دیا جاتا تھا۔ جواب یہی ہے کہ حضرت غریب نوازؒ نے سلسلہ کے مشائخ کو اپنے مزاج میں ڈھالا تھا تاکہ وہ دوسرے بزرگوں کی تصنیفات کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں اور ان سے استفادہ کرکے روحانی مدارج کی بلندیوں پر فائز ہوں۔

خواجہ بزرگ کے مختلف شہروں میں مقاصد سفر

پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم نے ہندوستان آنے سے قبل خواجۂ بزرگ کے سفروں کے وجوہات اس طرح بیان کئے ہیں (۱) بخارا و سمرقند کا سفر تو تحصیل علم کے لئے کیا۔ پھر نیشاپور کے قصبہ ہرون میں آکر اپنے پیر طریقت سے بیس سال استفادہ کیا اور ان کا بستر مبارک سر پر رکھ کر چلتے رہے۔ پھر تنہا سفر کئے اور ان اکابر، مشائخ وعلماء سے ملاقاتیں کیں جو اس دور کے مذہبی فکر و عمل پر گہرا اثر رکھتے تھے۔

(بحوالہ سیر الاولیاء، ص:۴۵)

پھر اس دور کے مسلم ثقافت کے اکثر مراکز (مثلاً بغداد، نیشاپور، تبریز، اوش، اصفہان، سبزوار، مہنہ، خرقان، استرآباد، بلخ، اور غزنین) کا سفر کیا تاکہ مسلمانوں کی مذہبی زندگی کے اہم رجحانات کا گہرائی سے مطالعہ کریں۔ آپ کے اخلاقی اور روحانی اوصاف و اقدار نے بہت سے مشائخ کو آپ کی طرف متوجہ کیا اور آپ نے سبزوار اور بلخ میں اپنے خلفاء مقرر کئے۔ شیخ اوحد الدین کرمانی اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی طرح اور بہت سے مشائخ آپ کی صحبت روحانی سے مستفید ہوئے۔ ان تمام علاقوں کا دورہ کیا جو ابھی قراختائی اور غز قبیلوں کے حملوں کے زخم خوردہ تھے اور ابھی شفایاب نہیں ہوئے تھے اور جو ابھی منگولوں کی لائی ہوئی تباہی و بربادی سے دو چار ہونے والے تھے۔ ملاحظہ ہو پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم کی انگریزی کتاب

"Some Aspects of religion and politics in India during the thirteenth century." (P200)

بغداد میں آتش پرستوں کو دعوت اسلام

صاحب سیر الاقطاب کا بیان ہے کہ بغداد میں سات آتش پرست تھے، جو اپنی ریاضت کی وجہ سے خاص طور پر مشہور تھے۔ چھ چھ ماہ میں ایک لقمہ کھاتے تھے۔ اس بناء پر بہت زیادہ لوگ ان کے معتقد تھے۔ ایک دن یہ ساتوں حضرات خواجہ صاحب کی ملاقات کے لئے آئے۔ حضرت خواجہ کی جیسے ہی ان پر نظر پڑی وہ سب ہیبت سے کانپنے لگے اور چہرے کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ وہ بے اختیار قدموں پر گر پڑے۔ حضرت خواجہ نے ان سے فرمایا کہ اے بے دینو! اللہ سے تمہیں شرم نہیں آتی کہ اس کو چھوڑ کر دوسری شے کو پوجتے ہو۔ ان لوگوں نے کہا اے خواجہ! ہم لوگ ڈر کر آگ کو پوجتے ہیں کہ شاید کل یہ ہم کو نہ جلائے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ احمقو! جب تک خدا کی پرستش نہ کرو گے، آگ سے چھٹکارا نہیں پا سکتے۔ ان لوگوں نے کہا کہ حضرت آپ تو اللہ کو پوجتے ہو اگر یہ آگ آپ کو نہ جلائے تو پھر ہم لوگ آپ کے آسمان والے خدا پر ایمان لے آئیں۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اللہ کا حکم ہوگا تو یہ آگ معین الدین کے جوتے بھی نہیں جلا سکتی۔ آگ وہاں پر موجود تھی۔ آپ نے اسی وقت اپنے جوتے اس میں ڈال دئے اور فرمایا کہ اے آگ معین الدین کے جوتے کی حفاظت کرنا۔ اسی وقت آگ ٹھنڈی ہوگئی اور غیب سے آواز آئی جس کو حاضرین نے بھی سنا کہ آگ کی کیا مجال جو میرے دوست کے جوتے کو جلا دے۔ ان آتش پرستوں کی جماعت حضرت کی بزرگی اور عظمت سے متاثر ہو کر اسی وقت مشرف بہ اسلام ہوئی اور ان لوگوں نے حضرت کی ملازمت اختیار کر لی اور پھر کچھ ہی مدت میں اولیائے کاملین میں سے ہو گئے۔ (سیر الاقطاب اردو ترجمہ، ص: ۱۳۹ تا ۱۴۰)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت خواجہ مدینہ طیبہ سے ہندوستان کے سفر کے لئے خاتم الانبیاءؐ کے سفیر بن کر چلے تو ان کے نقوشِ قدم سے تبلیغ اسلام کی راہیں روشن ہوگئیں اور ظلمتِ کفر دور ہونے لگی۔

ہندوستان میں خواجہ بزرگؒ سے قبل مسلمانوں کی آبادیاں

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے لکھا ہے۔ "عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی محمد غوری کے حملوں کے بعد شروع ہوئی۔ یہ خیال غلط ہی نہیں گمراہ کن بھی ہے۔ محمد غوری کے حملے سے قبل (یعنی ہندو راجاؤں کے عہد حکومت میں) ہندوستان میں متعدد جگہ مسلمانوں کی نو آبادیات تھیں جہاں ان کے مدرسے، خانقاہیں اور دینی ادارے قائم تھے۔ جو لوگ دینی اداروں کی تشکیل و تعمیر کی حوصلہ شکن مشکلات کا تھوڑا سا بھی تجربہ رکھتے ہیں وہی ان مصائب کا بھی اندازہ لگا سکتے ہیں جن سے ان بزرگوں کو دو چار ہونا پڑا۔ اجمیر کے علاوہ جہاں خواجہ معین الدین نے پرتھوی راج کے زمانے میں اپنی خانقاہ بنائی تھی، بدایوں، قنوج، ناگور اور بہار کے بعض شہروں میں مسلمانوں کی خاصی آبادی تھی۔ بنارس (ہندو) یونیورسٹی کے ایک پروفیسر ڈاکٹر آر ایس ترپاٹھی نے قنوج کے متعلق حال ہی میں ایک کتاب شائع کی ہے جس میں بتایا ہے کہ قنوج میں مسلمانوں کی حکومت کے قائم ہونے سے قبل مسلمان موجود تھے۔ بہار کے متعلق بھی جدید تحقیقات یہی ہیں کہ محمد بن بختیار خلجی کی فتح (۱۱۹۹ء) سے قبل وہاں صوفیاء کرام اور بزرگانِ دین پہنچ چکے تھے۔

(تاریخ مشائخ چشت، ص: ۱۴۴)

مذکورہ بالا عبارت میں نظامی صاحب نے خانقاہ بنانے کی بات منسوب کی ہے جبکہ بابا فرید گنج شکرؒ کے بقول خواجگانِ چشت میں خانقاہ بنانے کا رواج نہ تھا۔ غریب نوازؒ نے اجمیر میں مستقل قیام کیا تھا۔

اپنی مذکورہ بالا انگریزی کتاب میں بھی پروفیسر نظامی نے لکھا ہے کہ خواجۂ بزرگ ترکوں کی فتح سے پہلے ہندوستان میں آچکے تھے اور سلسلۂ چشتیہ کا قیام عمل میں آگیا تھا۔

سلسلۂ چشتیہ کا اجراء ہندوستان میں

پروفیسر نظامی نے یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خواجہ معین الدین چشتی سے قبل کچھ چشتی بزرگ ہندوستان میں تشریف لا چکے تھے اور اس سلسلے میں پروفیسر نظامی نے خواجہ ابو محمد بن ابی احمد چشتی کا ذکر کیا ہے، جن کے متعلق مولانا جامی نے لکھا ہے کہ سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے تھے۔

(نفحات الانس، ص: ۲۰۷ تاریخ مشائخ چشت، ص: ۱۴۲)

خواجہ ابو محمد چشتی سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان آئے تھے لیکن فتح سومناتھ کے بعد واپس چلے گئے۔ غریب نوازؒ پہلے بزرگ ہیں جن کا مستقل قیام اجمیر میں ہوا۔

مذکورہ بالا عبارت کے فوراً بعد پروفیسر نظامی لکھتے ہیں: لیکن حقیقت یہ ہے کہ چشتیہ سلسلہ کو ہندوستان میں جاری کرنے کا شرف ان ہی (خواجہ صاحب) کو حاصل ہوا۔ وہ پرتھوی راج کے عہد میں ہندوستان تشریف لائے اور اجمیر کو اپنا مستقر بنا کر تبلیغ و اشاعت کا کام شروع کر دیا۔ راقم الحروف پروفیسر نظامی کی رائے میں اتنا اضافہ کرتا ہے کہ خواجہ بزرگ سے قبل کتنے ہی بزرگ کیوں نہ آئے ہوں، مگر اسلام کا روحانی اقتدار ہندوستان میں قائم کرنا مشیت کی طرف سے حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتیؒ کے لئے مقدر ہو چکا تھا......

خلعتے بود کہ بر قامتِ او دوختہ بود

یعنی وہ خلعت تھی جوان کے قامتِ زیبا کے لئے سی گئی تھی۔

میر خورد (صاحب سیر الاولیاء) نے ان کو نائب رسول اللہ فی الہند (سیر الاولیاء فارسی، ص: ۴۵) لکھا ہے۔ ابو الفضل کہتا ہے......

"عزلت گزین با جمیر شد، و فراواں چراغ برافروخت واز دم گیرا ئے او گروہا گروہ مردم بہرہ برگرفتند۔"

......یعنی اجمیر میں گوشہ نشین ہوئے اور کثرت سے چراغ (توحید کے) روشن کئے اور ان کی ذاتِ گرامی سے گروہ درگروہ لوگ فیضیاب ہوئے۔

(بحوالہ آئین اکبری، سرسید ایڈیشن، ص: ۲۷۰؛ تاریخ مشائخ چشت، ص: ۱۴۲)

ان دنوں اجمیر راجپوت سامراج کا مضبوط مرکز اور اہلِ ہنود کا مذہبی گڑھ تھا جو دور دور سے اپنی مذہبی رسومات پوری کرنے کے لئے وہاں جمع ہوتے تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں اجمیر کی مذہبی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔

(اخبار الاخیار، فارسی، ص: ۲۴)

ایک ایسے زبردست سیاسی اور مذہبی مرکز میں قیام کا فیصلہ نہ صرف خواجہ صاحب کے عزائم کی ترجمانی کرتا ہے بلکہ ان کی غیر معمولی خوداعتادی کا آئینہ دار ہے۔

(تاریخ مشائخ چشت، ص: ۱۴۲)

واقعہ یہ ہے کہ خواجۂ بزرگ کا اجمیر میں قیام ان کی اولوالعزمی، بلند حوصلگی، عالی ہمتی، خوداعتادی اور توکل پسندی کی معراج ہے۔

دہلی سے اجمیر جاتے ہوئے تبلیغ اسلام

پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ سابق صدر شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، استاد سر محمد اقبال (شاعر مشرق) نے یہ لکھا ہے کہ دہلی سے اجمیر جاتے ہوئے آپ نے سات سو غیر مسلم خاندانوں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ (دی پریچنگ آف اسلام، ص: ۲۸۱)

خواجہ بزرگ اور ہندوستان کے حالات

علامہ البیرونی نے "کتاب الہند" میں اس دور کے حالات کی جو تصویر کشی کی ہے وہ قابل غور ہے۔ کتاب الہند مرتبہ جرمنی کے مشہور مستشرق پروفیسر ای.سی. زخاؤ (لندن ۱۸۸۸ء) جو بہت مستند مانی جاتی ہے جس کا اردو ترجمہ انجمن ترقی اردو کی جانب سے شائع ہو چکا ہے۔ قرون وسطیٰ میں ہندوستان کے سماجی اور مذہبی حالات کے متعلق

البیرونی کے خیالات کا خلاصہ پروفیسر محمد حبیب مرحوم نے اس طرح پیش کیا ہے:

" ہندوؤں میں بکثرت ذاتیں ہیں، ہم مسلمانوں کا مسلک عام مساوات نیز اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاکُمْ کے مطابق ان سے بالکل جدا گانہ ہے اور یہی وہ سب سے بڑی رکاوٹ ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان حائل ہے۔"

البیرونی مزید لکھتا ہے" اس زمانے میں ہندوستان کی تمدنی اور اخلاقی حالت حد درجہ تباہ تھی۔ مدنی زندگی کو چھوت چھات کا عفریت بری طرح زہر آلود کر رہا تھا۔ عوام مایوسی کے عالم میں ہلاکت کے کنارے کھڑے تھے، زندگی کی ساری نعمتیں اور لذتیں اونچی ذات کے ہندوؤں کے لئے وقف تھیں، کوئی شودر (اچھوت) کسی برہمن سے قریب ہو کر گزر جاتا تو اس کی پیشانی داغ دی جاتی تھی۔ نیچ ذات کے لوگوں کے لئے زندگی ایک بوجھ اور لعنت تھی، وہ بظاہر انسان پیدا ہوئے تھے لیکن جانوروں سے کہیں بدتر زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔"

"Indian culture and social life at the time of Turkish invasions" (Aligarh 1941)

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں 'چھوت چھات کے اس بھیانک ماحول میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے اسلام کا نظریہ توحید عملی حیثیت سے پیش کیا اور بتایا کہ یہ صرف تخئیلی چیز نہیں بلکہ زندگی کا ایسا اصول ہے جس کو تسلیم کر لینے کے بعد ذات پات کی سب تفریق بے معنی ہو جاتی ہے۔ یہ ایک زبردست دینی اور سماجی انقلاب کا اعلان تھا۔ ہندوستان کے بسنے والے وہ مظلوم انسان جن کی زبوں حالی پکار رہی تھی......

جینے سے مراد ہے نہ مرنا شاید

اس اعلان کو سن کر دوبارہ زندگی کا کیف محسوس کرنے لگے۔'

(تاریخ مشائخ چشت، ص: ۱۴۵)

صاحب سیر اولالیاء سالِ تالیف ۷۶۱ھ مطابق ۱۳۵۹ء (امیر خورد کرمانی) نے

اس دور کی تصویر کشی اس طرح کی ہے، جسے سید ابوالحسن علی میاں ندوی نے صاحبِ سیر الاولیاء کی صداقت و بلاغت کی داد دیتے ہوئے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔

"مملکتِ ہندوستان تاحدِ برآمدنِ آفتاب ہمہ دیارِ کفر و کافری و بت پرستی بود، متمردانِ ہند یکے دعوئے انا ربکم الاعلیٰ می کردند بخدائے راجل وعلیٰ شریک می گفتند و سنگ وکلوخ و دار و درخت وستور و گاؤ و سرگیں آں راسجدہ می کردند و بہ ظلمتِ کفر کفرِ دلِ ایشاں مظلم ومحکم بود......

ہمہ غافل از حکم دین وشریعت ہمہ بے خبر از خدا و پیمبر
نہ ہرگز کسے دیدہ ہنجارِ قبلہ نہ ہرگز شنیدہ کس اللہ اکبر

وصولِ قدمِ مبارکِ آں آفتابِ اہلِ یقیں کہ بہ حقیقت معین الدین بود۔ ظلمتِ ایں دیار برنورِ اسلام روشن ومنور گشت......

از تیغ او بجائے صلیب وکلیسیا دردارِ کفر مسجد ومحراب ومنبراست
آنجا کہ بودنعرۂ فریادِ مشرکاں اکنوں خروش نعرۂ اللہ اکبراست

ہر کہ ازیں دیار مسلمان شد و تاروزِ قیامت مسلمان خواہد شد بفرزندانِ ایشاں تا توالد و تناسل است مسلمان خواہند بود و آں طائفہ را کہ بہ تیغِ اسلام از دارِ حرب در دارِ اسلام خواہند آورد الی یوم القیامۃ، مثوباتِ آں بارگاہِ باجاہِ شیخ الاسلام معین الدین حسن سنجری قدس اللہ سرہٗ العزیز بمتابعتِ حضرتِ او واصل ومتواصل خواہند بود انشاء اللہ العزیز۔"

(ترجمہ)

"ملک ہندوستان اپنے آخری مشرقی کنارے تک کفر و شرک کی بستی تھی۔ اہلِ تمرد انا ربکم الاعلیٰ کی صدا لگارہے تھے اور خدا کی خدائی میں دوسری ہستیوں کو شریک کرتے تھے، اور اینٹ، پتھر، درخت، جانور، گائے اور گوبر کو سجدہ کرتے تھے۔ کفر کی ظلمت سے ان کے دل تاریک اور مقفل تھے۔ سب دین وشریعت کے حکم سے

غافل، خدا و پیمبر سے بے خبر تھے۔ نہ کسی نے کبھی قبلہ کی سمت پہچانی، نہ کسی نے اللہ اکبر کی صدا سنی، آفتابِ اہلِ یقین حضرت خواجہ معین الدین کے قدم مبارک کا اس ملک میں پہنچنا تھا کہ اس ملک کی ظلمت نورِ اسلام سے مبدل ہوگئی۔ ان کی کوشش و تاثیر سے جہاں شعائرِ شرک تھے وہاں مسجد و محراب و منبر نظر آنے لگے۔ جو فضا شرک کی صداؤں سے معمور تھی وہ نعرۂ اللہ اکبر سے گونجنے لگی۔ اس ملک میں جس کو دولتِ اسلام ملی اور قیامت تک جو بھی اس دولت سے مشرف ہوگا نہ صرف وہ بلکہ اس کی اولاد در اولاد، نسل در نسل سب ان کے نامۂ اعمال میں ہوں گے اور اس میں قیامت تک جو بھی اضافہ ہوتا رہے گا اور دائرۂ اسلام وسیع ہوتا رہے گا، قیامت تک اس کا ثواب شیخ الاسلام معین الدین حسن سنجری کی روح کو پہنچتا رہے گا۔"

(تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ سوم، ص: ۲۸ تا ۲۹، بحوالہ سیر الاولیاء فارسی، ص: ۴۷)

کچھ مدت دہلی میں قیام کر کے خواجۂ بزرگ نے اجمیر کا رخ کیا جو ابتداء میں اجمیر و دہلی کے راجہ کا دارالخلافہ اور دہلی سے بھی زیادہ اہم مقام تھا۔ ہندوستان کی مذہبی اور سماجی حالت جو اس وقت تھی اس کی تصویر کشی معاصرانہ شہادت کے طور پر البیرونی کی کتاب الہند میں ملتی ہے جو نہایت اہم ہے۔ اجمیر چونکہ ہندوستان کا اس وقت اہم ترین مقام تھا اس لئے جو مذہبی اور سماجی برائیاں تھیں وہ اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ چکی تھیں سیر الاولیاء وغیرہ میں جو کچھ ہے وہ کافی مدت کے بعد کی باتیں ہیں۔ کتاب الہند کی روشنی میں اس دور کے حالات کو سمجھنا ضروری ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ غریب نوازؒ کے ورودِ مسعود کے وقت ہندوستان کتنی مذہبی اور سماجی برائیوں میں ملوث تھا۔

اس میں شک و شبہ نہیں کہ ہندوستان مذہبی اور روحانی لحاظ سے ایک زمانے میں عظیم ملک تھا۔ رشی، منی، اوتار اور گرو یہاں پیدا ہوتے رہے۔ رام چندر جی جیسے مریادا پرشوتم اور کرشن جی جیسے لیلا پرشوتم یہاں پیدا ہوئے۔ ان سے قبل ویدک دھرم کے رشی منی اور گرو مناظر فطرت کی شکل میں توحید الٰہی کے جلوے دیکھتے رہے۔ اپنشدوں کے رشی نیتی نیتی کہہ کر خدا کے وحدہٗ لا شریک ہونے کا راگ

الاپتے رہے۔ مہاویر جی جین مذہب کے چوبیسویں تیرتھنکر عدم تشدد (اہنسا) کا سبق دے چکے تھے اور گوتم بدھ جی امن و امان، عدم تشدد، بھائی چارہ، انسانی برابری اور برادری کا پاٹھ پڑھا چکے تھے۔ مختصر یہ کہ یہاں بلند روحانی و مذہبی افکار اور مختلف علوم و فنون کے خزانے موجود تھے مگر امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ یہاں کے لوگوں نے ان اعلیٰ تعلیمات کو فراموش کر دیا تھا۔

اس زمانے کے مذہبی پیشواؤں نے تارک الدنیا ہو کر عوام سے رشتہ منقطع کر لیا تھا۔ چار آشرم بنا لئے تھے جن میں آخری سنیاس آشرم کہلاتا تھا۔ جب مذہبی پیشواؤں نے عوام سے کنارہ کشی کر کے جنگل آباد کر لئے تو پھر عوام کا گمراہ ہو جانا اس کا لازمی نتیجہ ہو گیا۔

ہندوستان کے سیاسی حالات

بارہویں صدی عیسوی میں ہندوستان مختلف ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ بہت سے حکمراں اپنے انداز سے اپنے علاقوں میں حکومت کر رہے تھے۔ ملک کی سالمیت اور یکجہتی کا دور دور پتہ نہ تھا۔ مختلف حکمراں آپس میں برسرِ پیکار تھے۔ ان خانہ جنگیوں کی وجہ سے دوسرے ممالک کے سلاطین نے اس ملک پر کامیاب حملے کیے۔ ان حملوں کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہا جب تک سلطان محمد غوری نے اس ملک کو فتح نہ کر لیا۔ بقول حضرت مولانا معین اجمیری علیہ الرحمۃ ''اس میں شبہ نہیں کہ ۱۳ھ یعنی حضرت فاروق اعظم عمر بن خطابؓ کے زمانے سے غریب نوازؒ کے زمانے تک ہندوستان پر اسلامی بادشاہوں نے حملے کیے اور ایران، توران، اور تاتار کے تاجداروں نے سینکڑوں مرتبہ چڑھائیاں کیں لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کل ہندوستان پر کسی مسلمان بادشاہ کا قبضہ ہو گیا ہو۔ ہندوستان کے سرحدی مقامات پر کئی بار مسلمانوں کی حکومت ضرور قائم ہو گئی۔

(ہمارے خواجہ، ص: ۱۴)

خانہ جنگی، طوائف الملوکی، باہمی نفرت، انتشار، افتراق، خلفشار، توہم پرستی اور

ظلمت پسندی کے اس زہر آلود ماحول میں حضرت خواجہ نے سرزمین ہند میں قدم رکھا۔ اس زمین کا ذرہ ذرہ پکار رہا تھا کہ یہاں کسی مصلح اور مبلغ کی ضرورت ہے۔آپ کا تشریف لانا ایک زبردست روحانی اور سماجی انقلاب کا رونما ہونا تھا جس سے سسکتی، بلکتی، تڑپتی اور مردہ وافسردہ و بے ذوق انسانیت کو نئی توانائی ملی ۔ پیغمبر اسلامؐ کو جس ملک سے ٹھنڈی ہوائیں آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں (اقبال نے بھی کہا ہے، ع:
''میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے'' میر غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنی کتاب سبحۃ المرجان میں یہ حدیث لکھی ہے۔ وہاں وہ خود نہ آئے ۔انھوں نے اپنا نائب، سفیر اور لختِ جگر بھیج دیا اس ملک کی جھومتی ہوئی گھٹاؤں نے ساقیٔ میخانۂ میرِ حجاز کا یہ کہتے ہوئے استقبال کیا......

دے جام بڑھ کے بادۂ انساں نواز کا ''یہ وقت ہے شگفتنِ گل ہائے ناز کا''
(راقم الحروف)

غریب نواز کی آمد سے متعلق پرتھوی راج چوہان کی ماں کی پیشین گوئی

جہاں آرا بیگم دختر شاہ جہاں بادشاہ کا بیان ہے کہ دہلی اور اجمیر کے راجہ رائے پتھورا کی ماں جو علم نجوم میں مہارت تامہ رکھتی تھی، خواجۂ بزرگ کی آمد اور پتھورا کی تباہی کا نقشہ پہلے ہی دیکھ چکی تھی۔اس نے اپنے بیٹے رائے پتھورا کو بارہ سال پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ اتنے زمانے کے بعد اس شکل اور صورت کا ایک مسلمان درویش تیری راجدھانی میں آئے گا اور تیری راج دھانی الٹ دے گا اور اس سے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں ہے۔اچھا یہی ہے کہ اس سے مت الجھنا۔رائے پتھورا (پرتھوی راج) نے اپنی ماں کی نصیحت اس طرح مانی کہ اس کے بتائے ہوئے حلیہ کے مطابق خواجہ بزرگ کی کئی تصویریں بنوا کر اپنے علاقے کے تمام ذمے دار پولیس افسروں کو تقسیم کرا دیں اور ہر تصویر کے ساتھ ایک حکم نامہ بھی بھیجا۔اس حکم نامہ میں یہ لکھا ہوا تھا کہ تصویر کو اپنے

پاس رکھواور ہوشیار رہو کہ اس صورت وشکل کا درویش جب ملے فوراً قید کرلو اور ہمارے پاس بھیج دو اور اگر قید کر کے بھیجنا مشکل نظر آئے تو کسی نہ کسی حیلے اور بہانے سے اسے مار ڈالو اور ہم کو اطلاع دو۔ جو شخص ان دو باتوں میں سے ایک بات پوری کردے گا اس کو خزانہ حکومت سے انعام دیا جائے گا۔

(مونس الارواح فارسی، مصنفہ جہاں آرا بیگم، ص: ۳۰ تا ۳۱، تدوین پروین کاظمی بنت سید نظام الدین احمد کاظمی، مطبوعہ کمال پرنٹنگ پریس، دہلی)

حضرت مولانا معنی اجمیری نے اس واقعہ میں اضافہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"میرے نانا مولانا سید زین العابدین نے اپنی کتاب تذکرۃ المعین میں اپنے کانوں سے سنی ہوئی اس روایت کو لکھا ہے کہ راجپوتانہ کے علاقہ کی ایک چھوٹی سی ریاست شاہ پور کے راجہ صاحب کے خزانے میں یہ تصویریں ابھی تک موجود ہیں۔

(ہمارے خواجہ، ص: ۱۵)

جہاں آرا بیگم نے مزید لکھا ہے کہ سانہ نام کے ایک قصبہ میں حضرت خواجہ بزرگؒ نے جب قیام کیا تو راجہ کے مخبروں نے تاڑ لیا مگر آپ کے نورانی چہرہ سے وہ جلال برس رہا تھا کہ کسی کو آپ سے بات کرنے کی مجال نہ ہوئی۔ راجہ کے مخبروں اور جاسوسوں نے آپ کو دھوکے سے مار ڈالنے کی یہ ترکیب نکالی کہ آپ کی خدمت میں پہنچ کر میٹھی میٹھی باتیں بنانے لگے اور آپ کے لئے ایک جائے قیام کی پیش کش کی۔ خواجہ بزرگ نے اسی وقت مراقبہ کیا اور حضرتِ پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ و السلام کو مراقبہ میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں۔ "اے معین الدین! اس گروہ کی باتوں میں نہ آنا، یہ گروہ تجھے نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔" آپ نے اس غدار جماعت کی منت وسماجت کو ٹھکرا دیا اور اپنے ہمراہیوں کو اپنے مراقبے کے اشارے سے باخبر کیا اور وہاں سے اجمیر کی طرف روانہ ہوگئے۔ (مونس الارواح فارسی، ص: ۳۰ تا ۳۱)

چونکہ حضرت خواجہ اتباع رسول پاک میں کامل ہوکر مقام محبوبیت پر فائز تھے اس لئے "واللہ یعصمک من الناس" کے وعدۂ قرآنی کا پرتو آپ پر بھی پڑا

اور آپ ان کے شر سے محفوظ ہو گئے۔ حضرت مولانا معنی اجمیری نے حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء کی شہادت پر کہ "خواجہ غریب نوازؒ اس وقت اجمیر پہنچے جب پرتھوی راج وہاں راج کر رہا تھا۔ چنانچہ شہاب الدین غوری کو جو فتح نصیب ہوئی وہ خواجہ غریب نواز کی دعا کا نتیجہ تھا۔"

(تاریخِ مشائخ چشت، ص: ۱۹۰ بحوالہ سیر الاولیاء فارسی، ص: ۴۷)

اجمیر یا آجا میر

مولانا معنی لکھتے ہیں۔ "اس وقت اجمیر ان پہاڑوں میں آباد تھا جہاں تارا گڑھ کا قلعہ اب بھی موجود ہے اور اس پرانے اجمیر کی شہر پناہ بھی ابھی تک قائم ہے۔ یہ دوسری صدی عیسوی میں آجا نام کے ایک راجہ نے بسایا تھا جو اَجے پال کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اس شہر کا اصلی نام آجا میر تھا۔ آجا سنسکرت میں سورج کو کہتے ہیں اور میر پہاڑ کو مگر یہاں آجا سے راجا مراد ہے یعنی آجا کا پہاڑ۔ (ہمارے خواجہ، ص: ۱۸) صاحبِ سیر الاقطاب نے راجہ کا نام اجیا لکھا ہے اور میر کے معنی پہاڑ بتائے ہیں۔

(سیر الاقطاب، اردو ترجمہ، ص: ۱۴۹)

خواجۂ بزرگ کو تمام خطرات کے باوجود کوئی خوف وغم لاحق نہ تھا۔ آپ ولایت کے اس بلند مقام پر فائز تھے جس کے لئے قرآن حکیم کا پیغام ہے۔ "الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون" (سورۂ یونس، پارہ: ۱۱، آیت: ۶۲) آپ کو پرتھوی راج کی طاغوتی طاقتوں کے مقابلے میں اپنی فتح مبین کا کامل یقین تھا۔ جیسا کہ قرآن حکیم کا اعلان ہے "و قل جآء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا" (سورۂ اسراء، پارہ: ۱۵، آیت: ۸۱)

خواجہ بزرگؒ کا درخت کے نیچے قیام و آرام

جب خواجہ صاحبؒ شہر کے قریب اس جنگل میں پہنچ گئے جہاں اِس وقت اجمیر

آباد ہے تو ایک بڑے درخت کے سایہ میں آرام کرنے کے خیال سے اپنے چالیس ساتھیوں سمیت بیٹھ گئے۔ مگر یہاں راجہ کے اونٹ بندھا کرتے تھے۔ چنانچہ شتر بانوں نے جب ان غیر ملکی مسافروں کو یہاں بیٹھے دیکھا تو غصہ میں آکر یہاں سے اٹھ جانے کو کہا۔ آپ نے نرمی سے جواب دیا کہ اچھا ہم اٹھ جاتے ہیں، تمہارے اونٹ بیٹھے رہیں گے۔ خواجہ بزرگ یہ کہہ کر اپنے ساتھیوں سمیت یہاں سے چل کھڑے ہوئے اور انا ساگر کے قریب ایک پہاڑی پر آکر ٹھہرے اور جب شام ہوئی تو راجہ کے اونٹ آکر اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے مگر جب دوسرے دن صبح کو آکر چرانے والوں نے ان کو اٹھانا چاہا تو اونٹ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکے، جیسے ان کو زمین نے پکڑ لیا ہو" (ہمارے خواجہ، ص:۱۹) "راجہ کے ساربانوں (اونٹ چرانے والوں) سے جب کچھ نہ بن پڑی تو ان کو بڑی فکر ہوئی۔ آخران کو خیال آیا کہ ہونہ ہو یہ اسی درویش کی بددعا کا اثر ہے جس کو کل ہم نے اس جگہ سے زبردستی اٹھایا تھا۔ چنانچہ تلاش کرتے ہوئے وہ آپ کے پاس آگئے اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگے تو آپ نے کہا کہ جاؤ اونٹ اٹھ گئے، اور ایسا ہی ہوا۔ (سیر الاقطاب اردو ترجمہ، ص:۱۴۳- مسالک السالکین، جلد دوم، ص:۲۷۸)

جس پہاڑی پر غریب نواز نے قیام کیا وہاں ایک غار بھی تھا جو ابھی تک موجود ہے اور خواجہ صاحب کا چلہ کہلاتا ہے، اسی غار میں یا اسی غار سے باہر زمین کے فرش پر آسمانی شامیانے کے نیچے خواجہ بزرگ" نے اپنے تمام ہمراہیوں کے ساتھ مستقل طور پر رہنا اختیار کرلیا۔ (ہمارے خواجہ، ص:۲۰) اس وقت اجمیر کے ہر گھر میں ایک بت خانہ تھا اور ہر تالاب کے کنارے سینکڑوں بت خانے تھے۔ خواجہ بزرگ" اس وقت ایک ایسی جگہ قیام پذیر تھے جہاں بت خانوں کا کوئی شمار نہ تھا۔ چنانچہ جس پہاڑی پر آپ مقیم تھے وہیں کی زمین برابر کر کے آپ نے بھی اپنے خدا کی عبادت کے لئے ایک جگہ بنائی گویا ان بے شمار بت خانوں میں صرف یہی ایک مسجد تھی۔ (ہمارے خواجہ، ص:۲۰)

چونکہ وہاں کے پجاریوں کے لئے خدائے وحدۂ لاشریک کی عبادت کا یہ طریقہ نیا تھا، اس لئے انھوں نے اپنی ناراضگی کا اظہار مخالفت کی صورت میں کیا۔ ان

پجاریوں نے مشورہ کرکے اسلحہ جات سے مسلح ہوکر غریب نوازؒ پر حملہ کیا، غریب نوازؒ اس وقت نماز میں مشغول تھے، آپ کے ساتھیوں نے غریب نواز کو تمام حالات سے باخبر کیا۔ حضرت خواجہؒ نے نماز سے فارغ ہوکر ایک مٹھی خاک اٹھائی اور اس پر آیت الکرسی پڑھ کر مخالفین کے گروہ کی طرف پھینک دی۔ وہ خاک جس جس پر پڑی بے حس وحرکت ہوکر گر پڑا اور معتوبِ الٰہی ہوا۔ مخالفوں نے جب دیکھا کہ اتنے زبردست اور کامل حریف سے مقابلے کی طاقت نہیں ہے تو مجبور ہوکر اس بڑے بُت خانے میں گئے جہاں ایک دیو رہتا تھا اور اسی سے فریاد کی اور مدد کے خواستگار ہوئے۔

(اردو ترجمہ سیر الاقطاب، ص:۱۴۳-۱۴۴)

حالانکہ ہندوؤں کے سناتن دھرم کے مطابق پجاریوں کا یہ غم وغصہ بالکل غلط تھا۔ شری مد بھاگوت گیتا جو سناتن دھرم کا نچوڑ ہے۔ اس میں کرشن جی نے ارجن سے کہا ہے کہ کوئی بھی کسی طرح مجھے یاد کرے میں بھی اسے اسی طرح یاد کرتا ہوں، اے پارتھ (ارجن کا لقب ہے) لوگ ہر طرف سے (چاہے جدھر سے آئیں) میری طرف ہی آتے ہیں۔ گیتا کا یہ شلوک مفاہمت بین المذاہب کی بہترین تعلیم دیتا ہے۔ اسی تعلیم سے ہندوستان میں ''سرو دھرم سمبھاؤ'' کا تصور پیدا ہوا ہے۔ جسے سوامی وویکانند اور مہاتما گاندھی نے بڑی اہمیت دی ہے۔ گیتا کا شلوک سنسکرت میں اس طرح ہے۔

ये यथा मां प्रपद्यन्ते तांस्तथैव भजाम्यहम् ।
मम वर्त्मानुवर्तन्ते मुनष्याः पार्थ सर्वशः ।।

अध्याय : 4, श्लोक : 11

ہندوستان کے اولین وزیر تعلیم ابوالکلام آزاد نے بھی ہندوؤں کے تصور توحید پر ہندو گرنتھوں کی روشنی میں وضاحت کی ہے۔

''پھر یہ رب الاربابی تصور اور زیادہ سمٹنے لگتا ہے اور ایک سب سے بڑی اور سب پر چھائی ہوئی ہستی نمایاں ہونے لگتی ہے۔ یہ ہستی کبھی ''ورون'' میں نظر آتی ہے کبھی ''اندر'' میں اور کبھی ''اگنی'' میں۔ لیکن بالآخر ایک خالق کل ہستی کا تصور پیدا ہو

جاتا ہے "جوپرجاپتی" (پروردگار عالم) اور "وشواکرمن" (خالق کل) کے نام سے پکاری جانے لگتی ہے اور جو تمام کائنات کی اصل و حقیقت ہے وہ ایک ہے مگر علم والے اسے مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔ آزاد نے جو آخری جملہ لکھا ہے وہ رگ وید کے سنسکرت اشلوک کا ترجمان ہے سنسکرت میں اس جملے کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

एकं सद् विप्रा बहुधा वदन्ति (ऋग्वेद 1.164.46)

(ترجمان القرآن، جلد: اوّل، ص: ۲۶۴، مطبوعہ ساہتیہ اکادمی دہلی)

ہندوؤں کی مقدس کتابوں میں خدا کے ایک ہونے کے بارے میں اس طرح بھی کہا گیا ہے:

स एष एक एकवृदेक एव (अथर्व वेद 13.4.12)

یعنی وہ (خدا) ایک اور حقیقت میں ایک ہی ہے۔

एकमेव अद्वितीयम् (छान्दोग्य उपनिषद 6.1.1)

...... یعنی وہ ایک ہی ہے اس جیسا دوسرا نہیں۔

ابوالکلام آزاد نے ہندوستان کے تصور الوہیت کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک خواص کا حصہ اور دوسرا عوام کا حصہ۔ (ترجمان القرآن جلد: ۱، ص: ۲۶۲)

خواص توحیدی فلسفے کے قائل تھے اور عوام مختلف دیوی دیوتاؤں کے پجاری تھے۔

پھر ابوالکلام آزاد البیرونی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ "البیرونی نے گیتا کا یہ قول نقل کیا ہے۔ "بہت سے لوگ مجھ تک (یعنی خدا تک) اس طرح پہنچنا چاہتے ہیں کہ میرے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں لیکن میں ان کی مرادیں بھی پوری کردیتا ہوں کیوں کہ میں ان سے اور ان کی عبادت سے بے نیاز ہوں۔

(ترجمان القرآن، جلد: ۱، ص: ۲۷۲)

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اجمیر کے مخالفوں نے غریب نواز کا نیا طریقہ عبادت دیکھ کر جو غم و غصہ کا اظہار کیا وہ ان کی اپنے مذہب سے عدم واقفیت کا نتیجہ تھا اور انھوں نے اپنے مذہب کے اصول و عقائد سے انحراف کیا۔ خواجہ صاحبؒ ان

پجاریوں کو یا دوسرے غیر مسلم حضرات کو زبردستی مسلمان نہیں بنا رہے تھے، وہ تو محض اپنے خدا کی عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ وہ زبردستی مسلمان بنا بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ قرآن حکیم نے درج ذیل آیات میں جبرواکراہ سے مسلمان بنانے کو سختی سے روکا ہے۔

آیات (۱) لا اکراہ فی الدین یعنی دین کے معاملے میں ناگواری والی کوئی بات ہی نہیں۔ (البقرہ، آیت:۲۵۶)

(۲) لکم دینکم ولی دین ۔تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور ہمارا دین ہمارے لئے ہے۔ (سورۃ کافرون، پارہ:۳۰)

پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہود سے جو معاہدہ کیا اس میں بھی یہی الفاظ تھے......

لنا دیننا و لکم دینکم

......یعنی ہمارے لئے ہمارا دین ہے اور تمہارے لئے تمہارا دین۔

(۳) ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ و الموعظۃ الحسنۃ و جادلھم بالتی ھی احسن یعنی (اے حبیب) بلایئے لوگوں کو اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور اگر وہ بحث و نزاع کریں تو بھی ان کے ساتھ بہتر طریقہ اختیار کر (سورۃ نحل، آیت: ۱۲۵، پارہ:۱۴)

ایک آیت میں تو قرآن حکیم نے غیر مسلموں کے خداؤں کو بھی برا کہنے سے منع کیا۔"ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسب اللہ عدواً بغیر علم (سورہ الانعام آیت ۱۰۸ پارہ ۷)

یعنی وہ لوگ خدا کے علاوہ جنھیں پکارتے ہیں تم ان کو یعنی ان کے خداؤں کو برا نہ کہو، ورنہ وہ اللہ کو اپنی بے علمی کے باعث برا کہنے لگیں گے۔

غریب نواز یقیناً حقیقی داعی اسلام بن کر آئے لیکن ان کا طریق تبلیغ ایسا نہ تھا کہ کسی کی دل آزاری ہو یا کسی کو کسی قسم کی ذہنی تکلیف پہنچے۔آپ بلا امتیازِ مذہب و ملت

بے سہاروں کو سہارا دے رہے تھے، کمزوروں، غریبوں اور سماج کے پسماندہ طبقوں کو فلاح و بہبود کا راستہ دکھلا رہے تھے۔ آپ کے اخلاقِ حمیدہ، اوصافِ حسنہ اور فیوض باطنیہ سے متاثر ہوکر لوگ خود بہ خود جوق در جوق اسلام میں داخل ہورہے تھے۔ اس موضوع پر آپ کی تعلیمات کے باب میں تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ جو ذات گرامی سرزمینِ ہند کو انسانیت کی اعلیٰ قدروں سے روشناس کرا رہی تھی اور ہندوستان کے باسیوں کو ان کا بھولا ہوا سبق یعنی تصورِ توحیدِ الٰہی کی یاد دلا کر ان میں مساواتِ انسانی، اخوت اور امدادِ باہمی کا پیغام عام کررہی تھی اس سے پجاریوں کا آمادۂ پیکار ہونا ایک قابلِ مذمت عمل تھا۔ اہلِ ہنود کی مذہبی کتاب مہابھارت میں ایسے لوگوں کے مذہب کی مذمت کی گئی ہے جو دوسرے مذہب کی تبلیغ کو روکتے ہیں، مہابھارت کا شلوک یہ ہے:

धर्मं यो बाधते धर्मो न स धर्मः कुधर्म तत् ।

अविरोधात् तु यो धर्मः स धर्मः सत्यविक्रम – वन 131.11

یعنی وہ مذہب جو دوسرے مذہب کی تبلیغ کو روکتا ہے وہ اچھا مذہب نہیں ہے بلکہ بُرا مذہب ہے، جو مذہب دوسرے مذہب کی تبلیغ میں رکاوٹ نہیں ڈالتا وہی سچا مذہب ہے۔

آنا ساگر کا واقعہ: دریا کوزہ میں

اسی زمانے کا ایک واقعہ یہ ہے کہ خواجۂ بزرگ اور آپ کے تمام ساتھی روزانہ آنا ساگر کے گھاٹ پر وضو اور غسل کیا کرتے تھے اور چونکہ تالاب کے ہر گھاٹ پر مندروں کی عمارتیں تھیں اس لئے مندر کے پجاری اور برہمن ہمیشہ روکتے تھے اور آخر ایک دن تو سب کے سب آمادۂ فساد ہوگئے۔ خواجۂ بزرگ نے ان سے کچھ نہ کہا مگر پہاڑی پر آکر اپنے ایک جانثار کو حکم دیا کہ جاؤ اور ہمارے لوٹے میں تالاب سے پانی لے آؤ۔ جس کی اسی وقت تعمیل کی گئی مگر یہ عجب تماشہ دیکھا کہ تالاب کا پورا پانی ایک لوٹے میں آگیا، گویا کوزہ میں دریا والی مثل سچی ہوگئی۔ جہاں آرا بیگم شہزادی شاہ جہاں بادشاہ کا

بیان ہے کہ خواجۂ بزرگ نے خود آنا ساگر اور بیسل (دونوں تالاب تھے) کا پانی ایک ابریق (صراحی) میں بھر لیا، دونوں تالاب خشک ہو گئے اور جہاں کہیں شہر اور اس کے گرد و نواح میں پانی تھا اور پانی کے چشمے تھے وہ سب خشک ہو گئے بلکہ دودھ پینے والے بچوں کی ماؤں کے اور چوپایوں کے پستان تک سوکھ گئے۔

(مونس الارواح، فارسی، ص:۳۲)

یہ ماجرا آنکھوں سے دیکھ کر پجاریوں کے ہوش اُڑ گئے۔ آخر تنگ آ کر کچھ لوگ خواجہ بزرگؒ کی خدمت میں آئے، منت ساجت سے معافی مانگی۔ آپ نے لوٹے کا پانی واپس تالاب میں ڈلوادیا اور آنا ساگر میں پانی پھر موجیں مارنے لگا۔ یہ واقعات معمولی نہ تھے کہ لوگ دیکھ کر چپ ہو جاتے۔ ایک دن مندروں کے سب رہنے والوں نے ایک بہت بڑا جلسہ کیا اور اس میں یہ تجویز پاس کی کہ ان لوگوں کو کسی نہ کسی طرح اجمیر سے نکالا جائے ورنہ یہ لوگ رفتہ رفتہ اپنا اثر جمالیں گے اور ہمارا اقتدار ختم ہو جائے گا۔ (ہمارے خواجہ، ص:۲۱)

صاحب سیر الاقطاب کا بیان ہے کہ سعدی دیو جو پہلے شادی دیو تھا، خواجہ صاحبؒ سے متاثر ہو کر ان کا غلام بن چکا تھا۔

(سیر الاقطاب، اُردو ترجمہ، ص:۱۴۴ تا ۱۴۶)

بہر حال یہ تاریخی حقیقت ہے کہ آنا ساگر کا پانی خواجۂ بزرگ کی کرامت سے ختم ہو گیا اور تالاب پورے طور سے خشک ہو گیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ پجاری شادی دیو کے پاس حاضر ہوئے جو اس وقت جادو اور نجوم کے فن میں بڑے پایہ کا شخص تھا۔ راجا اور پرجا دونوں اس کے عقیدت مند تھے۔ شہزادی جہاں آرا نے اسے جن بتایا ہے اور دوسرے تذکرہ نگاروں نے اسے اپنے زمانے کا سب سے بڑا سادھو لکھا ہے اور اس کا نام سادھو رام بتایا ہے اور اس کا لقب شادی دیو ظاہر کیا ہے۔

(مسالک السالکین، جلد دوم، ص:۲۷۹ تا ۲۸۰ خزینۃ الاصفیاء، جلد اوّل، ص:۲۶۰ تا ۲۶۲، سیر الاقطاب، اردو ترجمہ، ص:۱۴۴)

پہلے تو کرامتِ خواجہ کے یہ قصے سن کر سادھو گھبرا گیا اور کہنے لگا کہ یہ شخص اپنے دین میں کوئی بہت بڑا بزرگ ہے اور اس کے سامنے کسی کا چراغ جلنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ مگر پجاریوں کی خوشامدوں پر جی کڑا کر کے اُٹھا اور اپنے تمام چیلوں کو ساتھ لے کر خواجہ بزرگؒ کے مقابلے میں آیا۔ خواجہ بزرگؒ کے ساتھیوں کو تشویش ہوئی مگر حضرت خواجہ نے سب کو اطمینان دلایا کہ جس خدا نے اب تک ہماری مدد کی ہے اب بھی وہی ہماری مدد کرے گا۔ یہ کہہ کر سادھو اور اس کے تمام چیلوں پر ایک ایسی نگاہ ڈالی کہ سادھو اور اس کے چیلوں کی زبانیں بند ہو گئیں اور یاد کئے ہوئے سارے منتر بھول گئے۔

(ہمارے خواجہ، ص:۲۲)

صاحب سیر الاقطاب کا بیان ہے کہ ’’شادی دیو اور اس کے چیلے جب خواجہ بزرگ کے قریب آئے تو اس وقت وہ نماز میں مشغول تھے۔ شادی دیو اور اس کے چیلے اس حالت کا شکار ہو گئے کہ ان کے پاؤں سے چلنے کی طاقت اور زبان سے گویائی کی قوت سلب ہو گئی۔ جہاں تھے وہیں بے حس و حرکت کھڑے ہو گئے۔ نماز سے فارغ ہو کر جب حضرت خواجہؒ نے ان کی طرف نظر کی تو دیو جو اُن لوگوں کا پیشوا تھا جلالِ خواجہ سے بید کی طرح کانپنے لگا اور بے تحاشہ رام رام کی جگہ رحیم رحیم پکارنے لگا۔ دشمنان خواجہؒ نے جو یہ رنگ دیکھا تو حیرت زدہ ہو کر دیو پر لعن طعن کرنے لگے۔ ان کی طعنہ زنی سے دیو اتنا برہم ہوا کہ لکڑی پتھر جو بھی اس کو ملا اس سے ان کو مارنے لگا اور بہت سے دشمنانِ خواجہ کو اسی طرح مار ڈالا اور باقی جو بچے جان بچا کر بھاگ گئے۔ حضرت خواجہ خاموشی سے یہ دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد اپنے خادم کے ہاتھ انھوں نے ایک پیالہ پانی اس کو بھیج دیا۔ دیو نے خادم کے ہاتھ سے وہ پانی بھرا پیالہ لے لیا اور شوق سے پی لیا۔ اس کا پینا تھا کہ ساری کفر کی تاریکی اس کے دل سے دور ہو گئی اور وہ دوڑ کر حضرت خواجہؒ کے قدموں پر گر گیا اور ایمان لے آیا اور بولا کہ حضرت آپ کا جمال دیکھ کر میں بہت شادماں ہوا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا تو پھر اس مناسبت سے تمہارا نام شادی دیو رکھا جاتا ہے۔ شکست خوردہ دشمنان خواجہ وہاں سے بھاگ کر راجہ کے پاس

گئے اور سارا حال کہہ سنایا۔ اسی لمحہ ساربانوں (اونٹ والے) نے بھی حاضر ہو کر اونٹوں کے اپنی جگہ سے کسی طرح نہ اٹھنے کی خبر دی۔ مہاراجہ (پرتھوی راج) نے کہا ایسے کامل درویشوں کو بھگانا آسان نہیں۔ (اُردو ترجمہ، سیر الاقطاب، ص:۱۴۴)

شہزادی جہاں آرا بیگم کا بیان ہے کہ ان واقعات کو راجہ کی ماں نے سن کر کہا کہ یہ وہی شخص ہے کہ جس کی حقیقت میں نے بارہ سال پہلے بیان کی تھی۔ خبردار اس سے مباحثہ و مقابلہ نہ کرو کیوں کہ ایسا کرنا تمہارے لئے سودمند ثابت نہ ہوگا۔ اس (خواجہ بزرگ) کے ساتھ تعظیم و تواضع سے پیش آؤ۔ (مونس الارواح فارسی، ص:۳۲)

مندر کے پجاریوں نے راجہ سے فریاد کی۔ تمام واقعات سن کر راجہ پر سناٹا چھا گیا، وہ ہر طرح چاہتا تھا کہ حضرت خواجہ اور ان کے ساتھی یہاں سے چلے جائیں۔ راجہ نے پجاریوں کو سمجھایا کہ کوئی ترکیب ایسی نکالی جائے کہ یہ لوگ اپنی خوشی سے یہ شہر چھوڑ دیں ورنہ ان کی غیر معمولی قوت کو دیکھتے ہوئے ان کو شہر سے زبردستی نکالنا مشکل ہے۔

(اُردو ترجمہ ''سیر الاقطاب''، ص:۱۴۴)

خواجہ بزرگؒ کی بے پایاں روحانی کشش

حضرت خواجہ کی روحانی کشش نے اپنا بے پایاں اثر دکھانا شروع کیا۔ کچھ لوگ کرامتیں دیکھ کر، بعض لوگ محض آپ کی نورانی شکل دیکھ کر اور کچھ آپ کے اعلیٰ اخلاق اور بہترین عادات کو دیکھ کر یا تو مسلمان ہو گئے یا آپ سے عقیدت رکھنے لگے اور روز بروز ایسے لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔ خواجہ صاحبؒ کے چاروں طرف اہل غرض کا ہجوم رہنے لگا۔ آپ کی دعاؤں کی برکت سے سینکڑوں بیمار شفایاب ہونے لگے۔ ہزاروں کے مقصد پورے ہوئے اور بہت سے لوگ منہ مانگی مرادیں پانے لگے۔ آپ کی روز بروز عقیدت مندوں کی کثرت دیکھ کر راجہ کو اپنی حکومت خطرے میں نظر آنے لگی۔ یہ راجہ کی ناعاقبت اندیشی تھی۔ وہ سمجھ ہی نہیں پایا کہ خواجہ کو اس کی حکومت سے کوئی سروکار نہیں، وہ تو دکھ کے مارے انسانوں کے لئے پیغامِ رحمت بن کر آئے ہیں۔

اس کی ناعاقبت اندیشی نے اسے اجے پال سے مدد طلب کرنے پر مجبور کر دیا۔
(اُردو ترجمہ، سیر الاقطاب، ص: ۱۴۵)

جوگی اجے پال سے معرکہ آرائی

خاندانی حیثیت سے اجے پال پرتھوی راج کا رشتہ دار تھا اور وہ یوگ اور سنیاس کی دھن میں دنیا سے ترک تعلق کر کے اجمیر سے کچھ کوس کے فاصلے پر پہاڑوں میں رہا کرتا تھا اور جادوگری میں یگانۂ روزگار تھا۔ اس کے سینکڑوں شاگرد تھے جو جادو کے فن میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ راجہ نے پورے شہر میں منادی کردی کہ اجے پال جوگی حضرت خواجہ سے مقابلہ کرے گا۔ چنانچہ چلے لی پہاڑیوں کے چاروں طرف خلق خدا تماشا دیکھنے کے لئے امنڈ پڑی۔ خواجۂ بزرگ نے آدمیوں کا امنڈتا ہوا سیلاب دیکھ کر مسکرانا شروع کیا۔ ان کی مسکراہٹ سے ان کے تمام ساتھی بے خوف اور بے فکر ہو گئے۔ خواجہ صاحبؒ نے سب کو ایک حلقہ میں لے لیا۔ اجے پال جوگی جب آپ کی طرف بڑھا تو آپ نے اٹھ کر اپنی انگلی سے زمین پر ایک حلقہ کا نشان بنایا اور کچھ پڑھ کر چاروں طرف پھونکا پھر اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ خبردار کوئی اس حلقے سے باہر نہ نکلے۔ صاحب سیر الاقطاب نے پورا واقعہ لکھا ہے اور بتایا ہے کہ اجے پال نے بہت کوشش کی لیکن حلقے کے اندر داخل نہ ہو سکا۔ (سیر الاقطاب، اُردو ترجمہ، ص: ۱۴۵)

بقول مولانا معنی اجے پال جوگی کے ساتھ راستے میں عجیب واقعہ پیش آیا۔ جب وہ راجہ کے محل سے بغرض مقابلہ نکلا اور حضرت خواجہ کی طرف سے بُرا خیال دل میں لایا تو فوراً اندھا ہو گیا اور اس نے جادو کے ذریعہ پھر بینائی حاصل کر لی۔ یہ واقعہ اجے پال جوگی کے ساتھ سات بار ہوا، یعنی سات بار نابینا ہوا اور سات بار جادو کے زور سے بینا ہو گیا۔ شہزادی جہاں آرا بیگم کا کہنا ہے کہ یہ واقعہ پرتھوی راج کے ساتھ پیش آیا وہ جب ارادۂ فاسد حضرت خواجہ کے لئے کرتا تھا اندھا ہو جاتا تھا اور جب ارادۂ فاسد سے باز آتا بینا ہو جاتا تھا۔ (مونس الارواح، فارسی، ص: ۳۲) (ہمارے خواجہ، ص: ۲۳)

اجے پال اور اس کے چیلوں نے جادو کا اثر دکھلایا اور پہاڑ کی بڑی بڑی چٹانیں آسمان میں اُڑنے لگیں اور خود بخود شق ہو کر زمین پر گرنے لگیں۔ صاحب سیر الاقطاب نے یہ واقعہ تفصیل سے لکھا ہے کہ اجے پال نے پہاڑیوں سے ہزاروں لاکھوں سانپ پیدا کر دیئے جو حضرت خواجہؒ کی طرف بڑھنے لگے مگر حصار کئے ہوئے حلقے کے اندر داخل نہ ہو سکے۔ پھر اجے پال اور اس کے چیلوں نے آگ برسانا شروع کی لیکن آگ کی ایک چنگاری بھی خواجہ صاحب کے حلقے کے اندر داخل نہ ہو سکی بلکہ وہ خود اجے پال اور اس کے چیلوں کی طرف لوٹ جاتی تھی یہاں تک کہ اجے پال اور اس کے چیلے عاجز آ گئے۔ بظاہر اجے پال عاجز آ گیا مگر اس کا غم و غصہ بڑھنے لگا۔ اس نے پھر خواجہ صاحبؒ کو چیلنج دیا کہ خیر اسی میں ہے کہ آپ لوگ یہاں سے چلے جائیں ورنہ میں پہاڑ کو اُلٹ دوں گا اور تمہارا سرمہ بن جائے گا۔ خواجہ صاحبؒ نے اس کی خرافاتی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا۔ اجے پال غصہ میں بہت سے سانپوں کو اپنے جسم کے چاروں طرف لپیٹ کر اور ہرن کی کھال پر بیٹھ کر آسمان کی طرف اُڑنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے نظر سے غائب ہو گیا۔ اسی وقت حضرت خواجہ نے اپنی نعلین پاک کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ اے نعلین اوپر جا کر اس دشمن کو اتنا مارو کہ اس کا کچومر نکل جائے اور وہ نیچے اتر آئے۔ پھر اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ نعلین پاک کو آسمان کی طرف اُڑا دیں۔ نعلین پاک کا اڑنا تھا کہ وہ ہوا میں بلند ہو کر سیدھی اجے پال کے سر اور چہرے پر برسنے لگیں۔ جب اس پر لگاتار نعلین کی مار پڑنے لگی تو وہ بوکھلا کر نیچے آ گیا اور شرمسار ہو کر خواجہؒ کے قدموں میں گر پڑا اور معافی مانگنے لگا۔ حضرت خواجہؒ نے اس کو ایک پیالے میں تھوڑا سا پانی پینے کو دیا اور اس کا قصور معاف کر دیا۔ اجے پال نے جیسے ہی اس پیالے کا پانی پیا کفر و شرک کی ضلالت اور ظلمت اس کے سینے سے دور ہو گئی، وہ اسی وقت کلمہ طیبہ پڑھ کر صدق دل سے مسلمان ہو گیا۔ حضرت خواجہ نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ اگر تیری کوئی آرزو ہو تو بیان کر۔ اس نے دست بستہ حمد و ثنا کے بعد عرض کیا کہ اللہ والے اپنی ریاضت سے جو مقام حاصل کرتے ہیں، مجھے اس مقام تک پہنچا

دیجئے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ فقراء کی صحبت میں رہنے کے بعد تمہیں وہ مقام حاصل ہو جائے گا۔ اجے پال نے پھر عرض کیا کہ حضور آپ کا فرمانا بجا ہے، لیکن میری تمنا ہے کہ اس مقام سے تھوڑا سا حصہ اس وقت مشاہدہ کرلوں۔ حضرت خواجہ نے مراقبہ کیا، تھوڑی دیر کے بعد آنکھ کھول کر اجے پال کو دیکھا۔ اس پر نظر ڈالنا تھا کہ وہ عالم ظاہر سے دور عالمِ باطن میں حضرت کے پاس پہنچ گیا اور دیکھا کہ حضرت آسمان کی طرف اڑے چلے جارہے ہیں اور وہ خود بھی ان کے پیچھے پیچھے اڑ رہا ہے اور دونوں ایک طبق آسمان سے دوسرے آسمان پر دوسرے سے تیسرے پر جارہے ہیں۔ کسی آسمان سے آگے بڑھنے پر فرشتے روکتے ہیں تو وہ حضرت سے فریاد کرنے لگتا ہے کہ حضرت فرشتے میرا دامن نہیں چھوڑتے۔ حضرت مڑ کر دیکھتے ہیں تو غیب سے آواز آتی ہے کہ فرشتو! معین الدین کی دوستی کی وجہ سے اجے پال کو بھی چھوڑ دو۔ یہاں تک کہ دونوں ایک خاص مقام پر پہنچ گئے۔ وہاں پر فرشتوں کی جماعت جوق در جوق آکر تعظیم وتکریم بجا لانے لگی کہ حق جل وعلا کے دوست معین الدین تشریف لائے ہیں۔ پھر حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اے اجے پال اس سے آگے تم نہیں جاسکتے تم میں ابھی اتنی صلاحیت پیدا نہیں ہوئی ہے۔ بہتر ہے کہ اس جگہ سے لوٹ جاؤ۔ اجے پال نے کہا حضرت کا جیسا حکم ہو۔ (سیر الاقطاب، اردو ترجمہ، ص:۱۴۷)

شہزادی جہاں آرا نے بھی کم وبیش یہی واقعہ لکھا ہے۔

(مونس الارواح، فارسی، ۳۴ تا ۳۵)

آگے چل کر صاحب سیر الاقطاب نے مزید تفصیل پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

"پھر حضرت خواجہؒ نے اس کو آنکھ بند کرنے کا حکم دیا۔ آنکھ بند کرنے کے بعد جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اپنے کو اور حضرت خواجہ کو ایک ساتھ اسی مقام پر کھڑا دیکھا۔ حضرت خواجہ نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا کیوں اجے پال تمہاری دلی خواہش پوری ہوگئی نا؟ اس نے جواب دیا کہ حضرت جو چاہتا تھا اس بھی زیادہ ہی دیکھا۔ پھر حضرت خواجہ نے فرمایا اور کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا مجھے دائمی زندگی حاصل ہو۔ حضرت خواجہ

نے تامل فرمایا پھر مراقبہ میں گئے۔ غیب سے آواز آئی کہ اے معین الدین! تم اجے پال کے لئے جو دعا مانگو گے قبول کروں گا۔ پھر آپ نے نماز دوگانہ ادا فرمائی اور اس کی ابدی زندگی کے لئے دعا فرمائی۔ اس کے بعد اجے پال کو بلا کر اس کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا اور اس کو قیامت تک زندہ رہنے کی خوشخبری دی۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ تم لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہو گے اور یہی ہوا۔ چنانچہ لوگ کہتے ہیں کہ اجمیر کی پہاڑیوں پر اکثر اجے پال سے لوگوں کی ملاقات مختلف شکلوں میں ہو جاتی ہے اور ہر شب جمعہ کو وہ اب تک حضرتِ خواجہؒ کے روضۂ منورہ کی زیارت کے لئے آتا ہے۔

(سیر الاقطاب، اردو ترجمہ، ص: ۱۴۷ تا ۱۴۸)

شہزادی جہاں آرا نے بھی مزید تفصیل کے ساتھ مذکورہ بالا عبارت اپنے معتقدانہ انداز میں لکھی ہے۔ (مونس الارواح، ص: ۳۶)

صاحب روضۃ الاقطاب محمد بولاق چشتی نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت خواجہ نے اجے پال کا اسلامی نام عبد اللہ رکھا اور خلافت بھی عطا فرمائی۔

(روضۃ الاقطاب فارسی، ص: ۳۲،

مطلوب الطالبین، فارسی، وخزینۃ الاصفیاء، فارسی، جلد: ۱، ص: ۲۹۵)

مذکورہ بالا حالات سے پتہ چلتا ہے کہ پرتھوی راج سعدی دیو اور جوگی اجے پال کی شکست کے بعد بے حد پریشان ہو گیا کیوں کہ اس کے یہ دونوں دست و بازو تھے جو ٹوٹ گئے۔ اسے اپنی ماں کی پیشین گوئی پوری ہونے کا یقین کامل ہو گیا اور اس کی نگاہ میں ساری دنیا تاریک نظر آنے لگی۔ اس کے درباری اور رعایا کو بھی سخت صدمہ تھا۔

چلہ سے نکل کر ایک گھر میں قیام

صاحب سیر الاقطاب کا بیان ہے کہ ”کچھ دنوں کے بعد سعدی دیو (شادی دیو) اور اجے پال نے حضرت خواجہ کی خدمت عالیہ میں التماس کیا کہ حضرت شہر میں کوئی جگہ تجویز کر کے اپنا ٹھکانہ بنالیں تا کہ لوگ زیادہ سے زیادہ تعداد میں آپ سے مستفیض

ہوسکیں۔ آپ نے ان لوگوں کی درخواست کو شرف قبول بخشا اور اپنے ایک خادم کو متعین کیا کہ وہ شہر میں فقراء کے ٹھہرنے کے لائق کوئی مناسب جگہ تجویز کرے۔ خادم نے حکم کی تعمیل کی اور جہاں اس وقت حضرت کا روضہ منورہ ہے اسی جگہ کو منتخب کیا۔ حضرت اسی جگہ پر مقیم ہو گئے۔ (سیر الاقطاب، اُردو ترجمہ، ص: ۱۴۸)

شہزادی جہاں آرا کا بیان ہے: ''آن حضرت مقام شادی دیورا اختیار فرمودہ جماعت خانہ و عبادت خانہ و مطبخ ساختند در جائے کہ مطبخ بود الحال روضۂ منورہ آن حضرت است۔'' یعنی حضرت خواجہ نے شادی دیو کی جگہ کو پسند کیا اور وہاں جماعت خانہ، عبادت خانہ، مطبخ بنایا اور اس مقام پر آج کل حضرت خواجہؒ کا روضۂ منورہ ہے۔''

(مونس الارواح، فارسی، ص: ۳۶)

دراصل یہ جگہ (افتادہ زمین) شادی دیو کی تھی اور یہاں جماعت خانہ، عبادت خانہ اور مطبخ کی تعمیر ہوئی جہاں حضرت خواجہ کا روضۂ منورہ ہے لیکن صاحب مرأۃ الاسرار کا بیان ہے کہ یہاں آپ کے رہنے کا حجرہ تھا۔

(قلمی نسخہ مرأۃ الاسرار مملوکہ، پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم)

مولانا معنی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: ''سادھو کا یہ گھر جس میں حضرت خواجہ نے قیام کیا اسی مقام پر تھا جس جگہ آج درگاہ شریف کی عمارتیں ہیں۔''

غریب نوازؒ نے اپنے دشمنوں پر دنیاوی تلوار نہیں چلائی بلکہ اپنے اوصاف حمیدہ، اخلاق حسنہ اور روحانی قوت سے دلوں کو مسخر کرلیا۔ اس لئے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اسلام پھیلانے کے لئے تلوار کا زور استعمال کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اسلام کہیں بھی، کبھی بھی بزور شمشیر نہیں پھیلا، نہ دنیا کا کوئی مذہب تلوار سے پھیلایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ تلوار سر تن سے جدا کر سکتی ہے مگر دلوں اور دماغوں میں بھرے ہوئے عقائد و افکار کو نہیں بدل سکتی۔ غریب نوازؒ نے دلوں کو فتح کیا......

جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ

حضرت خواجہؒ نے سادھو کے گھر پہنچ کر اپنا پیام انسانیت بصورت اسلام بڑے

زور و شور سے پیش کرنا شروع کر دیا اور اپنے عمل و کردار سے اسلام کی خوبیوں کو اُجاگر کرنے لگے۔ ہر چند کہ حضرت خواجہ کی دعوتِ اسلام خاص و عام کے لئے تھی، لیکن سماج کے پسماندہ اور مظلوم طبقے کے لوگ بطور خاص متاثر ہوئے اور وہ بہت جلد دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ ہندوؤں کے اونچی ذات کے لوگوں میں سے بھی بعض سعید روحوں نے حضرت کی دعوت اسلام پر لبیک کہی لیکن ان میں سے اکثریت نے بہت دیر لگائی۔ پروفیسر نظامی نے صحیح لکھا ہے۔ ''خواجہ اجمیری کی زندگی بہت سادہ لیکن دلکش تھی۔ ہندوستان کے سب سے بڑے سماجی انقلاب کا یہ بانی ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں ایک دوتہی میں لپٹا ہوا بیٹھا رہتا تھا۔ پانچ مثقال سے زیادہ کی روٹی کبھی افطار میں میسر نہ آتی۔ (بحوالہ سیر الاولیاء و سیر العارفین)

لیکن نظر کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جس کی طرف دیکھ لیتے معصیت کے سوتے اس کی زندگی میں خشک ہو جاتے۔ رسالہ احوال پیرانِ چشت میں لکھا ہے۔

''نظر شیخ معین الدین بر ہر فاسقے کہ افتادے در زماں تائب شدے، باز گرد معصیت نگشتے۔''

......یعنی شیخ معین الدین کی نظر جس فاسق پر پڑ جاتی وہ تائب ہو جاتا اور پھر کبھی گناہ کے پاس نہ جاتا۔''

(تاریخ مشائخ چشت، ص: ۱۴۶ بحوالہ رسالہ احوالِ پیرانِ چشت مملوکہ پروفیسر نظامی)

خواجہ بزرگؒ کے لباس سے متعلق مولانا عظمت علی شاہ الہ آبادی کا بیان ہے:

''مولانا سید سکندر علی شاہ صاحب چشتی نیازی نے ایک روز فرمایا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ عنہ نے تمام عمر ایک ازارا ور پیرہن پر اکتفا فرمایا۔ جب پیوند کی ضرورت ہوتی تو میلے کپڑوں کو دھو کر کپڑے پر کپڑے کا ٹکڑا سی لیتے۔ پیوندوں کی کثرت سے ازار شریف کا وزن ۷ ریا ۱۲ ار سیر تھا۔'' (ملفوظات سکندری، ص: ۲۴ تا ۲۵)

مولانا سکندر علی خلیفہ ہیں مولانا غلام محمد کشتواری ثم سجے پوری عرف مسکین شاہ کے، اور وہ خلیفہ ہیں حضرت مولانا نیاز احمد بریلوی علیہ الرحمۃ کے۔

راجہ کو دعوتِ اسلام

غریب نوازؒ نے بقول صاحب سیر الاقطاب کچھ دنوں کے بعد کئی آدمی راجہ کے پاس بھیجے کہ اس گمراہ کو سمجھائیں کہ جس جس پر اس کو اعتقاد تھا وہ سب تو مشرف بہ اسلام ہو گئے، وہ بھی اسلام لے آئے، اسی میں اس کی بھلائی ہے ورنہ ذلیل و پشیمان ہوگا۔ ان لوگوں نے جا کر اس کو دعوت اسلام دی لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔"

(سیر الاقطاب، اردو ترجمہ، ص: ۱۴۸)

پرتھوی راج کے ناراض ہونے کے بارے میں سید محمد مبارک کرمانیؒ نے سیر الاولیاء میں جو روایت حضرت سلطان المشائخ نظام الدین الاولیاء کی زبانی درج کی ہے وہ سب سے زیادہ مستند معلوم ہوتی ہے۔ آپ (خواجہ بزرگؒ) کا ایک مرید رائے پتھورا کے پاس ملازم تھا۔ مہاراجہ نے اس مسلمان کو سخت آذیت اور نقصان پہنچانا شروع کیا۔ اس مسلمان بے چارہ نے خواجۂ بزرگ کے حضورؒ التجا کی۔ آپ نے مہاراجہ پرتھوی راج کے پاس اس کی سفارش کی، مہاراجہ نے آپ کی بات نہ مانی، الٹا کہنے لگا کہ یہ آدمی ادھر آنکلا ہے اور غیب کی باتیں کرتا ہے۔ جب یہ بات اس شاہ اسلام (خواجۂ بزرگ) کے کانوں تک پہنچی تو آپ کی زبان مبارک سے نکلا کہ ہم نے پرتھوی راج کو زندہ پکڑ کر لشکر اسلام کے حوالے کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان معز الدین سام (شہاب الدین غوری) کے لشکر نے غزنی سے چڑھائی کی۔ پرتھوی راج اس کے مقابلے میں آیا اور زندہ سلطان کے ہاتھوں لگا۔ (سیر الاولیاء، اردو ترجمہ، ص: ۵۶)

یہی روایت مطلوب الطالبین، روضۃ الاقطاب اور اخبار الاخیار (فارسی ص: ۲۲) میں بھی درج ہے۔ اخبار الاخیار میں ایک لفظ بدلا ہوا ہے، مثلاً سیر الاولیاء میں ہے......

"پتھورا زندہ گرفتیم و دادیم بہ لشکرِ اسلام" اور اخبار الاخیار میں ہے:

"پتھورا را زندہ گرفتیم و دادیم۔"

سلطان شہاب الدین غوری کو
خواجہ صاحب کی بشارتِ فتح مندی

صاحب سیر الاقطاب لکھتے ہیں: ''کچھ دنوں بعد سلطان شہاب الدین نے کہ اس کو معزالدین بھی کہتے ہیں، خواب میں دیکھا کہ وہ حضرت خواجہ کے روبرو کھڑا ہے اور وہ اس کو مہربانی اور شفقت سے فرمارہے ہیں کہ اے شہاب الدین! اللہ تعالیٰ نے تجھ کو ہندوستان کی بادشاہت عطا کی ہے۔ جلد ہی اس کی طرف متوجہ ہو اور اس راجہ کو زندہ گرفتار کر کے کیفر کردار کو پہنچا۔ جب سلطان شہاب الدین بیدار ہوا تو اسے بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے اپنے دربار کے دانشوروں سے اس کا ذکر کیا۔ ان سب ہی نے اس کو فتح ہند کی مبارکباد دی۔ یہاں تک کہ وہ ہندوستان کی طرف روانہ ہوا اور اجمیر پہنچ کر راجہ سے جنگ لڑی اور بالآخر فتح یاب ہوا، او۔ وہ راجہ حضرت خواجہ کے فرمانے کے مطابق زندہ پکڑ لیا گیا اور شہاب الدین غوری اس کی سلطنت پر قابض ہونے کے بعد دہلی کی طرف متوجہ ہوا۔ (سیر الاقطاب، اُردو ترجمہ، ص: ۱۴۸) پروفیسر نظامی نے بھی (بحوالۂ سیر الاولیاء، فارسی، ص: ۴۷) تسلیم کیا ہے کہ شہاب الدین محمد غوری کی فتح کی بشارت حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے دی تھی۔

(تاریخ مشائخ چشت، ص: ۱۹۰)

ملا عبد القادر بدایوانی کی منتخب التواریخ صفحہ: ۱۵، مطبوعہ نولکشور ۱۲۸۴ھ میں شہاب الدین غوری کے دوسرے حملے (۵۸۸ھ) کے ذکر میں ہے۔ یہ حملہ دوسری ترائین کی جنگ ۱۱۹۲ء میں ہوا۔

''وایں فتح بموجب راندن نفس مبارک رحمانی آن قطب ربانی نمود''

اس واقعہ کے بعد شہاب الدین غوری نے اپنے غلام قطب الدین ایبک کو دہلی کے تخت پر بٹھا کر ہندوستان کا بادشاہ بنا دیا۔

لطف علی بیگ آذر صاحب تذکرۂ آتشکدہ کی یہ بھی روایت ہے کہ اجمیر کے

قیام کے دوران شہاب الدین غوری اور شمس الدین التمش کو حضرت خواجہ نے شرف مزیدی سے سرفراز کیا۔
(تذکرہ آتش کدہ فارسی، مطبوعہ موسسۂ نشر کتاب، ایران، ص: ۳۵۸)

ہندوستان گیر پیمانے پر تبلیغ اسلام کا اہتمام

ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہونے کے بعد غریب نوازؒ نے اپنے پیر بھائیوں اور مریدوں کو ضروری ہدایت دے کر ہندوستان کے مختلف شہروں میں اسلام کی تبلیغ و شاعت کا کام انجام دینے کے لئے یا علم دین کا درس دینے کی غرض سے روانہ فرمایا اور بعض کو شرعی محکموں کا افسر یعنی قاضی اور مفتی بننے کی اجازت دے کر رخصت کیا۔ اس طرح ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں اسلام کی تعلیم کو عام کرنے کا انتظام کیا۔

تذکرہ نگاروں نے ان لوگوں کی تفصیل نہیں دی ہے کہ کون کون بزرگ کہاں کہاں متعین کئے گئے۔ صرف حضرت قدوۃ الدین عرف قاضی قدوہ کا قاضی القضاۃ بن کر اودھ تشریف لے جانا ضرور ثابت ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو دہلی میں اور حضرت شیخ صوفی حمید الدین سوالی کو ناگور میں متعین کرنے کا ذکر تقریباً تمام تذکروں میں ملتا ہے۔ کچھ جانثار ساتھیوں کو اپنے ساتھ رکھا، جن میں خواجہ سید فخر الدین گردیزی، مولانا احمد، شیخ نظام الدین عبداللہ، شیخ صفی الدین وغیرہ۔ بعضوں کے نام گلزار ابرار میں مولانا غوثی شطاری نے دیئے ہیں۔

(گلزار ابرار، اُردو ترجمہ، ص: ۳۴ تا ۳۹، از فضل احمد جیوری، شائع کردہ اسلامک فاؤنڈیشن، لاہور۔)

حضرت خواجہ کا پہلی بار خواجہ قطب الدین سے ملنے دہلی جانا

سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے بحوالۂ سیر العارفین لکھا ہے کہ خواجۂ بزرگ کے مستند پہلے سجادہ نشین اور مشہور خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو بغداد میں خبر

ملی کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی خراسان سے ہندوستان جارہے ہیں تو مرشد کے شوقِ ملاقات میں وہ بھی ہندوستان روانہ ہوگئے۔ لیکن خود دلیل العارفین کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان اپنے مرشد کی معیت (ہمراہی) میں آئے۔ (نیز دیکھیں دلیل العارفین، ص:۵۴) پھر مرشد نے اجمیر سے دہلی جانے کا حکم دیا۔

(بزمِ صوفیہ، ص:۹۴)

دہلی سے خواجہ قطب نے حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا تھا جس میں قدم بوسی کی آرزو ظاہر کی تھی۔ حضرت خواجہ نے جواباً لکھا کہ بہتر یہی ہے کہ تم وہیں رہو اور وہاں تمہاری ضرورت ہے۔ دہلی میں خواجہ قطب کی مقبولیت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ اگر ایک طرف خود بادشاہ وقت شمس الدین التمش آپ کا مخلص ترین مرید تھا تو دوسری طرف شہر کے تمام چھوٹے بڑے امیر اور غریب آپ کے غلام تھے۔ التمش کے مرید و خلیفہ خواجہ قطب ہونے کے بارے میں خزینۃ الاصفیا کے مؤلف کا بیان ہے کہ: ''بادشاہ رحم دل و عادل و سلطانِ کامل و مکمل از خلفائے نامدار و مریدانِ باوقار خواجہ قطب الدین بختیار است و از محبوبان و منظورانِ نظر خواجہ معین الدین سنجری بود۔'' (خزینۃ الاصفیاء جلد:۱، ص:۲۷۶) کچھ خود غرض اور مفاد پرست لوگوں کو آپ کی غیر معمولی مقبولیت سے بے حد حسد پیدا ہوگیا۔ یہ شور بخت لوگ حضرت خواجہ قطب صاحب کی روز افزوں مقبولیت کے زوال کی آرزو کرنے لگے۔ بقول سعدی......

• شور بختاں بہ آرزو خواہند　　مقبلاں را زوالِ نعمت و جاہ

حالانکہ خواجہ قطب کو دنیا کی کسی قسم کی دولت یا جاہ و منصب سے کوئی سروکار نہ تھا مگر حاسدوں کا کیا علاج۔ بقول حافظ شیرازی......

حسد چہ می بری اے سست نظم بر حافظ　　قبول خاطر و لطفِ سخن خداداد است

بادشاہ التمش کے بار بار اصرار کرنے کے باوجود حضرت خواجہ قطب نے شیخ الاسلام کا عہدہ قبول نہیں کیا اور شیخ نجم الدین صغریٰ کو یہ عہدہ دلا دیا۔ کچھ شرپسند لوگوں نے آپ کو انتہائی بےنفسی اور بے نیازی کے باوجود بدنام کرنے کی ناکام کوششیں

شروع کردیں مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ بقول عرفی شیرازی......

عرفی تو میندیش زغوغائے رقیباں　　آوازِ سگاں کم نہ کند رزقِ گدارا

جب حضرت خواجہ کو ان کی حالت کی خبر ہوئی تو بے چین ہو گئے اور محض اپنے لائق و فائق خلیفہ اور سجادہ نشین کی خاطر اجمیر سے دہلی کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس پورے واقعہ کی تفصیل سیر الاولیاء میں موجود ہے۔ سیر الاولیاء کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت خواجہ جب دہلی پہنچے تو ان کے پیر بھائی شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ ان سے ملنے نہ آئے۔ خواجہ بزرگ ان کی تنبیہ کے لئے بہ نفس نفیس ان سے ملنے کے لئے ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ شیخ الاسلام حضرت خواجہؒ سے کسی قسم کے خلوص و تپاک کے بغیر ملے اور کچھ غیریت سی برتی۔ آپ کو ان کی یہ ادا ناگوار گزری۔ آپ نے فرمایا کہ دلی کی شیخ الاسلامی نے شاید تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے۔ شیخ الاسلام نے جواب دیا کہ نیاز مند تو آپ سے وہی پہلے جیسی عقیدت رکھتا ہے مگر ہاں یہ شکایت ضرور ہے کہ جناب نے اپنے ایسے شخص کو دلی میں رکھا ہے جس کے مقابلے میں مجھے کوئی نہیں پوچھتا اور میری شیخ الاسلامی جو برابر بھی قیمت نہیں رکھتی۔ آپ نے فرمایا، تم گھبراؤ نہیں، میں بابا قطب کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ حضرت خواجہ شیخ الاسلام سے رخصت ہو کر خواجہ قطب کے پاس آئے اور فرمایا بابا بختیار! تم اس قدر جلد اتنے مشہور ہو گئے کہ لوگ تمہاری شکایت کرنے لگے۔ "چلو میرے ساتھ اجمیر چلو، میں تم کو مسند پر بٹھا کر تمہاری خدمت کروں گا۔" (علی میاں نے سیر الاولیاء کے اس جملے پر رقت انگیز اور عقیدت آمیز انداز میں لکھا ہے۔ شیخ (غریب نواز) نے وہ ارشاد فرمایا جو ایک ایسے عالی مرتبت شیخ کو فرمانا چاہئے جو کمالِ اخلاص و ربانیت کو پہنچ چکا ہو۔) سعادت مند مرید نے عرض کیا میری کیا مجال ہے کہ میں حضور کے سامنے مسند پر بیٹھوں۔ بالآخر خواجہ صاحبؒ نے اجمیر کا قصد کیا اور بابا قطب کو اپنے ساتھ لے لیا۔ لیکن شہر سے نکل کر ابھی میل دو میل بھی نہیں چلے تھے کہ ہزاروں آدمیوں کو ایک دریا کی طرح اُمنڈتے ہوئے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ بے چین اور بے تاب لوگوں کے اس ہجوم میں

بادشاہ وقت سلطان التمش بھی تھا۔ جہاں بابا قطب الدین قدم رکھتے تھے لوگ اس جگہ کی مٹی کو بطورِ تبرک اٹھا لیتے۔ لوگ بہت بے چین تھے اور زار زار رو رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے کہ ایک نعمتِ عظمیٰ ان کے ہاتھوں سے نکل رہی ہے۔ حضرت خواجہ نے یہ صورت حال دیکھ کر فرمایا۔ ''بابا بختیار! تم اسی مقام پر رہو کہ تمہارے شہر چھوڑنے پر خلق خدا بہت مضطرب اور بے حال ہے۔ میں یہ جائز نہیں سمجھتا کہ اتنے دل خراب و کباب ہوں۔ جاؤ میں نے یہ شہر تمہاری پناہ میں دیا۔'' پس سلطان شمس الدین التمش نے حضرت خواجہ کی قدمبوسی کی اور خوشی خوشی شیخ قطب الدین کے ہمراہ شہر کو لوٹ آیا اور حضرت خواجہ اجمیر کی طرف روانہ ہوگئے۔ (سیر الاولیاء، اردو ترجمہ، ص:۶۴)

یہ پورا واقعہ صاحب سیر الاولیاء نے بروایت حضرت نظام الدین اولیاء نقل کیا ہے۔ یہاں ضمنی طور پر یہ بات بھی درج کرنے کے قابل ہے کہ سلطان شمس الدین التمش اگرچہ حضرت قطب الدین بختیار کا مخلص ترین مرید تھا مگر اسے اپنے دادا پیر حضرت خواجہ غریب نوازؒ سے بھی والہانہ عقیدت تھی۔ اصول طریقت کے مطابق دادا پیر سے عقیدت تو ہونا ہی چاہیے۔

صاحب سیر الاولیاء نے لکھا ہے کہ ''خواجۂ بزرگ کے صاحبزادگان حدودِ اجمیر میں زراعت فرماتے تھے۔ حاکمانِ علاقہ مقررہ حصہ کے لئے مزاحم ہوئے۔ صاحبزادگان نے حضور غریب نوازؒ سے گزارش کی کہ وہ دہلی جاکر بادشاہ سے مقرر داشت (فرمانِ شاہی) لائیں۔ اس ضرورت سے غریب نوازؒ اجمیر سے دہلی آئے۔''

(سیر الاولیاء، فارسی، ص:۵۳، اردو ترجمہ سیر الاولیاء، ص:۴۹ تا ۵۰)

صاحبِ سیر الاولیاء مزید لکھتے ہیں کہ خواجہ قطب الدین نے عرض کیا کہ حضور آپ دربارِ شاہی (التمش) میں نہ جائیں، میں خود جاکر فرمانِ شاہی لاتا ہوں۔ چنانچہ خواجہ قطبؒ سلطان التمش کے پاس گئے۔ بادشاہ حیران رہ گیا کہ خواجہ قطبؒ سے التماس کے باوجود ملاقات میسر نہ آتی تھی اب یہ خود تشریف لائے ہیں۔ ملاقات ہوتے ہی سلطان نے فرمانِ شاہی معہ اشرفیوں کے توڑوں کے آپ کو نذر کیا۔ آپ نے اسے

غریب نوازؒ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

یہی واقعہ حضرت گیسو درازؒ نے بھی درج کیا ہے۔

(جوامع الکلم، فارسی، ص: ۲۰۷)

مولف وقائع شاہ معین الدین نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضور غریب نواز نے ایک ہندو کاشتکار کی گزارش پر اسے بھی فرمانِ شاہی دلوایا کیونکہ اس کی کھیتی کی پیداوار بھی حاکمِ علاقہ نے ضبط کر لی تھی۔ وہ کاشت کار بھی غریب نوازؒ کے ہمراہ دہلی گیا تھا۔

(وقائع شاہ معین الدین، ص: ۴۲)

حضرت خواجہؒ کی ازدواجی زندگی

صاحب سیر الاقطاب نے آپ کے دو عقد تحریر کئے ہیں۔ پہلا عقد حضرت سید وجیہ الدین مشہدی کی صاحبزادی سے ہونا لکھا ہے اور دوسرا ایک راجہ کی بیٹی سے۔

حضرت خواجہ کی اولاد امجاد

صاحبِ سیر الاقطاب نے غریب نوازؒ کے تین صاحبزادوں اور ایک صاحبزادی کا ذکر کیا ہے جن کے اسمائے گرامی سید فخر الدین، سید ضیاء الدین ابوسعید اور حضرت سید حسام الدین ہیں اور صاحبزادی کا نام بی بی حافظ جمال ہے۔

(اردو ترجمہ سیر الاقطاب، ص: ۱۵۰؛ اردو ترجمہ مراۃ الاسرار، ص: ۶۰۲ تا ۶۰۳، خزینۃ الاصفیاء، ص: ۲۶۵)

آپ کی ازواجِ پاک کا بھی ذکر کیا ہے۔ حضرت وجیہ الدین مشہدی کی صاحبزادی کا نام بی بی عصمت اللہ ہے اور راجہ کی بیٹی کا نام امۃ اللہ ہے۔ یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ غریب نوازؒ نے اپنے صاحبزادوں میں سے کسی کو بھی سجادہ نشیں نہیں بنایا بلکہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کو سجادگی عطا کی۔ یہاں اس بات کی صداقت ضروری ہے کہ خواجہ سید فخر الدینؒ کے صاحبزادے خواجہ سید حسام الدین جگر

سوختہ" نبیرۂ خواجہ بزرگ کو حضرت نظام الدین اولیاء سے نسبتِ بیعت حاصل تھی اور کوئی شجرۂ بیعت ایسا نہیں ملتا جس میں خواجہ فخر الدین اور خواجہ حسام الدین کا ذکر ہو۔

حضرت خواجہ" جب خود عقد کر چکے تو اپنے ساتھی درویشوں کو بھی شادی کرنے کی ہدایت کی اور ان سے بھی رسول ؐ کے حکم کی تعمیل کرائی۔ چنانچہ جن جن کو حکم ہوا سب نے کوئی عذر کئے بغیر خواجۂ بزرگ" کی ہدایت پر عمل کیا۔

اولادِ خواجہ کا پیشہ زراعت

ایک زمانے تک تینوں صاجزادوں نے اپنے والد ماجد کے سائے میں پرورش پائی۔ بعد ازاں خواجہ بزرگ کے حکم یا اپنی خوشی سے پہلے قصبہ ناندن بعد میں قصبہ سرواڑ میں جا کر کاشتکاری کے ذریعہ اپنی روزی حاصل کی بعد ازاں آخرِ عمر میں سرواڑ میں آئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

خواجہ بزرگ کا آخری وقت اور سفرِ آخرت کی تیاری

۶۳۲ھ کے شروع ہوتے ہی خواجہ بزرگ کو علم ہو گیا کہ یہ آخری سال حیات ظاہری کا ہے اور عنقریب دنیا سے رخصت ہو کر عقبیٰ کی طرف سفر کرنا ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے غلاموں کو ضروری ہدایتیں اور وصیتیں کرنا شروع کر دیں۔ جن لوگوں کو خلافت نہیں عطا کی تھی ان کو اس دولت سے سرفراز کیا اور سلسلۂ چشتیہ کے بزرگوں سے جو تبرکات آپ کو ملے تھے وہ اپنے جانشین بابا قطب الدین بختیار کاکی کو عنایت کئے اور خدا کے پاس پہنچنے کے شوق میں آپ کی محویت روز بروز بڑھتی گئی۔

(ہمارے خواجہ، ص:۳۸)

حضور غریب نوازؒ کا وصالِ مبارک

رجب کی پانچویں تاریخ ۶۳۲ھ عشاء کی نماز کے بعد جب خواجۂ بزرگ معمول

کے مطابق حجرے کا دروازہ بند کر کے خدا کی یاد میں مشغول ہوئے اور حجرے کے قریب رہنے والے خدام (جن کی اولاد اجداد آج حقوقِ خدمت انجام دے رہی ہے) رات بھر آپ کے ورد اور ذکر کی آواز سنتے رہے۔ صبح ہونے سے پہلے یہ آواز بند ہوگئی۔ سورج نکلنے کے بعد بھی جب دروازہ نہیں کھلا تو خدام نے دستکیں دیں۔ پھر آخر مجبوراً دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوئے اور دیکھا کہ آپ خدا کے پاس پہنچ گئے ہیں۔

(سیر الاقطاب، اردو ترجمہ، ص: ۱۵۵، ہمارے خواجہ، ص: ۳۹)

ہمارے خواجہ کے مصنف مولانا معنی نے غریب نوازؒ کا سنِ وصال ۶۳۲ھ لکھا ہے۔ اس سے مشہور صاحب قلم شیخ اکرام بھی اتفاق کرتے ہیں کہ "عام طور پر تذکروں میں ۶/رجب ۶۳۳ھ درج ہے۔ لیکن معنی صاحب نے تاریخ السلف میں اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے۔" ۶۳۲ھ کو سالِ وصال مانتے ہیں۔

(آبِ کوثر، ص: ۲۰۷، طبع پنجم، ۱۹۶۴ء، تاج کمپنی، دہلی)

صاحب سیر الاولیاء کا بیان ہے کہ جس رات خواجہ معین الدین حسن سنجری نے وفات پائی تھی چند بزرگوں نے حضور نبی کریم کو خواب میں دیکھا کہ حضور رسول پاکؐ فرمارہے ہیں خدا کا دوست معین الدین سنجری آرہا ہے۔ ہم اُس کے استقبال کے لئے آئے ہیں۔ جب آپ وفات پاگئے تو آپ کی پیشانی مبارک پر یہ تحریر نمودار ہوئی ھذا حبیب اللّٰہ مات فی حب اللّٰہ یعنی خدا کے دوست نے اس کی محبت میں وفات پائی۔ (سیر الاولیاء، فارسی، ص: ۴۸، اردو ترجمہ سیر الاولیاء ص: ۵۷) انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

خواجہ بزرگؒ کی تجہیز و تکفین

حضور غریب نوازؒ کے وصال مبارک کی خبر بجلی کی طرح شہر اور شہر کے آس پاس تمام قصبوں میں پھیل گئی اور لوگ ہزاروں کی تعداد میں آکر جمع ہوگئے۔ خدام خاص نے آپ کو غسل دیا، کفن پہنایا اور بڑے صاحبزادے، حضرت خواجہ فخر الدین نے نمازِ جنازہ

پڑھائی، پھر آپ کو آپ کے حجرے میں دفن کیا گیا۔ اس وقت حضرت خواجہ قطب الدینؒ دہلی میں تھے۔ (ہمارے خواجہ، ص:۳۹)

ہندوستان کا آفتاب ولایت بظاہر غروب ہو گیا مگر اس کی آب و تاب قیامت تک باقی رہے گی۔

حضور خواجہ غریب نوازؒ نے ظلمت کدہ ہند کو آفتاب ولایت بن کر روشنی عطا کی۔ آپ بظاہر نگاہوں سے روپوش ہو گئے مگر آپ کی آب و تاب سے آج بھی برصغیر روشن ہے اور قیامت تک روشن رہے گا۔ بلاتشبیہ و بلاتمثیل حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ پورے عالم انسانیت کو روشنی عطا کرنے کے لئے آفتاب رسالت بن کر چمکے، حضرت خواجہ بزرگؒ نے اسی آفتابِ رسالت سراجاً منیرا کی روشنی سے کسب ضیا کر کے سیاہ خانۂ ہند کو منور کیا۔ آج برصغیر کے ساٹھ کروڑ مسلمان خصوصاً اور بے شمار غیر مسلم صاحبان عموماً اس آفتاب ولایت سے کسب ضیاء کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ یہی آپ کی عظیم کرامت کا بین ثبوت ہے۔

تبرکات مشائخ چشت پر تحقیقی نظر

جو تبرکات خواجہ بزرگ سے خواجہ قطب کو ملے اور ان سے پھر یہ تبرکات خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کو ملے، اُن کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے وصال سے پہلے فرمایا کہ ''میرا جامہ، عصا، مصلیٰ اور لکڑی کے نعلین شیخ فرید الدین گنج شکر کو دینا۔ (فوائد الفواد فارسی، ص:۱۸۷)

صاحب سیر الاولیاء نے بھی لکھا ہے کہ خواجہ قطب الدین نے فرمایا یہ میرا خرقہ یہ عصا اور یہ لکڑی کی کھڑاوین شیخ فرید الدین کو دے دینا۔

(سیر الاولیاء، اردو ترجمہ، ص:۸۱)

صاحب سیر الاولیاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ (نظام الدین اولیاء) کا کہنا ہے کہ میں نے اس خرقہ (خرقۂ خواجہ بزرگ) کو دیکھا تھا۔ سوئی سے سلی

ہوئی دو تہوں پر مشتمل تھا۔

صاحب گلزار ابرار نے لکھا ہے کہ بابا فرید گنج شکر نے شیخ بدر الدین اسحاق سے شب رحلت میں فرمایا کہ "شیخ نظام الدین اولیا کو سلام کہنے کے بعد کہنا کہ دوستوں کی جدائی کا رنج اور ملاقات کا شوق فرید اپنے ہمراہ لے چلا اور پیر بزرگوار کا خرقہ تمہارے واسطے بھیجا ہے مبارک ہو۔" (اُردو ترجمہ، گلزار ابرار، ص: ۴۹)

شہزادی جہاں آرا نے بھی لکھا ہے کہ بابا فرید نے شیخ بدر الدین سے فرمایا کہ جو خرقہ مجھے حضرت خواجہ قطب سے پہنچا ہے وہ نظام الدین کو پہنچا دینا۔

(مونس الارواح، فارسی، ص: ۴۷)

حضور غریب نوازؒ کا شجرۂ طریقت

تقریباً سبھی سلاسل طریقت امام الاولیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ' سے شروع ہوتے ہیں۔ جیسا کہ امام فخر الدین رازی نے اپنی کتاب اربعین میں لکھا ہے۔ یہاں حضور غریب نوازؒ کے ان مشائخ کے اسمائے گرامی پیش کئے جارہے ہیں جو اپنے اپنے زمانے میں ولایت کے آفتاب و ماہتاب مانے گئے ہیں۔ ان کے سوانح مبارکہ تصوف سے متعلق بہت سی کتابوں میں درج ہیں۔ صاحب مرآۃ الاسرار شیخ عبدالرحمٰن چشتی نے اپنی کتاب میں ان مشائخ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ وفات کے سن اور تاریخیں بھی درج ہیں۔

(۱)	حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ' ۔	م۔۲۱ رمضان ۴۰ ھ
(۲)	حضرت خواجہ حسن بصریؒ۔	یکم رجب ۱۱۰ھ مدفن بصرہ
(۳)	حضرت خواجہ ابی الفضل عبدالواحد ابن زیدؒ۔	م۔۱۷۱ھ مدفن بصرہ
(۴)	حضرت خواجہ ابی الفیض فضیل ابن عیاضؒ۔	م۔محرم ۱۸۷ھ مکہ معظمہ
(۵)	حضرت خواجہ ابراہیم ادھم البلخیؒ ۔	م۔یکم ماہ شوال ۲۶۱ھ؟
(۶)	حضرت خواجہ سدید الدین حذیفۃ المرعشیؒ	۱۴ رشوال ۲۵۲ھ

(۷) حضرت خواجہ امین الدین ابی ہبیرۃ البصریؒ م۔ ماہ شوال ۲۷۹ھ

(۸) حضرت خواجہ ممشاد علی دینوری م۔ ۱۴ر محرم ۲۹۸ھ

(۹) حضرت خواجہ ابی اسحاق شامی چشتیؒ م۔ ۱۴ر ربیع الآخر ۳۲۹ھ مدفن عسکر علاقہ شام

(۱۰) حضرت خواجہ ابی احمد ابن فرسنافۃ الچشتیؒ م۔ ۳۵۵ھ مدفن چشت

(۱۱) حضرت خواجہ ابی محمد ابن احمد چشتیؒ۔ م۔ ۴۲۱ھ

(۱۲) حضرت خواجہ ابی یوسف چشتیؒ م ۴۵۹ھ مدفن چشت

(۱۳) حضرت خواجہ مودود چشتیؒ م۔ ۵۲۷ھ مدفن چشت

(۱۴) حضرت خواجہ حاجی شریف زندنیؒ م۔ ۳ر رجب ۵۷۴ھ مدفن شام

(۱۵) حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ م۔ ۶ر شوال ۶۰۷ھ مدفن جنت المعلیٰ مکہ معظمہ

(۱۶) حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجریؒ۔ ۶ر رجب ۶۳۲ھ مدفن اجمیر شریف

''فتوح السلاطین'' ہندوستان کی مذہبی تصانیف میں اولین قدیم کتاب ہے جس میں غریب نواز کے جملہ مشائخِ عظام کا شجرہ بصورتِ نظم دیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۱۳۵۰ء کی تصنیف ہے۔

عصامی نے فتوح السلاطین میں ان مشائخ کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

علی چوں ازیں کارواں رخت برد — یکے خرقہ برپیرِ بصری سپرد
حسن چوں سفر کرد ازیں کوچ گاہ — شرف یافت ازو عبدِ واحد کلاہ
رسیدہ ازو بر فضیلِ عیاض — کہ شد تازہ از بوئے خلقش ریاض
وزو خرقہ بر پورِ ادہم رسید — ملک وار آں حلّہ دربر کشید
ازو یافت آں خواجۂ مرعشی — حذیفہ بصد فرحت و دل خوشی
پس آں گہ بہ صدقِ ارادت ربود — ہبیرۃ کہ تعریفش از بصرہ بود
ازاں پس بہ خواجہ علو کش عرب — بہ دینور نسبت کند در نسب
وزو خواجہ اسحٰق چشتی نژاد — بہ بر در کشید آں لباسِ مراد
پس آں خرقہ بو احمدِ چشت یافت — کہ حورش برشت و ملائک بباقت

محمد کہ او نیز از چشت بود | زسودائے خوش کرد ازآں مایہ سود
وزو یوسف آں پیرِ چشتی گرفت | چو روحش ہوائے بہشتی گرفت
وزو یافت آں قطبِ چشتی سرشت | کہ بودست مودود مقبولِ چشت
وزو یافت آں اشرف الدین شریف | کہ شد زندنی نسبتِ آں حریف
وزو یافت ہارونی عثماں بہر | درآورد آں خلعتِ خوش بہ بر
وزو در برآں خرقہ عہدے بعید | معین الدین آں پیرِ سنجری کشید

(بہ تصحیح محمد یوشع مدراس ۱۹۴۸ء، ص: ۷تا۸)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی کتاب ''انتباہ'' میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ چشتیہ سلسلہ خواجہ حسن بصریؒ کے ذریعہ حضرت علیؓ تک نہیں پہنچتا ہے۔ اس لئے کہ خواجہ حسن بصری اس وقت خورد سال (کم عمر) تھے اور وہ خلیفہ نہیں ہو سکتے تھے۔ حضرت خواجہ شاہ فخر الدین دہلویؒ نے جو شاہ ولی اللہ کے معاصر تھے اس خیال کی تردید میں ایک کتاب فخر الحسن لکھی ہے جس میں خواجہ حسن بصریؒ کا حضرت علیؓ سے خلافت پانا ثابت کیا ہے۔ اس کتاب کی شرح مولانا احسن الزماں حیدرآبادی نے قول المستحسن فی شرح فخر الحسن کے نام سے عربی زبان میں لکھی ہے۔

(تاریخ مشائخ چشت، از نظامی، ص: ۱۴۱)

شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں یہ اعتراض کیا تھا۔ انھوں نے کتاب قول الجمیل میں مزید اس اعتراض کا اعادہ کیا ہے۔ شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ نے حاشیۂ قول الجمیل میں اپنے والد بزرگوار کی بات کو دہرایا ہے۔ شاہ فخر صاحب کی اس کتاب کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ ملک العلماء مولانا عبدالعلی بحر العلوم فرنگی محلی نے جب یہ کتاب دیکھی تو فرمایا کہ حُسنِ اعتقاد کے ساتھ ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ بزرگوں نے لکھا ہے حق ہے لیکن یہ تحقیق جو مولانا (شاہ فخر) نے کی ہے ہم کو معلوم نہ تھی۔ فخر الحسن میں احادیث کی متداول کتابوں اور شروح کے علاوہ دوسری نہایت اہم اور مستند کتابوں کے حوالے موجود ہیں جن سے مصنف (خواجہ شاہ فخر

الدین محدث) کے علمی تبحر اور وسعت مطالعہ کا پتہ چلتا ہے۔

(تاریخ مشائخ چشت، از نظامی، ص: ۴۷۹ تا ۴۸۰)

مولانا احسن الزماں جو حضرت حافظ محمد علی خیر آبادی کے خلیفہ تھے بڑے پایہ کے محدث اور جید عالم تھے۔ ان کی شرح فخر الحسن عربی میں ہے اور کافی ضخیم ہے۔ یہ شرح شائع ہو چکی ہے فخر الحسن کا اردو ترجمہ دار العلوم مہریہ، گلشن اقبال کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔ راقم الحروف کے ہندوستان میں مورثِ اعلیٰ حضرت شاہ پیر دین محمد عرف پیر الدین شاہ طہرانی ثم ٹونکی نے بھی اس کتاب پر محققانہ انداز میں حواشی و تعلیقات لکھے تھے جو دست برد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکے۔ حضرت پیر دین محمد علیہ الرحمۃ حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے اور شاہ صاحب کے اس اعتراض کو ان کی خطائے اجتہادی پر محمول کرتے تھے۔ شاہ پیر دین محمد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ مجتہدانہ بصیرت کے مالک تھے اور مشاہیر علماء متقدمین کی طرح ان میں اپنے بعض تفردات کے اظہار کا مادہ تھا۔ چونکہ سلاسل طریقت کا انتساب حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے زیادہ تر حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہٗ کے واسطے سے ہوا اور کچھ مورخین نے ان کی خورد سالی کا ذکر کیا ہے اس لئے شاہ ولی اللہ صاحب کو اشکال پیدا ہوا۔ حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم علیہ الرحمۃ مشائخ چشت سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ حالانکہ ان پر نقشبندیہ نسبت زیادہ غالب تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی ولادت بقول شاہ عبدالرحیم حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی دعا کا نتیجہ ہے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم بارگاہِ قطب میں اکثر حاضر ہوتے تھے ان کو مراقبہ میں حضرت خواجہ قطب نے ہدایت کی تھی کہ جو لڑکا پیدا ہو اس کا نام میرے نام پر قطب الدین احمد رکھنا۔

(اُردو ترجمہ انفاس العارفین، ص: ۱۱۰، از محمد فاروق القادری، ایم۔ اے۔ اسپریچول پبلی کیشنز نئی دہلی)

شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے حضرت مجدد الف ثانی سے بے پناہ عقیدت کے

باوجود ان کے نظریۂ وحدت الشہود کی تائید نہیں کی بلکہ وحدت الوجود کی طرف اپنا رجحان ظاہر کیا ہے۔ یہ خیالات پیر دین محمد طہرانی علیہ الرحمۃ کے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی ترجمان القرآن میں شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کا رجحان وحدت الوجود کی طرف بتایا ہے۔ مولانا آزاد کے الفاظ یہ ہیں ''اور شاہ ولی اللہ نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ میں اگر مسئلۂ وحدت الوجود کو ثابت کرنا چاہوں تو قرآن و حدیث کے تمام نصوص وظواہر سے اس کا اثبات کرسکتا ہوں۔''

(ترجمان القرآن، جلد اول، ص: ۳۳۳، ساہتیہ اکادمی دہلی)

خواجہ بزرگؒ کی اولاد امجاد کا مزید ذکرِ خیر

اس سے قبل آپ کے سلسلۂ ازواج میں اولاد امجاد کا مختصر ذکر آچکا ہے۔ یہاں ذرا تفصیل سے سلسلۂ اولادِ امجاد کا ذکر مقصود ہے۔

خواجۂ بزرگؒ کے خلف اکبر حضرت خواجہ سید فخر الدین احمد چشتیؒ

آپ حضرت خواجہ کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ کا نامِ گرامی خواجہ احمد ہے۔ جیسا کہ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات فوائد الفواد کی دوسری جلد میں ۱۵ر محرم ۷۰۱ھ کی مجلس میں لکھا ہے۔ آپ ۶۱۱ھ یا ۶۱۲ھ میں پیدا ہوئے۔ تمام عمر خدا کی یاد اور کاشتکاری کر کے کسب حلال کرنے میں بسر کر دی۔ ۶۵۲ھ میں اجمیر سے ساٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر قصبہ سرواڑ میں وفات پائی۔ وہیں آپ کا مزار مبارک ہے جو زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز صاحبزادہ سید فضل المتین کی تحقیق کے مطابق خواجگان چشت میں پہلے بزرگ ہیں جو سرواڑ شریف حاضر ہوئے۔ اقبال الدین احمد مرتب ''تذکرۂ خواجہ گیسو دراز'' حضرت بندہ نواز کے سفر وسیاحت کا حال تحریر کرتے

ہوئے لکھتے ہیں...... ''غرض کہ اجمیر سے چوتھے دن روانہ ہو کر قصبہ سرواڑ پہنچے اور غریب نوازؒ کے فرزند خواجہ فخر الدین کے مزار پر فاتحہ خوانی کر کے ناگور کی راہ لی۔''
(رسالہ حضرت خواجہ فخر الدین احمد چشتی، ص:۳ تا ۴، ناشر انتظامیہ کمیٹی درگاہ خواجہ فخر الدین سرواڑ، از صاحبزادہ سید فضل المتین چشتی بحوالہ تذکرہ خواجہ گیسو دراز، ص:۵۰)

خواجہ ضیاء الدین ابوالخیر پسر دوم

آپ کے منجھلے صاحبزادے خواجہ ضیاء الدین ابوالخیر ہیں جن کی کنیت ابوسعید ہے۔ بڑے صاحب کمال اور صاحب حال تھے۔ یہ بھی ہجری سن چھ سو پچانویں میں عالم صورت سے رحلت کر گئے۔ (اذکار ابرار، اُردو ترجمہ، گلزار ابرار، ص:۳۲)

خواجہ حسام الدین پسر سوم

یہ مذکورہ بالا دونوں بھائیوں سے چھوٹے تھے۔ عنفوانِ شباب میں یہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہو کر ابدال اور رجال الغیب کے گروہ میں جا ملے۔ (اذکار ابرار، اُردو ترجمہ، گلزار ابرار، ص:۳۳) اس سلسلے میں گلزار ابرار کا بیان سند کا درجہ رکھتا ہے۔ صاحب سیر الاقطاب نے بھی آپ کا غائب ہونا اور ابدالوں میں شامل ہونا تسلیم کیا ہے۔
(اردو ترجمہ سیر الاقطاب، ص:۱۵۲)

خواجہ بزرگؒ کی صاحبزادی بی بی حافظ جمال

بی بی حافظ جمال پارسا خاتون تھیں اور اپنے والد کے زیر تربیت عبادت وریاضت کر کے بہت بلند مرتبہ پر پہنچیں۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے لکھا ہے کہ آپ عورتوں کو شرعی اور روحانی تعلیم دیا کرتی تھیں۔ (بزم صوفیہ، ص:۶۴)

آپ کا مرقد منورہ حضرت خواجہ کے پائیں ہے۔ آپ کے شوہر شیخ رضی الدین بھی کاملین روزگار میں سے تھے۔ ان کے دو بیٹے خواجہ وحید اور خواجہ احمد تھے۔ فوائد الفواد میں سلطان المشائخ فرماتے ہیں خواجہ بزرگؒ کے نبیرہ (نواسا) خواجہ احمد

بڑے صالح بزرگ تھے۔ ان کے بھائی خواجہ وحید نے حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کی خدمت میں جاکر مرید ہونے کی استدعا کی۔ آپ نے فرمایا۔ ''مجھے تو آپ کے خاندان سے بھیک ملی ہے، میری کیا مجال کہ آپ کو مرید بناؤں۔'' لیکن جب انھوں نے بہت عجز و انکسار کیا تو آپ نے انھیں بیعت کرلیا۔

(اردو ترجمہ مرآۃ الاسرار، ص:۶۰۳ تا ۶۰۴)

خواجہ بزرگ کے پوتے خواجہ حسام الدین جگر سوختہؒ

صاحب گلزار ابرار کا بیان ہے کہ آپ حضرت خواجہ فخر الدین اجمیری (سرواڑی) کے فرزند ہیں۔ آپ کا سینہ سوز محبت سے داغدار تھا اور آنکھیں دردِ طلب سے اشکبار رہتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ حضرت نظام الدین اولیاء کی صحبت میں جا پہنچے تھے۔ ان کی قبر قصبہ سانبھر میں جانب مشرق اجمیر کے راستے پر ہے۔ ان کے پدر بزرگوار نے گم شدہ بھائی کی یاد میں ان کا نام حسام الدین رکھا تھا۔ ان کے دو فرزند تھے۔

فرزندانِ حضرت خواجہ حسام الدین جگر سوختہؒ

صاحب 'گلزار ابرار' کا بیان ہے کہ پہلے فرزند کا نام خواجہ معین الدین خورد ہے۔ آپ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ بیعت ہونے سے پہلے ہی نفس نافرجام کو لڑائی میں زیر کرلیا تھا اور خواجہ معین الدین الاولیاء (غریب نوازؒ) کے باطن سے آپ کو فیض حاصل تھا۔ دوسرے فرزند کا نام شیخ قیام الدین بابر بال ہے۔ آپ خوبصورت، دلاور، دلیر اور بزرگ طینت تھے۔ (اذکار ابرار، اُردو ترجمہ، گلزار ابرار، ص:۳۳) غریب نواز کے پوتے حضرت خواجہ حسام الدین سوختہ کا تفصیلی تذکرہ کسی مستند کتاب میں نہیں ملتا اور خواجہ معین الدین خورد کا شیخ نصیر الدین چراغ سے مرید اور خلیفہ ہونا بھی گلزار ابرار کے علاوہ کسی دوسری کتاب میں نہیں ملتا۔

عہدِ مغلیہ میں اولادِ خواجہ کا دعویٰ تاریخ کی روشنی میں

اصل میں خواجہ بزرگؒ کی اولاد کا مسئلہ مورخین کے درمیان عہد اکبری سے بڑے اختلاف کا موضوع بنا ہے۔ جس کا ذکر اکبر نامہ میں اس طرح کیا گیا ہے۔

"و از آں جا به بقعه‌قدسیه خواجه که در اجمیر واقع است توجه فرموده هم از گردِ راه به مرقدِ منور رسیدند و جبینِ اخلاص برآں سرزمینِ آسمانی رفعت رسانیده استمدادِ همت فرمودند و روزی چند دران مقام کرامت شرائف اوقات را بعبادات و مبرات معمور داشته بفیضِ تفیظ و انتباه مقرون بودند و زمرهٔ عاکفانِ زوایایِ مرقدِ اطهر را بصلات وادرارات بهره مند میگردانیدند.

و چوں همواره دراوقاتِ تقسیم نذور که مبلغ وافر بودجمعی که دعوهٔ فرزندی خواجه داشتند و عهدهٔ تولیت بایشان مفوض بود و ریاست ایں طائفه شیخ حسین داشت تمام زرهائے نذر را متصرف می گشتند و میان او و مجاوران آں رفیع مقام مناقشه و نزاع بهم رسید منجر بآں شد که مشایخ مزار را که متصدی تولیت روضه و اوقات بودند و در دعوهٔ فرزندی تکذیب می‌کردند و ایں گفت و شنید مدتے درمیان بودو آں حضرت خاطر اشرف را بر تحقیقِ حق و استکشافِ احوالِ نفس الامر گماشته ثقات و عدول رابرآں داشتند که از قرار واقع تحقیق نموده بعرضِ اشرف رسانند بعد از پیروئ بسیار ظاهرشد که دعوئ فرزندی اصلے نداشت" (اکبرنامہ، جلد دوم، فارسی،

ص:۲۷۲، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ، ۱۸۸۱ء)

مذکورہ بالا فارسی عبارت کا خلاصہ اس طرح ہے......

جب اکبرِ اعظم خواجۂ بزرگ کے مزار کی زیارت کے لئے اجمیر شریف حاضر ہوئے تو اس وقت شیخ حسین متولی کے منصب پر فائز تھے اور وہ نذورات کی کل رقم پر یہ کہہ کر قابض ہو گئے کہ وہ خواجہ غریب نوازؒ کی اولاد ہیں۔ اس بات پر خدام غریب نوازؒ اور شیخ حسین کے درمیان تنازعہ پیدا ہوا۔ اس دور میں مزار مبارک پر جو مشائخ موجود تھے انھوں نے شیخ حسین کے دعوے فرزندی کو رد کیا اور جب گفت وشنید کافی بڑھ گئی تو اکبرِ اعظم نے حقیقتِ حال معلوم کرنے کے لئے عادل اور ثقہ لوگوں پر مشتمل ایک تحقیقاتی کمیٹی کی تشکیل کی اور یہ حکم دیا کہ بہت جلد حقیقتِ حال سے اکبرِ اعظم کو آگاہ کیا جائے۔ تحقیقاتی کمیٹی نے کافی چھان بین کے بعد جو رپورٹ پیش کی وہ اس طرح ہے......

"بعد از پیرویٔ بسیار ظاہر شد کہ دعویٔ فرزندی اصلے نداشت۔"

......یعنی کافی چھان بین کے بعد یہ ظاہر ہوا کہ شیخ حسین کے دعویٔ فرزندی کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

واضح رہے کہ اکبرِ اعظم کے پیر و مرشد حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ جن کا مزار فتحپور سیکری میں ہے، اُس وقت حیات تھے۔

شیخ حسین کا دعویٔ فرزندی خارج ہونے پر اکبرِ اعظم نے اسے متولی کے منصب سے بھی معزول کر دیا اور اس کی جگہ شیخ محمد بخاری کو جو ہندوستان کے اکابرِ سادات میں سے تھے، عقل و دانش اور عقیدت میں ممتاز تھے، متولی کے منصب پر فائز کر دیا۔

اکبرنامہ فارسی کی جلد سوم صفحہ ۸۶۱، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ میں شیخ حسین سے متعلق مزید تفصیل اس طرح دی ہے:

"دریں روز شیخ حسین را بتولیتِ مشهدِ فیض بخش خواجه معین الدین فرستادند خود را از دختری نژادِ

خواجه می داند از ناهنجاری چندے زندانی دبستاں
برنشاند و روزگار پی سپر ناکامی دشت بوددریں
هنگام نوازش فرمود بدیرین بنگاه فرستادند تبارداری
گذشته نشینانِ آں قدسی برین و سر انجام آش خانه
بدوبار گردید."

مذکورہ بالا فارسی عبارت کا خلاصہ اس طرح ہے......

"......کہ دوبارہ شیخ حسین کو اکبرِ اعظم نے ان پر ترس کھا کر متولی کا منصب عطا کردیا، لیکن شیخ حسین اپنی بیہودہ حرکت سے باز نہیں آئے اور انھوں نے غریب نواز کی بیٹی کی اولاد ہونے کا دعویٰ شروع کردیا۔ شیخ حسین کی اس نالائقی سے غضبناک ہوکر اکبرِ اعظم نے متولی کے منصب سے انھیں دوبارہ معزول کر کے جیل بھیج دیا اور ایک مدت تک شیخ حسین ناکامی و نامرادی کا شکار رہے۔ ایک مدت کے بعد شیخ حسین پر اکبرِ اعظم کی نگاہِ نوازش پھر ہوگئی اور انھیں جیل سے رہا کر کے اجمیر شریف بھیج دیا اور درگاہِ معلیٰ کا لنگر خانہ ان کے سپرد کردیا۔" اس کے بعد برسوں سے جو حضرات دیوان درگاہ ہوتے آئے ہیں اور اپنے آپ کو سجادہ نشین بھی کہلواتے آئے ہیں یہ سب ان ہی شیخ حسین کی اولاد ہیں۔

درگاہ دیوان جو اپنے آپ کو سجادہ نشین کہلواتا ہے، درگاہ خواجہ صاحب ایکٹ (یہ سینٹرل ایکٹ انڈین پارلیمنٹ میں بنا ہے جو کہ درگاہ خواجہ صاحب ایکٹ 1955 کے نام سے موسوم ہے) میں اس کی حیثیت (Position) کیا ہے؟ اور اس کے بارے میں اکبر نامے کا تاریخی فیصلہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے۔

درگاہ دیوان کی درگاہ خواجہ صاحب ایکٹ میں حیثیت محض ایک پبلک سرونٹ (Public Servant) کی ہے۔

سیکشن نمبر۔ ۱۲/ر کے مطابق درگاہ شریف کے نام نہاد سجادہ نشین کو اپنے منصب کے لئے دو سو روپئے (Rs200) ماہانہ درگاہ کے عطیات کی آمدنی (Revenue) میں

سے دیے جائیں گے۔

سیکشن نمبر ۳: ترمیم شدہ ایکٹ نمبر ۲۰/۱۹۶۴ء کے مطابق ناظم، سجادہ نشین (دیوان) اور دیگر ملازمینِ درگاہ شریف، درگاہ املاک کے پبلک سرونٹ ہیں جو انڈین پینل کوڈ کی سیکشن نمبر ۲۱ (Section 21 of the Indian Penal Code) کے تحت آتے ہیں۔

یہاں یہ واضح کرنا نہایت ضروری ہے کہ تقسیمِ ہند کے دوران اس وقت کے دیوان آلِ رسول علی خاں غریب نوازؒ کے آستانے کو چھوڑ کر پاکستان چلے گئے۔ کیا یہی اولادِ خواجہ ہونے کی شان ہے؟ اور کیا اسی کو "شانِ سجادگی" کہتے ہیں۔ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ حضرت نصیرالدین چراغِ دہلی جو غریب نوازؒ کے چوتھے سجادہ نشین ہیں انھوں نے اپنے بعد کسی کو سجادہ نشین نہیں بنایا اور خواجگانِ چشت کے جملہ تبرکات اپنے مزارِ مبارک میں دفن کرادیے۔ اپنے مریدینِ خاص کو خلافت سے نوازا لیکن سجادگی کسی کو نہیں دی۔

(۱) تکملہ خیرالمجالس، ص: ۳۱۵ (۲) سیرالعارفین، مطبع رضوی، دہلی، ص: ۹۷۔)

غریب نوازؒ کے پیر بھائی اور جلیل القدر خلفاء

غریب نوازؒ کے مریدوں کی تعداد حیطۂ تحریر سے باہر ہے۔ اسی طرح سب خلفاء کا ذکر بھی پوری تفصیل کے ساتھ نہیں ملتا۔ البتہ کتابوں سے معتبر طریقے پر جن بزرگوں کا پتا چلتا ہے ان کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ حضور غریب نوازؒ ۵۸۲ھ میں پیر و مرشد سے رخصت ہو کر ۵۸۹ھ تک سات سال کے سفر میں پھر ۵۸۹ھ سے ۶۳۲ھ تک تینتالیس سال قیامِ اجمیر کی مدت میں خدا جانے غریب نوازؒ کے ہاتھ پر خدائے وحدہٗ لاشریک کے کتنے بندے مرید ہو کر خلافت کی نعمت سے مالا مال ہوئے ہوں گے۔ چند پیر بھائیوں اور خلفاء کے اسمائے گرامی مختصر حالات کے ساتھ تحریر کیے جاتے ہیں۔

سب سے بڑے خلیفہ اور سجادہ نشین

غریب نوازؒ کے سب سے بڑے خلیفہ اور سجادہ نشین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ ہیں۔ آپ ماوراء النہر کے قصبہ اوش میں ۵۵۹ھ میں پیدا ہوئے۔ صاحب سیر اولالیاء نے آپ کی عظمت، مقبولیت، کرامت اور منزلت کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے اور سن وفات ۶۳۳ھ بتایا ہے۔ (اردو ترجمہ سیر الاولیاء، ص: ۵۷تا ۶۷)

سلطان شمس الدین التمش کو آپ سے گہری عقیدت تھی۔ کہا جاتا ہے کہ دہلی کا قطب مینار اسی پاک ہستی کی یادگار میں سلطان التمش نے تعمیر کرایا تھا۔ (کیمبرج ہسٹری، جلد سوم، ص: ۵۵) پروفیسر نظامی مرحوم نے بھی لکھا ہے کہ سلطان نے قطب میناران کی یادگار میں تعمیر کرایا تھا۔ (تاریخ مشائخ چشت ص: ۱۵۲)

صاحب سیر الاقطاب نے آپ کا شجرہ نسبی درج کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اوش کے سادات حسینی میں سے ہیں۔ (اردو ترجمہ، سیر الاقطاب، ص: ۱۶۸)

خواجہ بزرگ غریب نوازؒ نے دہلی میں آپ کو اس لئے مامور کیا کہ وہاں مسلم ایشیاء کے گوشہ گوشہ کا آدمی پناہ گزیں ہونے والا تھا۔ وسط ایشیاء میں منگولوں کا طوفان قیامت برپا کر رہا تھا۔ بے شمار صوفیاء، حکماء، شعراء، علماء، ادباء، فقہاء اور ماہرین صنعت وحرفت دہلی کو اپنا ملجا و ماویٰ سمجھ کر آرہے تھے اور دہلی کو اپنا مامن و مسکن بنانے میں مصروف تھے۔ عصامی نے فتوح السلاطین میں جو دہلی کا منظوم نقشہ پیش کیا ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ (فتوح السلاطین بہ تصحیح محمد یوسفؒ، ص: ۱۱۴ تا ۱۱۵)

دہلی میں چشتیہ سلسلہ کی تحریک کی کامیابی دراصل برّ اعظم ایشیاء میں اس کے فروغ کی ضامن تھی۔

خواجہ قطب نے مشائخ چشت کے فکر و عمل اور تعلیمات کو اس خوبصورتی اور حکمت و دانائی کے ساتھ پیش کیا کہ بقول شیخ عبد الحق محدث دہلوی جملہ حکام و عوام آپ کی جانب رجوع ہونے لگے۔

(اُردو ترجمہ اخبار الاخیار، ناشر فرید بکڈ پو دہلی، ص: ۶۲)

قاضی قدوہ غریب نوازؒ کے پیر بھائی

خواجہ قدوۃ الدین عرف قاضی قدوہ روم کے بادشاہزادے تھے۔شہرت عام یہ ہے کہ آپ کا سلسلۂ نسب بنی اسرائیل سے ملتا ہے۔فرنگی محل کے بعض علماء آپ کو سید بتاتے ہیں۔آپ خواجہ عثمان ہرونی کے مرید وخلیفہ ہیں۔ (ہمارے خواجہ،ص:۴۲)

آپ غریب نوازؒ کے ساتھ ہندوستان آئے اور آپ ہی کے حکم سے فیض آباد اودھ میں قیام کیا وہیں وفات پائی۔قدوائیوں کا مشہور ومعروف خاندان آپ ہی کی اولاد میں ہے، آپ کی اولاد امجاد میں عالم و فاضل، درویش وفقیر، رئیس و امیر اور موجودہ ہندوستان کی حکومت میں وزیر ہوئے ہیں۔

حضرت خواجہ سید فخر الدین گردیزی خدام غریب نوازؒ کے مورثِ اعلیٰ

آپ کا ذکر تفصیل سے آگے آرہا ہے۔آپ غریب نوازؒ کے ہم نسب یعنی کاظمی سادات سے ہیں۔حضرت خواجہ عثمان ہرونی کے مرید ہیں لیکن خلافت حضرت خواجہ بزرگؒ سے ملی ہے۔آپ ہمیشہ غریب نوازؒ کے ساتھ رہے اور آپ کی اولاد امجاد آج بھی اپنے جدّ اعلیٰ کی روایت کے مطابق خدام غریب نوازؒ کی حیثیت سے خدمت آستانۂ غریب نوازؒ میں مصروف ہے۔خدام کا شروع سے آج تک موجود ہونا حضور غریب نوازؒ کی تسلسل آمیز کرامت کا زندہ ثبوت ہے۔

شیخ محمد ترکؒ

آپ حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ کے مرید ہیں۔خواجہ بزرگؒ سے نعمت خلافت پائی۔آپ غریب نوازؒ کے ہمراہ ہندوستان آئے۔غریب نوازؒ کے حکم سے نارنول میں رہ کر تبلیغ اسلام کا کام انجام دیا۔حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی نے آپ کے مزار کی زیارت کی،۶۴۲ھ میں وصال ہوا۔مزار مبارک نارنول میں ہے۔

(ہمارے خواجہ،ص:۴۲)

سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوریؒ

آپ حضور غریب نوازؒ کے مرید وخلیفہ ہیں۔

(اُردو ترجمہ فوائد الفواد، ص: ۳۸۶ ناشر علما اکاڈمی اوقاف، پنجاب، لاہور، پاکستان)

آپ کا شجرۂ نسبی مشہور صحابیِ رسول حضرت سعید بن زید سے ملتا ہے۔ آپ نے بڑی عمر پائی اور سلطان المشائخ محبوب الٰہی کے زمانے میں بھی اس دنیا میں موجود تھے۔ تاریخ وصال ۲۹ ربیع الثانی ۶۷۲ھ ہے۔ قبر شریف ناگور میں ہے۔ آپ کے ملفوظات سرور الصدور ونور البدور کے نام سے آپ کے پوتے حضرت فرید الدین چاک براں نے جمع کیے ہیں جو فارسی میں ہیں اور جس کا ترجمہ اردو میں مولوی محمد علی بن مولوی ہاشم علی جھنجھانوی علیہ الرحمۃ نے شائع کر دیا ہے۔ آپ کے حالات عموماً مشائخ چشت سے متعلق سبھی کتابوں میں درج ہیں، خصوصاً تاریخ مشائخ چشت میں پروفیسر نظامی نے تفصیل سے آپ کا ذکر کیا ہے۔

شیخ نظام الدین ناگوریؒ

آپ حضرت خواجہ کی خدمت سے ایک لمحہ بھر جدا نہیں ہوئے بلکہ جدائی کو اپنا عظیم نقصان سمجھتے تھے۔ خواجہ بزرگؒ نے کئی بار آپ کے متعلق یہ جملہ فرمایا کہ ہمارا نظام نظام الدین کے ساتھ ہے۔ (اذکار ابرار، اردو ترجمہ گلزار ابرار، ص: ۳۸)

حضور غریب نوازؒ کے اکثر خلفاء کے اسمائے گرامی اور حالات مسالک السالکین اور اقتباس الانوار میں درج ہیں۔ چند خلفاء کے اسمائے گرامی تبرکاً یہاں درج کیے گئے ہیں۔

خواجہ غریب نوازؒ، چشتی صوفیا اور اردو کا آغاز

اردو کے آغاز کا معاملہ دوسری زبانوں سے مختلف ہے۔ مختلف دانشوروں نے اس کے آغاز سے متعلق قیاس آرائیاں کی ہیں۔ بعض لوگوں نے اس کا موجد امیر

خسرو کو قرار دیا ہے جو سراسر غلط ہے۔ عرب و ہند کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ عرب کے تاجرین عہدِ رسالت میں جنوبی ہند صوبہ کیرلا میں آچکے تھے۔ مالابار میں ایک مسجد ہے جس کا رُخ بیت المقدس کی طرف ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلام کی برکات نے دوسرے ممالک سے پہلے ہندوستان کو نوازا۔ بطورِ جملۂ معترضہ یہ بھی عرض ہے کہ عیسائیت (دینِ مسیحی) یورپ سے پہلے ہندوستان میں آئی، یہ اس سرزمین کی خوش بختی ہے۔

معلوم ہوا کہ تحویلِ قبلہ سے قبل عرب تاجرین جو آخری پیغمبر اسلام کے اصحاب میں تھے مالابار میں آچکے تھے۔ ان کے اخلاقی معاملات سے متاثر ہو کر کیرلا کے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے۔ اقبال کے استاد ٹی ڈبلیو آرنلڈ نے اس نظریہ کو باطل قرار دیا ہے کہ اسلام مسلم فاتحین کی تلوار سے پھیلا۔ ملاحظہ ہو ان کی کتاب (The Preaching of Islam)۔ کیرلا میں عربوں اور کیرلا کے باشندوں کے اختلاط سے جو زبان وجود میں آئی وہ جنوبی اردو کا نقش اول ہے۔ اس میں عربی الفاظ اور ملیالم کے الفاظ مل گئے۔ بعد ازاں محمد بن قاسم کی فتح سندھ و ملتان ۷۱۲ھ سے جو زبان وجود میں آئی وہ سندھی اردو ہے۔ پنجاب میں محمود غزنوی کی فتوحات کے بعد جو زبان وجود میں آئی وہ پنجابی اردو ہے جسے عوفی نے اپنے تذکرۂ شعراء لباب الالباب میں ہندوی کہا ہے اور مسعود سعد سلمان کو اس کا پہلا شاعر قرار دیا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے ملتان میں عبدالرحمٰن نام کا شاعر ہو چکا تھا جس نے اس وقت کی زبان اپبھرنش میں سندیش راسک کتاب لکھی جو دستیاب ہے اور ہندی ادب کے ایم۔اے کے کورس میں شامل ہے۔ یہ اپ بھرنش کا گرنتھ سنسکرت کی عوامی شکل ہے جس میں فارسی کے الفاظ بھی شامل ہیں۔ آریہ لوگ وسطِ ایشیاء سے آئے تھے اس لئے سنسکرت اور قدیم فارسی رسم الخط کی وضع یعنی الٹی طرف سے لکھا جانا بھی مشترک ہے۔ سلطان شہاب الدین غوری کی فتح دہلی کے بعد جو مسلم سلطنت قائم ہوئی وہاں جو زبان پروان چڑھی، وہ اپبھرنش اور فارسی کا آمیزہ تھی۔ اسی کو کھڑی بولی کہہ دیا گیا۔ اسی دور میں حضرت خواجہ معین الدین

چشتی علیہ الرحمۃ اجمیر تشریف لائے۔آپ نے اپنے اصلاحی خیالات کی تبلیغ کے لئے جو زبان اختیار کی وہ راجستھانی اردو ہے۔مورخینِ زبان نے اسے ہندوی کہا ہے اور خواجہ بزرگ" کے خلیفہ حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوریؒ، جو دہلی میں پیدا ہوئے تھے، اسی ہندوی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ان کے ملفوظات بہ نام "سرور الصدور ونور البدور" تحقیق کی روشنی میں مستند ہیں جس کا ایک مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری کے شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہے۔اس میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ ہندوی میں گفتگو کرتے تھے "بہ زبان ہندوی گفتند" (سرور الصدور، ص:۱۰)

اب سوال یہ ہے کہ یہ ہندوی کیا ہے۔خواجہ غریب نوازؒ اور ان کے ہمراہ آئے ہوئے درویش فارسی بولتے تھے اور راجستھان میں جو اپ بھرنش رائج تھی اس کا نام مارواڑی زبان تھا۔خواجہ بزرگ" عوام میں تبلیغ فرماتے تھے۔اس لئے عوامی بول چال کی زبان جو مارواڑی اور فارسی کا آمیزہ بنی وہ راجستھانی اردو ہے۔

اردو کو لشکری زبان کہنا سراسر غلط ہے۔دور رسالت سے مسلم سلطنت دہلی کے عہد تک مسلم صوفیاء، علماء اور تاجرین جس علاقے میں گئے وہاں عوامی اختلاط سے جو زبان وجود میں آئی وہی اردو ہے۔چوں کہ مسلمان پورے ہندوستان میں پھیل گئے اس لئے ہر علاقے میں فارسی وعربی اور وہاں کی رائج الوقت مقامی زبان سے جو آمیزہ تیار ہوا وہ وہاں کی اردو کہلائی۔حضرت داتا گنج بخش شیخ ہجویری اور دیگر صوفیاء پنجاب جس زبان میں گفتگو کرتے تھے وہ فارسی اور پنجابی سے مرکب تھی۔یہاں یہ بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ ہر علاقے کی اپبھرنش الگ الگ تھی۔سنسکرت کو کبھی عوامی زبان بننے کا شرف ہندوستان کی تاریخ میں دورِ قدیم سے آج تک حاصل نہیں ہوا۔یہی وجہ ہے کہ گوتم بدھ جی نے سنسکرت کے بجائے پالی زبان اختیار کی جو اس دور کی عوامی زبان تھی۔ان سے پہلے مہاویر جی نے جو جینیوں کے چوبیسویں تیرتھانکر ہیں پراکرت زبان استعمال کی جو اس دور میں ان کے علاقے کی عوامی زبان تھی۔

جس طرح ہندوستان کے ان مصلحین مذہب نے عوامی رابطے کے لئے عوامی

زبان اختیار کی اسی طرح مسلم صوفیاء اور فقراء نے عوامی زبان رابطے کے لئے اختیار کی جو ارتقاء کی منزلیں طے کرتی ہوئی امیر خسرو کے عہد تک آگئی۔ انھوں نے بھی ہند کی رعایت سے اسے ہندوی کہا، ہندی نہیں کہا اور اس زبان میں بہت کچھ لکھا مگر وہ دست بُرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکا۔ ان کا کچھ ہندوی کلام محفوظ ہے جو مستند ہے۔ مثلاً وہ دوہا جو انہوں نے اپنے پیر و مرشد حضرت نظام الدین اولیاء کے وصال پر کہا ہے......

گوری سووے سیج پر مکھ پر ڈالے کیس
چل خسرو گھر آپنے سانجھ بھئی چھوں دیس

(ملاحظہ ہو کتاب ''جواہرِ خسروی)

دوہا کی صنف سنسکرت میں نہیں ملتی اور نہ فارسی میں ملتی ہے یہ خالص اَپ بھرنش کی پیداوار ہے۔

غریب نوازؒ کی آمد سے پہلے جس طرح سیاسی لحاظ سے ہندوستان مختلف علاقوں اور صوبوں میں بٹا تھا۔ ہر علاقے کا راجہ الگ تھا، اسی طرح زبان کے لحاظ سے بھی ہندوستان مختلف زبانوں میں بٹا ہوا تھا، کوئی مشترکہ زبان نہ تھی، حد یہ کہ جنوبی ہند میں جایئے ملیالم بولنے والا تیلگو نہیں سمجھے گا، کنڑ بولنے والا ملیالم نہیں سمجھے گا۔ ہندوستان میں غریب نوازؒ کی آمد سے بیداری کی ایک لہر آئی اور مشترکہ تہذیب کی رفتہ رفتہ بنیاد پڑی۔ ہندوستان کے باشندوں اور مسلمانوں نے مل جل کر گنگا جمنی تہذیب، کو جنم دیا جو آج بھی قائم ہے۔ اسی طرح پورے ملک کی یکجہتی اور سالمیت کا تصوّر اُبھرا اور اس طرح پورے ملک کو ایک زبان کے دھاگے میں تسبیح کے دانوں کی صورت پرونے کا خیال آیا اور اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اردو سامنے آگئی۔ بقول اقبال سہیل اعظمی (علیگ)......

مل جل کے برنگ شیر و شکر دونوں کے نکھرتے ہیں جوہر
دریاؤں کے سنگم سے بڑھ کر تہذیب کا سنگم ہوتا ہے

حضور غریب نوازؒ کے خلیفہ خواجہ قطب الدین علیہ الرحمۃ اور ان کے خلیفہ بابا فرید

جنھوں نے غریب نوازؒ کی زیارت کی اور فیوض و برکات بھی حاصل کیے، ایسی زبان میں گفتگو کرتے تھے جو پنجابی آمیز اردو ہوتی تھی۔ ان کا ایک جملہ صاحبِ سیر الاولیاء نے درج کیا ہے۔ "پونوں کا چاند بالا ہوتا ہے۔" (سیر الاولیا فارسی، ص ۱۸۳)

صاحبزادہ سید فضل المتین نے اجمیر کی اردو شاعری کے تعلق سے عہدِ ہمایونی اور عہدِ اکبری کے شعرائے اجمیر کا ذکر کیا ہے۔ اس سلسلے میں موصوف نے جو تحقیقی تبصرہ کیا ہے وہ ہدیۂ قارئین ہے:

"عہدِ ہمایونی اور عہدِ اکبری کے شعرائے اجمیر کے اشعار مل جاتے ہیں۔ ایک منقبت جس کو درگاہ شریف حضرت خواجہ معین الدین چشتی غریب نوازؒ کی اصطلاح میں کڑکا کہتے ہیں، ملاحظہ ہو:

(یہ کڑکا روزانہ رات کو روضۂ مبارکہ کا دروازہ بند ہوتے وقت قوال پڑھتے ہیں)

کڑکا

ہے تو صحیح (سہی) معین الحق بدہ سنوارا چشتی چراغ جگ میں اجارا
ہے تو صحیح معین الحق بدہ سنوارا

چتر چتر ا دن برن کیے باون جتن ہراجوگی اجے پال باجا
اڑ چلو جب ہی پیر حکم کیو جب سر کو سنبھال کون اتارا
ہے تو صحیح معین الحق بدہ سنوارا

تو تھب دنیا، دین بھیو ہندالولی نورِ ھدیٰ حور ھدیٰ ہر دوارا
بھیؤ راجہ گھیر لسین اجمیر جب کیو اسلام توڑا کفارا
ہے تو صحیح معین الحق بدہ سنوارا

کفر جن توڑے اسلام کیو جنے گرو نے شان دربار باجا
اتر، دکھن، پورب، پچھم پیروں کی سی کے آوا جا
دین کو تھب معین الدین خواجہ.
بجانِ من گیان، دین کو تھب معین الدین خواجہ

چتر دولہا بنے خواجہ حسن داں ایک ہی معجزہ داند تمھارا

خواجہ دین کو تھمب معین الدین خواجہ

تم بڑے سلطان حضرت چشتی بڑے تخت اور ملک تم کو ہی چھاجا

روڑا، مٹھو پر اپنا رحم کیجئے دل کا درد دور کرو خواجہ خواجہ

دین کو تھمب معین الدین خواجہ

مولانا خواجہ معنی اجمیری کا ارشاد ہے: ''یہ اشعار عہدِ اکبری یا عہدِ جہانگیری کی تصنیف ہیں۔ اب تک کسی کاغذ پر درج نہیں ہوئے۔ البتہ قوالانِ درگاہ نسلاً بعد نسلٍ گاتے چلے آرہے ہیں۔ بعض الفاظ بالکل سمجھ میں نہیں آتے۔ ممکن ہے کہ اصل الفاظ کی صورتیں مسخ ہوگئی ہوں۔ اشعار کے تسلسل کا بھی کوئی اطمینان نہیں ہے۔ تاہم جو اشعار سمجھ میں آتے ہیں، وہ بالکل صاف اردو میں ہیں۔ مثلاً:

روڑا، مٹھو پر اپنا رحم کیجئے

دل کا درد دور کرو خواجہ خواجہ

کہتے ہیں روڑا، مٹھو فنِ موسیقی میں باکمال استاد تھے جن کو عہدِ جہانگیری میں رانا اودے پور اپنے یہاں لے گئے تھے۔'' (ہمارے خواجہ، ص:۹۹ تا ۱۰۰)

ایک اور صوفی شاعر ابوالمعالیؒ کی ایک مکمل غزل دستیاب ہوچکی ہے۔ یہ عہدِ شاہجہانی کے عالم اور خواجہ کے خدام کی جماعت کے ایک بزرگ تھے، اور عہدِ شاہجہانی میں خدمتِ درس پر فائز تھے۔ دستیاب شدہ غزل درجِ ذیل ہے......

اے صنم تیری یاد سب سیں بھلی و خاموش باش ہمچو کلی

اے صنم تیری یاد کیسیں کروں فکر بہتر بود ز ذکر جلی

اندرونِ جگر میں رتاں کر ہر دم ایں کام قطب و غوث، ولی

گر ترا ہست، ذوق دیدارش جہادِ دنیا و دیں بری بھلی

خاک درگاہِ مصطفےٰ کا ہو بعد ازاں حبِّ اہلِ بیتِ علی

لن ترانی بگوشِ موسیٰ زد سر نگوں درفتاد...... کلی

کٹھن یہ پنتھ عشق بازی کا | ہمچو منصور رفت بر سولی
حسن تیرے کا جب خیال کیا | چشم مجنوں بدید رخ لیلی
جب سیں سیس ہم انام کیا | سینہ مو کہب کی ہے عشق سلی
بوالہوس ایں سخن را کے داند | نزدِ احمق چہ دودھ، چھاچھ، دہی
مکھ اپنے سیں دور کر گھونگھٹ | راز ظاہر مکن تو اے مالی

یہ غزل ایک قلمی بیاض میں تحریر ہے۔اس کا فوٹو لے لیا گیا ہے۔
(صاحبزادہ سید فضل المتین کی کتاب ''شعرائے اجمیر''
ناشر: راجستھان اردو اکادمی، جے پور، ص: ۸تا۹)

OO

آٹھواں باب

خواجۂ بزرگؒ کی شخصیت، تعلیمات اور کارنامے

حضرت خواجہ کی شخصیت، تعلیمات اور کارنامے برِصغیر کے ہر مکتب فکر کے اہل علم میں مقبول ہیں۔ ذیل میں مختلف مکاتیب فکر کے کچھ مشاہیر اہل علم کے خیالات درج کیے جا رہے ہیں، جنھیں درگاہی اور خانقاہی مراسم و روایات سے بیگانگی ہے مگر خواجہ بزرگ سے ان کی والہانہ عقیدت ان کے ایک ایک لفظ سے مترشح ہو رہی ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی بانی جماعت اسلامی پاکستان

"برِصغیر ہندو پاک کے سب سے بڑے اسلامی مبلغ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ تھے جن کی برکت سے راجپوتانہ میں اسلام کی اشاعت ہوئی اور جن کے بالواسطہ اور بلا واسطہ مریدین تمام اقطاع ملک میں اسلام کی شمع ہدایت لے کر پھیل گئے۔ حضرت خواجہ قطب الدین کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی کے اطراف میں، حضرت فرید الدین گنج شکر نے علاقہ پنجاب میں، حضرت نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی اور اس کے نواح میں، حضرت سید محمد گیسو درازؒ، حضرت شیخ برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ زین الدین اور آخر زمانہ

میں (اورنگ آباد کے) حضرت نظام الدین نے ملک دکن اور دور آخر میں حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی نے دہلی مرحوم میں بھی دعوت الی الخیر اور تبلیغ اوامر اسلام کی خدمت انجام دی۔ ان کے علاوہ دوسرے سلسلوں کے اولیائے کرام نے بھی اس کام میں انتھک مستعدی سے کام لیا۔"

(اسلام کا سرچشمۂ قوت از سید ابوالاعلیٰ مودودی، شائع کردہ: ایوانِ ادب، چوک اُردو بازار، لاہور، پاکستان)

علامہ سید ابوالحسن علی میاں ندوی سر براہ ندوۃ العلماء لکھنؤ

بسید ابوالحسن علی میاں ندوی نے اپنی کتاب تاریخ دعوت و عزیمت جلد ۳ کا پہلا باب خواجۂ بزرگ کی شخصیت، ان کے خلفاء اور دیگر سلاسل کے بزرگوں کے تبلیغی کارناموں پر لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں......

"اس طرح ہندوستان اور ہندوستان میں جو کچھ خدا کا نام لیا گیا اور اسلام کا کام کیا گیا وہ سب چشتیوں اور ان کے مخلص و عالی ہمت بانیٔ سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے حسنات اور کارناموں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ اس ملک پر اس سلسلے کا حق قدیم ہے۔"

مولانا غلام علی آزاد (بلگرامی) نے صحیح لکھا ہے......

"لاشک بزرگان چشت عنبر سرشت راحقی است قدیم بر ولایت ہند یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ بزرگانِ سلسلہ چشت کا ملک ہندوستان پر حقِ قدیم ہے"

(بحوالہ تذکرہ مآثر الکرام فارسی، ص: ۷- تاریخ دعوت و عزیمت، ص: ۲۹)

"ہندوستان میں سلسلہ چشت کے بانی بلکہ ایک طرح سے اس ملک میں سلسلہ

اسلامی کے بانی حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے تذکرہ کی کتابوں کا مطالعہ کیجئے۔"

(حوالہ سابقہ، ص: ۱۵)

" لیکن حقیقتاً ہندوستان کی فتح کا سہرا سکندر اسلام سلطان محمود غزنوی (م۴۲۱ھ) کے سر اور مستحکم و مستقل اسلامی سلطنت کے قیام کی سعادت سلطان شہاب الدین محمد غوری (م۶۰۲ھ) کے حصے میں تھی، اور آخری طور پر اس کی روحانی تسخیر اور اخلاقی و ایمانی فتح حضرت خواجۂ بزرگ شیخ الاسلام معین الدین چشتیؒ (م۶۲۷ھ) کے لئے مقدر ہو چکی تھی۔"

(حوالہ سابق، ص: ۲۲)

ہندوستان کی فتح سے پہلے اسلام کے چاروں مشہور روحانی سلسلے قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ وجود میں آچکے تھے اور عرصہ سے پھل پھول رہے تھے، اپنے اپنے وقت پر ان میں سے ہر ایک کا فیض ہندوستان کو پہنچا اور ہندوستان کی اسلامی تعمیر وتشکیل میں سب کا حصہ ہے۔ شکر اللّٰہ مساعیہم لیکن ہندوستان کی روحانی فتح اور اس سرزمین پر اسلام کا پودا نصب کرنے کے لئے (جس کے سایہ اور پھل سے ایک عالم مستفید ہونے والا تھا) حکمت الٰہی نے چشتی سلسلہ کا انتخاب فرمایا۔ وربک یخلق ما یشاء ویختار۔

(حوالۂ سابق، ص: ۲۲)

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ہندوستان میں مسلم سلطنت کے قیام سے قبل صرف سلسلۂ چشتیہ ہی یہاں آیا، دیگر سلاسلِ تصوف بعد میں آئے۔ مشائخِ چشت نے ان سلاسل کی میزبانی کی اور انھیں بھی آگے بڑھایا۔

ان اسرار الٰہی سے قطع نظر جن کو ہماری کوتاہ نظر نہیں پاسکتی، چشتیوں پر اس ملک کا حق ہمسائیگی بھی تھا، ان کا سلسلہ اس ملک کے ہمسایہ ملک ایران میں فروغ پا رہا تھا۔ اپنے دردمندانہ مزاج اور نسبتِ عشقیہ کی بناء پر بھی جو سلسلہ چشتیہ کا سرمایہ ہے، اس سلسلہ کو ہندوستان کا دل جیت لینا اور اس کو اپنی محبت کا اسیر اور عشق الٰہی کا نخچیر بنا لینا آسان تھا کہ زمانۂ قدیم سے محبت و درد اس سرزمین کے خمیر میں ہے۔"

(حوالہ سابق، ص: ۲۲)

"غرض ان معلوم و نا معلوم حکمتوں کی بناء پر قدرت الٰہی نے ہندوستان میں اسلام کے تعارف اور اشاعت کے لئے اس سلسلہ کا انتخاب فرمایا، اور چشتیوں کو ہندوستان کی طرف رُخ کرنے کا اشارۂ غیبی ہوا، سب سے پہلے جس چشتی شیخ نے ہندوستان کی طرف عنانِ عزیمت موڑی وہ خواجہ ابو محمد چشتی تھے جن کی دعائیں اور بابرکت ذات سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کی پشت پناہ تھی۔"

مولانا جامی "نفحات الانس" میں لکھتے ہیں......

وقتے کہ سلطان محمود بہ غزوِ سومنات رفتہ بود خواجہ رادر واقعہ نمود ند کہ بمدد گاری وے باید رفت درسن ہفتاد سالگی بادرویشے چند متوجہ شد چوں آں جا رسید بہ نفس مبارک خود با مشرکان و عبدۂ اصنام جہاد کرد.

(ترجمہ) "جس وقت سلطان محمود سومنات کی طرف گیا ہوا تھا خواجہ ابو محمد کو اشارۂ غیبی ہوا کہ اس کی مدد کے لئے جائیں وہ ستر برس کی عمر میں چند درویشوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر بنفس نفیس مشرکوں اور بندگانِ اصنام سے جہاد کیا۔"

(بحوالۂ نفحات الانس، فارسی، ۲۲۳، حوالہ سابق ص: ۲۲ تا ۲۳)

علی میاں نے پھر لکھا ہے:

"لیکن جس طرح محمود کی سیاسی، فتح کی تکمیل اور اسلامی سلطنت کے استحکام و استقلال کی سعادت سلطان شہاب الدین غوری کے لئے مقدر تھی خواجہ ابو محمد چشتی کے کام کی تکمیل اور اسلام کی عمومی اشاعت اور مستحکم اسلامی مرکز رشد و ہدایت کا قیام اسی سلسلہ کے ایک شیخ، شیخ الشیوخ خواجہ معین الدین سنجریؒ کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔"

(تاریخ دعوت وعزیمت، ص: ۲۴)

"سلسلہ چشتیہ کی بنیاد ہندوستان میں پہلے ہی دن سے اشاعتِ تبلیغ و اسلام پر

پڑی تھی، اور اس کے عالی مرتبت بانی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ہاتھ پر اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے کہ تاریخ کے اس اندھیرے میں ان کا اندازہ لگانا مشکل ہے، عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کی یہ کثرت بہت کچھ حضرت خواجہ کی کوششوں اور روحانیت کی رہین منت ہے...... اس وقت تک ہندوستان جوگ و اشراقیت کا ایک بڑا مرکز تھا۔ یہاں کے بہت سے فقیر و سنیاسی اشراقی اور قلبی قوت میں بڑا کمال رکھتے تھے، ریاضت شاقہ اور مختلف مشقوں سے انھوں نے کشف و تصرف کی بڑی قوت بڑھا رکھی تھی۔ ان میں بہت سے لوگ اس نو وارد مسلمان فقیر کے امتحان اور اس کو زک دینے کے لئے اس کے پاس آئے لیکن ان کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ یہ غریب الوطن درویش ان سے اپنی قلبی (اور روحانی) قوت میں بڑھا ہوا ہے اور ساحرین فرعون کی طرح ان کو یہ اندازہ ہو گیا کہ اس کے کمالات اور قوتوں کا منبع اور سرچشمہ کچھ اور ہے۔ اسی کے ساتھ ان کے اخلاق کی پاکیزگی، صاف ستھری زاہدانہ اور بے طمع زندگی، ایمان و یقین کی قوت، خلقِ خدا کے ساتھ ہمدردی اور بلا تفریق مذہب و ملت انسان سے محبت اور انسانیت کا احترام دیکھ کر مخالفین بھی معتقد اور دشمن بھی دوست ہو گئے۔ تذکرہ و تصوف کی کتابوں میں اس سلسلہ میں جوگیوں اور سنیاسیوں کے ساتھ مقابلہ اور حضرت خواجہ کے کشف و تصرفات کے جو واقعات کثرت کے ساتھ نقل کئے گئے ہیں، اگرچہ ان کو تاریخی سند سے اور قدیم تر معاصر ماخذ کے ذریعہ ثابت کرنا مشکل ہے، لیکن ہندوستان کے اس وقت کے ذوق و رجحان اور اجمیر کی دینی و روحانی مرکزیت کو دیکھتے ہوئے یہ واقعات خلاف قیاس نہیں، دراصل جس چیز نے حضرت خواجہ کا گرویدہ اور اسلام کا حلقہ بگوش بنایا وہ تنہا ان کی قلبی قوت نہ تھی بلکہ ان کی روحانیت، اخلاص و اخلاق اور ان کا وہ طرزِ زندگی تھا، جس کا ہندوستان کے اہل فن اور عوام نے اس سے پہلے کبھی تجربہ نہیں کیا تھا۔"

(تاریخ دعوت و عزیمت، ص: ۱۶۶ تا ۱۶۷)

ماہنامہ طلسماتی دنیا دیو بند کے مدیر جناب حسن الہاشمی فاضل دارالعلوم دیو بند

نے ''ذرا سوچئے'' کے عنوان سے اداریہ لکھا ہے جو ملتِ اسلامیہ کے عوام و خواص کے لئے قابلِ غور ہے وہ درج ذیل ہے۔

ذرا سوچئے

اسلامی جنتری میں اگلا مہینہ رجب کا کہلاتا ہے۔ ہندوستان میں اس کی خاصی شہرت اس بناء پر ہے کہ اسی مہینہ کی چھٹی تاریخ کو یہاں کے ایک مشہور ولی خواجہ معین الدین حسن چشتیؒ نے اس دارفانی سے رحلت فرمائی تھی، اور اسی مہینہ کے ابتدائی عشرہ میں ان کا عرس بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ عرس کے موقع پر جو بہت سی مخالف شرع رسمیں (ہاشمی صاحب نے ان مخالفِ شرع رسموں کی وضاحت نہیں کی۔ یہاں کی رسمیں صدیوں سے رائج ہیں اور موافقِ شرع ہیں، جن پر علمائے اسلام اور سلفِ صالحین کا اتفاق ہے البتہ عوام کالانعام کی نافہمی پر مبنی حرکات اس سے مستثنیٰ ہیں۔) انجام دی جاتی ہیں، ان پر بے شبہ ماتم کیجئے کہ آج بھی کوئی اسلامی شعار اپنی اصلیت پر نہیں قائم ہے، لیکن کیا آپ کو نفس واقعہ کی اہمیت سے انکار ہے؟ کیا خواجہ کی شخصیت کی عظمت آپ کے دل میں نہیں؟ کیا خواجہ کی زندگی اور موت دونوں کے بابرکت ہونے میں آپ کو شبہ ہے؟ اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندوں کی زندگی اور موت دونوں بابرکت ہوتی ہیں کیا خواجہ کی شخصیت اس قانون سے مستثنیٰ ہے؟

وہ ایک شخص تھا جس نے اپنا رشتہ ماسوا سے توڑ کر اللہ سے جوڑ رکھا تھا۔ وہ ایک شخص تھا جس کی عمر کی ایک ایک گھڑی اطاعت الٰہی میں بسر ہوئی تھی۔ وہ ایک شخص تھا جس کی زندگی صدق و صفا، زہد و تقویٰ اور عبادت و طہارت کی عملی تفسیر تھی۔ وہ ہندوستان میں آیا اور تنِ تنہا ایسے وقت آیا جب سارا ملک گمراہی و جہالت کی صداؤں سے گونج رہا تھا۔ اس اکیلے نے بے یار و مددگار اس کفر و شرک کی سرزمین پر اسلام و توحید کا جھنڈا بلند کیا۔ اس کی تبلیغ ہماری انجمنوں کی طرح نمائشی نہ تھی۔ اس کی تبلیغ سچی تبلیغ تھی۔ اس کے سینہ سے جو سانس نکلتی تھی، تبلیغ کرتی تھی۔ اس کے جسم کا رواں

رواں دعوتِ اسلام کا کام کر رہا تھا۔ اس پر بلائیں آئیں، آفتیں ٹوٹیں، مصیبتیں اُمڈیں، لیکن دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اس سرزمین پر اسلام و توحید کا پودا لگا دیا۔ اس کے پاس نہ کوئی سرمایہ تھا، نہ خزانہ، نہ فوج تھی نہ سپاہی، نہ توپ تھی نہ تلوار، نہ لیکچر تھے نہ رسالہ۔ البتہ سچائی کا سرمایہ تھا خلوص کی فوج تھی، اور صداقت کی تلوار تھی۔ وہ اس سچے گرو کا سچا چیلا تھا، جو ساری دنیا کے لئے اتھاہ پریم کا ساگر بن کر آیا تھا۔ اس نے اپنے اسی پریم کے بل سے سب کے دلوں کو موہ لیا۔ بڑے بڑے راکشس اس کے مٹانے اور دبانے کو جھپٹے، پر آپ ہی اس سے ٹکرا کر چکنا چور ہو کر رہ گئے.....

کیا خواجہ کے پاس بھی کسی تبلیغی انجمن کا کوئی بڑا دفتر تھا؟ کیا خواجہ بھی پوسٹروں کے ذریعہ تبلیغ کا کام انجام دیتے تھے؟ پھر یہ کیا ہے کہ خواجہ باوجود اس بے سروسامانی کے، باوجود اپنی تنہائی کے، باوجود بے یارو مددگار ہونے کے کامیاب ہو گئے اور ہم باوجود اپنے ذرائع و وسائل کے، باوجود اپنے اخبار و رسائل کے، باوجود اپنی انجمنوں اور اپنے دفتروں کے، باوجود اپنی کثرت تعداد کے قدم قدم پر ناکام ہو رہے ہیں؟ کیا خواجہ کی زندگی سے ہم کوئی سبق یا ہدایت نہیں حاصل کر سکتے؟ آپ کہتے ہیں کہ خواجہ کے مزار پر جانا ناجائز ہے، اس لئے کہ وہاں بہت سے مراسم شرک ادا کئے جاتے ہیں۔

(یہ بات غلط ہے، الحمد للہ یہ مقام مراسم شرک سے محفوظ ہے، البتہ تعظیم و احترام کا مسلک و مشرب ہر طبقہ کا الگ الگ ہے۔

"و للناس فیما یعشقون مذاھبُ" (راقم الحروف)

لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم خواجہ کے مزار پر جا کر بجائے ان سے اولاد مانگنے کے، بجائے ان سے مقدمہ میں اپنی جیت چاہنے کے، بجائے ان سے کسی بڑے عہدے کی طلب کرنے کے محض یہ تصور جمائیں، دل میں یہ نقشہ قائم کریں، دماغ کے اندر یہ سجاؤ رچائیں کہ جس قادرِ مطلق نے بے یارو مددگار، یکہ و تنہا معین الدین حسن سنجری سے بتکدۂ ہند میں اشاعت اسلام و دعوت توحید کا کام لیا، وہی ہماری نیتوں میں خلوص، ہمارے دلوں میں ایمان، ہماری ہمتوں میں استقامت نصیب کرے اور جو فیضانِ الٰہی

اجمیر کے اس اچھے اور سچے بندے کے حصے میں آیا تھا، کاش اس کا عشر عشیر، اس کا کوئی ادنیٰ حصہ بھی ہم بدکار و خطا شعار بندوں کے حصے میں آجائے؟ کیا یہ تصور بھی مشرکانہ ہے؟ کیا دل میں اس آرزو کا پیدا ہونا اور لب پر اس دعا کا آنا بھی کوئی جرم کوئی معصیت ہے؟ (ماہنامہ طلمساتی دنیا، دیوبند، شمارہ: جولائی ۲۰۰۶ء، ص: ۱۱)

ان تین مشاہیر اہل علم کے افکار و آراء سے واضح ہو رہا ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ کی عظمت حقیقت پر مبنی ہے اور اس لئے ہر مکتبہ فکر کے اکابر اس کا اعتراف کر رہے ہیں۔

خانقاہی سلسلے کے ایک اہلِ قلم صاحبزادہ سید فضل المتین چشتی اپنے رسالے ''حضرت خواجہ سید فخر الدین احمد چشتیؒ'' میں لکھتے ہیں۔ ''ایک اجنبی ملک اور نا آشنا ماحول میں رہ کر متضاد خیالات اور مختلف طریقۂ زندگی کو اختیار کئے ہوئے افراد کو اپنی مخصوص زندگی کے سانچے میں اپنی دینی تعلیم و تربیت کے سہارے ایک خاص انداز میں ڈھالنا آسان نہیں ہوتا۔ ضرورت ہے کہ آج کشف و کرامات کے دھندلکوں سے نکل کر خواجہ اجمیری کی روشن زندگی کے اس اہم تر اور تابناک پہلو پر توجہ دی جائے، اندازہ ہوگا کہ ان کی عہد آفریں ذات، تاریخ ساز شخصیت کس بے مثال دل و دماغ، بے پناہ صلاحیت و اہلیت، مستحکم عزم و حوصلہ اور غیر معمولی جہد و جرأت کی آئینہ دار تھی اور ان کی قوتِ برداشت صبر و استقامت، استغنا، توکل، خدمتِ خلق، جذبۂ ایثار پیشگی اور فکر و عمل کا کیا حال تھا۔ تاریخ اسلام میں خواجہ اجمیری کی ذات اور حیثیت کے مدِ مقابل شخصیتیں گنی چنی ہی نظر آتی ہیں۔

خواجہ اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے بعد ایسے تربیت یافتہ خلفاء اور جانشین چھوڑے جنہوں نے نہ صرف خواجۂ اجمیریؒ کے مشن کی تکمیل کی کوشش کی بلکہ اپنے دائرہ کار میں مقامی حالات اور قریب رہنے والے افراد کے مزاج کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے وہ راہ اختیار کی جو متاثر کن ہونے کے ساتھ قابلِ قبول بھی تھی۔''

(رسالہ خواجہ فخر الدین احمد چشتیؒ از سید فضل المتین چشتی، ص: ۲ تا ۳)

"غیر منقسم ہندوستان میں اسلامی تصوف کے سلسلہ چشتیہ کی خاص اہمیت اور مقبولیت رہی ہے۔ اس سلسلہ سے واقف کرانے والے یہاں اس سلسلہ کے بانی مشہورِ عالم بزرگ خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری اجمیریؒ ہیں جنہیں دنیا خواجہ غریب نوازؒ کے نام سے جانتی اور مانتی ہے۔ ان کی زندگی میں ان کے ذریعہ اور ان کے خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی چشتی اوشی دہلویؒ کے ذریعہ اور ان کے بعد ان کے خلیفہ خواجہ فرید الدین مسعود بابا گنج شکر چشتی اجودھنیؒ کے ذریعہ اور ان کے بعد ان کے خلیفہ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محمد چشتی بدایونی دہلوی محبوب الٰہیؒ کے ذریعہ اور ان کے بعد ان کے خلیفہ خواجہ نصیر الدین محمود چشتی اودھی دہلوی چراغ دلیؒ کے ذریعہ اور ان کے بعد ان کے دو اہم خلفاء (۱) خواجہ کمال الدین چشتی دہلوی علامہؒ کے خلف اور خلیفہ خواجہ سراج الدین چشتی دہلوی نہروالہؒ (سراج الاولیاء) کے ذریعہ اور ان کی اولاد اور خلفاء کے ذریعہ اور (۲) ابو الفتح خواجہ صدر الدین سید محمد حسینی چشتی گیسو دراز بندہ نواز دہلویؒ گلبرگہ کے ذریعہ اور ان کی اولاد اور خلفاء کے ذریعہ سلسلۂ چشتیہ کو ایسی اہمیت اور مقبولیت ملی جو آج تک برقرار ہے اور اثر و نفوذ کا یہ عالم ہے کہ ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کا شاید ہی کوئی ایسا شہر اور قریہ ہوگا جو اس سلسلۂ عالیہ کے فیض سے محروم ہو۔"

(تذکرہ خواجگانِ چشت، گجرات، حصہ اوّل، از سید فضل المتین چشتی)

"ان متذکرہ بزرگوں کے ساتھ ساتھ خواجہ غریب نوازؒ کے ایک اور خلیفہ سلطان التارکین خواجہ حمید الدین صوفی چشتی سوالی ناگوریؒ کے ذریعہ اور ان کی اولاد اور خلفاء کے ذریعہ اور بابا گنج شکرؒ کی اولاد اور ان کے خواہر زادے مخدوم خواجہ علاء الدین صابر چشتی کلیریؒ کے ذریعہ اور ان کے سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے خلفاء کے ذریعہ بھی سلسلۂ چشتیہ کی اشاعت میں اضافہ ہوتا رہا، اہمیت اور مقبولیت بڑھتی رہی اور اثر و نفوذ قائم ہوتا رہا۔

کسی بھی سلسلۂ تصوف میں یہ صورت حال نہیں رہی ہے کہ بہ یک وقت اور یکے بعد دیگرے ایسے افراد ہوتے رہے ہوں جیسے سلسلۂ چشتیہ کو میسر آتے رہے ہیں۔

محبوب الٰہیؒ کی با اثر شخصیت کے باعث سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کو بے حد فروغ حاصل ہوا۔

''گلزار ابرار'' میں لکھا ہے......

آپ کی بارگاہ خلافت سے وقتاً فوقتاً جو نئے خلیفہ روانہ ہوتے تھے۔ان کی فیض پاشی سے ہند کا ہر مکان اور ہر ذرہ زمین ہدایت آباد تھا۔

محبوب الٰہی کا ہر ایک خلیفہ اپنی انفرادیت کے اعتبار سے ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔خواجہ برہان الدین غریب چشتی دہلوی دولت آبادیؒ، خواجہ نصیر الدین محمود چشتی اودھی دہلوی (چراغ دلیؒ)، خواجہ قطب الدین منور چشتی ہانسویؒ اور مولانا خواجہ سراج عثمان چشتیؒ (اخی سراج ،آئینہ ہند) ایسے خلیفہ ہیں جو اپنے خلفاء کی اور خلفاء کے خلفاء کی خدمتِ سلسلہ اور توسیع سلسلہ کے لئے نمایاں ہیں۔

خواجہ برہان الدین غریبؒ کے خلیفہ خواجہ زین الدین غریب چشتی شیرازی دولت آبادیؒ اور خواجہ نصیر الدین چراغ دلیؒ کے خلفاء خواجہ کمال الدین علامہ دہلویؒ اور ان کے خلف اور خلیفہ خواجہ سراج الدین چشتی دہلوی نبیرہ الہٰ (سراج الاولیاء) جنہیں چراغ دلی سے بھی خلافت ملی تھی اور ابوالفتح خواجہ صدر الدین چشتی سید محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز دہلویؒ گلبرگہ اور بابا گنج شکرؒ کے محبوب خلیفہ خواجہ جمال الدین ہانسوی کے نبیرہ خواجہ قطب الدین منور چشتی ہانسویؒ کے خلفاء اور مولانا خواجہ اخی سراج عثمان آئینہ ہندؒ کے خلیفہ خواجہ علاء الحق والدین چشتی پنڈویؒ ابن اسعد بنگالی کے خلف اور خلیفہ نور قطب عالم چشتیؒ اور اُن کے خلیفہ میر سید اشرف جہانگیر سمنانی کھوچھویؒ ایسے خواجگانِ سلسلۂ چشتیہ ہیں جن کے دامن گرفتگانِ سلسلہ سے آج ہندوستان ،پاکستان ،بنگلہ دیش اور دوسرے ممالک کی خانقاہیں آباد ہیں۔

''تاریخ مشائخ چشت'' میں لکھا ہے......

''حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے بعد چشتیہ سلسلہ کے مرکزی نظام کو حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ نے سنبھالا۔ان میں اپنے پیرو

مرشد کی بہت سی خوبیاں تھیں۔"

چشتیہ سلسلہ کی تاریخ کا وہ دور جو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ سے شروع ہوا تھا۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ پر ختم ہو گیا۔ اس دور کی خصوصیات یہ تھیں۔

ا۔ چشتیہ سلسلہ کا ایک مرکزی نظام تھا...... خلفاء اور مریدین ملک کے دور و دراز علاقوں میں کام کرتے تھے۔ لیکن ان کی نگاہیں ہمیشہ اجمیر، دہلی اور اجودھن کی طرف لگی رہتی تھیں۔ وہ اپنے آپ کو ایک مرکزی نظام کے ماتحت تصور کرتے تھے۔

۲۔ امراء و سلاطین سے کسی قسم کا تعلق رکھنا روحانی سعادت کے منافی سمجھا جاتا تھا...... حکومت کی ملازمت کی طرف اگر کسی خلیفہ کا ذرا بھی رجحان پاتے تو فوراً خلافت نامہ واپس لے لیتے۔

حضرت چراغ دہلی علیہ الرحمۃ کے بعد سلسلہ کے یہ دو بنیادی اصول ماضی کی داستان بن کر رہ گئے اور مرکزی نظام تباہ و برباد ہو گیا۔ مرکز سے علیحدہ صوبوں میں خانقاہیں قائم ہو گئیں۔"

(تاریخِ مشائخِ چشت، ص: ۱۸۶ تا ۱۸۷، از نظامی ناشر ندوۃ المصنفین دہلی)

سلسلۂ چشتیہ کی خانقاہیں اور درگاہیں برِصغیر کے مختلف صوبوں میں

سلسلۂ چشتیہ کا عظیم الشان دورِ اول حضرت خواجہ غریب نوازؒ سے شروع ہو کر حضرت نصیر الدین چراغ دہلی پر ختم ہو گیا۔

سلسلۂ چشتیہ کا دورِ اول ختم ہونے کے بعد دورِ ثانی شروع ہوا اور اس دور میں غیر منقسم ہندوستان کے مختلف صوبوں میں خانقاہیں قائم ہو گئیں جن کا سہرا سلسلۂ چشتیہ کے خلفائے عظام کے سر ہے۔ اِن خلفاء نے غریب نواز کی تعلیمات کو برِصغیر میں عام کرنے کی انتھک کوششیں کیں۔ ان خانقاہوں کی برکت سے مختلف صوبوں میں اسلامی تہذیب و تمدن کی سرگرمیاں بڑھنے لگیں۔ سلطنت دہلی کا مرکزی نظام ختم ہوا تو بنگال، دکن، مالوہ، گجرات اور جونپور وغیرہ میں خود مختار سلطنتیں قائم ہو گئیں۔ ان آزاد اور خود

مختار ریاستوں کے وجود میں آنے سے پہلے مشائخ چشت نے ایک زبردست تمدنی انقلاب برپا کردیا تھا۔ غریب نواز کے سلسلۂ عالیہ کے خلفاء نے غریب نوازؒ کی تعلیمات کی روشنی میں مختلف تمدنی عناصر کو ہم رنگ و ہم آہنگ کردیا۔ ان آزاد ریاستوں میں جو مضبوط معاشرہ ابھر کر سامنے آیا وہ مشائخ چشت کی کوششوں کا رہین منت تھا۔ مشائخ چشت نے ان علاقوں کے مختلف العقائد، مختلف المذاہب اور مختلف النسل لوگوں میں اتحاد فکر و عمل کی ایک صاعقہ آسا لہر دوڑادی۔ ہر رنگ و نسل، عقیدہ و مذہب اور تہذیب و تمدن کی بنیادوں پر منتشر طبقوں کو ایک ایسا سماجی اتحاد عطا کیا جس کی بدولت ایک پائیدار معاشرہ وجود میں آگیا۔ مشائخ چشت کی خانقاہوں میں بلاتفریق مذہب و ملت ان صوبوں کے باشندگان جمع ہوتے تھے۔ چشتی خانقاہوں کے فیوض و برکات نے نہ صرف ہم زبانی پیدا کی بلکہ ہم دلی بھی پیدا کی جو ہم زبانی سے بدرجہا بہتر ہے۔
(تاریخ مشائخ چشت، از نظامی، ص: ۱۹۶ تا ۲۱۵)

بقول مولانا روم......

ہمدلی از ہم زبانی بہتر است

اس ضمن میں راقم الحروف پروفیسر نظامی کے افکار و آراء سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے اضافوں کے ساتھ کچھ تفصیلات اختصار کے ساتھ پیش کر رہا ہے۔

قبل اس کے کہ میں دورِ ثانی کا ذکر کروں، ضروری ہے کہ پنجاب کے صوبے کا ذکر کروں کیونکہ اس کا تعلق دورِ اوّل سے ہے۔

نمبر۔۱...... پنجاب

پنجاب میں سلسلۂ چشتیہ کی اشاعت کا سہرا حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے سر ہے۔ بابا فریدؒ خواجہ قطبؒ سے رخصت ہو کر ہانسی پہنچے۔ خواجہ قطب کے وصال کی خبر سن کر چار دن میں دہلی واپس آگئے اور قطب صاحب کے سجادہ پر بیٹھ گئے۔ بعد ازاں ہانسی واپس آگئے۔ بابا فریدؒ کا دہلی میں قیام نہ کرنا سلسلۂ چشتیہ کے حق میں اتنا ہی مفید ہوا جتنا

قطب صاحب کا دہلی میں قیام کرنا۔ پہلے ہانسی اور اس کے بعد اجودھن میں رہ کر بابا صاحب کو سلسلے کے کام کرنے کا اچھا موقع مل گیا۔ اگر چہ بابا صاحبؒ پنجاب میں رہے مگر ان کے اثرات سے شمالی ہند کا گوشہ گوشہ مستفید ہونے لگا اور دور دور سے عقیدت مند ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ دہلی میں ان کے تقدس کا شہرہ سن کر نادیدہ عاشق ہو گئے......

ماندیدہ بہ تو دادیم دل و شاہدِ ماست
حسنِ پیغمبری و عشقِ اویس قرنیؒ

مولانا وحید الدین نبیسۂ خواجہ معین الدین اجمیری نے اجمیر سے آکر آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ (فوائد الفواد، فارسی، ۲۳۸، مطبوعہ نولکشور ۱۳۰۲ھ)

ناگور سے ایک خاتون نے بابا صاحب کے لئے تحائف بھیجے۔

(حوالۂ سابق، ص: ۱۸۸ تا ۱۸۹)

ایک بار ناصر الدین محمود کا لشکر اجودھن سے گزرا تو لشکریوں نے بے پناہ عقیدت کا اظہار کیا۔ (حوالۂ سابق، ص: ۱۴۵ تا ۱۴۶)

بابا صاحبؒ نے وہ شمع روشن کی کہ ہر وقت عقیدت مندوں کا ہجوم پروانوں کی طرح ان کے گرد جمع رہنے لگا۔ آدھی رات تک ان کی خانقاہ کا دروازہ کھلا رہتا تھا۔ ہندو جوگی بھی ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ (حوالۂ سابق، ص: ۸۴)

بابا صاحب نے اپنی عبادت و ریاضت کو معراجِ کمال تک پہنچا دیا۔ خواجگانِ چشت میں انھیں سلسلے کا روحانی مجاہدِ اعظم کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ چلۂ معکوس (یہ کنویں میں الٹا لٹک کر کیا جاتا ہے) مسلسل روزے اور کریلے و پیلو کی غذا اُن کا معمول تھا۔ مختصر یہ کہ بابا فرید نے اپنی روحانی عظمت، کردار کی بلندی اور دردمندیٔ خلق سے چشتیہ سلسلے کی شہرت کو اوجِ ثریا تک پہنچایا۔ انھوں نے اپنے نظامِ اصلاح و تربیت سے مریدین و خلفاء کا ایک ایسا حلقہ تیار کیا جو ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گیا اور چشتیہ سلسلے کی خانقاہیں قائم ہونے لگیں۔ بابا فرید کے خلفاء میں درج ذیل بزرگوں کے اسمائے

گرامی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

(۱) شیخ جمال الدین ہانسویؒ: آپ بابا فرید کے عزیز ترین خلیفہ تھے۔ ان کی محبت میں بابا صاحب بارہ سال تک ہانسی میں مقیم رہے۔ (سیر الاولیاء، فارسی، ص: ۱۷۸)

بابا صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جمال حقیقت میں ہمارا جمال ہے۔ شیخ جمال الدین ہانسوی فارسی کے صاحب دیوان شاعر ہیں۔ آپ کا دیوان طبع ہو چکا ہے۔ آپ کی ایک عربی تصنیف ملہمات ہے جو کہ ۱۳۰۶ھ میں الور اور ۱۸۹۱ء میں دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

آپ نے سلسلے کی تبلیغ میں کافی جدوجہد کی لیکن آپ کا جمالیہ سلسلہ زیادہ نہ پھیل سکا۔ بالآخر یہ سلسلۂ نظامیہ میں مدغم ہوگیا۔

(۲) شیخ بدرالدین اسحٰق: آپ بابا صاحب کے داماد، خلیفہ اور خادم تھے۔ آپ نے طلبِ علم میں بخارا تک سفر کیا، اور پھر بابا صاحب کی بارگاہ سے وابستہ ہوگئے۔ بابا صاحب کے وصال کے بعد آپ نے پاک پٹن کی مسجد میں قیام کرلیا تھا اور اسی مسجد کے قریب سپردِ خاک ہوئے۔ ان کی ذاتِ گرامی عبادت و ریاضت کے نقطۂ نظر سے بابا فرید کا جیتا جاگتا نمونہ تھی۔ وہ سلسلۂ چشتیہ کے ایک عظیم ستون تھے۔

(۳) شیخ عارف: آپ کو بابا فرید نے خلافت دے کر سیوستان بھیج دیا، جہاں آپ نے سلسلۂ چشتیہ کی اشاعت کی۔

(۴) حضرت نظام الدین اولیاء: آپ نے سلسلۂ چشتیہ کے آفتاب کو نصف النہار پر پہنچا دیا۔ آپ سے سلسلۂ چشتیہ کی ایک شاخ چشتیہ نظامیہ پیدا ہوئی۔ آپ نے برصغیر کے دور دراز علاقوں میں چشتی خانقاہیں قائم کرائیں اور اصلاح و تربیت کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ سلسلۂ چشتیہ کی بنیاد حضرت غریب نوازؒ نے رکھی، قطب الدین بختیار کاکیؒ نے اسے مضبوط کیا، بابا فرید نے اسے منظم کیا اور حضرت نظام الدین اولیاء نے اسے اوجِ کمال تک پہنچادیا۔ نصف صدی سے زیادہ دہلی میں ان کی خانقاہ مرکزِ فیوض و برکات اور سرچشمۂ ارشاد و ہدایات بنی رہی۔ حضرت محبوب

الٰہی وہ بزرگ ہیں جو پنجاب سے بابا فرید کے سلسلۂ چشتیہ سے متعلق روحانی فیوض و برکات دہلی میں لائے اور ان کی فیض بخشی سے ہندوستان کا ہر مکان اور ہر قطعۂ زمین ہدایت آباد بن گیا۔ آپ نے بڑے بڑے شہروں میں اعلیٰ مرتبے اور عظیم کراموں والے سات سو خلفاء ایسے روانہ کئے کہ ہر شخص کے سینے سے گویا عرفان کا آفتاب طلوع ہوتا تھا۔ (اردو ترجمہ "گلزارِ ابرار"، ص:۸۴تا۸۵)

پروفیسر محمد حبیب نے حضرت محبوبِ الٰہی کے ان ہی عظیم الشان کارناموں اور دور بیں اثرات کے پیشِ نظر ان کو ہندوستان کا سب سے بڑا بزرگ بتایا ہے۔

(Islamic Culture, Hyderabad, April,1946)

امیر خسروؒ نے محبوب الٰہی کو خضر و مسیح سے تشبیہ دی ہے......

وجودِ خواجہ نہ از آب و گل گشتہ مرتب　　کہ جانِ خضر و مسیحا بہم شد مرکب

(سیر الاولیاء)

خسرو نے اپنی فارسی مثنوی "دولرانی خضر خاں" (ص: ۱۵ الف) میں کہا ہے......

بصدرِ خضر و عیسیٰ مسند آرائے

علامہ اقبال کا درج ذیل شعر بھی امیر خسرو کے زمزمۂ عقیدت کی صدائے بازگشت ہے......

تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی　　مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

حضرت محبوبِ الٰہی کے بعد حضرت نصیر الدین چراغ دہلی نے اپنے پیر و مرشد کی طرح سلسلۂ چشتیہ کو اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ قائم رکھا۔ برصغیر کے مختلف علاقوں میں اپنے متعدد خلیفہ بھیجے اور اس طرح سلسلۂ چشتیہ کی توسیع کا سامان فراہم کیا۔

(۵) حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیری: آپ نے سلسلۂ چشتیہ کے دورِ اول میں اپنے جذب و جلال کا ثبوت دیا اور شمالی ہند میں سلسلہ کو وسعتیں بخشیں۔ آپ کے سلسلے کے مشائخ جو چشتی صابری کہلائے سلسلۂ چشتیہ کے دورِ ثانی میں زیادہ مشہور ہوئے۔ ان کا ذکر دورِ ثانی میں کیا جائے گا۔

سلسلۂ چشتیہ کا دورِ ثانی

نمبر۲ بنگال: بنگال کو مسلمانوں نے ۱۱۹۷ء تا ۱۱۹۸ء میں فتح کر لیا تھا، لیکن اسلامی تہذیب وتمدن کی روایات وتعلیمات کو پروان چڑھانے کا کام سلسلۂ چشتیہ کے حصے میں آیا اور بنگال کے گوشے گوشے میں مدارس اور خانقاہیں قائم ہوگئیں۔ تیرہویں صدی کے آخر یا چودھویں صدی کے ابتدائی سال تھے کہ لکھنوتی سے ایک عقیدت مند، جس کا نام سراج الدین تھا محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ محبوبِ الٰہی کے خلیفہ مولانا فخرالدین زرّادی نے اسے علومِ ظاہری سے آراستہ کیا۔ محبوبِ الٰہی نے اسے خلافت سے سرفراز کیا اور آئینۂ ہند کا خطاب عطا کیا۔ صاحب روضۃ الاقطاب کا بیان ہے کہ ''محبوب الٰہی کے تمام خلفاء اعلیٰ مقامات کے حامل تھے لیکن شیخ نصیرالدین چراغِ دہلی اور شیخ سراج الدین آئینۂ ہند کی شان ہی کچھ اور ہے۔''

(روضۃ الاقطاب، ص: ۴۸ تا ۴۹)

ان دونوں بزرگوں سے بہت سے اربابِ ارشاد وہدایت پیدا ہوئے۔ شیخ سراج الدین کو اخی سراج بھی کہا جاتا ہے۔ محبوبِ الٰہی کے وصال تک دہلی میں مقیم رہے۔ بعد ازاں اپنے وطن لکھنوتی چلے گئے۔ آپ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے سرزمینِ بنگال میں سلسلۂ چشتیہ کی تنظیم وتوسیع کی۔ آپ محبوب الٰہی کے کتب خانہ سے کچھ کتابیں ساتھ لے گئے تھے۔ (سیر الاولیاء فارسی، ص: ۲۸۹) اور آپ نے وہاں ایک چھوٹا سا کتب خانہ قائم کیا جو سلسلۂ چشتیہ کا پہلا کتب خانہ تھا۔ صاحبِ سیر الاولیاء کا بیان ہے......

> ''اس مقام (بنگال) کو آپ نے اپنے جمالِ ولایت سے سجادیا اور خلقِ خدا آپ سے بیعت ہونے لگی، یہاں تک کہ اس ملک کے فرمانروا بھی آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہونے لگے۔ آپ کا روضہ قبلۂ ہندوستان ہے اور ان کے خلفاء اب تک اس علاقہ میں خلقِ خدا کی رہنمائی کرتے ہیں۔'' (سیر الاولیاء فارسی، ص: ۲۸۹ تا ۲۹۰)

حضرت اخی سراج کے مشہور ترین خلیفہ شیخ علاء الحق و الدین بن اسعد بنگالی تھے۔ انھوں نے پنڈوہ میں ایک زبردست خانقاہ قائم کی اور لوگ گروہ در گروہ آپ کی خانقاہ میں جمع ہونے لگے۔ علاء الحق کے بعد ان کے فرزندِ رشید حضرت نور قطب عالم اور میر سید اشرف جہاں گیر سمنانی جو شیخ علاء الدین کے خلیفہ تھے، سلسلۂ چشتیہ کو مقبولِ عام بنانے میں مصروف ہو گئے اور انھیں بے پناہ کامیابی حاصل ہوئی۔ حضرت نور قطب عالم کے مکتوبات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان مکتوبات میں سلسلۂ چشتیہ کی تعلیمات ہیں جن کو بنیاد بنا کر آپ نے بنگال میں ہندوؤں کی اصلاحی تنظیموں اور بھکتی تحریک کو متاثر کیا۔ حضرت نور قطب عالم کے مشہور خلیفہ مولانا حسام الدین مانک پوری تھے جن کے ایک سو بیس خلفاء ہوئے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضرت نور قطب عالم نے بنگال، بہار اور شمالی ہند خصوصاً جونپور وغیرہ میں چشتی خانقاہیں قائم کرائیں۔ حضرت میر سید اشرف جہاں گیر سمنانی نے کچھوچھہ ضلع فیض آباد میں خانقاہ بنائی اور شمالی ہند کے علاوہ برِ صغیر کے مختلف علاقوں میں چشتیہ سلسلہ کے فیوض و برکات کو عام کیا۔ آپ کے ملفوظات ''لطائفِ اشرفی'' کے نام سے مولانا نظام الدین یمنی نے مرتب کیے جو نصرت المطابع دہلی سے ۱۲۹۵ھ میں طبع ہوئے ہیں۔ آپ کے مشہور خلفاء میں حضرت ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی صاحب تفسیر بحرِ مواج ہیں۔

نمبر۔۳......دکن

بہمنی سلطنت دکن میں علاء الدین بہمن شاہ کی کوششوں سے وجود میں آئی۔ علاء الدین حسن صاحب اقتدار ہونے سے پہلے ایک دن محبوب الٰہی کی خانقاہ میں آیا۔ محبوب الٰہی نے اسے دکن کی شاہی کی بشارت دی۔ (تاریخ فرشتہ، فارسی، جلد دوم، ص: ۲۷۴، نولکشور) صاحبِ تاریخ فرشتہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے پانچ من سونا اور دس من چاندی شیخ برہان الدین غریب کے ذریعہ محبوبِ الٰہی کی روح کو ایصالِ ثواب کے طور پر فقراء و مساکین میں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ حضرت

برہان الدین غریب پہلے چشتی بزرگ ہیں جنھوں نے سرزمینِ دکن کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے مشرف کیا۔ آپ حضرت محبوب الٰہی کے اہم خلفاء میں سے ہیں۔ محبوب الٰہی کے وصال کے بعد آپ دیوگیر چلے گئے۔ دکن میں آپ نے ایک مہتم بالشان خانقاہ تعمیر کرائی جو مرجعِ خلائق بن گئی۔ خانقاہ میں اربابِ عقیدت کا سیلاب امنڈنے لگا۔ آپ کے ملفوظات ''احسن الاقوال'' کے نام سے حماد بن عماد کاشانی نے مرتب کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مریدین کی کثرتِ تعداد کے باوجود اُن کی اصلاح و تربیت پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔ آپ کے ایک خلیفہ شیخ زین الدین تھے۔ علاء الدین حسین شاہ ان کا مرید ہوا۔ آپ کے ذریعہ سلسلۂ چشتیہ کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہوئی۔ اسی دور میں سلسلۂ چشتیہ کے ایک عظیم المرتبت بزرگ حضرت سید محمد گیسو درازؒ دکن پہنچے۔ سلطان فیروز شاہ بہمنی نے علماء و مشائخ اور لشکرِ شاہی کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ (برہان المآثر، مؤلفہ سید علی طباطبا، ص: ۴۳ تا ۴۴، مطبوعہ حیدرآباد)

حضرت گیسو درازؒ کے خلفاء کی کثرتِ تعداد تاریخ سے ثابت ہے۔ شاہ یداللہ، شیخ علاء الدین گوالیاری، شیخ ابوالفتح قریشی، سید صدرالدین اودھی، شیخ فخرالدین بغدادی، شیخ محمد اکبر حسینی، سید یوسف حسینی، شیخ زادہ شہاب الدین، قاضی محمد سلیمان وغیرہ کا ذکر مؤرخین نے خصوصیت کے ساتھ کیا ہے جنھوں نے سلسلۂ چشتیہ کی اشاعت وسیع پیمانے پر کی۔ حضرت گیسو دراز تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی اپنے پیشرو مشائخ سے گوئے سبقت لے گئے اور بڑی اہم کتابیں تصنیف کیں جن کا موضوع شریعت اور طریقت دونوں ہیں۔ آپ نے ان کتابوں کے ذریعہ چشتی تعلیمات کو خصوصاً اور صوفیاء کے خیالات کو عموماً خواص و عوام تک پہنچایا۔

نمبر۔۴...... گجرات

چشتیہ سلسلہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے زمانے میں گجرات پہنچ گیا تھا۔ قطب صاحب کے دو مرید شیخ حامد الدین احمد اور شیخ محمود نہروالیہ کے باشندوں

میں سے تھے۔ گلزارِ ابرار میں ان کا ذکر مختصر طور پر کیا گیا ہے۔
(اردو ترجمہ گلزارِ ابرار، ص:۴۳-۴۴)
گجرات میں سلسلۂ چشتیہ کا مکمل تعارف حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے درج ذیل خلفاء نے کرایا۔
۱۔ شیخ سید حسین ۲۔ شیخ حسام الدین ملتانی ۳۔ شاہ بارک اللہ۔ شیخ سید حسین صاحبِ ''حاشیہ ہدایہ'' بڑے پایہ کے عالم تھے۔ غیبی اشارے پر محبوبِ الٰہی کے مرید ہوئے۔ محبوبِ الٰہی نے خرقۂ خلافت عطا فرما کر گجرات بھیجا، تا کہ وہاں لوگوں کو اپنے ارشاد و ہدایات سے فیض یاب کریں۔ محمد بن تغلق کے عہد میں آپ نہروالہ چلے گئے اور وہیں ایک تالاب کے کنارے آپ آسودہ خاک ہیں۔ شاہ بارک اللہ اہم چشتی بزرگ ہیں۔ صاحب مرأۃ احمدی (خاتمہ مرأۃ احمدی، ص: ۷۳، مصنفہ مرزا محمد حسن، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۳۰ء) نے آپ کا ذکر کیا ہے۔
علامہ کمال الدین، شیخ یعقوب، شیخ کبیر الدین ناگوری، اور سید کمال الدین قزوینی نے سرزمینِ گجرات کو منظم طریقہ سے سلسلہ چشتیہ کی تعلیمات سے روشناس کرایا۔ علامہ کمال الدین متوفی ۷۵۶ھ حضرت چراغ دہلی کے بھانجے اور خلیفہ تھے۔ حدائق الحنفیہ، ص:۲۸۸، اور شجرۃ الانوار (قلمی) میں ان کا ذکرِ خیر موجود ہے۔ وہ اپنے معاصرین میں علوم دینیہ کے تبحر عالم تھے۔ ان کے فرزندِ رشید شیخ سراج الدین نے اس دور کے اکابر علماء سے علومِ دینیہ حاصل کئے۔ (تکملہ سیر الاولیاء، ص:۲۶) وہ اپنے والد بزرگوار کے صحیح معنی میں جانشین تھے۔ آپ کا وصال ۸۱۷ھ میں ہوا۔ آپ کے فرزند ارجمند شیخ علم الحق آپ کے سجادہ نشین ہوئے۔ صاحب شجرۃ الانوار کا بیان ہے کہ آپ سے ایک بار جو گفتگو کر لیتا اس کا ذہن بدل جاتا تھا۔ انتہا یہ ہے کہ اس میں گناہ کی طاقت ہی باقی نہیں رہتی تھی۔ (شجرۃ الانوار قلمی) آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے شیخ محمود المعروف بہ شیخ راجن پھر شیخ جمال الدین جمن، شیخ حسن، شیخ محمد (مظہر اللہ) اور حضرت یحییٰ مدنی علی الترتیب سجادہ نشین ہوئے۔ حضرت یحییٰ مدنی کے عظیم خلیفہ حضرت

شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی نے سلسلۂ عالیہ چشتیہ کو اپنی بے پناہ کوششوں سے اس طرح پھیلایا کہ دورِ اول کی یاد تازہ ہوگئی۔ شیخ یعقوب متوفی ۷۹۸ھ مولانا خواجگی کے فرزند اور شیخ زین الدین دولت آبادی کے خلیفہ تھے۔ آپ کی خانقاہ نہروالہ میں مرکزِ فیوض و برکات بن گئی۔ (گلزارِ ابرار، ص: ۱۲۱ تا ۱۲۲)

شیخ کبیرالدین ناگوری متوفی ۸۵۸ھ شیخ سلطان التارکین صوفی حمیدالدین ناگوری کے پوتے تھے۔ آپ احمد آباد میں مقیم ہوگئے۔ (اخبارالاخیار، فارسی، ص: ۱۷۷) سلسلۂ چشتیہ کی تعلیمات آپ کے ذریعہ اشاعت پذیر ہوئیں۔

سید کمال الدین قزوینی متوفی ۸۸۱ھ حضرت گیسو دراز کے سلسلہ سے متعلق تھے۔ آپ نے بھروچ میں خانقاہ بنائی اور بے شمار گمراہوں کو ہدایت عطا کی۔ ان کے علاوہ حضرت شیخ رکن الدین مودود، بابا فرید کی اولاد میں ایسے بزرگ تھے جنھوں نے مشائخ چشت سے براہِ راست خلافت حاصل کی تھی۔ (گلزارِ ابرار، ص: ۱۳۸) آپ شیخ محمد زاہد سے بیعت تھے جن کا شجرۂ نسبی حضرت خواجہ مودود چشتی سے ملتا ہے۔ (گلزارِ ابرار، ص: ۱۳۸) ان کے خلیفۂ خاص شیخ عزیز اللہ التوکل علی اللہ تھے۔ ان کا ذکر اخبارالاخیار، گلزارِ ابرار اور مرآۃ احمدی میں موجود ہے۔ ان کے فرزند سید حضرت شیخ رحمت اللہ سے سلطان محمود بیگڑہ بیعت تھا۔ گجرات میں سلسلۂ چشتیہ کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ عوام و خواص کثیر تعداد میں اس سے وابستہ ہوگئے۔ شیخ علی متقی شیخ العرب والعجم بھی سلسلۂ چشتیہ سے متعلق تھے۔ ان کے حالات ذیل کی مستند کتابوں میں درج ہیں……

۱۔ حدائق الحنفیہ، ص: ۳۸۲ تا ۳۸۳، ۲۔ مآثر الکرام، دفتر اول، ص: ۱۹۲ تا ۱۹۴، ۳۔ اخبار الاخیار، ص: ۲۵۷ تا ۲۶۹، ۴۔ سبحۃ المرجان، ص: ۴۳، ۵۔ ابجد العلوم، ص: ۸۹۵، ۶۔ مفتاح التواریخ، ص: ۱۷۷، ۷۔ تاریخِ برہان پور، ص: ۱۱۶ تا ۱۱۹۔

مختصر یہ کہ گجرات کی خانقاہوں میں سلسلۂ چشتیہ کی دہلی کی مرکزی خانقاہوں کی آب و تاب پیدا ہوگئی اور انھیں ممتاز حیثیت حاصل ہوگئی۔ پھر دہلی میں ایک نو عمر عالم نے سلسلۂ چشتیہ کی روایات کو گجرات سے حاصل کر کے رائج کیا۔ یہ سلاطین مغلیہ کے

آخری عہد کی بات ہے۔

نمبر۔۵...... مالوہ

مالوہ اور اس کے گرد ونواح میں حضرت نظام الدین اولیاء کے درج ذیل خلفاء نے سلسلۂ چشتیہ کی نشر واشاعت کے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

ا۔شیخ وجیہ الدین یوسف ۲۔شیخ کمال الدین ۳۔مولانا مغیث الدین۔

محبوب الٰہی نے درویشوں میں شیخ وجیہ الدین یوسف کو بے مثال قرار دیا تھا۔ (سیرالاولیاء، ص:۲۸۶) اور انھیں چندیری بھیجا تھا جہاں انھوں نے خانقاہ قائم کی۔ چندیری کا کوئی شخص محبوب الٰہی کے پاس آتا تو آپ اسے شیخ وجیہ الدین کی خدمت میں بھیج دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ان سے بیعت ہونا مجھ سے بیعت ہونے کے برابر ہے۔

شیخ کمال الدین، شیخ نصراللہ بن بابا فرید کے پوتے تھے۔محبوب الٰہی نے انھیں مالوہ (دھار) بھیجا۔ ان کی وجہ سے شاہانِ مالوہ کو سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے مشائخ سے والہانہ عقیدت ہوگئی۔سلطان محمود خلجی متوفی ۱۵۳۰ء نے ان کے مزار پر گنبد بنوایا اور ان سے وابستہ افراد کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کرائی۔

مولانا مغیث الدین ۷۲۰ھ میں محبوب الٰہی کے فرمان کے مطابق مالوہ میں رونق افروز ہوکر اجین میں قیام پذیر ہوئے اور وہیں آسودہ خاک ہوئے۔ ان تینوں مشائخ چشت نے سلسلہ کو بدرجۂ اتم متعارف کرایا اور بے شمار بندگانِ خدا کی ہدایت کا سبب بنے۔ ان کے بعد کچھ اور مشائخِ چشت بھی تھے جن میں سرِ فہرست قاضی الحق کا نام نامی ہے جو اپنے زمانے کے جلیل القدر فضلاء میں شمار ہوتے تھے اور سلطان علاء الدین محمود متوفی ۱۴۷۵ء ان کا مرید تھا۔ انھوں نے سلسلۂ چشتیہ کی تبلیغ و اشاعت میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ (گلزار ابرار، ص:۱۲۷)

۶۔شمالی ہند میں سلسلۂ چشتیہ صابریہ

مخدوم شیخ علاء الدین علی احمد علیہ الرحمۃ کے خلیفہ اور سجادہ نشین شیخ شمس الدین ترک پانی پتی متوفی ۷۱۸ھ نے شمالی ہند میں اپنے آپ کو تلقین و ارشاد میں مصروف رکھا۔ ان کے بعد جلال الدین کبیرالاولیاء پانی پتی (نظامی مرحوم نے جمال الدین نام غلط لکھا ہے) مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے۔ ان کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ معارج الولایت میں لکھا ہے کہ دور دور سے لوگ آکر ان سے بیعت ہوئے۔ ان کے چالیس خلفاء تھے جن میں سب سے زیادہ مقبولیت شیخ احمد عبدالحق ردولوی کو حاصل ہوئی۔ انھوں نے ردولی ضلع بارہ بنکی کو چشتیہ صابریہ سلسلے کا اولین مرکز بنایا۔ چشتیہ نظامیہ سلسلے کی خانقاہوں کا بغور معائنہ کیا جو گجرات، دکن، مالوہ اور بنگال میں قائم تھیں۔ انھوں نے پنڈوہ (بنگال) جاکر حضرت نور قطب عالم سے بھی ملاقات کی تھی۔
[1] (اخبارالاخیار، ص:۱۸۳)

شمالی ہندوستان میں آپ نے سلسلہ چشتیہ کا ڈنکا بجادیا اور آپ کی خانقاہ میں لوگ کثرت سے مرید ہونے کے لئے آنے لگے۔ آپ کے ملفوظات وحالات انوارالعیون کے نام سے آپ کے سلسلے کے خلیفہ حضرت عبدالقدوس گنگوہی علیہ الرحمۃ نے مرتب کئے ہیں۔ شیخ عبدالحق کا وصال ۸۳۷ھ میں ہوا۔ ان کے فرزندِ ارجمند شیخ عارف سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے اخلاق حسنہ سے خواص و عوام بیحد متاثر ہوتے تھے۔ (اخبارالاخیار، ص:۱۸۶) ان کے بعد ان کے بیٹے شیخ محمد سجادہ نشین ہوئے۔ حضرت عبدالقدوس گنگوہی جیسا عالی مرتبت بزرگ ان کا مرید وخلیفہ ہوا جس نے پورے شمالی ہند میں سلسلے کی اشاعت کی اور اس کے اثرات دور دراز علاقوں پر مرتب ہوئے۔ اپنی شہرت ومقبولیت میں وہ یگانۂ روزگار بزرگ تھے۔ ان سے پہلے سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے کسی بزرگ کو اتنی شہرت حاصل نہیں ہوئی۔ ۳۸ سال تک آپ نے شاہ آباد میں سلسلے کی نشر واشاعت کا کام کیا۔ اپنی عمر کے آخری حصے میں گنگوہ ضلع سہارنپور میں رونق

افروز ہوئے اور وہیں ۱۵۳۷ء میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ نے اپنی خانقاہ بھی گنگوہ میں قائم کی تھی۔ آپ کے دور میں دہلی سلطنت کی بنیادیں ہل چکی تھیں، صوبوں میں خودمختار حکومتوں کا دور تھا۔ پروفیسر رشبورک ولیمس نے صحیح لکھا ہے کہ بابر کی وجہ سے راجپوتوں کا اقتدار رفتہ واپس نہ آسکا۔ An Empire Builder of India in The Sixteenth Century:Chapter I By R. Williams شروع میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی چشتی صابری گذشتہ مشائخِ چشت کی طرح سلطنت و سیاست سے الگ رہے، لیکن بعد کے حالات نے انھیں مجبور کردیا۔ انھوں نے سلاطین سے رابطہ پیدا کرکے انھیں مکتوبات کے ذریعہ ہدایات عطا کیں۔ سکندر لودھی کو خصوصی ہدایات لکھیں۔ اُن کا طویل مکتوب سکندر لودھی کے نام ہے جس میں خلقِ خدا کی غم خواری اور ائمہ و علماء کی خدمت گزاری پر توجہ دلائی ہے تاکہ بگڑے ہوئے حالات درست ہوجائیں۔ (مکتوبات قدوسی، مطبع احمدی دہلی، مکتوب نمبر:۴۴، ص:۴۴ تا ۴۶)

کچھ مدت کے بعد بابر کا اقتدار قائم ہوا تو انھوں نے اولین مغل شہنشاہ کو بھی اپنے مکتوب کے ذریعہ ہدایات دیں۔ (مکتوبات قدوسی، ص:۳۳۷) جن کا مقصد شریعتِ اسلامی کے مطابق عدل و انصاف کو قائم کرنا تھا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ گذشتہ مشائخِ چشت نے سلاطین و سیاست سے دور رہنے کی جو تاکید کی تھی اس کا مقصد یہ تھا کہ مشائخ ان دونوں سے علیحدہ رہ کر اپنا کام کریں۔ ان سے وابستہ ہوکر ان سے اپنی معاش کا معاملہ طے نہ کریں۔ بقول اقبال......

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم
خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا

دورِ اول کے مشائخِ چشت دربار داری کو تصوفِ اسلامی اور اخلاق کی اہانت سمجھتے تھے لیکن جہاں تک مخلوقِ خدا کی خیرخواہی کا تعلق ہے وہاں تک وہ ہمیشہ سلاطین کو ہدایت کرنے میں پیچھے نہ رہے۔ شہاب الدین محمد غوری کو فتح ہندوستان کی بشارتِ غریب نواز نے ہی دی تھی اور فیروز شاہ کو تختِ حکومت پر متمکن کرنے والوں میں

حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلی بھی شامل تھے۔
نمبر:۱۔تاریخ فیروزشاہی (عفیف) ص:۲۹
نمبر:۲۔تاریخِ فیروزشاہی (برنی)
نمبر:۳۔ Early Indo Muslim Mystics and their Attitude Towards The State (Islamic Culture, Hyderabad 1947-49, By Prof. Nizami

شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی اولاد ان کے مقصد کو آگے نہ بڑھا سکی لیکن ان کے سلسلے کے نامور خلفاء نے سلسلۂ چشتیہ کی نشر و شاعت کے کام کو جاری رکھا۔ شیخ جلال الدین تھانیسری۔ (اخبارالاخیار، ص: ۲۷۷ تا ۲۷۸) شیخ عبدالغفور (اخبارالاخیار، ص: ۲۱۶) شیخ عبدالعزیز کیرانوی، شیخ عبدالستار سہارنپوری اور شیخ عبدالاحد سرہندی والد بزرگوار حضرت مجدد الف ثانی نے چشتیہ صابریہ سلسلے کی تبلیغ و اشاعت کو اپنی زندگی کا اہم مقصد قرار دیا اور یہ سلسلہ اپنے اثرات نزدیک و دور کے علاقوں میں مرتب کرتا چلا گیا۔

چشتیہ سلسلہ سولہویں اور سترہویں صدی میں

شیخ جلال الدین تھانیسری کے خلفاء میں خواجہ نظام الدین تھانیسری کی ذاتِ گرامی خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے۔آپ نے کثیر تعداد میں اپنے خلفاء مقرر کئے اورانھیں دور دور بھیج کر سلسلۂ چشتیہ کے ساز کی لے کو تیز کر دیا۔ ان خلفاء میں شیخ ابوسعید گنگوہی، شیخ حسن بہوری، شیخ عبدالکریم لاہوری، شیخ عبدالرحمٰن کشمیری اور شیخ محمد صادق برہان پوری کو خاص شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔شیخ ابوسعید گنگوہی متوفی ۱۰۴۹ھ نے سلسلۂ چشتیہ صابریہ کو آگے بڑھانے میں اہم رول ادا کیا۔ ان کے سب سے زیادہ اہم خلیفہ شیخ محبّ اللہ الہ آبادی متوفی ۱۰۵۸ھ تھے۔ انھیں شاہجہاں بادشاہ نے ایک مرتبہ خط لکھا تھا اور اپنے پاس آنے کی دعوت دی تھی۔آپ نے خط کا جواب

دیتے ہوئے بادشاہ کے پاس پہنچنے سے معذوری ظاہر کر کے قدیم مشائخ چشت کی سنت کو تازہ کر دیا۔ پروفیسر نظامی مرحوم نے لکھا ہے کہ "یہ خطوط بچھراؤں (ضلع مرادآباد) کے ایک قلمی کتب خانے میں نظر سے گزرے تھے۔"

(تاریخِ مشائخِ چشت، ناشر: ندوۃ المصنفین، دہلی، ۲۲۶)

شیخ عبدالعزیز چشتی دہلوی شیخ حسن طاہر کے فرزند تھے۔ ۸۹۸ھ میں جونپور میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کے ہمراہ دہلی آئے، پھر دہلی کو اپنا مستقر بنالیا۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی کا بیان ہے کہ آپ گذشتہ مشائخ چشت کی یادگار تھے۔ آپ کا کردار قدیم مشائخِ چشت کی روایات کا آئینہ دار تھا۔ (اخبارالاخیار، فارسی، ص: ۲۷۵) چشتیہ سلسلے کی قدیم روایات آپ کی ذاتِ گرامی سے دوبارہ زندہ ہوگئیں۔ عوام و خواص آپ کے حلقۂ ارادت و عقیدت میں داخل ہوگئے۔ عبدالرحیم خانخاناں آپ کا خصوصی معتقد تھا۔ آپ کے صاحبزادے شیخ قطبِ عالم اور آپ کے خلفاء میں شیخ جائیلداہ اور شیخ عبدالغنی بدایونی نے بڑی مستعدی سے سلسلہ کی اشاعت کی۔ شیخ سلیم چشتی بابا فرید کی اولاد میں سے تھے۔ ایک مدت تک مختلف اسلامی ممالک کی سیر و سیاحت میں مصروف رہے پھر فتحپور سیکری میں مقیم ہوگئے۔ تزکِ جہانگیری میں جہانگیر نے لکھا ہے: "آپ کے گرد و نواح کے سارے علاقے آپ کے حلقہ بگوش ہوگئے۔" (تزک جہانگیری، مرتبہ سرسید احمد خاں، ص:۱)۔ یہ روایت ہے کہ دورِ اکبری میں آپ ہی نے ثابت کیا تھا کہ حضور غریب نوازؒ کی کوئی اولاد باقی نہیں ہے اور شیخ حسین کا اس سلسلے میں دعویٔ فرزندی بے اصل ہے۔ ان کے خلفاء نے سلسلے کے کام کو جاری رکھا۔ شیخ کمال الوری، شیخ پیارا بنگالی، شیخ فتح اللہ ترین سنبھلی، شیخ رکن الدین اجودھنی اور حاجی حسین ان کے مشہور خلفاء تھے، جن سے سلسلۂ چشتیہ کی نشر و اشاعت ہوتی رہی۔ شیخ سلیم چشتی سے پہلے حضرت شاہ بہاء الدین المعروف بہ بابا فریدی نے رجب پور (ضلع امروہہ) میں ایک چشتیہ مرکز بنا کر روحانی تربیت کا کام شروع کیا جس سے سلسلۂ چشتیہ کو فروغ ہوا۔ اس دور کے چند اہم اور مشہور چشتی بزرگوں کا ذکر بھی خصوصی توجہ کا مستحق ہے جن سے سلسلۂ

چشتیہ کی تبلیغ و اشاعت کا کام جاری و ساری رہا۔ ۱-شیخ دانیال چشتی (اخبارالاخیار) ۲-سید علاء الدین مجذوب۔ (اخبارالاخیار، ص: ۲۸۰ تا ۲۸۱) ۳-شیخ نظام الدین امیٹھی والے (منتخب التواریخ، اردو ترجمہ، جلد: ۳، ص: ۳۷۶ تا ۳۸۳) ۴-شیخ ادہن جونپوری (منتخب التواریخ، اردو ترجمہ، جلد: ۳، ص: ۳۹۶ تا ۳۹۷) ۵-سید ابن امروہوی (منتخب التواریخ، اردو ترجمہ، جلد: ۳، ص: ۳۹۵) ان کا مختصر ذکر اخبارالاخیار اور گلزارِ ابرار میں بھی ہے۔

سلسلۂ چشتیہ تجدید و احیاء کے آئینے میں (اٹھارویں صدی عیسوی)

اٹھارویں صدی میں مسلمانوں کا سیاسی اقتدار دم توڑ رہا تھا۔ ہر طرف ادبار و نحوست اور زوال و اضمحلال کے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔ مسلمان اپنے ہر شعبۂ حیات میں ابتری کا شکار تھا۔ ایسے تاریک دور میں حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی نے سلسلہ کی تجدید و احیاء کا کام شروع کیا اور اسے انتہائی عروج پر پہنچانے کی کوششیں کیں۔ شاہ صاحب دہلی میں مقیم تھے لیکن آپ کی نظرِ کیمیا اثر پورے برِصغیر پر تھی۔ آپ نے حضرت مولانا نظام الدین اورنگ آبادی کو خلافت عطا فرما کر دکن بھیجا جہاں انھوں نے سلسلۂ چشتیہ کو فروغ دینے کی انتھک کوششیں کیں۔ دکن میں آپ نے خانقاہ قائم کی اور ہزاروں گمراہوں کو قعرِ گمراہی سے نکال کر ہدایت کی منزلِ مقصود تک پہنچایا۔ حضرت نظام الدین اورنگ آبادی کے مرید، خلیفہ اور فرزندِ رشید مولانا فخر الدین (جنھیں فخرِ پاک بھی کہا جاتا ہے) نے دکن کو چھوڑ کر دہلی میں سکونت اختیار کی اور اپنی ایک خانقاہ قائم کی۔ ان کے دور میں چشتیہ سلسلہ ایک بار پھر بامِ عروج تک پہنچ گیا اور برِصغیر کے دور دراز علاقوں میں چشتی خانقاہیں قائم ہوگئیں۔ آپ کو اہلِ علم و نظر نے سلسلۂ چشتیہ کا مجدد قرار دیا ہے۔ ان کے ایک عزیز مرید اور خلیفہ حضرت شاہ نور محمد مہاروی نے پنجاب کے گوشے گوشے میں چشتی خانقاہیں قائم کرا دیں۔ تونسہ، چاچڑاں، کوٹ مٹھن، احمد پور، ملتان وغیرہ سلسلۂ چشتیہ کی نشر و اشاعت کے مراکز بن گئے۔ آپ کے ایک نامور خلیفہ حضرت خواجہ سلیمان

تونسوی نے تونسہ میں خانقاہ قائم کی جس کا آج بھی دور دور شہرہ ہے۔ حضرت مولانا فخرالدین کے ایک محبوب مرید حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی نے روہیل کھنڈ میں اپنی خانقاہ بنائی جہاں افغانستان اور برِصغیر کے مختلف علاقوں سے لوگ جوق در جوق کشاں کشاں آنے لگے۔ مولانا فخرالدین محدث تھے، محبّ النبی آپ کا لقب تھا۔ آپ نے اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے شاہ کلیم اللہ کی تقلید میں خانقاہ میں ہی دینی مدرسہ بھی قائم کیا۔ مولانا شاہ فخرالدین کی علمی عظمت کا اس سے اندازہ لگایا جائے کہ جب شاہ عبدالعزیز کو اپنے عظیم المرتبت باپ (شاہ ولی اللہ) کی مسندِ درس پر بٹھایا جانے لگا تو اس کام کے لئے لوگوں کی نظریں ان کی طرف اٹھیں۔ (تاریخِ مشائخِ چشت از نظامی، ص: ۴۵۰، ناشر: ادارہ ادبیات، دہلی) اور بالآخر انھوں نے اپنے دستِ مبارک سے شاہ عبدالعزیز کو مسندِ درس پر بٹھایا۔ شیخ مصداق الدین شاہ فخرالدینؒ کے مرید تھے اور شاہ عبدالعزیز کے شاگرد۔ ان کے درسِ تفسیر میں جو سنتے اسے ضبطِ تحریر میں لاتے تھے۔ ان کی تحریروں کے مجموعے کو شاہ عبدالعزیز نے دیکھا تو اس پر ایک مقدمہ لکھا جس میں شیخ مصداق الدین کی شاہ فخرالدین سے نسبتِ ارادت کا ذکر کرتے ہوئے مولانا فخرالدین کا بے حد احترام سے ذکر کیا ہے۔ ''برادرِ دینی...... مقبولِ جناب مولانا عالی جناب خلائق مآب و بالفضل اولانا فخر الملۃ والدین محمد قدس سرہٗ الامجد''

(تفسیرِ عزیزی قلمی، ص:۲، سر شاہ سلیمان کلکشن،
مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

مولانا شاہ فخرالدین اپنے مدرسہ میں طلباء کو شریعت کی ظاہری تعلیم کے علاوہ طریقت کے باطنی نکات کی بھی تعلیم دیتے تھے۔ آپ نے ہمیشہ اسلام کے ظاہری علوم کی درس و تدریس کے ساتھ ساتھ علومِ باطن کی تلقین پر زور دیا۔ آپ کے خلفاء میں مولانا سید ضیاء الدین نے جے پور کو اور مولانا شاہ پیردین محمد طہرانی عرف پیرالدین نے ٹونک کو اپنا مستقر بنا کر سلسلۂ چشتیہ کی نشر واشاعت کا کام شروع کیا۔ جے پور اور ٹونک میں ان دونوں بزرگوں کی خانقاہیں آج بھی باقی ہیں۔ مولانا ضیاء الدین سے

جے پور کا مہاراجہ حد درجہ عقیدت رکھنے لگا۔ آپ نے جے پور میں جگہ جگہ مساجد قائم کرانے کا کام شروع کیا۔ آپ نے اپنے ذاتی پیسے سے ایک خانقاہ تعمیر کی اور ایک دینی مدرسہ بھی قائم کیا۔ پیر دین محمد طہرانی کی خانقاہ میں ۷ سال مقیم رہ کر مولانا رضا علی خاں جدِّ کریم فاضل بریلوی نے مولانا خلیل الرحمٰن رامپوری ثم ٹونکی صاحبِ حاشیۂ دُرَرُالوصول الیٰ علم الاصول فی شرح المنار سے علومِ درسیہ کی تحصیل کی تھی۔ (اردو ترجمہ، تذکرۂ علمائے ہند، ص: ۱۹۳) مولانا خلیل الرحمٰن ملا بحرالعلوم عبدالعلی فرنگی محلی لکھنوی کے شاگردِ رشید تھے۔ جیسا کہ آپ کے لکھے ہوئے حواشی سے ظاہر ہے۔ آپ نے بہت سے علوم و فنون پر کتابیں لکھیں اور ردِّ وہابیت پر بھی رسائل لکھے۔ فاضل بریلوی کے باپ اور دادا نے ردِّ وہابیت کا جو بیڑا اٹھایا اس کا نقشِ اولین دیگر علمائے اہلسنت کے علاوہ مولانا خلیل الرحمٰن نے ہی تیار کیا تھا۔ ۹ رجمادی الاولیٰ ۱۲۷۳ھ کو گلشن آباد المعروف بہ جاورہ میں وصال ہوا۔ نواب عبدالغفور خاں کے مقبرے کے پاس جو جامع مسجد کے نزدیک ہے آپ مدفون ہوئے۔ پیر دین محمد طہرانی نے ٹونک میں نواب محمد امیر خاں کی ریاست قائم ہونے کے بعد انھیں مدارس و مساجد کی تعمیر کی رغبت دلائی اور ایک محکمۂ شرع شریف قائم کرنے پر زور دیا۔ نواب مرحوم نے آپ کی ہدایت کو قبول کیا اور آپ کے حسبِ منشاء سارے دینی کام انجام دیئے۔ پیر دین محمد طہرانی نے نواب محمد امیر خاں سے کسی قسم کی جاگیر اور وظیفہ قبول نہیں کیا اور کسبِ معاش کے ذرائع خود اپنے لئے فراہم کئے۔

اس دور میں سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے مشائخ بھی سامنے آئے۔ صابریہ سلسلے کا مرکز امروہہ (ضلع مرادآباد) بنا، جہاں شاہ عضدالدین متوفی ۱۱۷۲ھ جو شیخ محب اللہ الہ آبادی کے خلیفہ سید شاہ محمدی کے مرید تھے، نے امروہہ میں اپنی خانقاہ بنائی۔ مقاصد العارفین میں آپ نے شیخ کی خدمت میں حاضری اور بیعت ہونے کا حال لکھا ہے۔ تذکرہ حاجی رفیع الدین مرادآبادی میں بھی آپ کا ذکرِ خیر کیا گیا ہے۔ حضرت شاہ عبدالہادی متوفی ۱۱۹۰ھ شاہ عضدالدین کے خلیفہ تھے۔ آپ کا ذکر مفتاح الخزائن (شیخ

نزہت علی)، انوار العارفین (حافظ محمد حسین) اور انوار العاشقین (مولانا مشتاق احمد) میں قابلِ مطالعہ ہے۔شاہ عبدالباری متوفی ۱۲۲۶ھ شاہ عبدالہادی کے پوتے اور خلیفہ تھے۔ان تینوں بزرگوں نے سرزمینِ امروہہ کو سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے انوار و تجلیات کا ایسا مرکز بنادیا جس کی روشنی سے فضائیں جگمگا اٹھیں۔شاہ عبدالباری کے خلیفہ حاجی سید عبدالرحیم فاطمی متوفی ۱۲۴۶ھ ہیں جو تازندگی سنتِ نبوی کو زندہ کرنے میں کوشاں رہے۔ان کے خلیفہ میاں جی نور محمد جھنجھانوی متوفی ۱۲۵۹ھ کے ایک مرید و خلیفہ حضرت حاجی امداداللہ چشتی صابری مہاجرِ مکی ہوئے، جنھوں نے عرب و عجم میں سلسلۂ چشتیہ صابریہ کی تعلیمات کی نشر و اشاعت کی اور اسی لئے آپ شیخ العرب والعجم کہلائے۔ اکابرِ علمائے دیوبند مولوی محمد قاسم نانوتوی (بانی دارالعلوم دیوبند)، مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی رشید احمد گنگوہی وغیرہ سب ان کے حلقۂ مریدین میں داخل ہوئے اور ماضی قریب کے علماءِ دیوبند میں مولوی محمد زکریا شیخ الحدیث مظاہرالعلوم سہارنپور، مصنف فضائلِ اعمال (نصاب تبلیغی جماعت) اسی سلسلے کی ایک کڑی تھے۔

یہاں یہ بات غورطلب ہے کہ اکابر علماءِ دیوبند میں مولوی قاسم نانوتوی کی کتاب ''تحذیرالناس'' میں رسول کریمؐ کے بعد امکانِ نبوت کا ذکر کیا گیا ہے جو سراسر کفر ہے، (نعوذ باللہ) جس سے مرزا غلام احمد قادیانی کو تقویت ملی۔اسی طرح مولوی اشرف علی تھانوی نے کتاب ''حفظ الایمان'' میں رسول پاکؐ کے علمِ غیب کو عام انسانوں بلکہ بچوں، پاگلوں اور حیوانات و بہائم کے برابر قرار دیا ہے۔اسی طرح مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی صاحبِ ''براہینِ قاطعہ'' نے اپنی کتابوں میں نبی کریمؐ کی توہین کی ہے۔مذکورہ بالا علماءِ دیوبند کی علماءِ عرب و عجم نے تکفیر کی ہے جیسا کہ فاضل بریلوی کی کتاب ''حسام الحرمین'' سے ظاہر ہے۔

حالانکہ علمائے دیوبند نے مذکورہ بالا علماء کی کفریہ عبارتوں کی تاویل کرنے کی کوشش کی ہے مگر......

کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

مولوی زکریا سے پہلے مولوی محمد الیاس، بانیٔ تبلیغی جماعت مولوی رشید احمد گنگوہی کے مرید تھے۔ انھوں نے مشائخ چشت کے تبلیغی اصولوں پر تبلیغی جماعت قائم کی۔ یہ جماعت آج بھی سرگرمِ عمل ہے لیکن اہلِ سنت والجماعت کے عوام وخواص کی نظر میں تبلیغی جماعت کے عقائد مشائخ چشت کے مسلک سے متفق نہیں ہیں۔ اس جماعت کے افراد خانقاہی رسوم وروایات کے منکر ہیں۔ انھوں نے غیر مسلموں کو بھی مشائخ چشت کے اصولوں کے مطابق دعوتِ اسلام نہیں دی اور کچھ مخصوص عقائد کی بنا پر اہلِ سنت کے عوام وخواص میں مقبول نہ ہو سکے۔ صدیوں سے جاری اولیاء اللہ کی درگاہوں کے مراسم کو یہ لوگ شرک وبدعت سے تعبیر کرتے ہیں۔ جس روحانی جذبہ نے حاجی امداداللہ مہاجر مکی کے قلب وجگر کو گرمایا تھا وہ ان میں مفقود ہے۔ کاش یہ اپنے مخصوص عقائد کو بنیاد نہ بناتے اور عوام کی درگاہوں سے خوش عقیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے تبلیغی کام کو انجام دیتے تو یہ غیر معمولی مقبولیت حاصل کر سکتے تھے۔ اس کے برعکس ۴ر جنوری ۲۰۱۱ء کو ای۔ ٹی۔ وی۔ اردو، جے پور نے ایک قومی سطح کی کانفرنس منعقد کی جس میں ہندوستان کی اقلیتوں کے مسائل اور مشکلات پر ممبرانِ پارلیمنٹ، فلم انڈسٹری سے وابستہ حضرات، صحافی اور دانشور صاحبان نے تقاریر کیں۔ مولانا محمود مدنی ممبر راجیہ سبھا و جنرل سیکریٹری جمعیۃ العلماء ہند نبیرۂ مولانا حسین احمد مدنی نے اپنی تقریر میں کہا کہ مجھے ہندوستان کی ساڑھے چھ سو سال کی مسلم تاریخ پر ناز نہیں ہے، مجھے سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت نظام الدین اولیاء اور حضرت علاء الدین احمد صابر کلیری علیہم الرحمہ پر ناز ہے۔ اس کانفرنس میں راقم الحروف بھی شریک تھا۔

اٹھارویں صدی سے بیسویں صدی تک
کا ہندوستان اور سلسلۂ چشتیہ

اٹھارویں صدی عیسوی میں ساری دنیا میں اہم ترین سماجی، سیاسی، اقتصادی اور

مذہبی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اگر کچھ ممالک غلامی کی زنجیریں توڑنے میں لگے تھے تو کچھ ملکوں کے گلے میں طوقِ غلامی ڈالنے کی مہم چل رہی تھی۔ ترکستان میں دولتِ عثمانیہ تباہی کے کنارے کھڑی تھی، ایران بھی افتراق، خلفشار اور ابتری کے دور سے گزر رہا تھا۔ ہندوستان میں سلطنتِ مغلیہ کا بیڑا غرق ہونے کو تھا۔ ۳؍مارچ ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب نے انتقال کیا۔ سکھ، مرہٹے، روہیلے اور جاٹ قبیلوں نے ہنگامہ برپا کر دیا۔ فتنہ وفساد، قتل و غارت گری اور باہمی نفرت وعداوت نے سماجی زندگی پر فلاح و بہبود کے دروازے بند کردیئے۔ ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ درانی کا حملہ ہوا۔ ۱۷۴۷ء سے ۱۷۶۹ء تک احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر نو حملے کئے۔ بعدازاں ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط قائم ہوگیا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے نے مسلمانوں کے جان و مال اور عزت وآبرو پر قیامت ڈھادی۔ پورے ہندوستان کا اقتصادی ڈھانچہ بگڑ گیا تھا۔ معاشرے اور تمدن کی زریں روایات کا گلا گھونٹ دیا گیا تھا، ہندو اور مسلم تعلقات کشیدگی کا شکار ہوگئے تھے۔ یہ سب انگریزوں کی سازش کا نتیجہ تھا۔ برطانوی اقتدار سے پہلے ہندو اور مسلمان شیر وشکر بن کر رہتے تھے۔ اخلاق و مذہب کا صرف نام باقی تھا، عمل کی دنیا میں اخلاقی و مذہبی قدروں کا فقدان ہو چکا تھا۔ شیعہ سنی کی بحثوں اور وہابی وسنی کے عقائد سے متعلق چپقلش نے ہندوستان کی ملتِ اسلامیہ کا شیرازہ منتشر کر دیا تھا۔ تاریخ کے طالب علم کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ انگریزوں کے اشارے پر ہو رہا تھا۔ نام نہاد صوفیا اور علماء نے معاشرہ کو فکر وعمل کی اعلیٰ صلاحیتوں اور سعادتوں سے محروم کردیا تھا۔ ایسے تاریک ترین دور میں جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی متوفی ۱۷۲۹ء نے سلسلۂ چشتیہ کی تجدید واحیاء کا کام شروع کیا جسے ان کے نامور خلفاء نے آگے بڑھایا۔ تاریخ میں ان کے اٹھارہ اہم خلفاء کے نام ملتے ہیں۔ ان کے بعد نظام الدین اورنگ آبادی، پھر مولانا شاہ فخر الدین، پھر خواجہ نور محمد مہاروی اور حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی نے جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے سلسلۂ چشتیہ کو فروغ بخشا۔ ان کے سجادگان اور ان کے سلسلے کے آج تک کے خلفاء سے چشتیہ سلسلہ کو

فروغ ہو رہا ہے۔ شاہ نیاز احمد کے خصوصی خلیفہ مولانا غلام محمد کشتواری عرف مسکین شاہ صاحب نے جے پور میں مولانا ضیاء الدین کے بعد سلسلۂ چشتیہ کی تبلیغ و اشاعت میں حصہ لیا۔ جے پور کا راجہ اور امراء و عوام سب آپ کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ گھاٹ دروازہ پر آپ کی خانقاہ ہے جس میں آپ آسودہ خاک ہیں۔ سالِ وصال ۱۲۷۵ھ ہے۔ آپ کے خلیفہ مولانا سکندر علی نے الہ آباد کے گرد و نواح میں سلسلۂ چشتیہ کو فروغ دیا۔ ان کے خلیفہ مولانا محمد علی ٹونک آگئے اور وہیں مدفون ہیں۔ ان کے سلسلے میں ٹونک کے بڑے بڑے علماء مرید ہوئے۔ مولانا محمد ابراہیم روحی ان کے سجادہ نشین اور خلیفہ ہوئے۔ ان کے بعد استاذ العلماء مولانا محمد علی عرف مولوی ننھے خلیفہ ہوئے۔ ان کے بعد مولانا محمد امین خطیب جامع مسجد ٹونک ان کے خلیفہ ہوئے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ راجستھان میں جے پور اسلامی شعائر کی ترویج سے محروم تھا۔ مولانا فخر الدین کے خلیفہ مولانا سید ضیاء الدین کے فیوض و برکات سے ''طریقۂ اسلام وصلوٰۃ و اذان'' جاری ہوا۔ (شجرۃ الانوار قلمی) مولانا فخر کے خلیفہ مولانا جمال الدین نے رامپور میں مسندِ ارشاد بچھائی اور دہلی میں مولانا فخر الدین کے خلیفہ مولانا حاجی لعل محمد نے سلسلۂ چشتیہ کا روحانی رنگ جمایا۔ ۱۲ر رمضان المبارک ۱۲۳۹ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ مولانا شاہ فخر الدین کے خلیفہ مولانا شاہ نیاز احمد بریلوی نے چشتی تعلیمات کو اپنی گراں قدر تصانیف سے روشناس کرایا ہے۔ ہند اور بیرونِ ہند میں آپ نے چشتی خانقاہیں قائم کرائیں۔ قندھار، بدخشاں اور شیراز سے طالبانِ خدا حاضر ہو کر مرید ہوئے اور ان میں سے کچھ افراد کو آپ نے خرقۂ خلافت سے سرفراز کیا۔

خواجہ محمد عاقل خواجہ نور محمد مہاروی کے جلیل القدر خلیفہ ہیں۔ آپ ہی کی کوششوں سے چاچڑاں، کوٹ مٹھن، احمد پور وغیرہ مقامات کی خانقاہیں قائم ہوئیں۔ (مناقب المحبوبین از حاجی نجم الدین فتحپوری، ص:۱۴۳)۔ ۱۲۲۹ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ کوٹ مٹھن میں آپ آسودہ خاک ہیں۔ آپ کے بعد آپ کے سجادہ نشینوں اور خلفاء نے چشتیہ مشن کو جاری رکھا۔ حضرت حافظ محمد جمال ملتانی خلیفہ خواجہ نور محمد مہاروی نے ملتان

ومنصورہ میں چشتی خانقاہ بنائی اور وسیع پیمانے پر سلسلۂ چشتیہ کی نشر و اشاعت کی۔ ۱۲۲٦ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ ان کے مریدین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ (مناقب المحبوبین، ص: ۱۳۸) ان کے سجادہ نشین مولانا خدابخش نے جنھیں کتاب مناقب فخریہ (ص: ۳۰) میں "مردِ بے نظیر" کہا گیا ہے، چشتیہ سلسلہ کی اشاعت میں بڑی جدوجہد کی۔

حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ کے خلیفۂ اعظم حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی نے سلسلۂ چشتیہ کو پروان چڑھانے میں اہم ترین رول ادا کیا۔ ان کا فیضانِ نظر پنجاب تک محدود نہ رہا بلکہ ہندوستان کے علاوہ افغانستان میں بھی ان کے ذریعہ سلسلۂ چشتیہ کو فروغ ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سلطنتِ مغلیہ ختم ہو رہی تھی اور انگریزوں کا تسلط آہستہ آہستہ قائم ہو رہا تھا۔ سید احمد رائے بریلوی انگریزوں سے ٹکر لینے کے بجائے سکھوں سے مصروفِ جہاد تھے۔ بالآخر انھیں اور ان کے مریدِ صادق مولوی اسماعیل دہلوی کو صوبۂ سرحد کے پٹھانوں نے قتل کر دیا۔ ان کے وہابیت آمیز عقائد سے صوبۂ سرحد کے خوش عقیدہ پٹھان برہم ہو گئے۔ خواجہ سلیمان تونسوی نے اس زمانے میں نہ سکھوں سے جہاد مناسب سمجھا اور نہ انگریزوں سے ٹکر لینا پسند کیا۔ انھوں نے گذشتہ مشائخِ چشت کی طرح اسلامی شعائر کے احیاء و تجدید کو سب سے زیادہ ضروری سمجھا۔ ان کا ارشاد تھا۔ "مسلمانوں نے اعمالِ نیک چھوڑ دیئے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر کافروں کو مسلط کر دیا ہے۔" (نافع السالکین، ص: ۱۰۹) ان کی کوششوں سے سیال، گولڑہ، جلال پور، حیدرآباد، شیخاواٹی راجستھان میں چشتیہ سلسلے کی خانقاہیں قائم ہو گئیں۔ افغانستان کے علاوہ بلوچستان اور ترکستان تک ان کا سلسلہ پھیل گیا۔ جزیرۂ سراندیپ اور عدن تک انھوں نے سلسلۂ چشتیہ کو فروغ بخشا۔ بیشمار طالبانِ خدا ان سے فیضیاب ہوئے۔ تونسہ میں سکونت کے بعد آپ نے علومِ دینیہ کے مدارس کا اجراء کیا۔ ان کے ہم عصر سر سید احمد خاں اسی بنا پر ان کے مدّاح تھے۔ سر سید احمد خاں نے لکھا ہے کہ: "خواجہ سلیمان تونسوی کی شہرت و مقبولیت قاف سے قاف تک ہے۔" (آثار الصنادید) افغانستان کا شاہ شجاع ان کا مرید ہو گیا۔ سیرتِ محمدی کے اخلاقی پہلو پر آپ زیادہ زور دیتے تھے۔

اس دور کے علماء کی خود غرضی اور بے راہ روی سے وہ کانپ اٹھتے تھے اور ان کی اصلاح کی کوشش کرتے تھے۔ وہ علماء کو عمل کرنے پر راغب کرتے تھے۔ آپ مشائخِ چشت کی تقلید میں ہندوؤں سے خوشگوار اور شگفتہ تعلق رکھنے کی ہدایت کرتے تھے۔ وہ اپنے پیرِ طریقت کے پڑھے ہوئے درج ذیل شعر پر عمل کرتے تھے......

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام　　　با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

(نافع السالکین، ص:۱۷۶)

عیسائیت کے اثرات مسلمانوں پر پڑ رہے تھے، ان کا بھی آپ نے سدِّ باب کیا۔ ایک بار مولوی محمد حیات دہلوی نے عرض کیا۔ "بہت سے مسلمانوں کو انگریزوں نے دینِ محمدی سے برگشتہ کردیا ہے اور وہ ایمان سے خارج ہورہے ہیں اور انھوں نے عیسائی مذہب صحبت کی غرض سے اختیار کرلیا ہے تاکہ انگریز ان سے خوش ہوں۔" (نافع السالکین، ص:۱۶) اس خبر سے آپ کو سخت صدمہ ہوا اور فرمایا کہ ایسی نوکری سے جس میں ایمان کا خطرہ ہو بھوکا مرنا بہتر ہے۔ ۱۲۶۷ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کے خلفاء کی تعداد ۷۰/ ہے۔ (مناقبِ حافظیہ، ص:۱۴) ان خلفاء میں حافظ محمد علی خیرآبادی، حاجی نجم الدین شیخاواٹی اور حضرت شمس الدین سیالوی نے سلسلۂ چشتیہ کی ترویج و تبلیغ میں اہم حصہ لیا۔

حافظ محمد علی خیرآبادی

آپ خواجہ سلیمان تونسوی کے اہم اور اولین خلفاء میں سے تھے۔ آپ کا سلسلہ اودھ تک محدود نہ رہا بلکہ سرزمینِ دکن تک پہنچا اور وہاں چشتی خانقاہیں قائم ہوئیں۔ آپ دہلی میں خواجہ قطب کے مزار پر مجاہدات کرتے رہے، پھر اجمیر آکر بارگاہِ غریب نواز میں حاضر ہوئے اور ۱۲ سال تک ایک مسجد میں مقیم ہوکر خواجۂ خواجگاں کے روحانی فیوض و برکات سے بہرہ ور ہوئے۔ (مناقبِ حافظیہ، ص:۹۶) اجمیر شریف سے پاک پٹن گئے اور وہاں مجاہدات کئے۔ خواجہ سلیمان تونسوی سے مرید ہونے سے پہلے

آپ نے بہت سے مجاہدات کئے۔ پاک پٹن سے خواجہ سلیمان تونسوی کی خدمت میں تونسہ شریف حاضر ہوئے۔ ان کی بیعت اور صحبتِ بابرکت سے فیض یاب ہوکر روحانیت کی منزلِ مقصود تک پہنچے۔ آپ نے غیر شرعی رسومات کو مٹانا اپنی زندگی کا مقصدِ اوّلین بنا لیا اور مسلم معاشرے کو کتاب و سنت کی روشنی میں منور کیا۔ حافظ صاحب مثنوی مولانا روم کا مستقل طور پر درس دیتے تھے جس میں ہندو صاحبان بھی شریک ہوتے تھے۔ (مناقبِ حافظیہ، ص:۲۵۶) آپ قدیم مشائخِ چشت کی طرح بادشاہوں کی ملاقات سے پرہیز کرتے تھے۔ بہادر شاہ ظفر نے بارہا ملاقات کی درخواست کی مگر آپ نے اجازت نہ دی۔ (مناقبِ حافظیہ، ص:۱۳۵) دہلی کا ایک ہندو کایستھ معہ اہل و عیال آپ کے دستِ حق پرست پر ایمان لایا اور بیعت ہوا۔ (مناقب المحبوبین، ص:۳۵۸) حیدرآباد کا راجہ چندر لال آپ کا بیحد معتقد تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے ہندو صاحبان آپ کے حلقۂ عقیدت میں شامل تھے۔ (مناقب المحبوبین، ص:۳۵۷) آپ نواب واجد علی شاہ کی بے راہ روی سے سخت بیزار تھے۔ (مناقبِ حافظیہ، ص:۱۲۶۰) آپ کے خلفاء میں مولانا احسن الزماں حیدرآبادی بڑے پایہ کے عالم تھے۔ انھوں نے مولانا شاہ فخرالدین کی کتاب "فخرالحسن" کی عربی میں مبسوط شرح لکھی۔ اس کے علاوہ انھوں نے اہلِ بیتِ نبوی کے علوم و کمالات پر ایک کتاب ۲۴ جلدوں میں لکھی۔ اس کتاب میں انھوں نے اہلِ سنت کے جملہ عقائد کا ثبوت روایاتِ اہلِ بیت سے دیا۔ اس کتاب کی صرف ایک جلد نوابِ محبوب علی خاں نے شائع کرائی۔ نواب مرحوم کا انتقال ہونے پر کتاب کی باقی جلدیں اشاعت پذیر نہ ہوسکیں۔ حافظ صاحب کے بعد ان کے برادر زادے حافظ محمد اسلم سجادہ نشین ہوئے اور چشتی تعلیمات کا عملی نمونہ بن کر سامنے آئے۔

حاجی نجم الدین فتح پور شیخاواٹی (راجستھان)

آپ خواجہ سلیمان تونسوی کے مخصوص مریدین اور خلفاء میں سے تھے۔ آپ نے

فتحپور شیخاواٹی میں خانقاہ بنائی جہاں ہزاروں عقیدتمند جمع ہوتے تھے اور آج بھی ہوتے ہیں۔ آپ سلطان التارکین صوفی حمیدالدین ناگوری کی اولادِ امجاد میں سے تھے۔ ۱۲۵۳ھ میں خواجہ سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے بیعت ہوئے۔ حاجی صاحب خلافت عطا ہونے کے بعد خواجہ سلیمان تونسوی کے حکم سے فتحپور شیخاواٹی میں مقیم ہوگئے۔ آپ نے خواجہ سلیمان تونسوی سے تصوف کی بہت سی کتابوں کا درس لیا۔ آپ اردو، ہندی اور فارسی کی کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ نے بحیثیتِ شاعر اپنے کلام کا بہت بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ آپ کا ہندی کلام پڑھ کر حضرت امیر خسروؒ کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ آپ نے اپنی تصانیف کے ذریعہ راجستھان میں اردو زبان کو رائج کرنے کے ساتھ ساتھ چشتی تعلیمات کو عام کیا۔ آپ کی اردو کتابوں کی تعداد چودہ ہے۔ ان کتابوں میں آپ نے مشائخِ چشت کی تعلیمِ اخلاق و تصوف کو نہایت دلنشیں پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ فارسی میں آپ صاحبِ دیوان شاعر ہیں اور آپ کی فارسی کتابوں کی تعداد ۱۷/ ہے۔ آپ کے خلفاء کی تعداد ۲۶/ ہے۔ آپ نے جے پور، جودھپور، بیکانیر اور اودے پور میں سلسلۂ چشتیہ کی خانقاہیں قائم کرائیں۔ ان کے خلفاء میں مولانا حکیم سید محمد حسن امروہوی کا نام بڑی اہمیت کا حامل ہے جو علوم عقلیہ میں مولانا فضلِ حق خیرآبادی اور حدیث، تفسیر اور فقہ میں مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی کے شاگردِ رشید تھے۔ علم طب میں حکیم امام الدین دہلوی کے شاگرد تھے۔ ایک مدت تک گورنمنٹ کالج، اجمیر میں عربی و فارسی کے پروفیسر رہے۔ اجمیر سے اپنے وطن امروہہ جاکر راہیٔ ملکِ بقا ہوئے۔ آپ نے فارسی زبان میں قرآنِ مجید کی تفسیر لکھی جس کا نام تفسیرِ حضرت شاہی معاملات اسرار فی مکاشفات الاخیار ہے جو ۱۲۹۵ھ میں مطبع میر حسن دہلوی سے شائع ہوئی۔ آپ نے اردو و فارسی میں تقریباً گیارہ کتابیں لکھیں جن کے ذریعہ چشتی تعلیمات کے فیضان کو عام کیا۔

حاجی نجم الدین صاحب کے وصال کے بعد ان کے خلفِ اکبر اور خلیفۂ اعظم مولانا محمد نصیرالدین سجادہ نشین ہوئے اور ان کے وصال کے بعد ان کے فرزندِ اکبر

حاجی غلام محمد نجم الدین سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے بعد مولانا غلام سرور سجادہ نشین ہوئے۔ حاجی صاحب کے خلفاء اور سجادہ نشینوں نے چشتی تعلیمات کو راجستھان کے علاوہ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں پہنچایا۔

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی:

خواجہ سلیمان تونسوی کے آپ محبوب ترین خلفاء میں تھے۔ چشتی تعلیمات کی تبلیغ میں آپ نے بدرجۂ اتم جدوجہد کی۔ جلال پور اور گولڑہ کی خانقاہیں آپ کی کوششوں کی رہینِ منت ہیں۔ آپ کے دور میں پنجاب سکھوں کے زیرِ اقتدار تھا۔ آپ کے والد ماجد میاں محمد یار کو سکھوں نے گرفتار کرلیا تھا۔ انتہائی ناسازگار حالات میں آپ نے سلسلۂ چشتیہ کے پرچم کو بلند رکھا۔ آپ کی خانقاہ میں قدیم مشائخِ چشت کی طرح بڑے پیمانے پر لنگر کا اہتمام ہوتا تھا۔ زائرین اور مسافرین کے علاوہ شہر کے غرباء ومساکین کو بھی کھانا دیا جاتا تھا۔ ۲۱ر صفر ۱۳۰۰ھ کو آپ کا وصال ہوا۔ آپ کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد الدین سجادہ نشین ہوئے۔ حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی نے آپ کو خرقۂ سجادگی پہنایا۔ آپ کا وصال ۲ر رجب ۱۳۲۷ھ کو ہوا۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے محمد ضیاء الدین سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے خلفاء کی تعداد ۳۵ ہے، جنھوں نے سلسلۂ چشتیہ کی بنیادوں کو مستحکم کیا۔ خواجہ شمس الدین سیالوی کے خلفاء میں سب سے زیادہ شہرت ومقبولیت پیر سید غلام حیدر علی شاہ جلال پوری اور پیر سید مہر علی شاہ کو ملی۔

پیر سید غلام حیدر علی شاہ جلال پوری

آپ خواجہ شمس الدین سیالوی کے مخصوص خلفاء میں سے تھے۔ غریبوں کی دلجوئی آپ کا خاص شیوہ تھا۔ آپ ہمہ وقت چشتی تعلیمات سے لوگوں کو فیضیاب کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ ان کے وصال پر علامہ اقبال نے تاریخ کہی جو درج ذیل ہے:۔

ہر کہ بر خاکِ مزارِ پیر حیدر شاہ رفت   تربتِ او را امینِ جلوہ گاہِ طور گفت

ہاتف از گردوں رسید و خاک او را بوسہ داد   گفتمش سالِ وفاتِ او بگو 'مغفور' گفت

۱۳۲۶ھ

(تاریخِ مشائخ چشت، از نظامی، ص: ۷۱۲)

پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی:

آپ خواجہ شمس الدین سیالوی کے خلفاء میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب ۲۱ ویں پشت میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے ملتا ہے۔ آپ نے تحصیلِ علوم کے بعد حجازِ مقدس کا سفر کیا، مکہ معظمہ میں حاجی امداداللہ چشتی صابری مہاجرِ مکی سے ملاقات کی۔ حاجی صاحب نے ایک دن آپ سے کہا۔ "ہندوستان میں عنقریب ایک فتنہ نمودار ہوگا تم ضرور اپنے وطن واپس چلے جاؤ۔ اگر بالفرض تم ہندوستان میں خاموش بھی بیٹھے رہو گے تو وہ فتنہ ترقی نہ کرے گا اور ملک میں سکون رہے گا۔" (ملفوظاتِ طیبہ، ص: ۱۲۶) پیر مہر علی شاہ صاحب حاجی صاحب کے اس اشارہ کو فتنۂ قادیانیت پر محمول کرتے تھے اور کہا کرتے تھے۔ "رسول اکرمؐ نے خواب میں انھیں فتنۂ قادیانیت کو ختم کرنے کا حکم دیا تھا۔" (ملفوظاتِ طیبہ، ص: ۱۲۶ تا ۱۲۷) پیر مہر علی شاہ نے مرزا غلام احمد قادیانی کو دعوتِ مباہلہ بھی دی تھی جس کے لئے وہ آمادہ نہ ہوئے۔ مقامِ افسوس ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں نے اس فتنہ کو جنم دے کر ملتِ اسلامیہ میں ایک خلفشار پیدا کیا۔ آپ کے تجرِ علمی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ علامہ اقبال نے فلسفۂ زمان پر استفادہ کرنے کے لئے آپ کو مکتوب لکھا۔ (اقبال نامہ، جلد:۱، ص: ۴۴۲ تا ۴۴۴) عصرِ حاضر کے بعض اہلِ علم نے آپ کو صدی کا مجدد قرار دیا ہے۔

حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ:

خواجہ سلیمان تونسوی کے سلسلہ کے مذکورہ بالا خلفاء کے بعد جس نے سلسلۂ چشتیہ کی تعلیمات کو رائج کیا، وہ حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی کی ذاتِ ستودہ صفات

ہے۔ آپ خواجہ سلیمان تونسوی کے پوتے تھے اور ان کے سجادہ نشین بھی ہوئے۔ کیونکہ خواجہ سلیمان کے فرزندوں کا انتقال ان کی زندگی ہی میں ہوگیا تھا۔ خواجہ سلیمان تونسوی نے عہدِ طفلی سے ہی خواجہ اللہ بخش کو چشتی تعلیمات سے آراستہ و پیراستہ کردیا تھا۔ سجادہ نشین ہونے کے بعد آپ نے مشائخ سلسلہ کے مزارات کی زیارت کے لئے سفر کئے اور خاص طور سے اجمیر شریف حاضر ہوکر حضرت خواجۂ خواجگاں کے روحانی فیوض و برکات سے بہرہ مند ہوئے۔ خدامِ غریب نواز کا آپ بیحد ادب کرتے تھے اور بہت سے خدام حضرات اور شہر کے باشندگان آپ کے حلقۂ مریدین میں داخل ہوئے۔ اجمیر کے مسلمان محلہ اندرکوٹ میں آپ کا ہرسال عرس کرتے ہیں۔ فتنۂ قادیانیت کو ختم کرنے کے لئے بھی آپ نے بھرپور جدوجہد کی۔ بیکانیر، جودھپور، ناگور وغیرہ راجستھان کے مختلف علاقوں میں آپ کے مریدین کی کثیر تعداد ہے۔ دہلی میں قیام کے دوران بہادر شاہ ظفر نے شرفِ قدم بوسی حاصل کیا۔ آپ نے چشتی تعلیمات کو عام کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ آپ نے مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا، خاص طور سے آپ نے علمائے وقت کی اصلاح پر توجہ دی۔ ہندو صاحبان بھی آپ کے بیحد عقیدتمند ہوگئے۔ ۲۹ رجمادی الاوّل ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۳ ستمبر ۱۹۰۱ء میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کے صاحبزادے خواجہ حافظ موسیٰ صاحب پھر ان کے صاحبزادے خواجہ حامد صاحب سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے بعد مولانا حافظ سدید الدین سجادہ نشین ہوئے، ان کے بعد خواجہ خان محمد سجادہ نشین ہوئے۔ آجکل خانقاہِ سلیمانی کے خواجہ شاہ عطاءاللہ سجادہ نشین ہیں۔

حضور غریب نوازؒ کے بعد سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے مشائخ کرام نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں ان کا ذکر کیا جاچکا ہے۔ برِّصغیر میں مشائخِ چشت کی درگاہوں کا شمار کرنا آسان نہیں۔ فی الحال John A Subhan نے اپنی انگریزی کتاب Sufism, its Saints and Shrines میں جن درگاہوں کا ذکر کیا ہے کچھ اضافے کے ساتھ وہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

نمبر شمار	اہلِ مزار	سنِ وفات	مدفن
۱	حضرت خواجہ معین الدین حسن اجمیریؒ	۱۲۳۶ء	اجمیر
۲	حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی	۱۲۳۷ء	دہلی
۳	شمس الدین التمش	۱۲۳۷ء	دہلی
۴	جلال الدین تبریزی	۱۲۴۴ء	بنگال
۵	محمد ترک	۱۲۴۵ء	نارنول
۶	بدرالدین غزنوی	۱۲۵۹ء	دہلی
۷	جمال الدین	۱۲۶۱ء	ہانسی
۸	بابا فرید الدین گنجِ شکر	۱۲۶۶ء	پاک پٹن
۹	نجیب الدین متوکل	۱۲۷۲ء	غیاث پور (دہلی)
۱۰	نظام الدین ابوالمؤید	۱۲۷۳ء	دہلی
۱۱	صوفی حمید الدین ناگوری	۱۲۷۴ء	ناگور
۱۲	قاضی حمید الدین سہروردی	۱۲۷۹ء	دہلی
۱۳	داؤد پالمی	۱۲۸۱ء	دہلی
۱۴	امام علی لاحق	۱۲۸۷ء	سیالکوٹ
۱۵	برہان الدین محمود ابوالخیر	۱۲۸۸ء	دہلی
۱۶	علاء الدین احمد صابر کلیری	۱۲۹۱ء	پیرانِ کلیر
۱۷	بدرالدین بن علی اسحاق	۱۲۹۱ء	اجودھن
۱۸	منتخب الدین	۱۲۹۶ء	دیوگیری (دکن)
۱۹	سید محمد بن سید محمود کرمانی	۱۳۱۱ء	دہلی
۲۰	نظام الدین شیرازی	۱۳۱۸ء	دہلی
۲۱	شمس الدین	۱۳۱۸ء	پانی پت
۲۲	قاضی محی الدین کاشانی	۱۳۱۹ء	دہلی

۲۳	خواجہ علاء الدین بن شیخ بدر الدین	۱۳۲۰ء	پاک پٹن
۲۴	شمس الدین	۱۳۲۰ء	ظفر آباد
۲۵	شرف الدین بو علی قلندر	۱۳۲۴ء	پانی پت
۲۶	نظام الدین اولیاء	۱۳۲۵ء	دہلی
۲۷	امیر خسرو	۱۳۲۵ء	دہلی
۲۸	مؤید الدین	۱۳۲۶ء	دہلی
۲۹	وجیہ الدین یوسف	۱۳۲۹ء	چندیری
۳۰	محمد امام	۱۳۳۵ء	دہلی
۳۱	حسام الدین	۱۳۳۵ء	پاک پٹن
۳۲	فخر الدین رازی	۱۳۳۶ء	دہلی
۳۳	میر حسن علی سنجری	۱۳۳۶ء	دیوگیری (دکن)
۳۴	ضیاء الدین برنی	۱۳۳۸ء	دہلی
۳۵	برہان الدین غریب	۱۳۴۰ء	دیوگیری (دکن)
۳۶	حسام الدین جگر سوختہ	۱۳۴۱ء	سانبھر
۳۷	عزیز الدین صوفی	۱۳۴۱ء	دہلی
۳۸	شمس الدین یحییٰ	۱۳۴۵ء	دہلی
۳۹	ملک زادہ احمد	۱۳۴۶ء	دہلی
۴۰	شیخ دانیال	۱۳۴۷ء	سترخ (نزد لکھنؤ)
۴۱	فخر الدین زرّادی	۱۳۴۷ء	مکہ جاتے ہوئے جہاز غرق ہوگیا
۴۲	ضیاء الدین نخشبی	۱۳۵۰ء	بدایوں
۴۳	فرید الدین چاک پڑاں	۱۳۵۱ء	ناگور
۴۴	کمال الدین علامہ	۱۳۵۳ء	دہلی

۴۵	نصیر الدین چراغ دہلی	۱۳۵۶ء	دہلی
۴۶	اخی سراج الدین	۱۳۵۷ء	بنگال
۴۷	صدر الدین حکیم	۱۳۵۸ء	دہلی
۴۸	قطب الدین منور	۱۳۵۹ء	ہانسی
۴۹	علاء الدین نیلی	۱۳۶۱ء	دہلی
۵۰	سراج الدین	۱۳۶۱ء	پٹن (احمد آباد)
۵۱	جلال الدین کبیر الاولیاء	۱۳۶۴ء	پانی پت
۵۲	حمید الدین قلندر	۱۳۶۷ء	دہلی
۵۳	سید محمد بن مبارک کرمانی	۱۳۶۸ء	دہلی
۵۴	یوسف چشتی	۱۳۷۲ء	دہلی
۵۵	تاج الدین	۱۳۸۲ء	نارنول
۵۶	ابوالفتح	۱۳۸۶ء	جون پور
۵۷	عبدالمقتدر	۱۳۸۹ء	جون پور
۵۸	علاء الدین علاء الحق	۱۳۹۸ء	پنڈوہ
۵۹	مولانا خواجگی	۱۳۹۸ء	کالپی
۶۰	میر سید اشرف جہانگیر سمنانی	۱۴۰۵ء	کچھوچھ
۶۱	علیم الدین	۱۴۰۶ء	پٹنہ
۶۲	نور الحق	۱۴۱۰ء	پنڈوہ
۶۳	شیخ احمد	۱۴۱۷ء	کالپی
۶۴	فتح اللہ	۱۴۱۸ء	اودھ
۶۵	میر سید محمد گیسو دراز	۱۴۲۲ء	گلبرگہ
۶۶	محمد متوکل کن توری	۱۴۲۲ء	بہرائچ
۶۷	شیخ یوسف ارچی	۱۴۳۱ء	مالوہ

۶۸	شیخ احمد عبدالحق	۱۴۳۲ء	ردولی
۶۹	شیر خان بک	۱۴۳۳ء	دہلی
۷۰	قوام الدین	۱۴۳۸ء	لکھنؤ
۷۱	قاضی شہاب الدین	۱۴۴۴ء	دولت آباد
۷۲	نورالدین قطب عالم بنگالی	۱۴۴۷ء	پنڈوہ
۷۳	شیخ کبیر	۱۴۵۳ء	گجرات
۷۴	ابوالفتح علائی قریشی	۱۴۵۷ء	کالپی
۷۵	شیخ محمد مینا	۱۴۶۵ء	لکھنؤ
۷۶	کاکوشاہ	۱۴۷۷ء	لاہور
۷۷	سعدالدین	۱۴۷۷ء	خیرآباد
۷۸	شاہ میانجی بیگ	۱۴۸۴ء	مانڈو
۷۹	سید محمد بن جعفر	۱۴۸۶ء	سرہند
۸۰	شیخ محمد راجن	۱۴۹۵ء	پاک پٹن
۸۱	شیخ جنید	۱۴۹۵ء	حصار
۸۲	شیخ حسین	۱۴۹۶ء	ناگور
۸۳	راجی حمید شاہ	۱۴۹۶ء	مانک پور
۸۴	شیخ حسن طاہر	۱۵۰۳ء	دہلی
۸۵	شیخ بختیار	۱۵۰۳ء	ردولی
۸۶	شیخ محمد عیسیٰ	۱۵۰۵ء	جون پور
۸۷	مولانا اللہ داد	۱۵۱۴ء	جون پور
۸۸	شیخ احمد ماجد شیبانی	۱۵۲۹ء	ناگور
۸۹	شیخ محمد حسن	۱۵۳۷ء	دہلی
۹۰	عبدالقدوس گنگوہی	۱۵۳۸	گنگوہ

۹۱	عبدالکبیر بالا پیر	۱۵۴۰ء	گنگوہ
۹۲	شیخ بہاء الدین	۱۵۴۰ء	جون پور
۹۳	شیخ خواجہ خانوں	۱۵۴۰ء	گوالیار
۹۴	شیخ علاء الدین	۱۵۴۱ء	دہلی
۹۵	سید سلطان	۱۵۴۲ء	بہرائچ
۹۶	سید علی قوام	۱۵۴۳ء	جون پور
۹۷	شیخ یوسف	۱۵۴۳ء	برہان پور
۹۸	شیخ امان	۱۵۴۹ء	پانی پت
۹۹	شیخ حمزہ دہرسو	۱۵۴۹ء	نارنول
۱۰۰	شیخ حسام الدین	۱۵۵۳ء	ملتان
۱۰۱	میر سید عبدالاول	۱۵۶۰ء	دہلی
۱۰۲	شیخ قاضی خان	۱۵۶۲ء	ظفر آباد
۱۰۳	شیخ اجودھن	۱۵۶۷ء	جون پور
۱۰۴	شیخ سلیم چشتی	۱۵۶۸ء	فتحپور سیکری
۱۰۵	شیخ حسن محمد	۱۵۷۳ء	احمد آباد
۱۰۶	تقی ہانک	۱۵۷۴ء	مانک پور
۱۰۷	محمد طاہر	۱۵۷۶ء	گجرات
۱۰۸	نظام الدین بخاری	۱۵۷۷ء	برہان پور
۱۰۹	پیارا چشتی	۱۵۷۸ء	گجرات
۱۱۰	جلال الدین	۱۵۸۱ء	تھانیسر
۱۱۱	رزق اللہ	۱۵۸۱ء	دہلی
۱۱۲	عثمان زندہ پیر	۱۵۸۲ء	پانی پت
۱۱۳	سعدالدین بدھن	۱۵۸۵ء	خیرآباد

۱۱۴	شیخ نظام	۱۵۹۱ء	نارنول
۱۱۵	شیخ طٰہٰ	۱۵۹۲	احمد آباد
۱۱۶	شیخ مٹھ	۱۵۹۵ء	گاگرون
۱۱۷	مولانا عبداللہ	۱۵۹۷ء	سلطان پور
۱۱۸	اختیار الدین	۱۶۰۲ء	کالپی
۱۱۹	سید جیو	۱۶۰۶ء	دہلی
۱۲۰	میر عبدالواحد	۱۶۰۸ء	بلگرام
۱۲۱	حاجی اویس توزی	۱۶۰۸ء	کسور
۱۲۲	احمد سعید شوریانی	۱۶۰۹ء	کسور
۱۲۳	نظام الدین بن عثمان زندہ پیر	۱۶۰۹ء	پانی پت
۱۲۴	شیخ رحمت شوریانی	۱۶۱۶ء	کسور
۱۲۵	شیخ محمد بن فضل اللہ	۱۶۲۰ء	برہان پور
۱۲۶	شیخ احمد شوریانی	۱۶۲۱ء	کسور
۱۲۷	محمد سلیم	۱۶۲۱ء	لاہور
۱۲۸	میر سید	۱۶۲۲ء	کالپی
۱۲۹	شاہ علاء	۱۶۲۴ء	پانی پت
۱۳۰	شیخ جان اللہ	۱۶۳۰ء	لاہور
۱۳۱	شاہ محمد شمس الدین	۱۶۳۲ء	احمد آباد
۱۳۲	شیخ محمد اعظم	۱۶۳۲ء	احمد آباد
۱۳۳	حاجی گگن	۱۶۳۳ء	کسور
۱۳۴	شیخ عبدالجلیل	۱۶۳۳ء	لکھنؤ
۱۳۵	شیخ عبدالکریم	۱۶۳۵ء	لاہور
۱۳۶	مولانا درویزہ	۱۶۳۸ء	پشاور

۱۳۷	ابوسعید	۱۶۳۹ء	گنگوہ
۱۳۸	اللہ داد نوری	۱۶۳۹ء	کسور
۱۳۹	ملک محمد جائسی	۱۶۳۹ء	جائس
۱۴۰	مخدوم عبدالرشید	۱۶۴۵ء	جون پور
۱۴۱	میر سید احمد گیسو دراز	۱۶۴۸ء	کالپی
۱۴۲	محمد صادق بن فتح اللہ	۱۶۴۸ء	گنگوہ
۱۴۳	عبدالخالق	۱۶۴۹ء	لاہور
۱۴۴	شیخ عارف	۱۶۵۴ء	لاہور
۱۴۵	محمد اسمٰعیل	۱۶۵۶ء	اکبرآباد
۱۴۶	شیخ سعید خان	۱۶۵۷ء	برہان پور
۱۴۷	شیخ پھوگی افغان	۱۶۵۹ء	کسور
۱۴۸	شیخ پنجو	۱۶۶۲ء	پشاور
۱۴۹	شیخ جنید	۱۶۶۷ء	سندیلہ
۱۵۰	شیخ حبیب خیبری	۱۶۶۸ء	اورنگ آباد
۱۵۱	پیر محمد	۱۶۶۹ء	لکھنؤ
۱۵۲	حسن محمد جمال الدین	۱۶۷۰ء	احمدآباد
۱۵۳	شیخ محمد صدیق صابری	۱۶۷۳ء	لاہور
۱۵۴	شیخ محمد داؤد	۱۶۸۴ء	گنگوہ
۱۵۵	شاہ ابوالمعالی	۱۷۰۴ء	امیٹھ (سہارنپور)
۱۵۶	عبدالرشید	۱۷۰۹ء	جالندھر
۱۵۷	سید محمد سعید میراں بھیک	۱۷۲۹ء	کہرام
۱۵۸	کلیم اللہ شاہ	۱۷۲۹ء	دہلی
۱۵۹	شیخ نظام الدین	۱۷۳۰ء	اورنگ آباد

۱۶۰	شیخ محمد سلیم صابری	۱۷۳۹ء	لاہور
۱۶۱	شاہ بہلول برکی	۱۷۵۷ء	جالندھر
۱۶۲	شیخ عضد الدین	۱۷۵۹ء	امروہہ
۱۶۳	شاہ لطف اللہ	۱۷۷۳ء	جالندھر
۱۶۴	مولانا فخر الدین (فخر پاک)	۱۷۸۵	دہلی
۱۶۵	سید علیم اللہ	۱۷۸۶	جالندھر
۱۶۶	شیخ نور محمد	۱۷۹۱ء	بہاول پور
۱۶۷	شیخ محمد سعید شرق پوری	۱۷۹۹ء	لاہور
۱۶۸	محمد سعید	۱۸۰۶ء	جالندھر
۱۶۹	عبدالباری	۱۸۱۳ء	امروہہ
۱۷۰	شیخ خیر الدین خیر شاہ	۱۸۱۳ء	لاہور
۱۷۱	قاضی محمد عقیل	۱۸۱۴ء	کوٹ مٹھن
۱۷۲	حضرت بندگی سید صابر علی شاہ	۱۸۱۸ء	دہلی
۱۷۳	سید محمد اعظم	۱۸۲۲ء	روپڑ
۱۷۴	سید عماد الدین	۱۸۲۶ء	دہلی
۱۷۵	بندگی حافظ موسیٰ	۱۸۳۲ء	مانکپور
۱۷۶	شاہ نیاز احمد	۱۸۳۴ء	بریلی
۱۷۷	غلام نصیر الدین کالے شاہ	۱۸۴۶ء	دہلی
۱۷۸	خواجہ محمد سلیمان	۱۸۵۰ء	تونسہ
۱۷۹	غلام مصطفیٰ	۱۸۵۱ء	وزیر آباد
۱۸۰	قاضی خدا بخش	۱۸۵۳ء	کوٹ مٹھن
۱۸۱	مرزا روشن بخت	۱۸۵۴ء	فرید آباد
۱۸۲	گھورے شاہ سرونجی	۱۸۵۷ء	لاہور

۱۸۳	امانت علی	۱۸۶۳ء	امروہہ
۱۸۴	حاجی رمضان	۱۸۶۵ء	لاہور
۱۸۵	فیض بخش	۱۸۶۹ء	لاہور
۱۸۶	خواجہ فخر الدین	۱۸۷۱ء	کوٹ مٹھن
۱۸۷	سید غلام معین الدین خاموش	۱۸۷۲ء	حیدرآباد
۱۸۸	سید میر عبداللہ شاہ	۱۸۸۷ء	دہلی
۱۸۹	مولانا سید ضیاء الدین	۱۸۱۵ء	جے پور
۱۹۰	مولانا پیر شاہ دین محمد عرف پیر الدین طہرانی	۱۸۲۵ء	ٹونک
۱۹۱	مولانا غلام محمد کشتواری ثم جے پوری	۱۸۵۹ء	جے پور
۱۹۲	حاجی نجم الدین فتح پوری شیخاوٹی	۱۸۷۰ء	فتح پور شیخاوٹی
۱۹۳	شاہ شہاب الدین اولیاء طہرانی	۱۷۷۰ء	فتح گڑھ (فرخ آباد)

بعض غیر مسلم ارباب علم وسیاست کے افکار و آراء بھی درج ذیل ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ خواجۂ بزرگ کی تعلیمات کا انھوں نے اعتراف کیا ہے۔

آنجہانی ڈاکٹر رادھا کرشنن (سابق صدر جمہوریۂ ہند)

رادھا کرشنن نے اجمیر شریف میں درگاہ پر حاضری دی اور درج ذیل الفاظ میں غریب نوازؒ کی شخصیت اور تعلیمات پر روشنی ڈالی۔

''جب انسان پر خود اپنے وجود کے اسرار منکشف ہو جاتے ہیں تو اس کا کردار بے لچک ہو جاتا ہے۔ ایک شخص اپنی انفرادی حیثیت میں رہ کر انبوہ در انبوہ انسانوں سے وہ سب کچھ براہِ راست منوالیتا ہے جو اس کی زندگی کا مشن ہوا کرتا ہے۔ صوفیوں نے خودشناسی کے اس طریقے کو اپنا کر ہمیشہ دنیا میں ایک صالح نظام زندگی کی طرح ڈالی

ہے۔ خواجہ صاحب نے بھی اپنے تفکر کی گہرائیوں سے متاثر کرنے کی بے پناہ قوت کا خزانہ نکال لیا اور بظاہر غیر محسوس طریقے سے ماحول کا نقشہ بدل ڈالا۔ ہمیں زندگی کی پوشیدہ قدروں کی طرف سنجیدگی سے متوجہ ہونا چاہئے تاکہ داخلی طور پر سکون اور خارجی طور پر سلامتی و امن کی ضمانت ہوسکے۔"

(رسالہ "نئی راہ" خواجہ معین الدین چشتیؒ اولیاء اللہ نمبر، رجب المرجب ۱۳۷۴ھ، بمبئی، ص: ۴۵، زیرِ ادارت ظلِ عباس عباسی)

مہاتما گاندھی

جب آپ ۱۹۲۲ء میں درگاہ پر حاضر ہوئے تو آپ نے درج ذیل تقریر کی:

"لوگ اگر سچے جذبے کے ساتھ خواجہ صاحب کے دربار میں جائیں تو آج بھی ان کے باطن کی بہت سی خرابیاں ہمیشہ کے لئے ناپید ہوسکتی ہیں اور آدمی اپنے اندر غیر معمولی قوت کا ادراک کرسکتا ہے۔

مجھے یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ عام طور پر لوگ صرف دینوی مقاصد لے کر خواجہ صاحب کے پاس جاتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ ان کی پوری زندگی اندر کی تعلیم دیتے گزری۔ انہوں نے روح کی روشنی کو باقی رکھنے کے لئے جو پیغام دیا اسے کوئی نہیں سنتا، نہیں تو یہ ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے کی بات کیوں کرتے؟

خواجہ صاحب نے سچائی کے ہتھیار سے لوگوں کا من جیت لیا۔ ان کی زندگی میں عدم تشدد کا صاف مظاہرہ تھا۔ افسوس ہم لوگ ان کی زندگی کو اپنے لئے آدرش نہیں بناتے۔" (ایضاً، ص: ۴۴)

پنڈت جواہر لال نہرو

''دنیا کے مختلف حصوں سے خواجہ صاحبؒ کی درگاہ کی حفاظت اور احترام سے متعلق ہزاروں تار اور خطوط مجھے موصول ہوئے ہیں۔ اس سے قطع نظر میں پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہوں کہ اس مقدس درگاہ کی حفاظت ہر قیمت پر کی جائے گی اور اس کے تقدس اور احترام پر آنچ نہ آنے دی جائے گی۔

یہ خیر و برکت کا مرکز ہے، یہ امن کے پیامبر کا آستانہ ہے۔ یہ عالم اسلام ہی کے لئے نہیں بلکہ تمام دنیا کے لئے چراغ ہدایت ہے۔''

(ایضاً، ص:۴۵)

پنڈت سندر لال الہ آبادی

غریب نوازؒ نے محبت کی بنیاد پر اپنے فکر و عمل کی جو عمارت تعمیر کی وہ ایک مضبوط قلعہ بن کر اپنی گود پھیلائے آج بھی بھٹکے ہوئے لوگوں کو پکار پکار کر پناہ کی دعوت دے رہی ہے۔ کیا اچھا ہو کہ ہم یہ کہتے ہوئے اس حصار میں داخل ہو جائیں کہ......

کافر عشقم مسلمانی مرا درکار نیست
ہر رگِ من تار گشتہ حاجت زنار نیست''

(ایضاً، ص:۴۷ تا ۴۸)

اوّلین صدر جمہوریہ ہند آنجہانی ڈاکٹر راجندر پرشاد

اجمیر شریف میں آنجہانی نے درگاہ پر حاضری دی اور درج ذیل تقریر کی......

''جہاں تک مجھے معلوم ہے حضرت خواجہ صاحبؒ نے اپنے کردار کو مثالی بنایا اور اسی آئیڈیل کیرکٹر کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے اس دور کی

مذہبی اور سماجی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔ ایک خاموش زندگی کا انتہائی خاموشی سے ایسا انقلاب برپا کر دینا تاریخ کے عظیم اور اہم واقعات میں سے ایک عظیم اور اہم واقعہ ہے۔

حضرت خواجہ صاحبؒ کی زندگی روشنی کا بلند مینار تھی جس نے دور دور تک اُجالا پھیلا دیا۔ یہ روشنی تاریک دلوں میں اس طرح اتر گئی کہ پوری زندگی کو جگمگا دیا اور دنیا حیران رہ گئی۔

ہمیں چاہئے کہ ہم بھی روشنی کے اس مینار سے شعاعیں مانگ لیں اور اپنی ہستی کے تمام پہلوؤں کو روشن و منور کر لیں۔'' (ایضاً، ص: ۴۸)

آچاریہ ونوبا بھاوے

آزادی کے بعد آچاریہ ونوبا بھاوے نے حاضرِ آستانہ ہوکر غریب نواز کی تعلیمات پر روشنی ڈالی......

''یہ سب سے بڑی محرومی ہو گی کہ ہم اتنی بڑی روحانی شخصیت کی قابل تقلید تعلیمات سے فیضیاب نہ ہو سکیں۔ آج کے حالات میں جبکہ دیس کے باسیوں نے روحانی فیضان سے منہ موڑ لیا ہے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ خواجہ صاحب کے ایسے مہا پرشوں کے کردار و عمل کو واضح طور پر سامنے لایا جائے جو اس وقت بھی انسانی ذہن میں خوشگوار انقلاب لا سکتا ہے اور زندگی کو نشیب و فراز کی طرف لے جا سکتا ہے۔'' (ایضاً، ص: ۴۸)

ڈاکٹر راج گوپال آچاریہ

راج گوپال آچاریہ آزادی کے بعد ہندوستان کے پہلے گورنر جنرل اور مفکر و سیاست داں تھے۔ انھیں خدام نے درگاہ کے تبرکات پیش کیے تو انھوں نے آبدیدہ

ہوکراس طرح تقریر کی......

''انسانی جوہر کو رخشندہ تر بنانے کے لئے عظیم روحانی شخصیتوں نے جو طریقہ اختیار کیا، اس میں محبت کی نگاہ، سلامتی کی زبان اور کردار کی روشنی کو ہمیشہ دخل رہا ہے۔ خواجہ صاحبؒ کی زندگی اور ان کی تعلیمات میں یہ خصوصیتیں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ انہوں نے سچائی کی راہ اپنے لئے متعین کر لی تھی اور اسی راہ پر چلنے کے لئے ان کی آواز بلند ہوئی جسے سن کر ہر شخص عرفانِ حق کے راز کو پا گیا۔ اگر ہم اس طرح کی عظیم ہستیوں کے نقشِ قدم کو دلیل راہ بنالیں تو انسانوں میں باہمی تفرقہ کی جو وبائیں پھیل جاتی ہیں ان سے انسانیت ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے۔

میں جانتا ہوں کہ ایک اور بزرگ خواجہ حمید الدین شاہ الحمید کی پاک قبر ناگور تمل ناڈو (واضح رہے کہ ناگور راجستھان میں بھی ہے اور تمل ناڈو میں بھی) میں مرجع خلائق ہے۔ ایسی اعلیٰ ہستیوں نے فلاح و خیر سے لبریز مقاصد کے حصول کے لئے دنیا کے ہر گوشے کو منور کیا ہے۔ بطور تبرک اس مقدس آستانے سے جو تسبیح مجھے دی گئی ہے زندگی کے آخری لمحات تک وہ میرے ساتھ رہے گی اور اس کے فرحت بخش استعمال کو اپنے معمولات میں داخل رکھوں گا۔''

(انگریزی کتاب درگاہ گائیڈ مرتبہ مولانا معنی، ص: ۱ تا ۲۳، بحوالہ جواب نامہ، ص: ۳۹)

جناب سید فضل المتین اپنے ایک مقالے ''دورِ حاضر میں تصوف کی معنویت'' میں لکھتے ہیں......

''شاردا ایکٹ کی وجہ سے شہرت یافتہ اجمیر کے رہنے والے ایک ہندو رہنما دیوان بہادر ہربلاس ساردا اجمیر سے متعلق اپنی انگریزی کتاب "Ajmer Historical and Descriptive" P: 86 میں یہ اعتراف کرتے ہیں: ''خواجہ معین الدین نے

پرہیزگاروں کی زندگی گزاری...... انھوں نے زیادتی کرنے کی کبھی تلقین نہیں کی اور خدا کی تمام مخلوقات کی نسبت ان کا نقطۂ نظر صلح اور خیر خواہی کا تھا۔"

(بحوالۂ رسالہ شہباز، ص:٦- گلبرگہ شریف کرناٹک، ۲/جنوری ۲۰۰٦ء)

جب ہم غریب نوازؒ کی تعلیمات پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جو پیغام پیغمبرِ اعظمؐ نے دنیائے انسانیت کو دیا وہی پیغام آپ نے سرزمین ہند میں پہنچایا اور غریب نوازؒ کے بعد ان کے سلسلے کے خلفاء نے اسی پیغام کو دہرایا۔ غریب نوازؒ کی تعلیمات نقش ہیں اور خلفاء کے ارشادات میں ان کا عکس ہے۔ اس لئے ان کے سلسلے کے خلفاء کی تعلیمات غریب نوازؒ ہی کی تعلیمات مانی جائیں گی۔

خواجۂ بزرگ کا ارشاد ہے......

> درماندگان را فریاد رسیدن و حاجتِ بے چارگاں روا کردن و گرسنگان را سیر گردانیدن۔ (سیر الاولیاء، فارسی، ص:۴٦)
>
> یعنی "دکھ کے ماروں کی فریاد سننا، حاجت مند بے چارہ انسانوں کی حاجت روائی کرنا اور بھوکوں کو کھانا کھلانا۔"

غریب نوازؒ نے ان تعلیمات کو بلا تفریقِ مذہب و ملت تمام انسانوں کے لئے یکساں طور پر عملی جامہ پہنایا ہے اور اسے محبتِ الٰہی کی عملی راہ قرار دیا ہے۔ ہندوستان کے اولین وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی محبت الٰہی کی عملی راہ خدا کے بندوں سے محبت کرنا بتایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں......

> "خدا کی محبت کی راہ اس کے بندوں کی محبت میں سے ہو کر گزرتی ہے، جو انسان چاہتا ہے خدا سے محبت کرے، اسے چاہئے خدا کے بندوں سے محبت کرنا سیکھے۔" (ترجمان القرآن، جلد اوّل، ص:۸۱)

ڈاکٹر اقبال نے بھی کہا ہے......

> خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
> میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

و اتی المال علی حبه (۲: ۱۷۷) اور جو اپنا مال اللہ کی محبت میں نکالتے اور خرچ کرتے ہیں۔

و یطعمون الطعام علی حبه مسکیناً و یتیماً و اسیرا انما نطعمکم لوجه الله لا نرید منکم جزاء ولا شکورا (۷۶:۸)" اور اللہ کی محبت میں وہ مسکینوں، یتیموں، قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارا یہ کھانا کھلانا اس کے سوا کچھ نہیں ہے، کہ محض اللہ کے لئے ہے نہ تو ہم تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ کسی طرح کی شکرگزاری۔"

احادیث نبوی میں متعدد جگہ محبت کی عملی راہ پر زور دیا گیا ہے۔ حضرت ابی ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا:

"قیامت کے دن ایسا ہوگا کہ خدا ایک انسان سے کہے گا، اے ابن آدم! میں بیمار ہو گیا تھا مگر تو نے میری بیمار پرسی نہ کی۔ بندہ متعجب ہو کر کہے گا بھلا ایسا کیوں کر ہوسکتا ہے اور تو تو رب العالمین ہے۔ خدا فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ تیرے قریب بیمار ہو گیا تھا اور تو نے اس کی خبر نہیں لی تھی۔ حالانکہ اگر تو اس کی بیمار پرسی کے لئے جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ (یعنی اس کی خدمت کرنے ہی میں میرے لئے خدمت گزاری تھی) اسی طرح خدا فرمائے گا، اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے مجھے نہیں کھلایا، بندہ عرض کرے گا بھلا ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ تجھے کسی بات کی احتیاج ہو؟ خدا فرمائے گا کیا تجھے یاد نہیں کہ میرے فلاں بھوکے بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے انکار کر دیا تھا، اگر تو اسے کھلاتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا۔" (مسلم شریف عن ابی ہریرہ) (تاریخ مشائخ چشت، ص: ۴۶)

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ ایک بدوی نے رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ مجھے وہ کام سکھایئے جو مجھے جنت میں لے جائے فرمایا:

"انسان کو غلامی سے آزاد کر، انسان کی گردن کو قرض کے بندھن سے چھڑا، اور ظالم رشتہ دار کا ہاتھ پکڑ، اگر تو یہ نہ کر سکے تو بھوکے کو کھانا کھلا اور پیاسے کو پانی پلا اور

نیکی بتا اور برائی سے روک اگر یہ بھی نہ کر سکے تو بھلائی کے سوا اپنی زبان روک۔"
(ادب المفرد امام بخاری، باب من لا یوذی جارہ)

خواجہ بزرگ" نے اللہ کا مقرب و محبوب بندہ بننے کا دارومدار تین خصلتوں پر رکھا ہے۔ جس میں یہ تینوں خصلتیں ہوں وہ اللہ کا دوست ہوتا ہے۔

اوّل سخاوتی چوں سخاوتِ دریا، دوم شفقتی چوں شفقتِ آفتاب، سوم تواضع چوں تواضعِ زمین۔ (سیر الاولیاء فارسی، ص:۴۶)

یعنی اوّل دریا کی سی سخاوت، دوسرے آفتاب کی سی شفقت اور تیسرے زمین کی سی تواضع۔

آپ نے معرفتِ الٰہی کی علامت یہ بتائی ہے کہ عارف خلقت سے بھاگے اور معرفت میں خاموش رہے۔ حاجی اور عارفِ حق کا فرق واضح کرتے ہوئے خواجۂ بزرگ فرماتے ہیں۔ "حاجی خانۂ کعبہ کے گرد بدنی طواف کرتے ہیں، عارف عرش اور حجابِ عظمت کے گرد دلی طواف کرتے ہیں اور لقائے الٰہی یعنی اللہ کا دیدار چاہتے ہیں۔"

آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ "میں نے مدت تک کعبہ کا طواف کیا، اب خانۂ کعبہ میرا طواف کرتا ہے۔"

مرید پر فقر کے اطلاق سے متعلق غریب نواز" فرماتے ہیں۔ "مرید پر فقر کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب عالمِ فانی میں باقی ہوجائے۔" غریب نواز سے دریافت کیا گیا کہ مرید ثابت کس وقت ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ "جب بدی لکھنے والا فرشتہ ۲۰ رسال تک اس کے ذمہ کچھ نہ لکھے۔" محبتِ الٰہی کی وضاحت کرتے ہوئے غریب نواز" فرماتے ہیں۔ "محبتِ الٰہی کی علامت یہ ہے کہ خدا کا مطیع رہے اور کسی غیرِ خدا سے ڈر کر اس کے حکم پر نہ چلے۔" بدبختی کی علامت کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "گناہ کر کے مقبول ہونے کی خواہش کرنا بدبختی ہے۔" توکل کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے غریب نواز" فرماتے ہیں۔ "حقیقی متوکل وہ شخص ہے جو اپنی

تکلیف خلقت سے ہٹالے۔" آپ نے یہ بھی تعلیم دی ہے کہ "راہِ حق میں قرار پکڑنا دو چیزوں پر منحصر ہے۔ اول ادبِ عبودیت، دوسرے تعظیم حق تعالیٰ۔"
(سیر الاولیاء، فارسی، ص: ۴۶۔ اردو ترجمہ سیر الاولیاء ص: ۴۲، ۴۳)

خواجہ غریب نواز کی تعلیمات و معاملات
کا مرکزی نقطہ مسلکِ وحدت الوجود

خواجۂ بزرگ نے توحید وجودی کی تشریح نہایت جامع انداز میں کی ہے۔ یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ خواجہ بزرگ کے پیش روصوفیاء حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت شبلیؒ کے یہاں بھی توحید وجودی کے اشارات ملتے ہیں۔ خواجۂ بزرگ فرماتے ہیں۔ "چوں ما از پوست بیروں آمدیم ونگاہ کردیم عاشق و معشوق وعشق یکے دیدیم، یعنی در عالمِ توحید ہمہ یکیست۔" (سیر الاولیاء، فارسی، ص: ۴۵)

یعنی جب ہم اپنی کھال سے باہر آئے (جسمانی وجود سے باہر آکر روح کے ذریعہ مشاہدات کی دنیا میں آئے) اور ہم نے نگاہ کی تو عاشق، معشوق اور عشق کو ایک دیکھا یعنی عالمِ توحید میں سب ایک ہیں۔ مرزا غالب نے بھی اپنے ایک شعر میں اسی مضمون کو پیش کیا ہے.......

اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

خواجۂ بزرگؒ کے ہم عصر شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ (ولادت ۱۱۶۵ء - وفات ۱۲۴۰ء) کا بھی یہی مسلک رہا ہے جسے انھوں نے اپنی مخصوص اصطلاحات کے ذریعہ شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک وحدت الوجود کا مقصد یہ ہے کہ خدا کے سوا کائنات میں کوئی موجود نہیں۔ (لاموجود الا اللّٰہ) بالفاظِ دگر جو کچھ موجود ہے سب خدا ہی کا مظہر ہے۔ علمائے ظاہر کے نزدیک خدا سلسلۂ کائنات سے بالکل الگ ایک جداگانہ ذات ہے۔ وجودی صوفیوں کی نظر میں خدا سلسلۂ کائنات

سے الگ نہیں۔ فارسی کے ایک صوفی شاعر نے وحدت الوجود کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے......

باوحدتِ حق کثرتِ خلق چہ باک
صد جائے اگر گرہ زنی رشتہ یکے است

یعنی دھاگے میں جو گرہیں لگی ہیں ان کا وجود اگرچہ دھاگے سے الگ نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں دھاگے کے سوا کوئی زائد چیز نہیں، صرف صورت بدل گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلکِ وحدت الوجود کا اثر انسانی اعمال ومعاملات پر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اقبال کی زبان میں وحدت الوجودی صوفی کے مقاصد جلیل ہو جاتے ہیں اور اُمیدیں قلیل۔ اس کا زاویۂ نگاہ بلند ہو جاتا ہے اور اس کی ہمدردیاں عالمگیر انسانیت کی علمبردار ہو جاتی ہیں۔ وہ رنگ ونسل، قوم وطن اور مذہب وملت کے سطحی تقاضوں سے اوپر اٹھ کر سوچنے اور عمل کرنے لگتا ہے، تعصب اور تنگ نظری سے بلند ہو کر اپنے دائرۂ فکر وعمل کو عالمگیر ربوبیت کی بیکراں وسعتوں سے ہمکنار کر لیتا ہے۔ ہندوستان کی سرزمین میں تبلیغ اسلام کے سلسلے میں غریب نوازؒ کے فکر وعمل کا یہی محور رہا ہے۔ غریب نوازؒ کے ہمعصر فارسی کے صوفی شاعر حضرتِ نظامی گنجوی علیہ الرحمۃ (ولادت درحدود ۵۳۵ھ) بھی غریب نوازؒ کے مذکورہ بالا خیال سے ہم آہنگ نظر آتے ہیں......

بیند ہمہ جا عارف آگاہ ھواللہ — درویش ھواللہ شہنشاہ ھواللہ
گر حق طلبی روبرہِ عشق نظامی — العشق ھواللہ ھواللہ ھواللہ

حقیقت یہ ہے کہ مسلکِ وحدت الوجود کتاب وسنت کی روشنی میں درست نظر آتا ہے۔ اس سلسلے میں حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ کا قول مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تفسیر میں درج کیا ہے جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

غریب نوازؒ کے خلفاء کا دائرۂ فکر وعمل

عموماً صوفیائے کرام اور خصوصاً غریب نوازؒ اور ان کے سلسلے کے خلفاء نے محبت

الٰہی کی اس عملی راہ کو اختیار کیا تھا۔ ان کی زندگیاں خدمتِ خلق کے لئے وقف تھیں۔ وہ دن رات انسانی دلوں کو ایک رشتۂ اُلفت میں پرونے کے لئے بے چین رہتے تھے۔ کسی کو تکلیف میں دیکھتے تو دل پریشان ہو جاتا۔ بھوکوں کا خیال آتا تو لقمے، حلق میں اٹکنے لگتے۔ ملفوظات مشائخ پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ خدمتِ خلق کو ان بزرگوں نے اپنی زندگی کا اہم ترین فریضہ بنا لیا تھا۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے بازار میں دلوں کو راحت پہنچانے سے زیادہ کسی چیز کی قدر نہ ہوگی۔ میر خوردؒ نے لکھا ہے......

''می فرمود کہ مرا در واقعہ کتابے دادند در آں مسطور بود تا توانی راحتے بدلے می رساں کہ دل مومن محل اسرار ربوبیت است بزرگے خوش گوید'' فرمایا کہ مجھے خواب میں ایک کتاب دی گئی جس میں لکھا ہوا تھا کہ جہاں تک ہو سکے دلوں کو راحت پہنچا کیونکہ مومن کا دل اسرار ربوبیت کا محل ہے۔ ایک بزرگ نے کیا خوب کہا ہے......

میکوش کہ راحتے بجانے برسد یا دست شکستۂ بنانے برسد

و می فرمود کہ در بازار قیامت ہیچ کالائے را آنچناں رواج نخواہد بود کہ دریافت دلہارا'' (سیر الاولیاء، فارسی، ص: ۱۲۸)

(ترجمہ) قیامت کے بازار میں کوئی اسباب اتنا مروج اور قیمتی نہ ہوگا جتنا دلوں کو راحت پہنچانا۔

حضرت محبوب الٰہی نے اس حقیقت کو مختلف انداز میں متعدد جگہ سمجھایا ہے۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا ہے، طاعت دو طرح کی ہوتی ہے۔ لازمی، اور متعدی، لازمی وہ ہے جس کا نفع صرف کرنے والے کی ذات کو پہنچے، اور یہ نماز روزہ، حج، ورد اور تسبیح ہے۔ متعدی وہ ہے جس سے اوروں کو فائدہ پہنچے، شفقت غیر کے حق میں مہربانی کرنا وغیرہ اسے متعدی طاعت کہتے ہیں۔ اس کا ثواب بے شمار ہے۔''

(فوائد الفواد فارسی، ص: ۱۳ تا ۱۴)

حضرت محبوب الٰہی کی پوری زندگی خلق کی اسی دردمندی میں گزری اور یہ

خواجۂ بزرگ کی عملی تقلید کا مکمل نمونہ تھی۔ وہ اپنے پرائے سب کا غم کھاتے تھے۔ ہر شخص کی پریشانی کو دُور کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ لوگ جب اپنی درد بھری داستانیں سناتے تو ان کا دل بے چین ہو جاتا۔ جس طرح ممکن ہوتا ہر آنے والے کی دل جوئی کرتے۔ دُشمن بُرا بھلا کہتے، گالیاں دیتے لیکن ان کے دل پر میل نہ آتا، بلکہ یہ شعر گنگنانے لگتے......

ہر کہ مارا رنجہ دارد راحتش بسیار باد　　ہر کہ مارا یار نبود ایزد اورا یار باد
ہر کہ خارے افگند در راہِ ما از دشمنی　　ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد

یعنی جو ہم کو رنج دے اس کو بہت زیادہ راحت ملے، جو ہمارا دوست نہ ہو خدا اس کا دوست ہو، جو ہمارے راستے میں کانٹے بچھائے اس کی عمر کے باغ میں جو پھول کھلے اس میں کانٹا نہ ہو۔ (فوائد الفواد، فارسی، ص:۸۶، سیر الاولیاء، فارسی، ص:۵۵۴)

محبوبِ الٰہیؒ کا یقین تھا کہ اگر برائی کا بدلہ برائی ہی سے دیا جائے تو یہ دنیا انسانوں کی بستی نہ رہے۔ ایک دن فرمانے لگے......

یکے خار نہد و تو ہم خار نہی۔ ایں خار خار باشد...... میانِ مرد ماں ہم چنین است کہ بانغزاں نغزی باکوزاں کوزی، امامیانِ درویشاں ہم چنیں نیست کہ بانغزاں نغزی باکوزاں ہم نغزی۔

(فوائد الفواد، فارسی، ص:۸۷)

یعنی اگر کوئی کانٹا رکھے اور تو بھی اس کے عوض کانٹا رکھے تو کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے۔ عام لوگوں میں تو یہ دستور ہے کہ نیک کے ساتھ نیک اور بد کے ساتھ بد ہوتے ہیں، لیکن درویشوں میں یہ دستور نہیں، یہاں نیک و بد دونوں کے ساتھ نیک ہونا چاہئے۔ محبوب الٰہی کے یہ افکار خواجۂ بزرگ کے پیغام کی صدائے بازگشت ہیں۔

سلسلۂ چشتیہ میں اطعام (کھانا کھلانے) کی فضیلت سب سے زیادہ ہے۔ چشتی مشائخ نے ہر آنے جانے والے کے لئے لنگر عام رکھا ہے۔ (فوائد الفواد، فارسی، ص:۶۴)۔ یہی چشتیہ دسترخوان (لنگر) کی روایت گذشتہ ۸۰۰ سو برسوں سے خدامِ خواجہ

غریب نوازؒ نے برقرار رکھی ہے۔

حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ درویشی کی شان ہی اطعام ہے۔

(فوائد الفواد، فارسی، ص: ۱۳۰)

ایک اور موقع پر فرمایا کہ یہ ہمارے خانوادہ کی خصوصیات میں سے ہے۔ حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ کی خدمت میں کوئی شخص اپنی مصیبت بیان کر کے دعا کرانے یا تعویذ لینے آتا تو آپ اصرار کرتے کہ پہلے کچھ کھا لو۔ حضرت محبوب الٰہی کا بھی اسی پر عمل رہا۔ آپ نے متعدد بار اپنی مجلسوں میں یہ حدیث بیان کی کہ "من زار حیا و لم یذق منه شیئا فکا نما زار میتا" یعنی جس نے کسی زندہ شخص سے ملاقات کی اور اس کے ہاں کچھ نہ چکھا تو گویا اس نے ایک مردے کی زیارت کی۔ (فوائد الفواد، فارسی، ص: ۲۳۳) مشائخ چشت کے اطعام میں کافر و مومن کی تفریق نہ تھی اور وہ اس سلسلے میں اہل بیت اطہار کے طرزِ عمل سے متاثر تھے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اہل بیت کے لئے ارشاد فرمایا: "یوفون بالنذر و یخافون یوما کان شره مستطیرا ○ و یطعمون الطعام علی حبه مسکینا و یتیما واسیرا انما نطعمکم لوجه الله لا نرید منکم جزاء ولا شکورا ○"

(سورۂ دھر، پارہ نمبر: ۲۹، آیت نمبر: ۷، ۸، ۹)

(ترجمہ: وہ منتوں کو پورا کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں کہ جس کی سختی ہر طرف پھیلی ہوگی اور اس کی محبت میں محتاج یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں کہ) ہم تو تم کو بس خالص خدا کے لئے کھلاتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں کہ ہم تم سے بدلے کے خواستگار ہیں اور نہ شکر گزاری کے۔)

ایسی آیتیں جن میں مومنین کو اعمال صالح کی ترغیب دی گئی یا افعال بد سے پرہیز کرنے کو کہا گیا ہے، دو قسم کی ہیں۔ ایک تو وہ جو عام ہیں۔ مثلاً سورہ بقر کی پہلی ہی آیت کو لیجیے، اس میں متقین کی عام تعریف کی گئی ہے۔ دوسری قسم کی وہ آیات ہیں

جو خاص واقعہ اور واقعہ کے خاص آدمیوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ مدعا ان کا بھی تحریص وتلقین اور ترغیب ہی ہوتا ہے، لیکن وہ خاص واقعہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ مثلاً واقعہ افک کے متعلق جو آیات ہیں، حالانکہ سب جانتے ہیں کہ ان کے ذریعہ سے حضرت عائشہ کو جھوٹی تہمت سے بری کیا گیا، لیکن حضرت عائشہ کا ان میں نام تک نہیں ہے، صرف احادیث کے ذریعہ سے ہم کو یہ واقفیت ہوئی ہے۔ اسی طرح آیات مندرجہ بالا ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ہم تفسیر کشاف سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کا لفظی ترجمہ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

ابنِ عباس کہتے ہیں کہ ''ایک دفعہ حسنین علیہما السلام بیمار ہو گئے اور جناب رسولِ خدا عیادت کو تشریف لائے، ان کے ہمراہ اور لوگ بھی تھے۔ انھوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے کہا کہ بہتر ہوتا اگر تم اپنے فرزندوں کے لئے نذر مانتے۔ پس حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ، جناب سیدہ اور فضہ ان کی لونڈی نے ان دونوں کی تندرستی کے لئے تین تین روزے رکھنے کی منت مانی۔ پس جب دونوں صاحبزادے صحت یاب ہو گئے تو سب نے مل کر روزے رکھے لیکن اس وقت ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا جو افطار کے کام آتا۔ لہٰذا جناب امیر علیہ السلام نے شمعون یہودی سے جَو کے تین پیمانے قرض لئے۔ اس میں سے ایک پیمانہ کو جناب سیدہ علیہا السلام نے پیس کر پانچ روٹیاں تعداد کے مطابق تیار کیں۔ جب افطار کے لئے ان کے آگے رکھیں تو ایک سائل نے آکر آواز دی۔ السلام علیکم اے اہلِ بیتِ محمدؐ! میں مسلمان مساکین میں سے ایک مسکین ہوں، مجھے کچھ کھلاؤ۔ خدا تم کو جنت کی نعمتوں سے سیر کرے۔ سب نے اپنا کھانا اس کو بخش دیا اور پانی سے افطار کر کے سو رہے۔ دوسرے دن پھر روزہ رکھا اور جب افطار کے لئے انھوں نے اپنے آگے کھانا رکھا تو ایک سائل نے آکر آواز دی کہ میں یتیم ہوں۔ سب نے اپنا کھانا اس کو دے دیا اور پانی سے افطار کر کے سو رہے۔ اسی طرح تیسرے دن کی افطاری ایک قیدی کو بخش دی۔ صبح کو جناب امیر علیہ السلام حسنین علیہما السلام کا ہاتھ پکڑ کر جناب رسولِ خدا کے حضور میں لے گئے۔ وہ سب بھوک سے چوزہ مرغ کی

طرح کانپ رہے تھے۔ آنحضرتؑ نے ان کو دیکھ کر فرمایا۔ یہ کیا حالت ہے جس سے مجھ کو بہت رنج ہوتا ہے۔ پھر آپؐ جناب امیر علیہ السلام کے گھر تشریف لے گئے وہاں جناب سیدہ علیہا السلام کو محرابِ عبادت میں کھڑا ہوا دیکھا۔ درآں حالے کہ ان کی کمر ان کے پیٹ سے لگ گئی تھی اور ضعف سے ان کی آنکھوں میں حلقے پڑ گئے تھے۔ آنحضرت کو یہ دیکھ کر بہت ملال ہوا۔ اتنے میں جناب جبریلؑ نازل ہوئے اور کہنے لگے اے محمدؐ یہ لو خداوند تعالیٰ تم کو تمہارے اہلِ بیت پر مبارک باد دیتا ہے۔ اب حضرت جبریل نے یہ سورت پڑھی۔" (سورۂ دہر کی مذکورہ بالا آیات)

جنابِ فاطمہ علیہا السلام کے زہد و عبادت اور بذل و ایثار کا حال اس واقعہ سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے۔ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہلِ بیتِ رسول کون ہیں۔ خدا کن کو اہلِ بیتِ محمدؐ کہہ کر مبارکباد دیتا ہے۔ عوام الناس کن کو اہلِ بیتِ محمدؐ سمجھ کر عطا و بخشش طلب کرنے کے لئے جاتے ہیں۔

(علامہ زمخشری: تفسیرِ کشاف الجزاء الثانی عربی، ص:۵۱۱ تا ۵۱۲)

دوسرے مفسرین نے بھی اس واقعہ کو لکھا ہے مگر میں نے علامہ زمخشری کا حوالہ دیا ہے، اگرچہ وہ معتزلی ہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ وہ اہلِ بیتِ اطہار سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔

آیتِ مذکورہ بالا متعلق بہ اطعام کی تشریح مفسرینِ قرآنِ حکیم کے نقطۂ نظر سے......

سورہ دہر کی مذکورہ بالا آیات پروفیسر نظامی نے عموماً سبھی صوفیاء کرام اور خصوصاً خواجگان چشت کے تناظر میں درج کی ہیں اور اسے محبتِ الٰہی کی عملی راہ سے تعبیر کیا ہے۔ (تاریخ مشائخ چشت، ناشر ندوۃ المصنفین، اردو بازار، دہلی، ص: ۴۵) آیات مقدسہ کی مذکورہ بالا تشریح سے ظاہر ہے کہ اہل بیت اطہار اپنی بھوک پر دوسروں کی بھوک کو ترجیح دیتے تھے اور ان کا یہ معاملہ بلاتفریق مذہب و ملت تھا۔ مذکورہ بالا تشریح علامہ جار اللہ زمخشری معتزلی نے کی ہے۔ آئیے ہم دوسرے مفسرین کرام کے اقوال ان آیاتِ کریمہ کی تشریح میں ملاحظہ کریں:

(۱) علامہ بحرانی حنفی قدس سرہٗ موفق بن احمد الخوارزمی سے (ان کی اسناد کے ذریعہ) سورۂ دہر کی شانِ نزول کے بارے میں حبر الامۃ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہٗ کی وہی روایت درج کرتے ہیں جو علامہ زمخشری نے بیان کی ہے۔

(ملاحظہ ہو ان کی کتاب غایت المرام عربی، ص: ۳۶۸)

(۲) علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں یہی روایت بلکہ اس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ علامہ ثعلبی، علامہ قشیری اور بہت سے مفسرین سے حضرت لیث کی سند کے ساتھ حضرت مجاہد کے واسطے سے بہ حوالہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نقل کی ہے۔ (تفسیر القرطبی عربی سورۃ الدہر کی تفسیر)

(۳) علامہ نظام الدین نیشاپوری شافعی اپنی تفسیر غرائب القرآن و رغائب الفرقان میں کہتے ہیں کہ بے شک سورۂ دہر اہل بیت رسولؐ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ روایت کی گئی ہے کہ ان راتوں میں آنے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے جو خداوند عالم کے حکم سے اہل بیت علیہم السلام کا امتحان لینے آئے تھے۔

(۴) علامہ خازن نے اپنی تفسیر لباب التاویل فی معانی التنزیل میں ان آیات کی تشریح حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق کی ہے۔ یہ بھی کہا ہے کہ یہ سورہ حضرت علی علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور صراحت کی ہے کہ درِ اہل بیت پر تیسرے دن آنے والا سائل ایک مشرک قیدی تھا۔ اہل بیت اطہار نے جس طرح مسلمان سائلوں کو دو دن تک اپنے حصے کی روٹیاں دی تھیں اسی طرح ایک مشرک سائل کو بھی تمام روٹیاں عطا کر دیں۔

(تفسیر نیشاپوری عربی۔ حاشیہ تفسیر طبری عربی۔ تفسیر سورۃ الدہر)

(۵) علامہ محمد حسین الفراء البغوی نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں حضرت مجاہد اور حضرت عطاء کے ذریعہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت کی ہے کہ بے شک سورۂ دہر حضرت علی علیہ السلام کے بارے نازل ہوئی ہے۔

تیسرے دن آنے والے سائل کو مشرک بتایا ہے۔
(تفسیر معالم التنزیل عربی تفسیر سورۂ دہر)

(۶) علامہ سلیمان قندوزی حنفی نقشبندی نے تفسیر بیضاوی اور علامہ سید محمود آلوسی بغدادی کی تفسیر روح المعانی اور کتاب سامرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت مجاہد نے (بحذف اسناد) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مذکورہ بالا روایت بیان کی ہے۔ (اردو ترجمہ، ینابیع المودۃ، ص:۱۵۴ تا ۱۵۵، ینابیع المودۃ، عربی، ص:۹۴)

(۷) علامہ امام حافظ الحدیث القاسم محمد بن احمد بن جزی الکلبی الغرناطی نے اپنی مشہور تفسیر التسہیل لعلوم التنزیل میں بیان کیا ہے کہ آیت و یطعمون الطعام ....الخ اور اس کے بعد کی آیات حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین علیہم السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔
(تفسیر التسہیل العلوم التنزیل، عربی، جلد:۴، ص:۳۱۸)

(۸) حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ نے بھی فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کے ترجمہ قرآن پاک موسوم بہ کنز الایمان کے حاشئے پر سورۂ دہر کی تفسیر میں یہی واقعۂ اہل بیت کرام درج کیا ہے۔
(خزائن العرفان ۱۰۳۴، یٰسین بکڈپو دہلی)

(۹) تصنیف و تالیف کے میدان میں سلسلہ چشتیہ کے چشم و چراغ حضرت گیسو دراز بندہ نوازؒ نے بھی اس روایت کو بجنسہٖ نقل کیا ہے اور اتنا اضافہ کیا ہے کہ اہل بیت اطہار کی پیروی میں حضرت فضہ کنیزِ خاتونِ جنت نے یہ فضیلت پائی کہ ان کا ذکر بھی قرآن مجید میں آگیا۔ (اُردو ترجمہ جوامع الکلم، ص:۱۰۰ تا ۱۰۱)

حضرت گیسو درازؒ صرف صوفی ہی نہیں بلکہ بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ آپ نے قرآن پاک کی تفسیر صوفیانہ رنگ میں لکھی تھی۔ حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا اور اس کی شرح بھی لکھی تھی۔ تصوف کی اعلیٰ کتابوں مثلاً عوارف المعارف، رسالۂ قشیریہ، تمہیدات عین القضاۃ اور قوت

القلوب مصنفہ ابو طالب کی پر حاشیے لکھے تھے۔ (تاریخ مشائخ چشت، ص: ۲۰۷) ان کے علمی کمالات کا اعتراف علامہ عبدالحیٔ لکھنوی اہل حدیث عالم نے اپنی کتاب نزہت الخواطر میں کیا ہے۔

علامہ سید محمد صالح کشفی حنفی کی کتاب مناقب مرتضوی (جس کا اردو ترجمہ کوکب دُرّی فی فضائل علی ہے) میں قاضی علامہ شہاب الدین دولت آبادی کی تفسیر بحر مواج اور علامہ حسین واعظ کاشفی کی تفسیر حسینی کے حوالے سے مرقوم ہے کہ جمہور مفسرین سورہ ھل اتی' (سورہ دہر) کی آیات بینات کے سببِ نزول پر متفق ہیں کہ ان کا تعلق علی علیہ السلام اور ان کے اہل خانہ کے واقعہ اطعام سے ہے۔

(کوکب دُرّی، ص: ۵۳، مطبوعہ پانڈہ الیکٹرک پریس، جالندھر)

شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے بھی ھل اتی' کا سببِ نزول حضرت علی علیہ السلام کو قرار دیا ہے۔ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام پر ان کی نظم میں حضرت علی علیہ السلام کو تاجدار ھل اتی کہا ہے......

بانوئے آں تاجدار ھل اتی مرتضٰی، مشکل کشا، شیرِ خدا

اطعام سے متعلق خواجہ بزرگؒ کا عمل

سب سے پہلے حضرت خواجہ بزرگ کی خوراک پر توجہ کیجئے۔ شہزادی جہاں آرا اپنی کتاب مونس الارواح میں لکھتی ہیں کہ حضرت شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر قدس سے روایت ہے کہ ان سے فرمایا ان کے پیر حضرت خواجہ قطب الدین احمد بن موسیٰ رحمتہ اللہ علیہ نے کہ میرے پیر حضرت خواجہ معین الملت والدین قدس سرہٗ عظیم ریاضت ومجاہدہ میں معروف رہتے تھے۔ چنانچہ سات روز کے بعد روٹی کے ٹکڑے کہ جو پانچ مثقال سے زیادہ نہ ہوتے تھے ان کو پانی سے تر کر کے (روزہ) افطار کرتے ...... " آپ کے باورچی خانے سے برسوں اور مہینوں درویشوں (جن میں فقراء ومساکین شامل تھے) کو وظیفہ (رزق) پہنچتا تھا۔ شہزادی نے خواجہ قطب الدین

بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کا بیان درج کیا ہے کہ میں بیس برس حضرت خواجہ کی صحبت با برکت میں رہا۔ جب باورچی خانے میں کچھ نہ ہوتا تھا تو خادم خاص یعنی سید فخر الدین حاضر ہو کر عرض کیا کرتے تھے۔ آپ (خواجۂ بزرگ) مصلائے مبارک کو اُٹھا کر فرماتے تھے کہ لے لے اس قدر کہ کفایت آج اور کل یعنی دو روز کو کرے۔ خادم (مذکورہ بالا) اسی قدر لے لیتے تھے۔ باورچی خانے میں کھانا تیار ہو کر درویشوں کو تقسیم ہوتا تھا اور اگر کوئی غریب یا مریض آتا تھا تو اس کو اپنی مراد کو پہنچاتے تھے۔ (یعنی کھانا کھلانے کے علاوہ اس کی جو بھی مراد ہوتی اسے اپنی روحانی توجہ سے پوری کرتے تھے) یہاں تک کہ وقت رخصت اپنا ہاتھ مصلے کے نیچے ڈالتے تھے اور جو کچھ کہ باہر آتا اس کو عنایت کرتے تھے۔ (مونس الارواح، اردو ترجمہ بنام ہدیۂ ابراہیم)

واضح رہے کہ حضرت خواجہ سید فخر الدین گردیزیؒ کے سپرد غریب نوازؒ کے لنگر خانہ کا اہتمام تھا اور صاحبِ گلزارِ ابرار کا بیان ہے کہ وہ غریب نوازؒ کی خدمت پرستاری کی حد تک کرتے تھے۔

اردو ترجمہ کا نام ہدیۂ ابراہیم معروف بہ انیس الاشباح ترجمہ مونس الارواح ہے یہ اردو ترجمہ ابو الحسنات قطب الدین احمد کے اہتمام سے دوسری بار مئی ۱۸۹۸ء میں مطبع نامی لکھنؤ میں طبع ہوا ہے۔ ماہنامہ "یٰسین" کانپور نے سلطان الہند نمبر میں اسے شائع کیا ہے۔

مذکورہ بالا خواجہ بزرگ کا طریق اطعام، بذل وایثار، جود وسخا اور غرباء نوازی کی روایات خواجگان چشت کے مرشدِ اعلیٰ حضرت علی علیہ السلام کے فیضان فکر وعمل کا نتیجہ ہیں اور اُن کا فکر وعمل ان کے مرشدِ اعلیٰ حضور نبی کریمؐ کے قول وعمل کا آئینہ دار ہے۔ ان روایات کو ان کے بعد آنے والے مشائخ سلسلہ نے قائم رکھا۔ حضرت خواجۂ بزرگ کا فیضانِ اطعام آج بھی لنگر کی صورت میں جاری ہے اور انشاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔

حضرت محبوب الٰہی کا طریقۂ اِطعام

خواجۂ بزرگ کی طرح آپ کا بھی یہی طریقہ رہا کہ ہر آنے والے کو کھانے کی کوئی چیز دی جاتی تھی۔ اگر اس وقت کچھ بھی موجود نہ ہوتا تو پانی ہی پیش کر دیا جاتا تھا۔

(فوائد الفواد، فارسی، ص: ۱۳۷)

"کھانا کھلانے میں نیک و بد، بڑے چھوٹے اور مسلم و غیر مسلم کی کوئی تفریق پسند نہ کی جاتی تھی۔ شیخ نظام الدین اولیاء نے اس اصول کی وضاحت میں ایک بار یہ حکایت بیان کی کہ ابراہیم علیہ السلام ہمیشہ کھانا مہمان کے ساتھ کھاتے تھے۔ ایک دن ایک مشرک آپ کا مہمان بنا۔ آپ نے اسے بیگانہ سمجھ کر کھانا نہ دیا۔ وحی الٰہی نازل ہوئی کہ اے ابراہیم! ہم اسے جان دے سکتے ہیں اور تو اسے نان (روٹی) نہیں دے سکتا۔ اس حکایت میں انسانی ہمدردی کا ایک بحرِ بیکراں موجیں مارتا نظر آتا ہے"

(تاریخ مشائخ چشت، جلد پنجم، ادارۂ ادبیات، دہلی، ص: ۳۱۹)

حضرت محبوب الٰہی کے تعلق سے فوائد الفواد جلد پہلی سترہویں مجلس میں یہ بھی لکھا ہے کہ "اسی مہینے کی پچیسویں تاریخ کو قدم بوسی کی دولت ملی۔ کھانا کھلانے کی فضیلت کا ذکر نکلا، زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ لوگوں کو کھانا کھلانا بہت اچھی چیز ہے۔ اس دوران فرمایا کہ خواجہ علی فرزند خواجۂ بزرگ شیخ رکن الدین تاتاری کافروں کے حملے میں گرفتار ہوئے۔ ان کو چنگیز خاں کے سامنے لے گئے۔ اسی خاندان کے مریدوں میں سے ایک شخص وہاں حاضر تھا، وہ دربار میں رسوخ رکھتا تھا۔ جب (اس نے) خواجہ علی کو گرفتار دیکھا تو حیران رہ گیا۔ دل میں سوچنے لگا کہ ان کی رہائی کی کیا ترکیب ہو، اور ان کا ذکر چنگیز خاں کے سامنے کس حیثیت سے کروں، اگر کہتا ہوں کہ یہ بڑے بزرگ اور صاحبِ کرامت خاندان سے ہیں تو اُسے کیا معلوم اور اگر اطاعت و عبادت کا ذکر کرتا ہوں تو وہ بھی موثر نہ ہوگا۔ تب اس نے کہا کہ اس شخص کا باپ بہت بزرگ آدمی تھا، مخلوق کو کھانا کھلاتا تھا اس کو رہائی دینی چاہیئے۔ چنگیز خاں نے پوچھا کہ اپنے لوگوں

کو کھانا دیتا تھا یا غیر لوگوں کو؟ اس شخص نے جواب دیا غیر لوگوں کو۔ اپنے لوگوں کو تو سب ہی کھلاتے ہیں مگر اس کا باپ خلق بیگانہ کو کھانا تقسیم کرتا تھا۔ چنگیز خاں اس بات سے خوش ہو گیا اور بولا کہ وہ آدمی کیسا نیک ہوتا ہے جو خلقِ خدا کو کھانا دیتا ہے۔ پس اسی وقت حکم دیا کہ اسے رہا کر دیں اور خلعت بھی عطا کی اور معذرت پیش کی۔ اس کے بعد خواجہ ذکر اللہ بالخیر (محبوب الٰہی) نے فرمایا کھانا کھلانا تمام مذہبوں میں پسندیدہ ہے۔

(فوائد الفواد، ص:۱۹۳، اردو ترجمہ خواجہ حسن ثانی نظامی دہلوی)

خانقاہ میں آنے والوں کو کھانا پیش کرنے کے لئے محبوب الٰہیؒ کی یہ بھی ہدایت تھی کہ ان کے جذبات کی نزاکت سامنے رکھی جائے۔ محبوب الٰہیؒ فرماتے تھے......

"جب لوگ آئیں تو انھیں کھانا لا دینا چاہئے اور کسی سے یہ نہیں پوچھنا چاہئے کہ تو روزے سے ہے یا نہیں (فوائد الفواد فارسی)

محبوب الٰہیؒ کی خانقاہ میں لوگ جوق در جوق حاضر ہوتے تھے اور ان کے لئے بار بار کھانا لایا جاتا تھا۔"

(فوائد الفواد، چوتھی جلد، سینتیسویں مجلس، ص:۲۷۵، مترجم: خواجہ حسن ثانی نظامی)

حضرت محبوب الٰہیؒ کے کھانا کھلانے کا مذکورہ بالا طریقہ صرف خانقاہ میں حاضر ہونے والوں تک محدود نہ تھا بلکہ جہاں مصیبت زدہ لوگوں کا پتہ چلتا وہاں کھانا پہنچانے کا اہتمام بھی کیا کرتے تھے۔ مثلاً ایک بار غیاث پور میں آگ لگ گئی۔ گرمی کا موسم تھا، آپ چلچلاتی دھوپ میں اپنے مکان کی چھت پر کھڑے ہوئے آگ لگنے کا منظر اس وقت تک دیکھتے رہے جب تک وہ بجھ نہ گئی۔ پھر خواجہ اقبال (اپنے خادم خاص) کو بلایا اور فرمایا کہ جا کر ان گھروں کی تعداد معلوم کرو جو آگ لگنے سے متاثر ہوئے ہیں اور ہر متاثر ہونے والے گھر کے مالک کو چاندی کے دو تنکے (اس وقت کا سکہ)، کھانے کے دو خوان اور ٹھنڈے پانی کا ایک مٹکا پہنچاؤ۔ آتش زدہ بستی کے باشندے اس وقت بے حد پریشان اور حیران تھے۔ جب خواجہ اقبال کھانے کا خوان، پانی کی صراحی اور چاندی کے تنکے لے کر ہر ایک کے گھر پہنچے تو لوگوں کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آ گئے۔

چاندی کے دو ٹنکے اس عہد میں اتنی قیمت رکھتے تھے کہ ان سے خانہ داری کا سارا سامان خریدا جاسکتا تھا، بلکہ خریداری کے بعد کچھ بچ ہی جاتا تھا اور دو خوان پورے دن تمام گھر والوں کے لئے کافی ہوتے تھے اور اُس گرمی میں ٹھنڈا پانی نعمتِ عزیز لگتا تھا۔ (جوامع الکلم فارسی، ص: ۱۴۳، بہ تصحیح محمد حامد صدیقی، مطبوعہ انتظامی پریس واقع عثمان گنج کانپور)

اسی طرح کا ایک واقعہ اور ہے جس میں کھانا بھیجنے کے بجائے خرچ بھیجنے کا کام انجام دیا تاکہ اہل خانہ پیٹ بھر کر کھانا کھا سکیں۔

"حضرت محبوب الٰہیؒ نے ایک عورت کو دیکھا کہ دریائے جمنا کے کنارے ایک کنوئیں سے پانی بھر کر لے جارہی ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تو دریا کو چھوڑ کر کنوئیں کا پانی کیوں پیتی ہے؟ اس نے کہا میرا شوہر غریب ہے، ہمارے گھر کا خرچ مشکل سے چلتا ہے۔ جمنا کا پانی بھوک زیادہ لگاتا ہے اس لئے ہم کنوئیں کا پانی پیتے ہیں۔ حضرت یہ سن کر آبدیدہ ہوگئے اور خانقاہ میں آکر اپنے خادم سے کہا کہ غیاث پور میں ایک عورت ہے جو جمنا کا پانی نہیں پیتی ہے کیونکہ اس سے بھوک زیادہ لگتی ہے۔ تم اس سے جاکر پوچھو کہ اس کے ماہانہ خرچ میں کتنا کم رہ جاتا ہے (اگر وہ پیٹ بھر کر دونوں وقت کھانا کھائے) اتنا خرچ ہر مہینے اسے ہماری خانقاہ سے دیا کرو اور اس سے کہو کہ جمنا کا پانی پیئے۔" (جوامع الکلم، فارسی، ص: ۱۲۳، بہ تصحیح محمد حامد صدیقی، مطبوعہ انتظامی پریس، واقع عثمان گنج، کانپور)

مذکورہ بالا واقعات تو سماج کے غریب لیکن باعزت طبقہ سے متعلق ہیں۔ اب ایک واقعہ سماج سے نکالے ہوئے اور ٹھکرائے ہوئے افراد سے متعلق ملاحظہ کیجئے......

حضرت محبوب الٰہیؒ جب شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو راستے میں سماج سے نکالی ہوئی (ٹھکرائی ہوئی) فاحشہ عورتیں خیمہ لگاکر بیٹھی رہتی تھیں۔ آپ ان سے کسی آدمی کو بھیج کر کہلواتے کہ جاؤ سایہ میں بیٹھو۔ اس روز تمام فاحشہ عورتیں سلام کرنے کے لئے راستے میں کھڑی ہو جاتیں۔ حضرت شیخ نے سب کے لئے کچھ نہ کچھ وظیفہ مقرر کردیا تھا۔ عرس کے موقع پر

بھی ان لوگوں کے لئے کھانا اور کچھ رقم بھیج دیتے۔ کسی کے لئے کھانے کے دو خوان اور دو تنکے اور کسی کے لئے ایک خوان اور ایک تنکہ بھیجتے۔

(جوامع الکلم، فارسی، ص: ۱۲۲ تا ۱۲۳، بہ تصحیح محمد حامد صدیقی، مطبوعہ انتظامی پریس، واقع عثمان گنج، کانپور)

اس سے قارئین کو اندازہ ہوگا کہ غریب نوازؒ کی تعلیمات پر عمل کرنے والے ان کے سلسلۂ عالیہ کے خلفاء کھانا کھلانے اور غرباء نوازی میں نیک و بد کی تمیز نہیں کرتے تھے۔ ان حضرات کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کی رب العالمینی اور نبی کریمؐ کی رحمۃ للعالمینی کا تصور تھا......

بھلے بُروں پہ ترا فیضِ عام ہے خواجہ

آج دنیا کے ملکوں کے تمام سیاسی دستوروں میں بیچارے انسانوں کے لئے کاغذ پر بہت کچھ لکھا گیا ہے وہ سب بنیادی طور پر بغیر نام لئے اسلام کے انسانی دستور کی نقل کی گئی ہے جسے صوفیا نے عموماً اور خواجگانِ چشت نے خصوصاً عملی جامہ پہنایا۔ انتہا یہ ہے کہ اقوامِ متحدہ نے بھی حقوق انسانی کی تعیین اور اس کی بحالی کے لئے مختلف قراردادیں منظور کیں۔ آخر ۱۰ر تمبر ۱۹۴۸ء کو اس نے The Universal Declaration Of Human Rights کے نام سے ایک عالمی حقوقِ انسانی کا منشور پاس کیا ہے۔ یہ اس سلسلے کی آخری کوشش تھی۔ اس منشور کو انسانی تاریخ میں ایک انتہائی کامیاب اور انقلابی قدم تسلیم کیا گیا ہے۔ اقوام متحدہ کے اس آفاقی اعلامیہ میں تیس دفعات ہیں۔ یہ تیس دفعات اس اعلامیہ کو مرتب کرنے اور پاس کرنے والوں کے لئے انقلاب آفریں اور نئی چیز ہوگی مگر اہل اسلام کے لئے نہیں کیوں کہ پیغمبر آخر الزماں محمد مصطفیٰؐ نے آج سے پندرہ سو سال پہلے حقوق انسانی کا ایک جامع دستور پیش کیا اور اسے نافذ کر کے دکھایا۔ نبی کریمؐ کے بعد خلفاء راشدین اور اہلِ بیتِ طاہرین اسی راہ پر گامزن رہے اور ان کے بعد عموماً تمام سلاسل کے صوفیاء اور خصوصاً خواجگانِ چشت نے حقوق انسانی سے متعلق اسلام کے دیئے ہوئے بنیادی تصورات کو عملی جامہ پہنایا۔

دستور میں حقوقِ انسانی کا تصور اسلامی منشور سے ہی متاثر ہے۔ آزادئ ہند کے بعد جو دستور ہند بنا اس کے ابتدائیہ میں جو تمام باشندگانِ وطن کی سیاسی، سماجی، معاشی مساوات اور جمہوری و سیکولر نظامِ حکومت کا ذکر کیا گیا ہے وہ حقیقتاً خواجۂ بزرگؒ اور ان کے سلسلے خلفاء کی تعلیمات کے پیغام کی صدائے بازگشت ہے۔ خواجۂ بزرگ، ان کے سلسلے کے خلفاء، ان کی تعلیمات اور ان کی خانقاہوں اور درگاہوں کی تفصیل اس لئے دی گئی ہے تاکہ قارئینِ کرام کو اندازہ ہوجائے کہ برِصغیر کے مخصوص مزاج کو سلسلۂ چشتیہ کی تعلیمات جس قدر راس آئیں اور کوئی دوسری تعلیم اس قدر موافق نہیں آئی۔ عصرِ حاضر میں قومی اور بین الاقوامی سطح پر جو بے چینی، گمراہی، تشدد پسندی اور دہشت گردی پھیلی ہوئی ہے اسے دور کرنے کے لئے چشتی تعلیمات ہی ذریعہ بن سکتی ہیں۔

چشتیہ خانقاہوں کی تعلیمات سے آج بھی عرفیؔ شیرازی کی زبان میں ''محرمِ بادصبا'' کو ''بوئے سمن'' محسوس ہوسکتی ہے......

کسے کہ محرمِ بادِ صباست مُی داند　　　که باوجود خزاں بوئے یاسمن باقیست

علامہ اقبالؔ بھی ملتِ اسلامیہ اور تصوف کی کشتِ ویراں سے ناامید نہیں تھے۔ ان کا خیال تھا......

نہیں ہے نااُمید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

○○

نواں باب

خواجگانِ چشت کا تصورِ عشق کلامِ خسرو کی روشنی میں

حضرت امیر خسروؒ پر اُن کے عہد سے آج تک بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن ان کے عاشقانہ کلام کا اصل محرک خواجگانِ چشت کا نظریۂ عشق ہے، اس پر توجہ نہیں کی گئی۔ خواجہ بزرگؒ کا ارشاد ہے۔

"چون ما از پوست بیروں آمدیم و نگاہ کردیم عاشق و معشوق و عشق یکے دیدیم، یعنی در عالم توحید ہمہ یکیست۔" (سیر الاولیاء، فارسی، ص: ۴۵)

امیر خسرو کو عشق کا یہ تصور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ سے اور ان کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ملا اور انھیں خواجۂ بزرگؒ سے۔ انھوں نے عشق و عاشق و معشوق کو ایک نظر سے دیکھا۔ امیر خسرو آٹھ سال کی عمر میں حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ کے دامن ارادت سے وابستہ ہوئے اور رفتہ رفتہ حضرت محبوب الٰہی کو امیر خسروؒ سے ایسا والہانہ لگاؤ پیدا ہو گیا کہ وہ فرمایا کرتے تھے۔

"اے ترک من از خود برنجم لیکن از تو نہ رنجم"

(خزینۃ الاصفیاء، جلد: ۱، ص: ۳۴۰)

یعنی اے ترک میں اپنے آپ سے رنجیدہ ہو جاتا ہوں لیکن تجھ سے رنجیدہ نہیں ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ امیر خسرو نے خواجگانِ چشت کے تصورِ عشق کو اپنے وجود

میں ایسا جذب کرلیا کہ وہ ہمہ تن سوز و گداز عشق بن گئے، پس یہی وجہ ہے کہ محبوبِ الٰہیؒ نے فرمایا......

"روز قیامت از ہر کس خواہند پرسید کہ چہ آوردی از من پرسند خواہم گفت کہ سوز سینۂ این ترک اللہ"۔ (سفینۃ الاولیاء، فارسی۔ ص:۱۶۰)

یعنی قیامت میں ہر شخص سے پوچھا جائے گا کہ تو کیا لایا؟ مجھ سے پوچھا جائے گا تو میں کہوں گا کہ اس ترک اللہ (امیر خسرو) کا سوز سینہ۔

حضرت محبوب الٰہیؒ کی نصیحت بھی یہی تھی کہ معشوقوں کے زلف و خال کے ساتھ اصفہان کے شعراء کے طرز پر عشق انگیز کلام کہا کرو۔ (سیر الاولیاء، فارسی، ص:۳۰۱)

خسرو نے اپنے مرشد کی نصیحت کو انتہائے کمال تک پہنچادیا۔ انھوں نے اپنے سینے کو سوز عشق کی بدولت آتش کدہ بنا دیا۔ اس لئے ان کے اشعار میں عشق کی چنگاریاں بھڑکتی نظر آتی ہیں۔ اسی لئے ان کے مرشد نے ترک اللہ یعنی اللہ کا معشوق کہا ہے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ اکثر دعا میں یہ فرماتے کہ: "الٰہی بہ سوز سینۂ ایں ترک مرا بہ بخش۔" یعنی الٰہی اس تُرک کے سوز سینہ کے واسطے سے مجھ پر رحم فرما۔

(ہشت بہشت، مقدمہ، ص:۷۸)

ان کی تمام تر شاعری اسی سوز عشق کا مکمل مظہر ہے جو کبھی عشقِ الٰہی، کبھی عشق رسول کبھی عشقِ مرشد، کبھی عشقِ کائنات، کبھی عشقِ مناظرِ فطرت اور کبھی عشقِ وطن میں ظاہر ہوتا رہا۔ انھوں نے عشقِ مجازی کے پردے میں عشقِ حقیقی کی تعلیمات کو پیش کیا۔ صوفیا کا نظریہ رہا "المجاز قنطرۃ الحقیقۃ" یعنی عشقِ مجازی عشقِ حقیقی کا پُل ہے، عشقِ حقیقی کے لئے عشق مجازی کے پل سے گذرنا ضروری ہے۔ خسرو نے صوفیا کے اس نظریہ کو عملی جامہ پہنایا۔ یہی سبب ہے کہ ان کے عشقیہ اشعار سے عشقِ مجازی اور عشقِ حقیقی دونوں کے اسرار کھلتے ہیں۔ اس ضمن میں چند اشعار ملاحظہ ہوں......

گنج عشق تو نہاں شد در دلِ ویرانِ ما
می زند زاں شعلہ دائم آتشے در جانِ ما

یعنی میرے دل کے ویرانے میں تیرے عشق کا خزانہ پوشیدہ ہے، اسی شعلہ سے ہمیشہ میری روح میں آگ بھڑکتی رہتی ہے۔

نیست لذت عشق را بعد از وصال
عشق بازاں را جدائی خوشتر است

......یعنی محبوب سے وصال کے بعد لذتِ عشق باقی نہیں رہتی، اہلِ عشق کو جدائی ہی اچھی لگتی ہے۔ علامہ اقبال نے بھی اپنے ایک شعر میں اسی خیال کا اظہار کیا ہے......

عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
وصل میں مرگِ آرزو ہجر میں لذت طلب

امیر خسرو عشق کو لازمۂ آدمیت قرار دیتے ہیں۔

کسے کہ عشق نہ بازد نہ آدمی سنگ است
بلائے عشق کشد ہر کہ آدمی رنگ است

......یعنی جو عشق نہیں کرتا وہ آدمی نہیں پتھر ہے اور جو آدمی کہ اپنے حقیقی رنگ میں آدمی ہے وہ عشق کی تمام بلاؤں کو برداشت کرتا ہے۔

عشق تو بلائے جاں پسند است
یک خندہ ازاں دہاں پسند ست

یعنی تیرا عشق ایک بلا ہے مگر روح کو یہی پسند ہے۔ تیرے دہن کی ایک بار ہنسی پسند ہے۔

خسرو عشق کو نہ صرف عقل پر ترجیح دیتے ہیں بلکہ عقل کو کوئی درجہ دینا پسند نہیں کرتے۔ فرماتے ہیں......

منِ مسکیں غلام عشقم اے عقل از سرم بگذر
کہ ایں سلطاں ترا در کارِ خود محرم نمی بیند

......یعنی میں عشق کا ادنیٰ غلام ہوں۔ اے عقل میرے سر سے دور ہو جا۔ عشق ایسا سلطان ہے کہ وہ اپنے کام میں تجھ کو محرم کی حیثیت سے دیکھنا نہیں چاہتا ہے۔ اقبال

نے بھی عقل کو فانی اور عشق کو زندۂ جاوید قرار دیا ہے......

ہے ازل کے نسخۂ دیرینہ کی تمہید عشق
عقلِ انسانی ہے فانی زندۂ جاوید عشق

اقبالؔ نے اسی تناظر میں یہ بھی کہا ہے......

عشق است امامِ من عقل است غلامِ من

خواجہ بزرگ حضرت غریب نوازؒ کی تعلیم کے مطابق وہ عاشق اور معشوق میں دوئی کے قائل نہیں۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

......یعنی میں تو ہوگیا اور تو میں ہوگیا، میں جسم ہوگیا، تو جان ہوگیا تا کہ اس کے بعد کوئی نہ کہے کہ تو اور ہے اور میں اور ہوں۔

علامہ اقبالؔ جہاں عالمی سطح کے حکماء، فلاسفہ اور صوفیاء سے متاثر ہیں، وہاں سب سے زیادہ امیر خسرو کو اپنا رہنما سمجھتے ہیں۔ جہاں وہ ''شورِ رومی'' اور صدق و اخلاص سنائی کے طلب گار ہیں وہاں وہ سوزِ خسرو عطا ہونے کے لئے خدا سے دعا کرتے ہیں......

عطا کن شورِ رومیؔ سوزِ خسرو
عطا کن صدق و اخلاص سنائی

علامہ اقبالؔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے دربار میں جب پہلی بار حاضر ہوئے تو اپنی ایک نظم میں جہاں اور تمنائیں کیں وہاں یہ گزارش بھی کی......

ہند کا داتا ہے تو تیرا بڑا دربار ہے   کچھ ملے مجھ کو بھی اس دربار گوہر بار سے
اک نظر میں خسروِ ملک سخن خسرو ہوا   میں کہیں خالی نہ پھر جاؤں تری سرکار سے

(کلیاتِ باقیاتِ شعرِ اقبال، از صابر کلوروی، ص:۱۲۵، کتابی دنیا دہلی)

اقبالؔ کی یہ تمنا پوری ہوئی اور وہ عصرِ حاضر کے خسروِ ملک سخن بن گئے۔ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ نے خسرو کو بوعلی شاہ قلندر کی خدمت اپنا سفیر بنا کر بھیجا

تھا۔ اس کا حوالہ دیتے ہوئے اقبال اپنی مثنوی "اسرارِ خودی" میں امیر خسرو کو اس طرح خراج عقیدت پیش کرتے ہیں.....

خسرو شیریں زباں رنگیں بیاں — نغمہ ہایش از ضمیر کن فکاں
فطرتش روشن مثالِ ماہتاب — گشت از بہر سفارت انتخاب
چنگ را پیشِ قلندر چوں نواخت — از نوائے شیشۂ جانش گداخت

......یعنی خسرو شیریں زبان اور رنگین بیان ہیں، ان کے نغمے اللہ تعالیٰ کی شانِ تخلیق کا مظہر ہیں، ان کی فطرت چاند کی طرح روشن ہے، سفارت کے لئے ان کا انتخاب ہوا۔ انھوں نے قلندر (بوعلی شاہ علیہ الرحمۃ) کے سامنے چنگ بجایا جس کی آواز سے ان کا شیشۂ جاں پگھلنے لگا۔

اقبال معرکہ ہائے سلاطین اسلام کو فانی اور نغمۂ خسرو کو جاودانی سمجھتے ہیں.....

رہے نہ ایبک و غوری کے معرکے باقی
ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نغمۂ خسرو

امیر خسرو کی انسان دوستی (HUMANISM)

اسلامی تصوف عظمتِ انسانیت پر زور دیتا ہے اور اسی سے صوفی میں انسانیت نوازی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتیؒ کی تعلیمات کا محور یہی انسانیت نوازی ہے جس کا اظہار بلاامتیاز رنگ ونسل اور بلا تفریق مذہب و ملت ہوتا ہے۔ درج ذیل اشعار میں خواجگانِ چشت کے تصورِ عظمتِ انسانی کو کتنی خوبصورتی سے امیر خسرو نے پیش کیا ہے۔ واضح رہے کہ قرآن و حدیث نے جو نظریہ پیش کیا ہے، وہی خواجگانِ چشت کا بنیادی تصور رہا ہے۔ امیر خسرو انسان سے مخاطب ہوکر اسے اُس کی عظمت سے آشنا کرتے ہیں اور ان کا انسان سے یہ خطاب بھی ان کے تصورِ عشق کا آئینہ دار ہے.....

اے ز ازل گوہرِ پاک آمدہ — گوہرِ تو زیورِ خاک آمدہ

چنبرۂ چرخ بے ہیئت خاک   تا تو بروں آمدی اے دُرِ پاک

جانِ جہانِ ہمہ عالم توئی   وآں چہ نہ گنجد بہ جہاں ہم توئی

تو شہِ اقلیم بہ ہر دو سرائے   نُہ فلکے تختِ تو شد چار پائے

گنجِ خدارا تو کلید آمدی   نہ از پئے بازیچہ پدید آمدی

چرخ کہ از گوہرِ احسانت ساخت   آئینۂ صورتِ رحمانت ساخت

آئینہ زیں گونہ کہ داری بہ جنگ   آہ ہزار آہ کہ داری بہ زنگ

......یعنی اے انسان! تو گوہرِ پاک اور زیورِ خاک ہے۔ تو نو آسمانوں سے چھن کر پاک موتی بن کر ظاہر ہوا ہے۔ تو جانِ جہاں ہے اور تو (اپنے وجود سے) سارا عالم ہے۔ سارا جہاں تیرے وجود کا بوجھ برداشت نہیں کرسکتا ہے۔ تو ہر دو سرائے کی اقلیم کا بادشاہ ہے۔ نو آسمان کے تخت کے چار پایوں پر تو جلوہ گر ہے، تو خدا کے خزانے کی کنجی ہے، تو صرف بچوں کا کھیل نہیں ہے، تجھ میں رحمٰن (اللہ تعالیٰ) کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔ اگر تو اپنے آئینہ کو زنگ آلود بنا کر آمادہ جنگ ہوجائے تو یہ تیری غفلت اور نادانی ہوگی اور یہ بڑے افسوس کا مقام ہوگا۔

عالمِ انسانیت کے لئے اس سے زیادہ کون سا جاں نواز پیغام ہوسکتا ہے۔ اقبالؔ نے بھی امیر خسرو کی طرح آدمی کو احترامِ آدمیت کا سبق دیا ہے......

آدمیت احترامِ آدمی   باخبر شو از مقامِ آدمی

امیر خسرو کا تصورِ عشق اتنا وسیع اور ہمہ گیر ہے کہ اس میں حب الوطنی کے جذبہ بیکراں کا عنصر بھی شامل ہے اور اس بنا پر خسرو کو وطن، برادرانِ وطن، ان کے رسوم و روایات اور عقائد و مذہب سے (اپنے اسلامی عقائد کو محفوظ رکھتے ہوئے) والہانہ محبت ہے۔ ہندوستان کو بہشتِ ارضی کا درجہ دیتے ہوئے خسرو نے اس کے دلائل پیش کئے ہیں......

کشورِ ہندست بہشتے بہ زمیں   حجتش اینک برخِ صفحہ ببیں

اپنے اس دعوے کو سات دلیلوں سے ثابت کیا ہے۔ (مثنوی نُہ سپہر، ص: ۱۵۱ تا ۱۵۷)

برہمنوں کے علوم سے متعلق کہتے ہیں......

برہمنے ہست کہ در علم و خرد — دفترِ قانونِ ارسطو بدرد

......یعنی برہمن علم و عقل میں اتنا بڑھا ہوا ہے کہ وہ ارسطو جیسے فلسفی کے بنائے ہوئے قانون کی دھجیاں اڑاتا ہے۔

ہندوؤں کے تصورِ توحید اور تصورِ صفاتِ الٰہی پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں......

معترفِ وحدت و ہستی و قدم — قدرتِ ایجادِ ہمہ بعد عدم

(مثنوی نُہ سپہر، ص:۱۶۴)

......یعنی ہندو لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدت کے قائل ہیں اور اسے زندہ اور قدیم سمجھتے ہیں اور عدم کے بعد اس میں ایجاد کی قدرت مانتے ہیں۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کے بہت سے عقائد ملتے جلتے ہیں......

نیست ہنود ارچہ کہ دیں دار چو ما — ہست بسے جائے بہ اقرار چو ما

(حوالہ سابق)

......یعنی اگر چہ ہندو ہم جیسے دیندار نہیں ہیں لیکن ہمارے بہت سے عقائد کا وہ اقرار کرتے ہیں۔

ہندوؤں کی بت پرستی پر طعنہ زنی کے بجائے، امیر خسرو اس جذبہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں جو اس عمل کے پیچھے کارفرما نظر آتا ہے......

ایکہ ز بت طعنہ بہ ہندو بری — ہم ازو آموز پرستش گری

(مثنوی نُہ سپہر، ص:۱۶۴)

......یعنی اے شخص تو ہندو کو بت پرستی کی وجہ سے طعنہ دیتا ہے، تو اس سے عبادت کی لگن کا سبق لے۔

علامہ اقبالؔ امیر خسرو کے مذکورہ بالا شعر کو بیحد پسند کرتے تھے کہ مذہبی رواداری اور بے تعصبی کے جذبات کا بہترین آئینہ دار ہے۔

(تاریخِ مشائخِ چشت، از پروفیسر نظامی مرحوم، ص:۲۹۹)

خواجگانِ چشت کا خصوصاً اور دوسرے سلاسلِ تصوف کے بزرگوں کا عموماً یہ مزاج اور منہاج ہے کہ وہ بادام کے چھلکے پر نظر نہیں رکھتے بلکہ مغز کو دیکھتے ہیں۔ خواجگانِ چشت کے حالات وخیالات سے جو اس سلسلے کی نمایاں خصوصیات اور امتیازی صفات ظاہر ہوتی ہیں، وہ یوں ہیں۔

> ''عشق الٰہی اور سوز و گداز، مرشد کے ساتھ محبت کی غیر معمولی اہمیت، انسان دوستی، خدمتِ خلق، دلنوازی و دلداری، غیر مذاہب کے ساتھ رواداری اور شفقت، حکومت اور بادشاہوں سے بے تعلقی اور ان سے دور رہنا۔''

(خسرو شناسی، ص:۱۱۱، مرتبہ ظ۔انصاری و ابوالفیض سحر۔ مقالہ میکش اکبرآبادی، ناشر: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان نئی دہلی)

مذہبی رواداری کا یہ جذبہ خسرو نے مشائخِ چشت کی تعلیمات سے اخذ کیا تھا۔ ان کی طرزِ فکر کا آئینہ دار حضرت نظام الدین اولیا کا وہ واقعہ ہے جو تذکروں اور تاریخوں میں ملتا ہے۔ ایک دن صبح کے وقت وہ اپنے جماعت خانہ کی چھت پر امیر خسرو کے ساتھ ٹہل رہے تھے، نیچے نظر پڑی تو دیکھا کہ دریا کے کنارے کچھ ہندو بتوں کی پوجا میں مصروف ہیں۔ محبوبِ الٰہی نے ہندوؤں کی محویت، مذہبی شغف اور انہاک کو دیکھ کر امیر خسرو سے بے ساختہ فرمایا......

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے

امیر خسرو حضرت محبوب الٰہی کی زبانِ اقدس سے یہ مصرعہ سن کر بے خود ہوگئے اور فوراً دوسرا مصرعہ یہ کہا......

من قبلہ راست کردم برسمتِ کج کلاہے

حضرت محبوبِ الٰہی کے سرِ مبارک پر اس وقت ٹوپی ٹیڑھی رکھی ہوئی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ امیر خسرو نے اپنے کج کلاہ مرشد ہی کی وجہ سے اپنے قبلہ کو راست کر دکھایا۔ حضرت محبوب الٰہی کے مذکورہ مصرعہ میں مذہبی رواداری کا ایک بے

پایاں سمندر سمٹ آیا ہے۔ اس مصرعہ میں ہندوؤں کی بت پرستی میں محویت کے وصف کا جو اظہار کیا گیا ہے اسے تملق یا خوشامد پر محمول نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ زمانہ مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کے سورج کو نصف النہار پر ضیابار کررہا تھا۔ دراصل یہ مصرعہ خواجگانِ چشت کی اس بنیادی فکر کا آئینہ دار ہے جو ہندوستان کی تہذیب کے جلوۂ صد رنگ سے ہمکنار ہے اور جو گلستانِ ہند میں ہر ''دین'' اور ہر ''قبلہ گاہ'' کے گلہائے رنگ رنگ کو دیکھنے کے لئے تیار ہے۔ ان گلہائے رنگ رنگ میں اختلافِ رنگ و بو کے باوجود زینتِ چمن کا سامان موجود ہے۔ بقول استاد ذوقؔ......

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوقؔ اس جہاں میں ہے زیب اختلاف سے

دورِ حاضر میں حکومتِ ہند کے سیکولر اور جمہوری اقدار کے اعلان کے باوجود قومی یکجہتی اب تک صحیح معنیٰ میں پیدا نہ ہوسکی جس پر آزادی سے لے کر اب تک کی فرقہ وارانہ فسادات کی تاریخ گواہ ہے، جبکہ خواجگانِ چشت نے صدیوں پہلے ہندوستانیوں کو جذباتی و روحانی ہم آہنگی کا سبق دیا اور اس میں وہ مکمل کامیاب ہوئے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ اور امیر خسرو کے مذکورہ بالا واقعہ کو شہنشاہِ ہند نورالدین جہانگیر نے بھی اپنی کتاب تزکِ جہانگیری میں درج کیا ہے۔

''ایک رات میں محفلِ سماع میں موجود تھا اور دہلی کے قوال امیر خسرو کا یہ شعر گا رہے تھے۔ مجھے تلاش تھی کہ یہ شعر کیوں کہا گیا ہے؟ ملا علی احمد مہر کن محفل میں موجود تھے، انھوں نے محبوب الٰہی اور امیر خسرو کا مذکورہ بالا واقعہ سنایا جس سے اس شعر کی تلمیح کا علم ہوا۔ ملا علی احمد مہر کن کی زبان پر جیسے ہی مصرعۂ ثانی کا کلمۂ آخر ''برسمتِ کج کلا ہے'' جاری ہوا، ان کی حالت متغیر ہوگئی اور وہ بیخود ہوکر زمین پر گر پڑے اور اسی وقت ان کا انتقال ہوگیا۔ (تزک جہانگیری، فارسی، جلد:۱، ص:۸۲، مطبع نول کشور، لکھنؤ)

شوہر کی لاش پر بیوی کا ''ستی'' ہونا ہندوؤں کی پرانی رسم تھی جو اسلامی شریعت کے بالکل خلاف ہے۔ امیر خسرو اس رسم کے پیچھے جو قربانی، فداکاری اور وفاداری کا

جذبہ کارفرما ہے، اس کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں......

نئی کم زاں زنِ ہندو در ایں کوئے

کہ خود را زندہ سوزداز پئے شوئے

یعنی وفاداری کے اس کوچہ میں تو اس ہندو عورت سے بھی کم ہے جو اپنے آپ کو شوہر کی لاش پر زندہ جلا دیتی ہے۔ (مثنوی شیرین وخسرو، ص:۳۲)

مثنوی نہ سپہر میں بھی خسرو نے اس خیال کو ظاہر کیا ہے......

زن زپئے مرد بسوزد بہ ہوس — مرد زبہر بت و یا منعم و بس

گرچہ دراسلام روا نیست چنیں — لیک چو بس کارِ بزرگ است ببیں

یعنی عورت مرد کے لئے اپنے آپ کو جلا دیتی ہے، مرد بت کے لئے اپنی قربانی دے دیتا ہے، اگر چہ اسلام میں یہ جائز نہیں ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ بہت بڑا کام ہے۔

خسرو کے ان خیالات و جذبات سے متاثر ہوکر ہندی کے قومی شاعر رام دھاری سنگھ دنکر انھیں اس طرح خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں......

''خسرو کئی وجوہ سے بھارت کے مہاپرشوں میں شمار کئے جانے کے قابل ہیں۔''

(سنسکرتی کے چار ادھیائے ،ص:۳۳۴، مطبوعہ شکتی آفسیٹ پریس،، دہلی ۱۹۹۰ء)

دنکر جی اپنی اسی کتاب میں ہندوؤں کی بت پرستی پر امیر خسرو کا عارفانہ تبصرہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

''مورتی پوجا کی تائید تو بھلا وہ (خسرو) کیسے کرتے لیکن مورتی کی پوجا کرنے والوں میں انھوں نے جو محویت دیکھی، اس کی بھی انھوں نے تعریف ہی کی ہے۔ اس سلسلے میں اُن (خسرو) کا کہنا ہے کہ تیر کا نشانہ بھلے ہی ٹھیک نہ ہو مگر اس کی رفتا کتنی تیز ہے۔'' (حوالہ سابق، ص:۳۳۶)

حضرت محبوب الٰہی نے امیر خسرو کی تحریک پر بسنت کا تہوار منایا۔ یہ تہوار ہندو حضرات قدیم زمانہ سے آج تک مناتے آرہے ہیں۔ خواجہ حسن ثانی نظامی لکھتے ہیں۔

''ہندوؤں نے اپنے معبودوں اور ممدوحوں کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ مسلمانوں کا معبود صرف اللہ ہے لیکن ممدوح اللہ والے بھی ہیں۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے حضرت امیر خسرو کو جو محبت تھی اس سے سب واقف ہیں۔ بسنت کے دن انھوں نے اپنے حضرت (خواجہ نظام الدین اولیاء) کو ان کی بہن کے نہایت ہونہار، نیک اور صالح پوتے کی موت پر رنجیدہ دیکھا تو دل بہلانے کے لئے یہ ترکیب سوچی کہ سرسوں کے پھول لے کر آئے اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے قدموں میں پھول رکھ کر جھومنے اور گنگنانے لگے اور کہا...... عرب یار توری بسنت منائی۔

آج میں بسنت کے موقع پر اپنے صنم کی نذر کرنے کے لئے پھول لے آیا ہوں......

اشک ریز آمد ابر و بہار ساقیا گل بریز و بادہ بیار

یعنی ابر اور بہار آنسو بہاتے آگئے ہیں، اے ساقی تو بھی پھول بکھیر اور شراب لے آ۔

بسنت کے موقع پر ہندوؤں کے ساتھ مشائخ چشت سے عقیدت رکھنے والے مسلمان بسنتی کپڑے پہنتے ہیں یا کم از کم ایک بسنتی رنگ کا رومال اپنے پاس ضرور رکھتے ہیں اور سرسوں کے پھول ہاتھوں میں لئے گاتے بجاتے جلوس کی شکل میں بزرگوں کے مزارات پر جاتے ہیں اور پھول چڑھانے کے بعد وہاں قوالی ہوتی ہے جس میں امیر خسرو کے علاوہ دوسرے شعراء کا کلام بھی پڑھا جاتا ہے۔

(کتاب ''تصوف: رسم اور حقیقت''، ص: ۲۰۱ تا ۲۰۲، از خواجہ حسن ثانی نظامی، دوسرا ایڈیشن: نومبر ۲۰۰۴ء، مطبوعہ پرنٹ سنٹر، دریا گنج، نئی دہلی)

یہ تہوار چشتیہ سلسلے کی خانقاہوں میں عموماً اور اجمیر شریف و دہلی میں خصوصاً منایا جاتا ہے۔ حضرت نیاز بے نیاز بریلویؒ نے بھی بسنت سے متعلق اشعار لکھے ہیں جو اجمیر اور دہلی میں بسنت کے دن گائے جاتے ہیں۔ ان کے اشعار درج ذیل ہیں......

خواجہ معین الدین کے گھر آج دھاتی ہے بسنت
کیا بن بنا او سج سجا مجرے کو آتی ہے بسنت

پھولوں کے گڑوے ہاتھ لے گانا بجانا ساتھ لے
جوبن کے مدھ میں مست ہو ہوراگ گاتی ہے بسنت

چھتیاں امنگ سے بھر رہیں نیناں سے نیناں لڑ رہیں
کس طرزِ معشوقانہ سے جلوہ دکھاتی ہے بسنت

لے سنگ سکھیاں گلبدن رنگِ بسنتی کا برن
کیا ہی خوشی اور عیش کا سامان لاتی ہے بسنت

ناز و ادا سے جھومنا خواجہ کی چوکھٹ چومنا
دیکھو نیازؔ اس رنگ میں کیسی سہاتی ہے بسنت

(دیوان شاہ نیاز، ص: ۹۲ تا ۹۳، باہتمام شبو میاں نیازی، ناشر: نیازیہ اکیڈمی، بریلی)

بہادر شاہ ظفر کی کہی ہوئی بسنت بھی اس موقع پر گائی جاتی ہے۔

بھگتی تحریک کے شعراخصوصاً کبیر اور نانک کے یہاں جو تصورِ عشق ملتا ہے اس پر بھی امیر خسرو کی گہری چھاپ ہے۔

○○

دسواں باب

خواجہ بزرگ اور خلفاءِ سلسلۂ چشتیہ کا دیگر سلاسلِ طریقت پر فیضانِ نظر

(مشتے نمونہ از خروارے)

خواجہ بزرگ کا سفر بغداد اور مشائخِ سہروردیہ پر فیضانِ نظر

صاحب سیر العارفین نے مولانا رومی کے خلیفہ شیخ حسام الدین چلپی سے روایت کی ہے کہ حضرت شیخ اوحدالدین کرمانی بغداد میں سلوک کے ابتدائی منازل طے کر رہے تھے۔ حضرت غریب نوازؒ نے آپ کا سلوک طے کرایا اور خرقۂ خلافت سے نوازا۔

(سیر العارفین، فارسی، ص:٦)

اس سلسلے میں مولانا جامی کی نفحات الانس فارسی (ص: ۳۰۵ تا ۳۰٦) بھی مستند ماخذ ہے۔ صاحبِ مرآۃ الاسرار نے لکھا ہے کہ ”شیخ اوحدالدین کرمانی شیخ رکن الدین نجاشی کے مرید تھے اور وہ شیخ قطب الدین ابہری کے اور وہ شیخ ابونجیب سہروردی کے۔“

(اردو ترجمہ ”مرآۃ الاسرار“، ص:۷۱۳)

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے غوث پاک عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کا فیضِ صحبت پایا۔ ان کے وصال کے بعد شیخ شہاب الدین سہروردی حضور غریب نواز کے فیضانِ صحبت سے مستفیض ہوئے اور درجۂ کمال کو پہنچے۔“ (سیر العارفین، فارسی، ص:٦)

حقیقت یہ ہے کہ غریب نواز ہندوستان تشریف لانے سے قبل بلادِ اسلامیہ

کے سفر میں مشغول رہے اور سلاسلِ طریقت کے طالبین کو درجۂ کمال تک پہنچاتے رہے۔ یہی معاملہ حضرت جلال الدین تبریزی کا ہے۔ وہ سات سال تک شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں رہے پھر شیخ ابوسعید تبریزی کے مرید ہوئے۔ جب شیخ کا انتقال ہوا تو حضرت خواجہ بزرگ ؒ(حضور غریب نوازؒ) اور قطب الاقطاب کی خدمت میں رہ کر منزلیں طے کیں اور بدستِ قطب الاقطاب خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ آپ نے بنگال میں سلسلۂ چشتیہ کو پھیلایا۔ سنِ وصال ۶۲۲ھ ہے۔ (تذکرۂ اولیائے پاک و ہند، کلاں، ص: ۷۱ تا ۷۳، از مرزا محمد اختر دہلوی) اے۔ بی۔ ایم حبیب اللہ نے آپ کو غریب نواز کے فیض یافتہ اصحاب میں سے لکھا ہے۔ (The Foundation Of Muslim Rule In India, P.306 Central Book Depot, Allahabad,1967) اسی طرح حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیانِ جہاں گشت سہروردیؒ کو حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی نے مشائخ چشت کا خرقۂ خلافت عطا کیا۔ (بزم صوفیہ، ص: ۴۸۵، اردو ترجمہ سفینۃ الاولیاء، ص: ۱۵۴، سیر العارفین، فارسی، ص: ۱۵۷)

مشائخِ نقشبندیہ پر غریب نوازؒ اور ان کے سلسلے کے خلفاء کا فیضانِ نظر

حضرت شیخ بدر الدین سرہندیؒ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے خلیفہ ہیں۔ ان کی لکھی ہوئی کتاب حضرات القدس مشائخ نقشبندیہ مجددیہ کا مستند ماخذ ہے۔ وہ اپنے شیخ مجدد الف ثانی کے متعلق لکھتے ہیں "ایک دن اجمیر شریف میں آپ قطب الاقطاب حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ کے مزار اقدس کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے اور بہت دیر تک اس بدر الاولیاء (یعنی غریب نوازؒ) کی خدمت میں مراقب رہے۔ جب باہر نکلے تو اپنے قریب والوں سے فرمایا کہ حضرت خواجہ نے بہت

لطف و کرم فرمایا اور اپنی خاص برکات سے ضیافت فرمائی اور اسرار و رموز (معرفت الٰہی سے متعلق) بھی بیان فرمائے۔ پھر لشکر کی رفاقت سے خلاصی کے لئے جو لوگ میرے لئے کوشش کر رہے تھے اس سے منع فرمایا اور اسے اللہ تعالیٰ کی رضا پر چھوڑ دینے کا حکم فرمایا۔ پھر وہاں کے خدام نے حضرت خواجہ کے مزار کی چادر شریف انھیں عطا کی۔ آپ نے پورے ادب و تعظیم کے ساتھ اسے قبول کیا اور اسے اپنے کفن میں رکھنے کی وصیت کی۔

(اردو ترجمہ حضرات القدس، جلد: ۲، ص: ۸۹ تا ۹۰، مقامات حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ مولفہ شیخ بدر الدین سرہندی ترجمہ و حواشی از ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں سابق صدر شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی، پاکستان، ناشر: دانش پبلشنگ کمپنی، دریا گنج، نئی دہلی، ۱۹۹۹ء)

یہ واقعہ دلالت کرتا ہے کہ اُس دور میں بھی خدام حضرات کو اختیارِ کلی حاصل تھا کہ جسے چاہیں مزارِ مبارک کی چادر شریف عطا کر دیں۔

مذکورہ بالا عبارت میں لشکر کی رفاقت سے خلاصی کا جو ذکر ہے اس سے مراد لشکرِ جہاں گیر بادشاہ ہے۔ اس لشکر میں حضرت مجدد الف ثانی کو قیدی کی حیثیت سے رکھا گیا تھا۔

یہ واقعہ مذکورہ بالا کتاب کے علاوہ حضرت مجدد کے خاص خلیفہ حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی نے بھی اپنی فارسی کتاب ''زبدۃ المقامات'' (ص: ۲۸۴، مطبوعہ کانپور، ۱۳۰۷ھ) میں بیان کیا ہے۔

حضرت شیخ بدر الدین سرہندی مولف کتاب اپنے اوپر غریب نواز کے فیوض و برکات کا واقعہ اس طرح لکھتے ہیں۔

''بادشاہ (شاہ جہاں) کو آخر شعبان میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہٗ کے مزار اقدس کی زیارت کا اتفاق ہوا۔ اس فقیر (مولف کتاب) کو بھی شوق وہاں پہنچنے کا ہوا۔ چنانچہ لشکر سلطانی کے ساتھ میں بھی روانہ ہوا۔ جب اجمیر پہنچا تو مزار اقدس کی زیارت کے لئے گیا۔ وہ ایسا دربار تھا جیسے بادشاہ کا دربار۔ حشمت و عظمت اور شاہانہ جاہ و جلال تھا۔ شاہانہ نوبت بج رہی تھی۔ فوجیوں کی کثرت اور زائرین کے

ہجوم کی وجہ سے (جن میں امراء اور بادشاہ بھی تھے) زیارت مشکل ہوگئی تھی ...... کیونکہ بہت بڑا ہجوم مستقل قصد کرنے میں لگا رہتا ہے کہ کچھ اندر آتے ہیں اور اسی وقت کچھ باہر جانا چاہتے ہیں اور اس طرح کا بیچ بچاؤ ایک دوسرے کی ایذاء رسانی کا موجب بن جاتا ہے۔ ایسی حالت میں بعض لوگ درمیان میں گر پڑتے ہیں اور جان دے دیتے ہیں۔ غرض کہ وہاں کا ہجوم اور جوش و جذبہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔" سنا ہوتا ہے کب دیکھے کے مانند" ہزار کوشش کے بعد گنبد مبارک میں داخلہ اور مزار مبارک میں ہاتھ لگانے کا موقع مل سکا۔ اسی لمحہ خیال گزرا کہ" اے حضرت خواجہ آپ نے اس قدر کثرت کو کیوں پسند فرمایا ہے؟ مجھے یقین ہے کہ اگر آپ نہ چاہتے تو ایسا ہجوم ہرگز نہ ہوتا۔" آپ (غریب نوازؒ) نے فرمایا کہ "ہماری عزت اسلام کی عزت ہے۔" اس کے بعد ایک اور مرتبہ زیارت حاصل ہوگئی اور پوری رات آپ کی مسجد میں جو آپ کے مزار کے سامنے ہے اور سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے، گزارنے کا موقع ملا، اور رات کے آخر میں جب تنہائی ہوئی تو قبہ معلی میں آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا، اور بہت دیر تک بیٹھا پھر وہی خطرہ (خیال) دامن گیر ہوا بلکہ زبان پر یوں جاری ہوا کہ "اے حضرت خواجہ! اس قدر ہجوم اور کثرت آپ کی نسبت میں رکاوٹ تو نہیں بن جاتی۔" آپ (غریب نوازؒ) نے فرمایا کہ "مجھے دیارِ ہندوستاں کا قطب الاقطاب بنایا گیا ہے۔ خلق کی حاجات اور ان کے مقاصد کو پورا کرنا مجھ سے متعلق ہے۔ اس لئے ان لوگوں کا میری طرف رجوع کرنا ناگزیر ہے اور مجھے امر حق کے بجالانے کے بغیر چارہ نہیں اور جمع بین الامرین مجھے میسر ہے۔" اس کے بعد فرمایا کہ وہ نسبت جو خواجہ قطب الدین نے خواجہ محمد باقی باللہ کو دے دی تھے اور جو انھوں نے (خواجہ باقی باللہ نے) تم کو دی ہے وہ نسبت انھوں نے (خواجہ قطب الدین نے) مجھ سے حاصل کی تھی اور وہ نسبت میری ہی ہے، خوب یاد رکھو کہ تم میرے ہو۔"

(اردو ترجمہ حضرات القدس، جلد:۲، ص: ۳۸۸ تا ۳۸۹)

مشائخ نقشبندیہ نے غریب نوازؒ کے سلسلے کے خلفاء سے بھی فیض حاصل کیا

ہے۔ حضرت بدر الدین سرہندیؒ بارگاہ نظام الدین اولیاء میں اپنی حاضری کا ذکر کرتے ہیں۔ "وہاں (اجمیر) سے واپسی پر دہلی آیا اور حضرت سلطان المشائخ نظام الدین قدس سرہٗ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ دیکھا کہ ایک محبوب نازنیں ہیں جو عیش وعشرت کے بستر پر آرام فرما ہیں۔ آپ (محبوب الٰہی) نے فرمایا کہ "معیتِ حبی" جو ہماری نسبت ہے اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ طرفین (دونوں طرف) کی محبت برابر ہو لیکن ہم پر محبوبی غالب ہے۔" اور یہ بھی فرمایا کہ "مشائخ کے فرمانے کے مطابق گوشہ نشین ہو جاؤ اور صبر بڑا اجر رکھتا ہے اور تحمل بڑا تجمل رکھتا ہے۔"

"بعد ازاں بدر الدین سرہندی پانی پت بھی پہنچے اور خواجہ شمس الدین ترک (خلیفہ حضرت مخدوم علاء الدین صابر کلیریؒ) کے مزارِ مبارک پر حاضر ہوئے اور ان کے بے حد الطاف وعنایات سے بہرہ ور ہوئے۔"

(اُردو ترجمہ حضرت القدس، جلد:۲، ص:۳۹۰)

شیخ بدر الدین سرہندی پر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا فیضانِ نظر

شیخ بدر الدین، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ کے مزار اقدس پر حاضر ہوئے اور وہ فیوض و برکات حاصل کرنے کا واقعہ اس طرح لکھتے ہیں۔ "آپ کی قبر سے سراپا شکستگی اور انکساری ظاہر ہوئی۔ میں نے بہت عاجزی کے ساتھ اس کا بوسہ لیا۔ آپ کے روبرو بیٹھ کر متوجہ ہوا۔ حضرت خواجہ (قطب الدین) ایک عربی گھوڑے پر سوار اپنے مزار سے باہر تشریف لائے، اس طرح کہ گھوڑے کا پچھلا نصف حصہ قبر میں تھا اور اگلا نصف حصہ باہر تھا اور آپ نے گھوڑے کو اتنی دور ہی چلایا، پھر فرمایا کہ "وہ نسبت معیت حبی جو خواجہ حضرت محمد باقی (باقی باللہ) نے تم کو دی ہے وہ انھوں نے مجھ سے لی ہے اور یہ نسبت میری نسبت ہے۔ اس کو اچھی طرح محفوظ رکھو اور خود کو

تم میرا سمجھواور کہلاؤ۔" (اردو ترجمہ، حضرت القدس، جلد:۲، ص: ۳۸۷)

حضرت خواجہ باقی باللہ کا حضرت خواجہ قطب الدین سے فیوض و برکات حاصل کرنا

شیخ بدرالدین سرہندیؒ لکھتے ہیں۔ "پھر میں نے خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے حجرے کی بھی زیارت کی جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ کے مزار کے قریب ہے اور جہاں آپ آکر تنہا اپنی راتیں گذارتے تھے اور آدھی رات کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ کے مزار کے سامنے بقیہ رات گزارتے تھے۔

(اردو ترجمہ، حضرات القدس، جلد: ۲، ص: ۳۸۸)

مذکورہ بالا شیخ بدرالدین سرہندی کے بیان سے ظاہر ہے کہ سلسلۂ نقشبندیہ کو جو فروغ ہندوستان میں حاصل ہوا وہ حضرت خواجہ معین الدینؒ اور حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے فیوض و برکات کا نتیجہ ہے۔

شیخ بدرالدین سرہندی خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی کے مزار پر

شیخ بدرالدین لکھتے ہیں۔ "مسجد میں جو لوگ تھے ان سے دریافت کیا کہ یہاں کسی بزرگ کا مزار بھی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہاں خواجہ شمس الدین ترک جو اس مقام کے صاحب ولایت ہیں یہیں مدفون ہیں۔ میں نے کہا ذرا تفصیل بتادیں۔ انھوں نے کہا کہ وہ (حضرت شمس الدین ترک) حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہٗ کے (سلسلہ کے) خلیفہ ہیں۔ جب خواجہ صاحب (حضور غریب نوازؒ) نے حکم الٰہی سے ملک ہندوستان کی تقسیم اولیاء پر کی تو پانی پت کو خواجہ شمس الدین ترک کے حوالے کیا گیا اور خواجہ شمس الدین اپنے پیر دستگیر (مخدوم صابر کلیری قدس سرہٗ) کے حکم سے یہاں تشریف لائے۔ یہ بات سن کر جو کشف صحیح و صریح کے مطابق تھی حضرت خواجہ شمس

الدین کے مزار اقدس کے حجرے میں حاضر ہوا۔ وہاں پہنچتے ہی اس بزرگوار کے انوار ہوئے اور میرے تمام بدن کو متاثر کیا اور ان کے انوار کے آثار سے اس مسکین کا ظاہر و باطن منور ہو گیا اور سردی و فرحت جو آرام و جمعیت کے لوازم میں سے ہے، ظاہر ہوئی۔ میں نے قبر کو بوسہ دیا اور نہایت انکساری کے ساتھ آپ کے رو برو بیٹھ گیا اور ذکر میں مشغول ہو گیا۔ اس دریائے بے پایاں سے بے حد کرم مشاہدہ کیا اور آپ نے اپنی نسبت خاصہ سے جو سراسر بیچونی رکھتی تھی اس حقیر کو مستفیض فرمایا پھر رخصت فرمایا۔"

(اردو ترجمہ، حضرات القدس، جلد:۲، ص:۳۸۶)

خاندان ولی اللہ اور مشائخ چشت کا فیضانِ نظر

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حضرت امیر ابو العلیٰ اکبر آبادی نقشبندی کا ذکر بڑے احترام سے کرتے ہیں۔ اس کتاب کے حاضریوں کے باب میں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے بھی سید امیر ابو العلیٰ پر غریب نوازؒ کے فیضانِ نظر کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے۔

(اردو ترجمہ، انفاس العارفین، ص: ۶۸ تا ۶۹، از سید محمد فاروق القادری،
ناشر اسپریچول پبلی کیشنز، دریا گنج، نئی دہلی، ۲۰۰۶ء)

شاہ ولی اللہ اور ان کے والد گرامی شاہ عبد الرحیم کو دوسرے سلاسل طریقت میں اجازت و خلافت حاصل کی ہوئی تھی (شفاء العلیل اردو ترجمہ قول الجمیل از مولوی خرم علی، ص:۱۹۱ تا ۲۰۱، فرید بک ڈپو، دہلی) مگر ان پر خاندانِ نقشبندیہ کا بڑا غلبہ تھا اور وہ حضرت خواجہ باقی باللہ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ خواجہ باقی باللہ کو خواجگانِ چشت سے جو فیوض و برکات حاصل ہوئے ان کا ذکر مندرجہ بالا سطور میں کیا جا چکا ہے۔ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں۔ ''واضح ہو کہ حضرت والد ماجد (شاہ عبد الرحیم) طریقۂ نقشبندیہ کی مختلف شاخوں میں سے حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کی شاخ کو اس قدر پسند کرتے تھے اور اس کے ساتھ ایسی رغبت رکھتے تھے کہ دوسری شاخوں میں سے کسی کے ساتھ ایسی رغبت

نہ تھی۔ آپ کی تمام تعلیم وتربیت اور ارشاد و ہدایت اسی شعبے کے ذریعے تکمیل کو پہنچی۔"

(اردو ترجمہ، انفاس العارفین، ص: ۶۴)

دراصل اس رغبت کی وجہ خواجگانِ چشت سے فیوض و برکات کا حصول ہے۔ اس غلبہ کے باوجود حضرت شاہ عبد الرحیم نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی روح سے فیض پایا۔ شاہ ولی اللہ اپنے والد کے بارے میں لکھتے ہیں۔ "اور ان کو (غریب نوازؒ کو) خواب میں دیکھا اور ان سے اجازت لی اور ہر بزرگ کی نسبت ان سے علیحدہ علیحدہ دریافت کیا جس کا فیض ہوا، ان حضرات کی طرف سے ان کے دل پر۔"

(شفاء العلیل، ص: ۲۰۳)

اسی کتاب میں شاہ ولی اللہ حضرت نظام الدین محبوبِ الٰہی علیہ الرحمۃ کے بارے میں لکھتے ہیں۔ "ہر چند اولیاء جمع ہے ولی کی لیکن حضرت نظام الدین کا اس واسطے لقب ہوا گویا کہ ایک ولی اولیائے کثیر کے مانند ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ابراہیم علیہ السلام کو امت فرمایا اور اس کی مثالیں بہت ہیں جیسے عبید اللہ کا لقب احرار اور کعب کا احبار۔"

(حوالہ سابق، ص: ۲۰۲)

شاہ ولی اللہ نے اس کتاب کی پانچویں فصل میں مشائخ چشت کے اشغال کا ذکر کیا ہے۔ غریب نوازؒ کا ذکر کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ کے فرزند رشید شاہ عبد العزیز نے "فائدہ" میں لکھا ہے۔ "حضرت خواجہ معین الدین چشتی اس امت کے عمدہ اولیاء میں ہیں۔ ان کے ہاتھ پر ہزاروں کفار و ہنود مسلمان ہوئے۔ (حوالہ سابق، ص: ۶۷)

خواجہ اجمیری سے شاہ عبد الرحیم کو خلافت سلسلۂ چشتیہ

شاہ ولی اللہ اپنے والد کے بارے میں لکھتے ہیں۔ "فرمایا کہ حضرت خواجہ معین الدین کو میں نے دیکھا کہ گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک چراغ روشن ہے لیکن اس چراغ کی بتی حرکت کی محتاج تھی تا کہ تازہ ہو کر روشنی پھیلا سکے۔ مجھے انھوں نے اس خدمت پر مامور فرمایا، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد اپنی خاص نسبت مجھے

عنایت فرمائی اور اِس واقعے کی تعبیر بھی اجازتِ طریقہ تھی۔"

(اردو ترجمہ، انفاس العارفین، ص: ۱۰۸)

شاہ عبدالرحیم پر خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا فیضانِ نظر

شاہ عبدالرحیم نے فرمایا: "ایک دفعہ میں ان ہی حضرت خواجہ قطب الدین کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے گیا۔ یکا یک میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میری گنہگار آنکھیں اور وجود اس قابل نہیں کہ اس مقدس بارگاہ میں حاضری دیں۔ اس خیال کے آتے ہی میں مزارِ مبارک سے متصل چبوترے پر رُک گیا۔ اسی دوران آپ کی روحانیت جلوہ گر ہوئی اور مجھے حکم دیا کہ آگے آؤ، میں دو تین قدم آگے بڑھا۔"

(حوالہ سابق، ص:۱۰۹)

اپنے والد شاہ عبدالرحیم کی دوسری بار حاضری کا ذکر اس طرح کیا ہے: "فرمایا کہ ایک دفعہ میں (شاہ عبدالرحیم) حضرت شیخ قطب الدین کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے گیا۔ آپ کی روح مبارک ظاہر ہوئی اور مجھے فرمایا کہ تمہیں ایک فرزند پیدا ہوگا۔ اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا۔ اس وقت میری زوجہ عمر کے اُس حصے کو پہنچ چکی تھیں جس میں اولاد کا پیدا ہونا ناممکن ہوتا ہے۔ میں نے سوچا کہ شاید اس سے مراد بیٹے کا فرزند یعنی پوتا ہے۔ میرے اس وہم پر آپ فوراً مطلع ہو گئے اور فرمایا میرا مقصد یہ نہیں بلکہ یہ فرزند (جس کی بشارت دی گئی ہے) خود تمہاری صلب سے ہوگا۔ کچھ عرصہ بعد دوسرے عقد کا خیال پیدا ہوا اور اسی سے کاتب الحروف فقیر ولی اللہ پیدا ہوا۔ میری پیدائش کے وقت والد ماجد کے ذہن سے یہ واقعہ اتر گیا اس لئے انھوں نے ولی اللہ نام رکھ دیا۔ کچھ عرصہ بعد جب انھیں یہ واقعہ یاد آیا تو انھوں نے میرا دوسرا نام قطب الدین احمد رکھا۔

(حوالہ سابق، ص:۱۱۰)

شاہ عبدالرحیم پر حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ کا فیضانِ نظر

شاہ عبدالرحیم نے فرمایا: ''ایک دفعہ میں نے شیخ نصیر الدین چراغ دہلی قدس سرہٗ کو خواب میں دیکھا کہ وضو فرما رہے ہیں اور نماز کی تیاری میں مشغول ہیں...... نماز کے بعد ارواحِ اولیاء جمع ہوگئیں اور ان کے درمیان گفتگو شروع ہوگئی۔ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی نے مجھے ارشاد فرمایا کہ تم بھی ہماری محفل میں شامل ہو جاؤ۔ میں اس مقدس مجلس میں جانے سے گریز کرنے لگا۔ اس پر آپ نے فرمایا ہماری مجلس عام مجلس کی طرح نہیں ہے۔ چنانچہ میں حاضر ہوگیا۔ اس روحانی محفل میں وجد بھی دیکھا گیا۔

(حوالۂ سابق، ص:۱۱۱)

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں نقشبندی اور مشائخ چشتیہ کے برزخی احوال اور زائرین پر عنایات

کتاب ''مقامات مظہری'' حضرت شاہ غلام علی نقشبندی دہلوی قدس سرہٗ کی تالیف ہے جس میں انھوں نے اپنے پیر و مرشد حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کے مقامات و کمالات درج کیے ہیں۔ اس کتاب کی تحقیق و تعلیق و ترجمہ کے فرائض محمد اقبال مجددی نے انجام دیے ہیں۔ ناشر شاہ ابوالخیر اکیڈمی دہلی ہے۔ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں ''حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اپنے مزار کے زائرین پر بہت عنایت فرماتے ہیں۔ اسی طرح شیخ جلال چشتی صابری پانی پتی (خلیفہ شمس الدین ترک چشتی صابری) بہت التفات کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ قطب الدین کی شہود میں استغراق کی شان بہت عالی ہے۔ حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی ماسوا اللہ کے کسی طرف التفات نہیں کرتے۔ راقم فقیر (شاہ غلام علی) کہتا ہے کہ پانی پت سے روانگی کے وقت فقیر نے آنکھوں کو پاؤں بنالیا اور بڑے ادب کے ساتھ حضرت شمس الدین ترک (کے مزار) کی زیارت کے لئے گیا۔ اس کے باوجود کہ

انھوں نے ترکِ ماسواء اللہ کررکھا ہے، مجھ پر عنایت کی، جس کی کیفیات و توجہاتِ شریفہ سے میرا دل اس قدر محظوظ ہوا کہ دہلی تک میں اس کا اثر محسوس کرتا تھا اور کئی روز تک میں اس کے اثر سے سرشار رہا۔ (اردو ترجمہ، مقاماتِ مظہری، ص:۱۳۴)

مشائخِ قادری پر خواجگانِ چشت کا فیضانِ نظر

داراشکوہ اگر چہ قادری سلسلے کے حضرت میاں میر قادریؒ کے مرید تھے مگر وہ لکھتے ہیں کہ ''میں کئی بار روضۂ منورہ غریب نواز پر حاضری دے آیا ہوں.... اور خدا تعالیٰ نے آپ (غریب نواز) کی دعا کی برکت سے مجھے پیدا فرمایا ہے اور اس فقیر کی ولادت بھی اجمیر میں ہوئی۔ (اردو ترجمہ، سفینۃ الاولیاء، ص:۱۲۹)

جہاں تک سلسلۂ عالیہ قادریہ کا سوال ہے، ہندوستان میں سلسلۂ قادریہ کی بہت کم خانقاہیں ایسی ہوں گی جہاں سلسلۂ چشتیہ کے مراسم اپنے طور پر ادا نہ کئے جاتے ہوں، جن میں ایک خاص رسم محفلِ سماع ہے اور سلسلۂ قادریہ کے بزرگوں میں کچھ ہی بزرگ ایسے ہوں گے جنھیں سلسلۂ چشتیہ کی نسبت حاصل نہ ہو۔

قادری مشائخ پر خواجگانِ چشت کے فیضانِ نظر کا بیّن ثبوت ہے کہ ان کی زیادہ تر خانقاہوں میں محفلِ سماع کا رواج ہے۔

مولوی حسین علی سندیلوی سلسلۂ قادریہ میں شاہ محمد احسن سرہندی کے مرید و مجاز ہیں۔ مزید برآں انھوں نے سلسلۂ چشتیہ میں شاہ خادم صفی صفی پوری سے نسبتِ بیعت حاصل کی۔ (اردو ترجمہ، تذکرۂ علمائے ہند، ص:۱۶۴، از محمد ایوب قادری، شائع کردہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی)

قاضی حمید الدین ناگوری متوفی ۶۰۵ھ شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ کے مرید و خلیفہ ہیں مگر آپ کے مشرب پر وجد و سماع غالب آگیا۔ (اردو ترجمہ تذکرۂ علمائے ہند، ص:۱۷۰) اور یہ خواجگانِ چشت کا فیضانِ نظر ہے۔

مولوی رحمان علی صاحب تذکرۂ علمائے ہند کو چاروں خاندانوں میں سلسلۂ چشتیہ

صابریہ کے ساتھ اجازتِ بیعت وخلافت مولانا حافظ حاجی محمد حسین عمری محب اللہی الہ آبادی سے حاصل تھی جیسا کہ خود انھوں نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں درج کیا ہے۔

(حوالہ سابق، ص:۱۹۹ تا ۲۰۱)

مولوی عبید اللہ سندیلوی شاہ عبد الباسط امیٹھوی کے مرید تھے۔ انھیں چشتیہ خاندان میں شاہ قدرت اللہ قدوائی صفی پوری سے اجازت حاصل تھی۔

(حوالۂ سابق، ص:۲۶۵)

شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی پر سلسلۂ عالیہ قادریہ کی نسبت کا بڑا غلبہ تھا۔ پہلے اپنے والد سیف الدین سے بیعت کی، پھر ان کے حکم سے سید موسیٰ گیلانی قادری سے بیعت کی۔ مکہ معظمہ میں اپنے پیر اور استاد شیخ عبد الواہاب متقی سے بیعت کی۔ شیخ عبدالوہاب متقی، شیخ علی متقی کے شاگرد، مرید اور خلیفہ تھے۔ شیخ علی متقی نے بچپن میں شاہ باجن چشتی برہان پوری سے بیعت کی تھی۔ شیخ متقی نے جوان ہو کر شیخ باجن چشتی کے بیٹے شیخ عبدالحکیم چشتی سے چشتیہ سلسلے کی خلافت حاصل کی۔ شیخ علی متقی نے حرمین شریفین میں سلسلۂ قادریہ، سلسلۂ شاذلیہ، اور سلسلۂ مدنیہ کی خلافت بھی حاصل کی۔

اس طرح شیخ عبد الوہاب متقی نے شیخ علی متقی سے قادریہ، شاذلیہ، مدنیۃ اور چشتیہ کی خلافت حاصل کی اور انھوں نے اپنے عزیز ترین مرید اور شاگرد شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو مذکورہ بالا چاروں سلسلوں کی نسبت عطا کی۔

(شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص:۴۱، تالیف ڈاکٹر علیم اشرف خاں، ناشر: شیخ عبدالحق محدث اکیڈمی، دریا گنج، نئی دہلی)

اسی بناء پر شیخ عبدالحق کا تعلق سلسلۂ چشتیہ کی نسبت عالیہ سے قائم ہوا۔

حضرت سید عبد الرزاق بانسوی قادری متوفی ۱۱۳۶ھ کو سلسلۂ عالیہ چشتیہ کی خلافت

سید صاحب بانیٔ درسِ نظامیہ ملا نظام الدین فرنگی محلی علیہ الرحمۃ کے پیر و مرشد

ہیں۔ بنیادی طور پر آپ کو سلسلۂ عالیہ قادریہ کی نسبت حاصل تھی۔ موہان کے لوگوں میں سے کسی صاحب نے سلسلۂ چشتیہ میں آپ سے بیعت ہونے کی درخواست کی۔ مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ حضرت تھوڑی دیر سکوت میں رہے پھر فرمایا۔ ''حضرت خواجۂ بزرگ (حضرت معین الدین چشتی) سے روحانی ملاقات ہوئی اور حضرت خواجہ بزرگ نے اپنے سلسلے میں بیعت فرما کر اجازت مرحمت فرمائی۔'' اس شخص کو سلسلۂ چشتیہ میں سید صاحب نے بیعت فرما کر سلسلۂ چشتیہ کا شجرہ عطا کیا۔ اس شجرہ میں سید عبدالرزاق اور غریب نوازؒ کے درمیان کسی دوسرے بزرگ کا واسطہ نہیں ہے۔ یہ شجرہ مناقب رزاقیہ میں درج ہے۔

(کتاب تذکرہ حضرت سید صاحبؒ بانسوی، ص: ۱۰۸،

از مفتی محمد رضا انصاری مرحوم، بحوالہ مناقب رزاقیہ، ص: ۸)

مفتی محمد رضا انصاری مزید لکھتے ہیں۔ ''حضرت سید صاحب بانسوی کو بطریق اویسیت خواجہ بزرگ خواجۂ اجمیریؒ اور مخدوم العالم حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی چشتی صابریؒ سے خلافت اور اجازت حاصل ہوئی۔ مفتی صاحب نے اس ضمن میں سلسلۂ عالیہ چشتیہ صابریہ کا شجرہ درج کیا ہے۔ (حوالہ سابق، ص: ۱۱۰)

مفتی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''حضرت سید صاحب بانسوی کو بطریق اویسیت حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی (متوفی ۷۵۷ھ) سے سلسلۂ چشتیہ نظامیہ میں بیعت و اجازت تھی۔'' (حوالہ سابق، ص: ۱۱۲)

خانوادۂ مارہرہ کے مشائخ پر خواجگانِ چشت کا فیضانِ نظر

میر عبدالواحد بلگرامی علیہ الرحمۃ صاحب کتاب سبع سنابل اپنے وقت کے مشائخ بزرگ میں سے ہیں۔ میرے پیشِ نظر اس وقت سبع سنابل کا اردو ترجمہ ہے جس کا ناشر رضوی کتاب گھر بھیونڈی ضلع تھانہ مہاراشٹر ہے۔ اردو ترجمہ مفتی محمد خلیل خاں برکاتی نے کیا ہے اور اس پر مقدمہ پروفیسر محمد ایوب قادری نے لکھا ہے۔ مقدمے میں پروفیسر

ایوب لکھتے ہیں۔"میر بلگرامی نے تصوف و سلوک کے منازل اس دور کے نامور شیخ طریقت شیخ صفی سائی پوری سے طے کیے۔ مرشد کے انتقال کے بعد ان کے خلیفہ خاص شیخ حسین علیہ الرحمۃ نے میر بلگرامی کی تربیت کی اور خرقۂ خلافت سے سرفراز کیا اور حضرت صفی کے سلسلۂ چشتیہ کے خرقۂ خلافت سے نوازا۔

(اردو ترجمہ، سبع سنابل، مقدمہ، ص:۱۰)

میر بلگرامی پر قادریہ و سہروردیہ سلسلے کی خلافت حاصل ہونے کے باوجود سلسلۂ چشتیہ کی نسبت غالب تھی اور وہ سماع سے بہت زیادہ شغف رکھتے تھے۔ ایوب قادری صاحب نے کتاب سفرات الاتقیا (تالیف ۱۰۴۷ھ) کا حوالہ دیا ہے جس میں میر بلگرامی کے بارے میں لکھا ہے۔"مذہبِ حنفی و مشربِ چشتی داشت۔"

(حوالہ سابق، ص:۱۲)

کتاب سبع سنابل کا ساتواں سنبلہ فوائد متفرقہ سے متعلق ہے جس میں میر بلگرامی نے سلسلۂ عالیہ چشتیہ مینائیہ (یہ سلسلہ شاہ مینا کے واسطے سے میر عبدالواحد بلگرامی تک پہنچا ہے) کے اکابر شیوخ یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے لے کر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی تک سترہ شیوخ کا مختصر ذکر کیا ہے اور اسی پر کتاب کا خاتمہ ہوا ہے۔

(مقدمہ، از محمد ایوب قادری، ص:۴۱)

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے ذکر سے قبل خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ کا والہانہ انداز میں تذکرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں،"حضرت خواجہ معین الحق والدین حسن سنجری نے ستر سال تک رات کو آرام نہ کیا اور نہ پشت زمین سے لگائی۔ ستر سال تک آپ کا وضو سوائے حاجت انسانی کے نہ ٹوٹا۔ آنکھیں عموماً بند رکھتے، نماز کے وقت کھولتے اور شیخ کی نظر جس پر پڑ جاتی ولی اللہ ہو جاتا۔ مزید لکھتے ہیں:"خواجہ معین الدین نے فرمایا کہ میں حرم کعبہ میں مشغول (ذکر) تھا۔ ہاتف نے آواز دی کہ معین الدین! ہم تم سے راضی ہیں۔ ہم نے تمہیں اور تمہارے اہلِ بیت کو بخشا۔" میرے لئے مبارک وقت تھا۔ میں نے عرض کیا۔"الٰہی میری ایک آرزو اور بھی ہے۔" ندا آئی

طلب کرو کہ ہم بخشیں۔" میں نے عرض کیا کہ خدایا جو شخص معین الدین اور اس کے مریدوں کے مرید ہوں انھیں بھی بخش دے۔" ہاتف نے آواز دی کہ معین الدین جو تمہارا اور تمہارے مریدوں کا مرید ہے قیامت تک ہم نے سب کو بخشا۔" آپ سماع بہت سنتے تھے بلکہ جو شخص آپ کی پاک صحبت میں ہوتا وہ بھی سماع سننے لگتا اور اس کا اہل ہو جاتا۔ (اردو ترجمہ، سبع سنابل، ص:۴۳۵ تا ۴۳۶)

قاضی حمید الدین ناگوری سہروردی علیہ الرحمۃ پر خواجگانِ چشت کا فیضانِ نظر تھا اور اسی بناء پر ان کو سماع سے بڑی رغبت تھی۔ میر بلگرامی نے سبع سنابل میں لکھا ہے کہ انھوں نے (قاضی حمید الدین نے) بغداد جا کر مزامیر کے ساتھ سماع کو رائج کیا۔ جس پر بغداد کے علماءِ وقت نے اعتراض کیا۔ قاضی صاحب کے کہا کہ درد مندوں کے واسطے سماع مع المزامیر جائز ہے۔ علماء نے کہا کہ ہمیں ایسی دلیل درکار ہے جس سے معلوم ہو کہ آپ بھی درد مند ہیں اور آپ کے دل کا ملال بغیر سماع کے شفاء نہیں پا سکتا۔ قاضی صاحب نے کہا کہ مزامیر حاضر کریں۔ قاضی صاحب کے ایک مرید کے گھر میں بہتّر (۷۲) بانسریاں اور ساز تھے۔ سب موجود کئے گئے۔ قاضی صاحب نے مزامیر سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اے مزامیر اگر ہمارا دردِ دل بغیر تمہاری آواز کے ٹھیک نہیں ہوتا تو بغیر سازندہ کے بجنے لگو۔" (پھر کیا تھا) ہر ساز سے آواز آنے لگی اور تمام حاضرین مجلس حتیٰ کہ علما، مفتی صاحبان اور قاضی صاحبان پر حالت طاری ہو گئی اور سب رقص کرنے لگے۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ آپ تمام صاحبان سماع کو حرام کہتے تھے۔ اب آپ نے سماع کے اسرار دیکھے اور اہلِ درد کے مرض کا معائنہ کیا۔ چنانچہ تمام علماء و مفتیانِ کرام نے تحریری فتویٰ دیا کہ مباح لاھلہ یعنی سماع اہل سماع کے لئے حلال ہے اور اس پر دستخط کر دئے۔ غرض کہ اس واقعہ میں بھی خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس اللہ روحہٗ کی معرفت کا بیان ہے۔ (اردو ترجمہ، سبع سنابل، ص:۴۴۱)

آج کل خانقاہ مارہرہ کے سجادہ نشین نے اپنے مورثِ اعلیٰ کے برخلاف اپنے مشائخ کی تقریبات اعراس میں محفلِ سماع کے انعقاد کا سلسلہ ختم کر دیا ہے جس پر تعجب

ہے اور تاسف بھی۔ حالانکہ، الولد سرٌ لابیہ کے مطابق ان کا عمل کیا ہونا چاہئے تھا اور کیا ہے؟

پروفیسر ایوب قادری نے یہ بھی لکھا ہے کہ میر بلگرامی کبھی کبھی مارہرہ اور اس کے قرب و جوار کے قصبات میں بھی تشریف لے جاتے تھے۔

(مقدمہ ایوب قادری، ص:۱۳، بحوالۂ بیاض احمدی

از حضرت شاہ آل احمد اچھے میاں مارہروی)

میر بلگرامی کے فرزند رشید میر عبد الجلیل متوفی ۱۰۵۷ھ نے مارہرہ میں مستقل سکونت اختیار کر کے اس قصبہ کو رشد و ہدایت کا مرکز بنا دیا۔ کم و بیش چار سو سال سے خانوادۂ مارہرہ میں سلسلۂ بیعت و ارشاد جاری ہے۔ یہاں کے بھی مشائخ بارگاہِ غریب نواز میں فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے حاضری دیتے رہے ہیں۔ اس خانوادۂ مارہرہ سے خلافت روحانی بدایوں بھی پہنچی اور وہاں قادری خانقاہ قائم ہوئی۔ آج کل وہاں کے سجادہ نشین حضرت سالم میاں قادری ہیں جو اپنے والد مولانا عبد القدیر مفتیِ اعظم حیدر آباد دکن کی طرح اجمیر شریف حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ اس خانوادۂ عالیہ کا تعارف بدایوں کے مشائخ قادریہ کے واسطے سے فاضل بریلوی احمد رضا خاں اور ان کے والد مولانا نقی علی خاں کو ہوا تو وہ بھی اس خانوادہ کے سلسلۂ بیعت میں داخل ہو گئے۔ انھیں قادری سلسلے کے علاوہ میر عبد الواحد بلگرامی کی نسبتِ چشتیہ بھی پہنچی ہے۔ فاضل بریلوی چشتیہ نسبت کے علم بردار میر عبد الواحد چشتی بلگرامی کے وطن بلگرام کو یوں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں......

اللہ اللہ عز و شان و احترامِ بلگرام عبد واحد کے سبب جنت ہے نامِ بلگرام

شرف المکان بالمکین کے مصداق بلگرام کو جو عظمت ملی وہ میر عبد الواحد کی وجہ ہے اور انھیں جو عزت ملی وہ نسبتِ چشتیہ کے سبب سے۔ فاضل بریلوی نے بارگاہ غریب نوازؒ کے ایک خادم صاحبزادہ مولوی سید غلام علی علیہ الرحمۃ کو سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں بیعت فرما کر خرقۂ خلافت اور شجرۂ خاندانِ چشتیہ عطا کیا۔ فاضل بریلوی کے

صاحبزادگان (مولانا حامد رضا خاںؒ اور مولانا مصطفیٰ رضا خاںؒ) یہاں آتے رہے ہیں اور خانقاہِ رضویہ بریلی سے وابستہ مریدین، معتقدین اور متوسلین کثرت سے بارگاہِ غریب نوازؒ میں برابر حاضری دیتے رہے اور دے رہے ہیں۔ ہر چند کہ خانقاہِ رضویہ اور اس کے بانی فاضل بریلوی پر قادریت کا غلبہ ہے مگر نائب النبی فی الہند عطائے رسول سلطان الہند خواجۂ خواجگاں حضرت معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں حاضری کے بغیر کوئی چارہ نہیں، کیونکہ آپ کو نبی آخرالزماں حضرت محمدؐ نے قیامت تک کے لئے سلطان الہند بنا کر بھیجا ہے۔ اس لئے بقول فیض......

کام اب کوئی نہ آئے گا یہاں دل کے سوا
راستے بند ہیں سب کوچۂ قاتل کے سوا

یہاں سلطان الہند سے مراد موجودہ تقسیم شدہ ہندوستان نہیں بلکہ غریب نوازؒ کے دور کا پورا برِّصغیر ہے، یعنی آپ برِّصغیر کے تاجدار بن کر آئے۔

خانقاہِ برکاتیہ مارہرہ (جو فاضل بریلوی کا پیر خانہ ہے) سے ۲۰۰۸ء میں ایک جریدہ ''اہلِ سنت کی آواز'' خصوصی شمارہ گوشۂ خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہٗ شائع ہوا۔ اس کا اداریہ عزیزی سید نجیب حیدر قادری نے لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ ''سلسلۂ چشتیہ سے خانقاہِ برکاتیہ (مارہرہ) کا امتیازی تعلق ہے اور وہ یہ ہے کہ ساداتِ مارہرہ و بلگرام کے جدِّ اعلیٰ حضرت میر سید محمد صاحب الدعوۃ الصغریٰ رضی اللہ عنہٗ کو براہِ راست حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ خلیفۂ اعظم حضرت سلطان الہند سے شرفِ بیعت و خلافت حاصل ہے۔ سلسلۂ چشتیہ خانوادۂ برکات کی قدیم میراث ہے۔'' (اداریہ، ص:۷)

پروفیسر نظامی نے بھی تاریخِ مشائخِ چشت، ص:۱۵۴، بحوالہ مآثرالکرام، ص:۱۱، مصنفہ آزاد بلگرامی، میر سید محمد صغریٰ کو خواجہ قطب الدین کا خلیفہ لکھا ہے۔

یہاں یہ بھی وضاحت ضروری ہے کہ خانقاہِ مارہرہ پر قادریہ نسبت کب سے اور کیسے غالب ہوئی؟ مذکورہ بالا جریدہ میں اس پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو مولانا اُسید الحق محمد عاصم قادری بدایوں شریف کا مضمون ''خانوادۂ برکاتیہ اور فیضانِ چشت''

''حضرت صاحب البرکات سید شاہ برکت اللہ کو اپنے والد گرامی (سید اویس بلگرامی) کے واسطے سے ابتدائے سلوک میں اسی سلسلۂ چشتیہ کا فیضان پہنچا، گویا یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ خانقاہِ برکاتیہ کی قدیم اولین بنیادیں اسی نسبتِ چشت اہلِ بہشت پر قائم ہیں اور اس نسبتِ چشت کا فیض آج بھی سلسلۂ برکاتیہ میں جاری و ساری ہے۔ شاہ برکت اللہ نے کالپی شریف جاکر سیدنا شاہ فضل اللہ کالپوی سے تمام سلاسل کی اجازت وخلافت حاصل کی۔ مشائخِ کالپی پر نسبتِ قادریت غالب تھی، اس لئے صاحب البرکات نے کالپی سے واپس آکر سلسلۂ قادریہ کا اجراء فرمایا۔ صاحب البرکات کو اپنے والد سیدنا شاہ اویس بلگرامی سے جس آبائی سلسلہ کی اجازت وخلافت حاصل تھی اس کو سلسلۂ قدیمہ کہا جاتا ہے۔ کالپی شریف سے جن سلاسل کی اجازت عطا فرمائی گئی ان کو سلاسلِ جدیدہ کہا جاتا ہے، اور ان سلاسلِ جدیدہ میں بھی سلسلۂ چشتیہ شامل ہے۔ خانوادۂ برکاتیہ کا سلسلۂ قدیمہ ہو یا سلسلۂ جدیدہ دونوں میں خواجۂ خواجگان سلطان الہند غریب نوازؒ کے واسطے سے فیضانِ چشت موجود ہے۔'' (ص: ۵۵۰)

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری نے سلسلۂ قدیمہ چشتیہ اور سلسلۂ جدیدہ چشتیہ کے شجرے بھی درج کئے ہیں۔ سلسلۂ قدیمہ چشتیہ میں میر عبدالواحد بلگرامی کا نامِ گرامی اور سلسلۂ جدیدہ چشتیہ شاہ فضل اللہ کے واسطے سے شاہ برکت اللہ کو پہنچا ہے۔ دونوں شجرے سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کی نسبتِ عالیہ پر مشتمل ہیں۔ مولانا اسید الحق نے یہ بھی لکھا ہے۔ ''خانوادۂ برکاتیہ کے صوفیاء و مشائخ ہمیشہ اپنی اس قدیم نسبتِ چشتیت پر فخر کرتے رہے ہیں اور خانوادے سے جاری ہونے والی اجازتوں اور خلافتوں کے ذریعہ فیضانِ چشت کو عام کرتے رہے ہیں اور آج بھی یہ سلسلہ خیر و برکت جاری ہے۔'' (اہلِ سنت کی آواز، ص: ۵۵۰) سید العلماء شاہ آلِ مصطفٰے علیہ الرحمہ سابق سجادہ نشین خانقاہِ برکاتیہ مارہرہ نے بھی بارگاہِ خواجہ میں منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ مطلع یہ ہے......

تیرے پائے کا کوئی ہم نے نہ پایا خواجہ　　　تو زمیں والوں پہ اللہ کا سایہ خواجہ

(سیرتِ خواجہ غریب نواز از عبدالرحیم قادری، مکتبہ رُحیمیہ، طلاق محل، کانپور، ۲۰۰۹ء)

فاضل بریلوی جب بیت اللہ سے واپس ہوئے تو مولانا برہان الحق جبل پوری نے ان سے بمبئی میں شرف ملاقات حاصل کیا اور جبل پور تشریف لے چلنے کے لئے فاضل بریلوی سے عرض کیا۔ فاضل بریلوی نے کہا کہ فی الحال میرا قصد اجمیر شریف حاضری کا ہے۔

یہ واقعہ کتاب حیات اعلیٰ حضرت میں ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری نے لکھا ہے جس سے فاضل بریلوی کا غریب نواز سے جوشِ عقیدت اور جذبۂ آستاں بوسی کا اظہار ہوتا ہے۔ فاضلِ بریلوی اپنے ملفوظ میں فرماتے ہیں۔ ''حضرت خواجہ کے مزار سے بہت کچھ فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔'' اس سلسلے میں انھوں نے اپنے والد ماجد مولانا علی نقی خاں علیہ الرحمۃ کے شاگرد مولانا برکات احمد بریلوی کے حوالے سے دو چشم دید واقعات بھی بیان کئے ہیں جن سے غریب نواز کے غیر معمولی فیوض و برکات پر روشنی پڑتی ہے۔ (الملفوظ، حصہ سوم، ص:۴۴، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی) فاضل بریلوی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے۔ ''حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہٗ ضرور دستگیر ہیں اور حضرت سلطان الہند معین الحق والدین ضرور غریب نواز۔'' (فتاویٰ رضویہ، ص: ۴۳، جلد یازدہم، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی) جہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں ان مقامات میں سے غریب نواز کے مرقدِ مبارک کو ایک اہم مقام بتایا ہے۔

(احسن الوعا مع شرحہٗ ذیل المدعا، ص:۵۹، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

فاضل بریلوی حضرت نظام الدین اولیاء رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک پر بھی حاضر ہوئے ہیں اور حضرت محبوب الٰہی کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے۔

(حوالۂ سابق، ص:۶۰ تا ۶۱)

خانقاہ مارہرہ کے علاوہ اور بھی بہت سے سلسلۂ قادریہ کی نسبت رکھنے والے علماء و مشائخ ہیں جنھیں نسبتِ چشتیہ حاصل ہوئی ہے۔

اس سلسلے میں حضرت مولانا شاہ نیاز احمد بریلوی علیہ الرحمۃ کا نام بھی لیا جا سکتا

ہے۔آپ کی بیعت سلسلۂ عالیہ قادریہ میں حضرت سید عبد اللہ بغدادی علیہ الرحمۃ سے ہوئی اور آپ کو سلسلۂ قادریہ کا خرقۂ خلافت عطا ہوا۔اپنے استادگرامی حضرت مولانا فخر الدین محب النبی محدث دہلوی سے نسبت چشتیہ حاصل ہوئی اور خرقۂ خلافت چشتیہ سے سرفراز ہوئے۔قادری نسبت کے علمبردار ہونے کے باوجود آپ نے بارگاہ غریب نواز میں جو منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا ہے وہ زبان زدِ خلائق ہے......

خواجۂ خواجگاں معین الدین   فخرِ کون و مکاں معین الدین
مظہرِ جلوہ گاہِ نورِ قدم   آفتابِ جہاں معین الدین
خواجۂ لامکاں و قدس مقام   آسماں آستاں معین الدین
قربِ حق اے نیاز گر خواہی   ساز وردِ زباں معین الدین

(دیوان حضرت نیاز بریلوی، ص:۵۹، ناشر: نیازیہ اکیڈمی، بریلی)

مولانا غلام محمد کشتواری المعروف بہ مسکین شاہ

آپ قصبہ کشتوار نواح کشمیر میں پیدا ہوئے۔ کچھ عرصہ قاضی رہے۔قادریہ سلسلہ میں حضرت شاہ کنگال سے بیعت کی پھر نقشبندیہ سلسلے میں حضرت شاہ غلام علی صاحب مجددی سے بیعت کی۔مسئلہ وحدت الوجود پر کچھ اطمینان چاہتے تھے۔ بالآخر شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان ہی کے ہو گئے۔شاہ نیاز احمد نے انھیں جے پور روانہ فرمایا جہاں ہندو اور مسلمان سبھی آپ سے عقیدت رکھنے لگے۔ (تاریخ مشائخ چشت، ص:۵۷۴، از نظامی)

حضرت شیخ فتح محمد غیاث الدین قادری کیرانوی متوفی ۱۱۳۰ھ

آپ خلیفہ قطب الاقطاب سید طٰہٰ قادری کو تانوی کے تھے۔ مرشد کی اجازت سے بیت اللہ گئے۔بعد ادائے حج مدینہ شریف آکر حضرت شیخ یحییٰ مدنیؒ سے بیعت کی۔ اس طرح سلسلۂ چشتیہ کی نسبت اور خلافت حاصل ہوئی۔حضرت یحییٰ مدنی نے سہروردیہ،

نقشبندیہ اور قادریہ سلسلے کی اجازتیں بھی انھیں عطا کیں۔ ایک روز حضرت یحییٰ مدنی نے کہا کہ فتح محمد رسول اللہ فرماتے ہیں کہ تو ہندوستان جا، تجھ سے بہت سے لوگ ہدایت پائیں گے۔ آخر خرقۂ خلافت حاصل کر کے کوتانہ آئے اور ۱۱۰۸ھ میں حسب الحکم حضرت شیخ یحییٰ مدنی قصبہ کیرانہ میں آکر حویلی وخانقاہ وچاہ تعمیر کی۔ آپ دہلی آکر مزار حضرت قطب الدین پر حاضر ہوئے اور وہاں بیٹھ کر مراقبہ کیا۔ قوال یہ بیت گا رہا تھا......

اے دلبر ہندو صنم تجھ بن مسلمانی نہیں
کفرست بے تو زیستن یہ بات پنہانی نہیں

یہ بیت سن کر آپ کو جوش آیا اور سر مراقبہ سے اُٹھا کر بے اختیار رونے لگے۔ حاضرین پر حالت طاری ہوئی۔ مولوی عبد اللہ آپ کا مرید خاص ہمراہ تھا۔ بعد افاقہ اس نے پوچھا کہ یا شیخ! کبھی آپ کی یہ حالت نہیں ہوئی، جیسا کہ آج ہوئی اس میں کیا بھید ہے؟ آپ نے فرمایا کہ افشائے واقعات منع ہیں مگر تم دریافت کرتے ہو۔ میں نے مراقبہ میں دیکھا کہ حضرت قطب الدین تشریف فرما ہیں اور تمام اولیائے دہلی حاضر ہیں۔ آپ بہ شوق تمام سن رہے ہیں، یہ کیفیت دیکھ کر میں بھی بے قرار ہو گیا۔ اس روز سے آپ (شیخ فتح محمدؒ) ہمیشہ دہلی جایا کرتے تھے۔

(تذکرہ اولیائے پاک دھندکلاں، ص:۴۰۰ تا ۴۰۱)

حضرت شاہ معروف چشتی قادری متوفی ۹۸۷ھ

آپ حضرت شیخ فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ کی اولاد میں سے تھے۔ سید مبارک گیلانی بن سید محمد غوث حلبی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ اپنے والد گرامی سے طریقۂ عالیہ چشتیہ میں مقامات سلوک طے کئے۔ (حوالہ سابق، ص:۴۵۲)

حضرت شیخ محمد حسن قادری جون پوری متوفی ۹۴۴ھ

آپ حج کو گئے وہاں خاندانِ قادریہ میں شیخ عبد الوہاب کے مرید ہوئے۔

آپ اپنے والد شیخ حسنؒ سے سلسلۂ چشتیہ میں مرید تھے اور بزرگانِ چشتیہ سے بھی فیض حاصل کیا تھا۔ (حوالہ سابق، ص: ۳۵۷)

حضرت شیخ حسین قادری متوفی ۱۰۱۳ھ

آپ سلسلۂ قادریہ میں شیخ عبدالوہاب کے مرید تھے اور خاندانِ چشتیہ سے بھی فیض یافتہ تھے۔ (حوالہ سابق، ص: ۳۶۱)

اخبار الاخیار میں بھی آپ کا ذکر ہے۔ (اردو ترجمہ اخبار الاخیار، ص: ۵۶۲) شاہ عبدالحق نے آپ کا سنِ وفات ۱۰۰۵ھ لکھا ہے۔

حضرت شاہ سلیمان قادری متوفی ۱۰۶۵ھ

آپ نے خدمت شاہ معروف میں جاضر ہوکر سلسلۂ قادریہ کے سلوک کی تکمیل کر کے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ آپ کو سماع میں بہت وجد ہوتا تھا۔ یہ چاشنی عشق چشتیہ کی تھی۔ آپ شاہ معروف چشتی قادری کے سجادہ نشین ہوئے۔ (حوالہ سابق، ص: ۳۷۷)

حضرت قطب ابدال میر سید طٰہٰ قطب الدین کو تانوی قادری متوفی ۱۰۸۴ھ

آپ سلسلۂ قادریہ میں اپنے والد میر سید محمود بخاری شہید کو تانوی کے خلیفہ اور سجادہ نشین تھے۔ آپ حضرت شیخ عاشق بن فرخ شاہ بن قطب شاہ بن شیخ نظام الدین نارنولی سے کہ خلیفہ خواجہ خانوعلی چشتی نظامی کے تھے، نارنول ملنے گئے۔ شیخ عاشق نے دعوت کی اور قسم قسم کے کھانے آپ کے روبرو رکھے۔ سید صاحب نے کہا کہ مجھ کو دوسرا کھانا درکار ہے۔ تب شیخ نے جانا کہ یہ طالب خدا ہے اور فرمایا کہ یہ کھانا کھا خداوہ بھی عطا کرے گا۔ بعد تناول طعام شیخ نے کہا کہ میرے ہمراہ تالاب پر چل۔ سید صاحب

نے کہا کہ مجھ کو نالہ اور تالاب سے کیا کام ہے مجھ کو تو حرفِ وحدت چاہیے۔ یہ سن کر شیخ عاشق نے فرمایا کہ تمہارا کام تمام ہوا، کوتانہ جاؤ۔ تمہاری ذات سے بہت سے عارف اولیاء ہوں گے پس وہاں سے رخصت ہوکر کوتانہ آئے اور گوشۂ عزلت میں بیٹھ کر فقر و فاقہ اختیار کیا اور ہدایت خلق میں مشغول ہوئے اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ نارنول کا حق میرے ذمہ ہے۔ (کیونکہ سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کا فیضان نارنول میں بواسطۂ شیخ عاشق حاصل ہوا تھا۔) (حوالۂ سابق، ص: ۳۸۳ تا ۳۸۴)

حضرت شیخ عبدالغفور اعظم پوری متوفی ۹۸۵ھ

آپ کو سلسلۂ قادریہ میں شیخ عبدالعزیز سہیلیؒ سے خرقۂ خلافت پہنچا، بعد ازاں خاندانِ چشتیہ صابریہ میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے نعمت پائی اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ (حوالۂ سابق، ص: ۳۹۰) شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی آپ کو شاہ عبدالقدوس گنگوہی کا خلیفہ لکھا ہے۔ (اخبارالاخیار، فارسی، ص: ۲۱۶)

حضرت شاہ محمد غوث لاہوری گیلانی قادری متوفی ۱۲۵۲ھ

اپنے والد سید حسن پشاوری سے آپ نے قادریہ اور نقشبندیہ سلسلے کے علاوہ چشتیہ سلسلے کی خلافت حاصل کی، اور میاں میر لاہوری قادری کی روحانیت سے بھی تربیت پائی۔ (حوالۂ سابق، ص: ۴۰۳)

قاضی سید عبدالکریم رائے بریلوی متوفی ۱۲۴۸ھ

آپ مولوی شاہ عبدالکریم رائے بریلوی سے سلسلۂ نقشبندیہ میں مرید تھے بعد ازاں، مولانا شاہ عبدالرحمن نزیلِ لکھنؤ سے دیگر سلاسل چشتیہ قادریہ، سہروردیہ، اویسیہ اور قلندریہ کی اجازت و خلافت حاصل کی۔ (اردو ترجمہ، تذکرہ علمائے ہند، ص: ۳۲۰ تا ۳۲۱)

مولانا فضل رسول بدایوانی متوفی ۱۲۸۹ھ

آپ بغداد شریف حاضر ہوئے، درگاہ غوثیہ کے سجادہ نشین حضرت سید علیؒ نے خاص طور سے خود اجازت (سلسلۂ قادریہ کی) مرحمت فرمائی۔ سلسلۂ چشتیہ کی خلافت اپنے والد ماجد مولانا شاہ عبدالمجید سے حاصل کی۔ آپ کی خانقاہِ قادری آج بھی بدایوں میں مرجعِ خلائق ہے۔ (حوالہ سابق، ص: ۳۸۰)

شیخ محمد افضل اِلٰہ آبادی متوفی ۱۱۲۴ھ

آپ میر سید محمد علیہ الرحمۃ کی خدمت میں کالپی شریف پہنچے اور ان سے قادریہ، سہروردیہ، مداریہ اور نقشبندیہ سلاسل کے علاوہ سلسلۂ چشتیہ میں بیعت واجازت حاصل کی۔
(حوالہ سابق، ص: ۴۱۷)

شیخ محمد حسن جون پوری متوفی ۹۴۴ھ

آپ کئی سال مدینہ منورہ میں رہے اور مشائخ قادریہ سے بیعت و اجازت حاصل کی۔ قادری نسبت غالب تھی۔ آپ کو اپنے والد گرامی شیخ حسن بن طاہر جونپوری سے سلسلۂ چشتیہ کی نسبت ملی تھی۔ (حوالہ سابق، ص: ۴۲۴ تا ۴۲۵)

مولوی محمد ظاہر رائے بریلوی متوفی ۱۲۷۸ھ

آپ کا مولد و مسکن تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی ہے۔ آپ کو خاندانِ قادریہ و نقشبندیہ مجددیہ کے علاوہ خاندانِ چشتیہ میں خرقۂ خلافت سید احمد رائے بریلوی سے حاصل ہوا، جنہیں علماء دیوبند وندوہ سید احمد شہید کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

خانقاہِ قادری بوندی کے بزرگ حضرت مظفر علی شاہ قادری

آپ کو بھی بغداد شریف سے خلافت ملی تھی۔ بوندی کا راجہ آپ کا بے حد معتقد تھا۔ آپ اور آپ کے موجودہ سجادہ نشین مولانا عبدالغفور چمن قادری حضور غریب نواز کے فیوض و برکات سے بے حد بہرہ مند ہوئے ہیں۔

دوسرے سلاسل کے مشائخ طریقت پر غریب نواز اور ان کے سلسلے کے خلفاء کا فیضانِ نظر بطور مشتے نمونہ از خروارے پیش کیا گیا۔ مزید تفصیلات کے لئے کتاب کا حجم مانع ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ برصغیر میں بیشتر مشائخ سلاسل طریقت پر خواجگانِ چشت کا فیضانِ نظر ہے۔ بقول حافظ شیرازی......

منتِ خاک درش بر بصرے نیست کہ نیست

یعنی کوئی آنکھ ایسی نہیں ہے جس پر اُس (سلسلۂ چشتیہ) کی خاکِ در کا احسان نہ ہو۔

○○

گیارہواں باب

بھکتی تحریک پر
غریب نوازؒ اور ان کے خلفاءِ سلسلہ کے اثرات

ہندوستان کے باشندگان کے ہر شعبۂ حیات پر غریب نوازؒ اور ان کے سلسلے کے خلفاء کے اثرات مرتب ہوئے اور اسلامی عقائد و اعمال کی خوبیاں سلسلۂ چشتیہ کی تعلیمات کے واسطے سے ان کے دل و دماغ میں جاگزیں ہونے لگیں۔

مولانا معین الدین اجمیری نے بھی یہی بات صاحبِ تاریخ فرشتہ کے حوالے سے لکھی ہے۔ ''جو ایمان نہیں لائے وہ بھی دلی محبت رکھنے لگے اور ہمیشہ بیشمار فتوح (نذرانے) حضرت کی خدمت میں بھیجتے تھے۔'' (ثارِ خواجہ، ص ۹۸، مطبوعہ ۱۳۵۷ھ)

سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے ہندوستان پر جو اثرات مرتب ہوئے، سید سلیمان ندوی نے انھیں روحانی فتوحات سے تعبیر کیا ہے اور انھیں بادشاہوں کی مادّی فتوحات' پر بدرجہا ترجیح دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں'' اگر یہ کہنا صحیح ہے کہ ہندوستان کو غزنی اور غوری بادشاہوں نے فتح کیا تو اس سے زیادہ یہ کہنا درست ہے کہ ہندوستان کی روح کو خانوادۂ چشت کے روحانی سلاطین نے فتح کیا۔'' (نقوشِ سلیمانی، ص:۲۶)

یہ انھیں روحانی سلاطین (مشائخِ چشت) کا فیضانِ نظر ہے کہ وہ برادرانِ وطن جو مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے، ان میں بھکتی تحریک کو فروغ ہوا۔ انھوں نے ہندو مذہب (سناتن دھرم) کے عقائد و اعمال پر نظر ثانی کی اور ان میں اس درجہ ترمیم و تنسیخ کی کہ وہ اسلامی عقائد و اعمال سے کافی حد تک قریب آگئے۔ یہاں تک کہ اُنھیں تذکرہ نگاروں

اور مؤرخوں نے مسلمان سمجھ لیا جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ بھکتی تحریک کے ان علمبرداروں میں کبیر اور گرونانک سب سے زیادہ مشہور و مقبول ہیں۔ بھکتی کا ابتدائی تصور دراوڑی تہذیب میں موجود تھا جو جنوبی ہند میں آریوں کی آمد سے پہلے نظر آتا تھا۔ آریوں کی آمد کے بعد جنوبی ہند میں بھکتی تحریک کے علمبردار رامانج آچاریہ ہوئے۔ ان کے شاگردوں میں سے رامانند جی ہوئے جو اسے شمالی ہند تک لائے۔ بھکتی تحریک سے وابستہ سادھوؤں میں ایک دوہا مشہور ہے۔

بھکتی دراوڑ اوپجی - لائے رامانند

پرگٹ کیو کبیر نے - سات دویپ نوکھنڈ

(سنسکرتی کے چار ادھیائے، ص ۲۷۲، از رام دھاری سنگھ دِنکر)

اس دوہے سے ثابت ہوتا ہے کہ بھکتی تحریک دراوڑ لوگوں (جنوبی ہند) میں پیدا ہوئی اور اسے رامانند نے (شمالی ہند میں) آگے بڑھایا اور کبیر نے اسے ہندوستان میں پھیلا دیا۔

کبیر کا تعلق سلسلۂ چشتیہ سے

یہ صحیح ہے کہ کبیر شروع میں رامانند کے چیلے بنے مگر جب ان کے ذوقِ معرفت کی تسکین رامانند سے نہیں ہوئی تو بقول مرزا محمد اختر دہلوی کبیر شیخ بھیکا چشتی علیہ الرحمہ کے مرید ہوئے اور ان سے خلافت بھی حاصل کی۔ بھیکا چشتی کا مزار نواحِ لکھنؤ میں ہے۔ مرزا صاحب نے شہزادہ داراشکوہ کی تصنیف ''حسنات العارفین'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ قیام حضرت (کبیر) کاشی یعنی بنارس میں تھا۔ مرزا صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کے پد (اشعار) سے آپ کا اسلام ظاہر ہے۔ آپ کے صاحبزادے شیخ کمال تھے، جن کا مزار احمد آباد میں ہے۔ کبیر ۱۴۴۰ء میں پیدا ہوئے اور ۱۵۱۸ء میں وفات پاگئے۔ مرزا صاحب نے یہ بھی لکھا ہے ''جو اہلِ ہنود آپ کے سلسلے کے ہیں وہ کبیر پنتھی کہلاتے ہیں، طریق ان کا اذکار و اشغال میں بالکل اہلِ اسلام کے مطابق

ہے مگر الفاظ کا فرق ہے۔" (تذکرۂ اولیائے پاک و ہند کلاں، ص:۲۴۳)

شہزادہ داراشکوہ سے پہلے ایک اور ماخذ بھی قابلِ غور ہے اور وہ کتاب مرأۃ الاسرار مؤلفہ عبدالرحمٰن چشتی علیہ الرحمہ ہے، جس کا زمانۂ تالیف ۱۰۴۵ھ تا ۱۰۶۵ھ ہے۔ اس کتاب میں کبیر کو "حضرت شیخ کبیر ملامتی قدس سرہٗ" لکھ کر حضرت شیخ بھیکا قدس سرہٗ کا تیسرا خلیفہ بتایا ہے۔ (اردو ترجمہ مرأۃ الاسرار، ص:۱۲۳۰ تا ۱۲۳۱)

عبدالرحمٰن چشتی نے حضرت مخدوم شیخ بھیکا کو شیخ جمال گوجرہ کا خلیفہ بتایا ہے۔ شیخ جمال کے لئے لکھا ہے کہ وہ شیخ احمد عبدالحق ردولوی چشتی صابری قدس سرہٗ سے فیض یافتہ تھے اور ان کے ملفوظات میں شیخ جمال کا دوبار ذکر آیا ہے۔

(اردو ترجمہ مرأۃ الاسرار، ص:۱۲۲۹)

صاحبِ مرأۃ الاسرار نے کبیر کے بیٹے 'حضرت شیخ کمال قدس سرہٗ' کا بھی ذکر کیا ہے اور انہیں اپنے والد (کبیر) کا تربیت یافتہ لکھا ہے۔ اُن کا طریقہ بھی ملامتیہ درج کیا ہے، یہ بھی لکھا ہے کہ جب وہ احمد آباد (گجرات) پہنچے تو حضرت شاہ عالم محبوب عالم آپ سے بہت عزت و اکرام سے پیش آئے۔ اُن کا مزار احمد آباد میں ہے۔

(حوالہ سابق، ص۱۲۳۱)

یہ حقیقت ہے کہ کبیر کا کلام مسلم صوفیا کی محفلوں میں بڑے ذوق و شوق سے سنا جاتا ہے اور اس کے مجازی الفاظ کو حقیقی معنٰی میں سمجھا جاتا ہے۔ مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی نے اپنی کتاب "تذکرہ حضرت سید صاحب بانسوی" میں "حق گو" کبیر کے عنوان کے تحت لکھا ہے۔ "حضرت سید صاحب کو اقوالِ کبیر سے خاص دلچسپی تھی۔ اگر کوئی گانے والا آتا تو عموماً اس سے کبیر کا کلام سنانے کی فرمائش کرتے۔ ایک دن گانے والے خدمتِ اقدس میں کبیر کا کلام گا رہے تھے اور کبیر کا یہ قول......

"کبیرا بل وہ مورکھ کے جو ماتی مہجد جائے"

حضرت کو بہت پسند آرہا تھا اور تعریف فرماتے کہ کبیر نے کیا اچھا کہا ہے...... مطلب یہ ہے کہ اس شخص کے قربان ہو جانا چاہئے جو مستی ملحوظ رکھے یعنی شرع محمدی

کے آداب سے غافل نہ ہو اور محبتِ الٰہی کے جذبے میں درجۂ کمال پر پہنچ جانے کے باوجود احاطۂ شریعت سے باہر قدم نہ رکھے۔ سید صاحب کی اس تشریح کے بعد جس شخص نے طنزاً اس قولِ کبیر کا مطلب سید صاحب سے پوچھا تھا، کہا...... "کبیر تھا تو مسلمان مگر اس کے تمام اقوال ہندوؤں کے طرز کے ہیں۔" سید صاحب نے فرمایا۔ "کان محققاً و مدققاً" کبیر حق گو اور نکتہ شناس تھا۔

(تذکرہ سید صاحب بانسوی، ص۲۹۶ تا ۲۹۷، مطبوعہ ۱۹۸۶ء)

یہی واقعہ نواب محمد خاں شاہجہانپوری نے بھی لکھا ہے۔

(ملفوظ رزاقی، ص ۱۲۶، مطبع مجتبائی لکھنؤ ۱۳۱۴ھ)

عصرِ جدید کے ترقی پسند شاعر علی سردار جعفری نے اپنی کتاب "پیغمبرانِ سخن" میں لکھا ہے۔ "کبیر ایک مسلمان صوفی تھے جو ہندو بھگتی کی زبان میں بات کر رہے تھے چونکہ انھوں نے اپنے آپ کو بار بار جولاہا کہا ہے۔ اس لئے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اسلام ترک نہیں کیا تھا مگر ان کی دھج ہندوؤں کی سی تھی۔ ماتھے پر تلک لگاتے تھے اور جسم پر جنیو پہنتے تھے۔" (پیغمبرانِ سخن، ص: ۲۴)

کبیر سے منسوب ایک دوہے میں ان کے عقیدۂ توحید کا پرتو نظر آتا ہے

لا الٰہ کا تانا الا اللہ کا بانا

داس کبیر بٹن کو بیٹھا الجھا سوت پرانا

کبیر کے کلام کو ظاہری معنیٰ پر اسی طرح محمول نہ کیا جائے، جس طرح ہم فارسی کے صوفی شعراء کے کلام کو ظاہری معنیٰ پر محمول نہیں کرتے، جیسے سنائی، عطار، رومی، سعدی، خسرو، حافظ اور جامی کا کلام۔ کبیر کے کلام کو پڑھنے کے بعد ایسا لگتا ہے کہ ان کے افکار کی صورت گری عموماً صوفی شعراء فارسی اور خصوصاً امیر خسرو کی رہینِ منت ہے۔

حافظ محمود خاں شیرانی نے "پنجاب میں اردو ص۲۰۴، طبع دوم لاہور" میں کبیر کے کچھ دوہوں کے مضامین کو فارسی شعراء کے افکار کی صدائے بازگشت بتایا ہے اور اس کی مثالیں دی ہیں۔

یہاں یہ بات واضح ہونا چاہئے کہ ہندوستان کی عوامی زبان میں، جسے اس وقت ہندوی کہا جاتا تھا کبیر کا پیش رو کون ہے۔ بھکتی تحریک کے شعراء میں سنت نام دیو متوفی ۱۳۵۰ء کا نام آتا ہے مگر جو درد و کیفیت اور سوز و گداز کبیر کے یہاں ہے، سنت نام دیو کے یہاں نہیں۔ اس لئے وہ کبیر کے پیش رو نہیں ہیں۔

امیر خسرو بھکتی تحریک کے شعراء کے پیش رو

امیر خسرو سے پہلے تذکروں میں بابا فرید گنج شکر اور بو علی شاہ قلندر کے دوہے ملتے ہیں۔ دوہے کی ایجاد اَپ بھرنش میں ہوئی اور اَپ بھرنش سے دوہے کی روایت ہندوی میں آئی۔ ہندوی کے صوفی شاعروں نے عورت کی زبان میں عورت کے جذبات کی جو ترجمانی کی ہے، وہ خالص ہندی روایت بن گئی۔ امیر خسرو کے کلام کا بنیادی محرک عشق ہے، جسے انھوں نے ہندوی میں دوہے لکھ کر واضح کیا ہے اور اپنی فارسی شاعری میں بھی جذبۂ عشق کا اظہار کیا ہے۔ ہندوی دوہوں میں انھوں نے عورت کو عاشق اور مرد کو معشوق قرار دے کر ہندوی روایت کو آگے بڑھایا ہے، یہی صورتِ حال کبیر کے یہاں ہے۔

باب "خواجگانِ چشت کا تصور عشق امیر خسرو کے کلام کی روشنی میں" یہ بات پیش کی گئی ہے۔ کبیر کہتے ہیں......

پوتھی پڑھی پڑھی جگ موا پنڈت بھیا نہ کوئے
ڈھائی اکشر پریم کا، پڑھے سو پنڈت ہوئے

(سنسکرتی کے چار ادھیائے، ص:۴۳۷)

یعنی کتابیں پڑھتے پڑھتے زمانہ مرا جاتا ہے مگر عالم کوئی نہیں بنتا، محبت کے ڈھائی حروف پڑھے تو عالم بنے۔ لفظِ پریم میں حرف را آدھا آتا ہے، اس لئے کبیر نے ڈھائی حرف کہہ کر کمالِ بلاغت کا ثبوت دیا ہے۔ یہی بات مولانا رومی نے مثنوی میں کہی ہے......

صد کتاب وصد ورق در نار کن

روئے دل را جانبِ دلدار کن

کبیر کے علاوہ بھگتی تحریک کی شاعرہ میرا بائی کے یہاں بھی جو تصورِ عشق ہے، وہ بھی نقشِ خسرو کا عکس ہے۔ مثلاً میرا بائی کہتی ہیں......

درد کی ماری بن بن ڈولوں وید ملا نہ کوئے

میرا کا درد جب ہی مٹے گا وید سنوریا ہوئے

اسی بات کو امیر خسرو پہلے کہہ گئے ہیں......

اے طبیب از ما گذر درمانِ درد ما مجوئے

تا کند جانانِ ما از لطف خود درمانِ ما

یعنی اے طبیب ہم کو اپنے حال پر چھوڑ دے، میرے درد کا علاج اس وقت تک مت ڈھونڈ، جب تک میرا معشوق اپنی مہربانی سے خود میرا علاج نہ کرے۔

خواجگانِ چشت کے ترجمان امیر خسرو سے بھگتی تحریک کے شعراء نے تصور عشق اخذ کیا اور اسے دھرم (مذہب) کا جوہر سمجھا۔ رومی بھی عشق کو تمام مذہبوں سے جدا اور بالا سمجھتے ہیں......

مذہب عشق از ہمہ مذہب جداست

عاشقاں را مذہب وملت خداست

رومی کے پیش رو عطار بھی یہی کہتے ہیں......

عشق بالائے کفر و دیں دیدم

بے نشاں از شک و یقیں دیدم

کبیر ہندو اور مسلمانوں کی ظاہری عبادت سے جو گریز کرتے ہیں تو ان کے پیشِ نظر امیر خسرو کی ''مسلمانی'' سے بے نیازی اور ''زنار'' سے بے رغبتی ہے اور پھر عشق پر اکتفا کرنا خواجگانِ چشت کے تصورِ عشق کی توسیع ہے، جس نے ہندوستان کے ذہن ضمیر اور وجدان وخمیر (جس کی روح بھگتی اور حسنِ اعتقاد کے مظاہر سے نمایاں ہوتی رہ

ہے) کو معراجِ معرفت عطا کی ہے۔ امیر خسرو کبیر کے پیش رو ہیں، انھوں نے فارسی کی صوفیانہ شعری روایات کو ہندوستان میں پھیلانا چاہا تو یہ کہنا ضروری سمجھا......

کافرِ عشقم مسلمانی مرا در کار نیست

ہر رگ من تار گشتہ حاجت زنار نیست

مختصر یہ کہ کبیر نے ہندو مذہب (سناتن دھرم) کے بنیادی عقائد سے انحراف کیا اور علمی و عملی سطح پر بت پرستی، تناسخ، ذات پات، رسوم و روایات، نسل و وطن اور اعلیٰ و ادنیٰ کے تفریق کے خلاف بغاوت کر کے انھوں نے اپنی انفرادیت کا ثبوت فراہم کیا۔ شیخ بھیکا چشتی سے خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے بعد وہ سلسلۂ چشتیہ کے علم بردار بن گئے۔ ہوسکتا ہے کہ ان حوالوں کے باوجود راسخ العقیدہ علماء انھیں مسلمان نہ سمجھیں اور جب انھیں مسلمان ہی نہ سمجھیں تو چشتی ہونے کا سوال کیسا؟ حالانکہ حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادی کا قول یہ ہے کہ کہ ہندو حضرات اگر سلسلۂ چشتیہ میں داخل ہونا چاہیں تو انھیں داخل کرلیا جائے اور انھیں ذکر الٰہی کی تعلیم دی جائے۔ ذکر الٰہی انھیں خود بہ خود دائرہ اسلام میں لے آئے گا ''ذکر بہ خاصیت خود او را بہ ربقۂ اسلام خواہد کشید''۔
(مکتوبات کلیمی، ص: ۷۴)

لیکن اتنا ضرور ماننا پڑے گا کہ شیخ بھیکا چشتی علیہ الرحمۃ سے وابستہ ہو کر وہ ایک انوکھی شخصیت بن گئے اور انھوں نے ہندو مذہب (سناتن دھرم) کے بنیادی عقائد کو خیر باد کہہ دیا اور اپنے لئے بھگتی تحریک میں ایک خاص مسلک و منہاج قائم کیا، جس کی صدائے بازگشت آج بھی سنی جاتی ہے۔ چشتیوں کی محفلِ سماع میں آج بھی کبیر کا کلام ذوق وشوق سے سنا جاتا ہے۔

گرو نانک پر سلسلۂ چشتیہ کا اثر

کبیر کے بعد گرو نانک کا نام اہمیت کا حامل ہے، آپ ۱۴۶۹ء میں پیدا ہوئے اور ۱۵۳۸ء میں وفات پاگئے۔ آپ کی تعلیمات کبیر کے تصورات سے کافی ملتی جلتی

ہیں۔عصر حاضر کے انگریزی زبان کے ممتاز صحافی جناب خوشونت سنگھ نے سعدیہ دہلوی کی انگریزی کتاب کے پیش لفظ میں اعتراف کیا ہے کہ ''مسلم صوفیا (خصوصاً سلسلۂ چشتیہ کے صوفیا) کی تعلیمات کا اثر بھگتی تحریک پر ہوا جو شمالی ہند میں پھیلی۔اس تحریک کے نامور افراد میں کبیر، نام دیو، تکا رام، نانک اور سکھ گرو شامل تھے۔ان افراد کا کلام ''گروگرنتھ صاحب'' میں شامل ہونا، اس بات کی سب سے بڑی شہادت ہے۔''

گرونانک پاک پٹن گئے۔ڈبلیو ارون (W.Irvine) نے بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ'' گرونانک کا تعلق بابا فرید کی اولاد (سجادہ نشینوں) سے قائم ہوا، ان پر سلسلۂ چشتیہ کی تعلیمات اور تصوف کا گہرا اثر ہوا۔'' (Later Mughals Vol.1,P.74)

خشونت سنگھ نے لکھا ہے کہ'' گرونانک پر مسلم صوفیا کی تعلیمات کا اثر ہوا، خصوصاً شیخ فرید کی تعلیمات کا اور بھگتوں کی تعلیمات میں بنیادی طور پر کبیر کا'' (Songs Of The Gurus,Penguin Viking And Ravi Dayal Publisher, India, 2008)

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے لکھا ہے کہ جب بابر ہندوستان آیا تو گرونانک کی خدمت میں عقیدتمندانہ حاضر ہوا۔گرونانک نے اسے ہندوستان کی فتح اور سات پشتوں تک اس کی نسل کی حکمرانی کی دعا دی۔

(تاریخ مشائخ چشت ص ۳۱۴، بحوالہ شمشیر خالصہ از گیانی سنگھ وبابو راجندر سنگھ)

سکھ گرو مشائخ چشت کی تعلیمات (وسیع المشربی، مذہبی رواداری، عقیدۂ توحید، انسان دوستی، اخلاقی بلندی اور سماجی مساوات) سے بیحد متاثر تھے۔اس لئے اکبر اعظم نے گرو امرداس کی بڑی عزت کی ہے۔

(تاریخ مشائخ چشت ص ۳۱۴، بحوالہ Macauliff iii P.28)

مولوی ذکاء اللہ مرحوم نے لکھا ہے'' جب اکبر چتوڑ پر حملہ آور ہوا تو راجہ بھگوان داس کو گرو امرداس کے پاس دعا کے لئے روانہ کیا۔کہتے ہیں کہ اکبر نے خود حاضر ہو کر

ان سے بارہ دیہات قبول کرنے کی درخواست کی تھی۔گرنتھ صاحب پر اکاون اشرفیاں چڑھائی تھیں، گرو ارجن کی سفارش پر پنجاب کا ایک سال کا لگان معاف کردیا تھا۔ امرتسر جس کا قدیم نام گروچاک ہے اکبر ہی نے سکھوں کو دیا تھا۔"

(تاریخ ہند از مولوی ذکاؤاللہ جلد۹،ص۴۹ تا ۵۲)

سرجیمس ڈوئی(Sir James Douie) کا خیال ہے کہ "اکبر سکھوں سے حسن سلوک اس لئے کرتا تھا کہ اس کے مذہبی افکار و عقائد میں توسّع ان گروؤں کے تصورات سے ملتا جلتا تھا۔"(The Punjab P.175) اور اکبر کو یہ تصورات خواجگانِ چشت سے ملے تھے اگر چہ اس کے دینِ الٰہی کی آزادانہ روش سے خواجگانِ چشت اتفاق نہیں کرتے۔ شیخ سراج الدین المعروف بہ اخی سراج حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا کے خلیفہ تھے۔انھوں نے بنگال میں سلسلۂ چشتیہ کی تنظیم کی۔ان کے مشہور ترین خلیفہ شیخ علاء الحق پنڈوی تھے، شیخ علاء الحق کے خلیفہ حضرت نور قطب عالم اور حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی ہوئے۔حضرت نور قطب عالم حضرت علاء الحق کے فرزند رشید تھے۔حضرت نور قطب عالم کے مکتوبات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ان مکتوبات کی تعریف کی ہے۔پروفیسر نظامی حضرت نور قطب عالم کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔"اگر ان مکتوبات حضرت نور قطب عالم میں سے ان کی مذہبی فکر کے بنیادی اصول نکال کر ان کا چیتنیا، روپا، سناتن، جیوا گوسوامی کی تعلیمات سے مقابلہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ مشائخ چشت نے بھکتی تحریک کو کس درجہ متاثر کیا تھا اور وہ کس حد تک بنگال کی ان اصلاحی تحریکوں کے ذمہ دار تھے۔"

(تاریخ مشائخ چشت،ص:۲۰۲)

چیتنیا بھکتی تحریک کے اہم رکنوں میں سے ہیں۔ان کا سنِ پیدائش ۱۴۸۴ء اور سالِ وفات ۱۵۳۳ء ہے، انھوں نے سلسلۂ چشتیہ کی تعلیمات سے متاثر ہوکر ذات پات کی مخالفت اور انسانی برابری و برادری کا درس دیا۔[1]

سرجادوناتھ سرکار کی درج ذیل دو کتابوں میں تفصیلی حالات دیکھے جاسکتے ہیں۔

1.Chaitanya's Life And Teachings, Calcutta 1912

2. Chaitanya's Pilgrimages And Teachings, (Calcutta)

ابتدائی اردو جسے ہندوی کہا جاتا ہے اودھی زبان بھی اس کی ایک شاخ ہے، اس کے بیشتر مسلمان شعراء سلسلۂ چشتیہ سے وابستہ رہے ہیں۔ انھوں نے اودھی زبان میں مثنویاں لکھی ہیں، جن میں عشقیہ داستانوں کو نظم کیا ہے۔ ان کا مرکزی نقطۂ نظر عشقِ مجازی سے لوگوں کو عشقِ حقیقی کی طرف مائل کرنا ہے۔ اردو کے حامیوں نے اس طرف دھیان نہیں دیا جبکہ ہندی والوں نے انھیں اپنایا اور ان کی بیشتر مثنویوں کو شائع کیا ہے۔ ان مسلم صوفی شعراء کو مشہور محقق و نقاد آچاریہ رام چندر شکلا نے بھکتی تحریک کے نرگن پنتھی بھکتوں اور پریم مارگی شعراء میں شامل کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ان کی کتاب ''ہندی ساہتیہ کا اتہاس''، ص: ۹۴ تا ۱۱۳، ناشر: ناگری پرچارنی سبھا، بنارس۔)

ان صوفی شعراء کا بنیادی تصور ''عشق'' ہے۔ انھوں نے عشقِ مجازی کے بنیادی کرداروں کے ذریعہ عشقِ حقیقی کی تعلیم دی ہے۔ ان داستانوں میں خدا معشوق ہے اور سالک عاشق، عاشق کو معشوق کا سراغ لگتا ہے اور وہ اس سے ملنے کے لئے راہِ عشق طے کرتا ہے اگرچہ اسے طرح طرح کے مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑتا ہے لیکن پایانِ کار تمام دشواریاں دور ہو جاتی ہیں اور وہ عشقِ حقیقی کی منزل سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے ملا داؤد کا نام آتا ہے۔ انھوں نے چنداین کے نام سے ۷۷۲ھ میں ایک مثنوی لکھی۔ آپ شیخ زین الدین چشتی کے مرید تھے۔ شیخ قطبن (اصلی نام قطب علی) چشتی شیخ برہان چشتی کے مرید تھے۔ انھوں نے مرگاوتی کے نام سے ایک مثنوی ۱۵۰۱ء میں لکھی۔ صوفی ملک محمد جائسی نے شہرۂ آفاق مثنوی پدماوت ۱۵۳۰ء اور ۱۵۴۰ء کے درمیان لکھی۔ ملک محمد جائسی عشقیہ داستان بیان کرنے والے سب سے اہم شاعر ہیں۔ (جائسی گرنتھاولی مع تشریح از ڈاکٹر شری نواس شرما، ناشر اشوک پرکاشن نئی سڑک دہلی نمبر ۶)

ڈاکٹر شری نواس نے داخلی شہادتوں کے حوالے سے انھیں مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی چشتی نظامی کچھوچھوی کے سلسلے کا مرید بتایا ہے۔ مرزا محمد اختر دہلوی نے تذکرہ اولیائے پاک و ہند کلاں (ص ۲۵۷) میں انھیں چشتی صوفیا میں شمار کیا ہے اور ان کی وفات کا سن ۱۰۴۹ھ لکھا ہے۔ شیخ عثمان چشتی مرید حاجی بابا چشتی نظامی نے چترا ولی کے نام سے مثنوی لکھی۔ اس کا سالِ تخلیق ۱۶۱۳ء ہے۔ نور محمد کی اندراوتی کے نام سے لکھی گئی مثنوی بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس کی تخلیق ۱۷۴۴ء میں ہوئی۔

مختصر یہ کہ بھکتی تحریک کے بھکت شاعروں اور پریم مارگی صوفی شعراء پر خواجگانِ چشت کی گہری چھاپ ہے۔

OO

بارھواں باب

مسئلۂ سماع

سماع کے جواز اور اس کے آداب

سب سے پہلے برصغیر کے عظیم محدث حضرت شیخ شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کے ارشادات پیش کئے جارہے ہیں۔ واضح رہے کہ حضرت عبدالحق محدث دہلوی نہایت ثقہ حنفی ہیں اور سلسلہ قادریہ وسلسلہ نقشبندیہ سے وابستہ ہیں۔ ان ہر دو سلاسل میں سماع رائج نہیں ہے، اس لحاظ سے شاہ صاحب کا سماع کے جواز میں دلائل پیش کرنا خصوصی اہمیت رکھتا ہے اور اس سے چشتیوں کے ذوقِ سماع کو تقویت ملتی ہے۔

ارشاداتِ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سماع کے جواز سے متعلق

''وصل: اب جب کہ قرآن کو خوش آوازی سے پڑھنے کی بات چل نکلی ہے تو اگر مجملاً مسئلہ سماع کا بھی اشارہ کردیا جائے تو بعید نہ ہوگا۔

واضح رہنا چاہئے کہ اس مسئلہ میں قدیم و جدید اور قول و فعل میں بہت اختلاف ہے۔ بعض اباحت پر قائم ہیں اور بعض شک و تردد میں ہیں اور کہتے ہیں کہ نہ ہم اسے کرتے ہیں اور نہ انکار کرتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ سماع کا مشار الیہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے الذین یسمعون القول فیتبعون احسنه ۔ جو بات کو سنتے اور اس پر خوب پیروی کرتے ہیں۔ ارشاد باری ہے۔ واذا سمعوا ما انزل الی

الرّسول ترٰی اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق۔ اور جب سنتے ہیں جو رسول پر نازل ہوا تو دیکھئے کہ عرفان حق سے ان کی آنکھیں ابل پڑتی ہیں۔ عوارف میں کہتے ہیں کہ یہ وہ سماع ہے، جس کی حقانیت پر سب کا اتفاق ہے اور کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔ یہ سماع اپنے رب سے رحمت کے حصول کا موجب ہے البتہ اختلاف، اشعار و قصاید کو بالحان مطربہ موسیقیہ کے سماع میں ہے اور اس میں کثرتِ اقوال اور تبائن احوال ہے بعض اسے ممنوع قرار دیتے ہیں اور فسق و فجور کے ساتھ ملاتے ہیں اور بعض اسے جائز اور اسے حق واضح شمار کرتے ہیں اور دونوں گروہ میں افراط وتفریط ہے (انتہی کلام العوارف)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تین راہیں ہیں۔ ایک مذہب فقہا کا ہے، یہ حضرات اس کا شدت و سختی کے ساتھ انکار کرتے ہیں،۔ اور مسلک تعصب و عناد کی راہ پر گامزن ہیں، اور اس فعل کو ذنوب و کبائر کے ساتھ ملاتے ہیں، اور کفر و زندقہ اور الحاد سے اسے اعتقاد کرتے ہیں، اور یہ افراط و زیادتی ہے اور طریقۂ اعتدال و انصاف سے خروج ہے۔ انہیں اس پر اتنی جرأت نہ کرنی چاہیۓ خصوصاً اختلافی مقامات میں۔ ہاں اس پر علمائے مذہب کے جو حرمت و کراہت پر دلائل ہیں، اسے نقل کیا جاسکتا ہے اور دوسرا مذہب محدثین کا ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس کی حرمت میں حدیث صحیح اور نص صریح کوئی ثابت نہیں ہے بلکہ اس ضمن میں جتنی حدیثیں مروی ہیں وہ یا تو موضوع ہیں یا مطعون اسی طرح آیات قرآنیہ میں ہے اگر چہ بعض مفسرین نے ایسی تفسیریں کی ہیں جو حرمت غنا پر دلالت کرتی ہیں لیکن ان کی تاویلیں اور محمولات اور بھی ہیں، جن کو ان کے سوا دیگر مفسرین و علماء نے بیان کیا ہے لہذا جب حرمت ثابت نہ ہو تو حل واباحت ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد دلیل ہے کہ و احل لکم الطیبات تمہارے لئے طیبات حلال بنائی گئی ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ دلیل قطعی سے نہ ان کی حرمت ثابت ہوتی ہے اور نہ ان کی اباحت، لہٰذا مسئلہ مبنی بر اصل اشیاء میں جو نظریا اباحت ہے قرار پائے گا۔

اور تیسرا مذہب، سادات صوفیائے کرام کا ہے۔ اس مسئلہ میں ان کا مذہب مختلف اور انفعال مجتذب مروی ہیں۔ بعض اجتناب کرتے ہیں اور بعض اس میں شغف رکھتے ہیں اور چاہئے بلکہ ان کا انکار اشد اور ان کا اجتناب وتشدید اقوی ہو، اس لئے کہ ان کا مذہب، عزیمت کو اختیار کرنا اور تمام اوقات و احوال و اقوال و افعال میں احتیاط کرنا ہے لیکن ان میں سے کچھ حضرات شغفِ وشوق، سکرِ محبت، صفحِ حال اور وجد و ہیجان وغیرہ میں اتنے مغلوب ہیں کہ ان کا حکم فریفتہ و دلدادہ اور مدہوشی کا حکم رکھتا ہے اور نغمات کا نفوس میں اثر انداز ہونے میں شک وشبہ نہیں ہے کہ یہ دلوں کو طرب انگیز کرتا ہے اور باطن میں سرایت کرتا ہے۔ اس کا مشاہدہ ظاہر وعیاں ہے، حتیٰ کہ جانوروں میں نادانوں میں اور بچوں میں بھی اس کا اثر دیکھا گیا ہے اور جو ان میں سے متمکن و متحمل اور بساط حکم و آداب پر ثابت قدم رہنے والے ہیں، ان کے نہ قدم ڈگمگائے ہیں اور نہ اہل شوق کی مانند متلون، مترجّج اور غلبہ وجد و عزام سے متشعر ہیں۔

بعض عرفاء فرماتے ہیں کہ سماع ان لوگوں کے لئے ہے جو تجلیات صفات کے اہل اور ارباب وجد میں سے ہیں، جن پر احوال مختلفہ اور صفات متبائنہ کا گزر ہوتا رہتا ہے لیکن جن پر ذات کی تجلی ہوتی ہے، ان کا مقام سب سے بلند وارفع ہے۔

اس جماعت اہل طریقت نے سماع کے آداب وشرائط کی تحقیق کی ہے جو طالب اتباع کے لئے کافی ہیں اور وہ احکام و معارف کے درمیان جامع ہیں، ان کو کتاب ''عوارف'' میں ملاحظہ کرنا چاہئے کیونکہ اس میں ایک باب ردو انکار میں، ایک باب قبول وایثار میں، ایک باب سماع سے ترفع واستغفار میں اور ذکرِ آداب واعتنا میں باندھا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

صاحب کتاب ''الامتاع باحکام السماع'' فرماتے ہیں کہ سماع کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جو عام طور پر رائج ہے اور اسے دلوں کی خوشی، کاموں کی آسانی، بوجھوں کے اٹھانے اور حج کی مسافت کو طے کرنے میں استعمال کرتے ہیں۔ اس میں خانۂ کعبہ اور زمزم شریف کے اوصاف بیان کرتے ہیں۔ رزمیہ اشعار پڑھتے ہیں، جس

میں مقامِ جنگ و جہاد اور اس کی تعریف و توصیف ہوتی ہے، جیسے حداد، نصب وغیرہ یا بچوں کو بہلانے کے لئے عورتوں کا گنگنانا وغیرہ یہ سب مباح ہیں۔ اگر ان میں فواحش و محرمات کا ذکر نہیں ہے بلکہ مندوب و مستحب ہے کیونکہ اعمال مرفوع پر موجب نشاط ہے۔ دوسری قسم وہ ابتحال اور گانا ہے، جسے فنکار فن موسیقی کے تحت گاتے اور اشعار میں گدازگی اختیار کرتے ہیں اور آوازوں میں ایسا اتار چڑھاؤ کرتے ہیں، جس سے نفس میں ہیجان و سرور آتا اور دلوں کو خوشی و مسرت سے گرماتا ہے۔ یہ قسم علماء کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ ایک گروہ مباح رکھتا ہے اور ایک گروہ حرام قرار دیتا ہے اور ایک گروہ مکروہ بتاتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ امام مالک امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہم اللہ سے زیادہ مشہور واضح قول کراہت میں ہے۔ اگر چہ حرام کا اطلاق بھی ہے چنانچہ قاضی ابوالطیب، امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے حرمت کا قول نقل فرماتے ہیں اور شیخ شہاب الدین سہروردی عوارف میں فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ غنا کو ذنوب و معصیت سے شمار کرتے ہیں۔ اسی طرح قاضی ابوالطیب اس کی حرمت، عامر شعبی، سفیان ثوری، حماد نخعی اور فاکہی رحمہم اللہ سے اس سند کے ساتھ جوان کی ہی نقل کرتے ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ سے منقول ہے کہ کسی نے ان سے گانے کے بارے میں مسئلہ پوچھا تو فرمایا یہ اس ہوا کی مانند ہے جو ایک کان سے داخل ہو کر دوسرے کان سے نکل جاتی ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ اس کے اباحت کی جانب اشارہ ہے اور اہل کوفہ، اہل مدینہ اور اہل عراق سے اس کی حرمت نقل کی گئی ہے اور ایک جماعت اس کی اباحت کی طرف گئی ہے۔ اس میں انھوں نے قول کو مطلق رکھا اور مرد، عورت اور لڑکوں کے درمیان تفصیل نہیں کرتے ان سب کو برابری دیتے ہیں لیکن اس میں واقع رہنے اور فتنہ سے محفوظ ہونے کی شرط لگاتے ہیں اور بعض قلیل و کثیر اور مرد و عورت کے درمیان کرتے ہیں اور اباحت کے قائل حضرات کہتے ہیں کہ صحابہ کی جماعت کثیرہ جس میں عشرہ مبشرہ کے بھی کچھ حضرات ہیں اور تابعین و تبع تابعین و اتباع تبع اور دیگر علماء محدثین و علماء دین کا جم غفیر جو صاحبان زہد و تقویٰ اور ارباب علم و عبادت ہیں، ان سب

غنا اور اسکا سماع مروی ہے اور انھوں نے ان سے اس باب میں اتنی روایات و حکایات بیان کی ہیں جو بہت کافی ہیں اور بلا شبہ پتہ چل جاتا ہے کہ اس میں ائمہ دین اور اکابر اہل یقین اختلاف رکھتے ہیں ۔ لیکن عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کا سماع غنا میں مشغول ہونا مستفیض و مشہور ہے اور ان کو جن فقہاء و حفاظ اور ارباب تواریخ نے دیکھا ہے، اسے نقل کیا ہے اور ابن عبد البر ''استیعاب'' میں فرماتے ہیں کہ ان کے سماع میں کوئی قباحت نہیں دیکھتا ہے اور ان کے زمانہ میں ان کے چچا حضرت علی مرتضیٰ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امیر المومنین تھے اور وہ جمیلہ کے گھر جاتے جو بہترین گانے والی تھیں، اس نے قسم کھا رکھی تھی کہ ان کے سوا کسی کے لئے اپنے گھر میں نہیں غنا کروں گی تو وہ ان کے لئے گاتی اور اس نے چاہا کہ اس کے گھر میں آ کر ان کو سنائے اور اپنی قسم کا کفارہ دے دے تو انھوں نے اس سے منع فرما دیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہؓ بن جعفر کے ہمسایہ بتاتے ہیں کہ وہ گاتی تھیں اور ان کے لئے بربط بجائی جاتی تھی ۔

منقول ہے کہ حضرت سعید بن المسیب جو کہ افضل تابعین تھے اور تقویٰ اور پرہیز گاری میں ضرب المثل تھے غنا سنتے اور اس کے سماع سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ اسی طرح حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر اور قاضی شریح رضی اللہ عنہم جلالت شان اور کبر سنی کے باوجود باندیوں سے غنا سنا کرتے تھے اور حضرت سعید بن جبیر جو کہ اعاظم تابعین سے تھے باندیوں سے سنتے تھے جو گاتی اور دف بجاتی تھیں اسی طرح عبد الملک بن جریج جو کہ علماء و حفاظ اور فقہاء عباد میں سے تھے، جن کی عدالت و جلالت پر اجماع ہے وہ غنا کو سنتے اور قواعد موسیقی سے واقف تھے اور ابراہیم بن سعد وہ شخص تھے جو فقہ اور روایت میں امام عصر تھے وہ طلبا کو حدیث اس وقت تک نہ سناتے جب تک کہ انہیں غنا (گانا) نہ سنواتے اور ہارون رشید کی محفل میں غنا کی حلت (حلال) کا فتویٰ دیا۔ ان سے لوگوں نے امام مالک کا احوال دریافت کیا تو فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ یربوع کے قبیلے میں ان کی دعوت تھی اور اس قبیلہ کے لوگوں کے پاس بربط وغیرہ ساز تھے جو گاتے اور اس سے کرتب دکھاتے تھے اور امام مالک کے پاس چوکور دف تھا جسے بجایا

جاتا تھا اور گایا جاتا تھا۔ (واللہ اعلم)۔

صاحب تذکرہ نے حکایت نقل کی ہے کہ لوگوں نے امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری رحمہما اللہ سے غنا (گانا) کا مسئلہ پوچھا تو دونوں نے فرمایا غنا نہ کبائر میں سے ہے نہ صغائر میں سے۔ منقول ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ہمسایہ تھا جو ہمیشہ رات کو اُٹھ کر گاتا بجاتا تھا اور امام اس کے غنا (گانے) پر کان دھرتے تھے۔ ایک رات اس کی آواز نہ سنی تو اس کے گھر والوں سے پوچھا کیا بات ہے آج رات اس کی آواز نہیں آرہی تھی۔ بتایا کہ آج رات وہ باہر نکلا تو سپاہیوں نے پکڑ کر جیل میں ڈال دیا۔ اس کے بعد امام صاحب نے اپنا عمامہ باندھا امیر کے پاس تشریف لے گئے اور اس چھڑانے کی سفارش فرمائی۔ امیر نے پوچھا اس کا نام کیا ہے؟ فرمایا عمرؓ ہے، اس پر امیر نے عمر نام کے تمام قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ امام صاحب نے اس شخص سے فرمایا رات کو تو جو کچھ کرتا ہے کرنا۔ چونکہ امام صاحب کا اس کے غنا (گانا) پر کان رکھنا اور اسے منع نہ فرمانا ان کے نزدیک غنا اور اس کے سماع کے مباح (جائز) ہونے پر دلالت ہے اور اس کے برعکس حکم کو اس غنا پر محمول کرتے ہیں جو فحش کلامی پر مبنی ہے اور یہ آپ کے قول وفعل کی جمع وتطبیق میں ہے۔ حالانکہ اس کی حرمت نہیں پائی جاتی مگر ان کے فعل کے اقتضاء سے نہ کہ ان کے قول کے نص سے۔ جیسا کہ دعوت ولیمہ میں مروی ہے کہ ایک دن امام ابو یوسف کے سامنے غنا کا مسئلہ بیان کیا گیا تو انہوں نے امام صاحب کے پڑوسی کے غنا کا قصہ بیان کیا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ اکثر ہارون رشید کی محفل میں ہوتے تھے اور اس کی مجلس میں غنا ہوتا تھا تو آپ سنتے اور اثر پذیر ہوتے تھے۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے غنا کا مسئلہ پوچھا گیا تو فرمایا اپنے شہروں میں میں نے علماء کو پایا ہے جو اس کے منکر نہیں ہیں اور وہ اس میں بیٹھتے ہیں اور فرمایا اس کا منکر وہی ہے جو اندھا، جاہل اور عراقی ہے اور جس کی طبیعت مردہ ہے۔ اسی طرح امام غزالی نے اس میں نقل فرمایا ہے اور امام قشیری، استاد ابو المنصور اور قفال وغیرہ سے اس کی اباحت کی حکایت کی گئی ہے اور امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے یہ جو

مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا اسے فاسق و فاجر ہی سنتے ہیں تو یہ اس غنا پر محمول ہے، جس میں فحش کلامی اور منکر باتیں ہوں۔ یہ ان کے قول و فعل میں جمع و تطبیق میں ہے لیکن امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ فرمان جسے امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان کے مذہب میں غنا حرام نہیں ہے۔ میں نے بھی اس قول کو ان کی کتابوں میں بہت تلاش کیا مگر اس کی حرمت میں ان کی کوئی نص نہ دیکھی اور استاد ابو المنصور بغدادی فرماتے ہیں کہ ان کے مذہب میں سماع کی اباحت ہے اس شرط کے ساتھ کہ مرد، مرد سے یا باندی سے یا بیوی سے یا اس عورت یا اس عورت سے جس پر نظر ڈالنا حلال ہے اس کی آواز سے یا تو اپنے گھر میں سنے یا اپنے مخصوص دوستوں کے گھر میں سنے اور سر راہ اسے نہ سنے اور کوئی خلاف شرع، منکر چیز کو سماع میں شامل نہ کرے اور اس کے سبب نماز کے اوقات کو ضائع نہ کرے۔

ابو منصور بغدادی، یونس بن عبد الاعلیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے انہیں ایسی مجلس میں شریک ہونے کے لئے بلایا جس میں ایک شخص گا رہا تھا۔ جب گانا ختم ہوا تو امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا، کیا تمہیں پسند آیا میں نے کہا نہیں۔ فرمایا اگر تم ٹھیک کہتے ہو تو تمہاری حس صحیح نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ غنا کو پسند کرنا سلامتی حس و طبع کی علامت ہے اور اسے ناپسند کرنا طبیعت کی کجی اور حس کی کمی کا نشان ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دلیل شرعی اس کی حرمت یا کراہت میں نہیں ہے اگر ہوتی تو طبیعت کو اسے پسند کرنا کیا کام دیتی۔ اس لئے کہ طبیعت میں نغمہ کی تاثیر سے کسی کو کلام نہیں ہے۔ یہ تاثیر تو جانوروں میں بھی ہوتی ہے، چہ جائیکہ آدمی۔ امام شافعی سے منقول ہے کہ الغناء لھو مکروہ یشبہ الباطل غنا ایک کھیل ہے جو مکروہ ہے اور باطل کے مشابہ ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ ممکن ہے مکروہ سے مراد یہ ہے کہ اس کا ترک اولیٰ ہے کیونکہ اس کا اطلاق اس معنیٰ میں بھی آتا ہے اور امام غزالی فرماتے ہیں کہ یہ قول حرمت و کراہت پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ اگر صرف باطل ہی فرماتے تب بھی اس پر دلالت نہ ہوتی اس لئے کہ باطل کے معنیٰ یہ ہیں کہ جس میں

فائدہ نہ ہو (راقم الحروف کی نظر میں اردو ترجمہ کا یہ جملہ محلِ نظر ہے اور غالباً سہو کاتب ہے) اور مباح وہ ہوتا ہے جس میں فائدہ نہ ہو۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ وہ روایتیں جن کے الفاظ غنا کی تغلیظ پر دلالت رکھتے ہیں وہ ان پر محمول ہیں جو فحش یا منکر کلامی پر مبنی ہیں۔ لہٰذا حرمت کسی عارضہ کی بنا پر ہے نہ اس معنیٰ میں کہ غنا اپنی ذات میں حرام ہے۔ خلاصہ بحث یہ ہے کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے قول و فعل سے تحقیق کے ساتھ وہ چیز صحت کو پہنچتی ہے جو اس کے مباح ہونے میں صریح ہے اور حرمت میں کوئی نص نہیں ہے۔

لیکن امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ سے صحت کے ساتھ مروی ہے کہ انھوں نے اپنے فرزند حضرت صالح کے یہاں گانا سنا ہے۔ چنانچہ ابوالعباس فرغانی روایت کرتے ہیں کہ میں نے صالح بن امام احمدؒ سے سنا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں سماع کو پسند کرتا تھا اور میرے والد ناخوش جانتے تھے تو میں نے ابن حنادہ سے وعدہ لیا کہ ایک رات تم میرے یہاں رہو۔ تو وہ میرے ہاں رہا۔ جب میں نے اطمینان کرلیا کہ میرے والد سو گئے ہیں تو ابن جنادہ نے گانا شروع کیا۔ اتنے میں میں نے چھت پر چلنے کی آواز سنی تو میں نے چھت پر جا کر دیکھا کہ میرے والد چھت پر چادر لپیٹے گانا سن رہے ہیں اور آہستہ آہستہ ٹہل رہے ہیں۔ گویا کہ وجد کی کیفیت میں ہیں۔ اسی قصہ کی مانند عبداللہ بن امام احمد بن حنبل سے بھی منقول ہے، یہ دلالت کرتی ہے کہ ان کے نزدیک سماع مباح ہے اور اس کے برعکس جو ان کا قول منقول ہے وہ غنائے مذموم پر محمول ہے جو فحش و منکر پر مبنی ہے اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انھوں نے قوالی کو اپنے فرزند صالح کے پاس سنا اور انکار نہ کیا اس پر ان کے صاحبزادے نے عرض کیا اے پدر بزرگوار! کیا آپ اس کا انکار نہ فرماتے اور مکروہ نہ جانتے تھے، فرمایا مجھے ایسی خبر دی گئی ہے کہ اس کے ساتھ منکرات کا استعمال کرتے ہیں۔

حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ سماع میں تشریف لاتے تو ان کی کمر سماع میں سیدھی ہو جاتی تھی باوجودیکہ کبرسنی کے باعث ان

کی کمر جھک گئی تھی۔ یہ حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ بڑے عالم، فقیہ حنفی اور امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد خاص تھے۔

فقیہ و عالم ناصر الدین ابو المنیر اسکندری اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ اگر سماع اپنے شرائط کے ساتھ اپنے محل اور اپنے اہل میں ہو تو صحیح ہے اور اس قول کو ابو بکر فلال صاحب جامع اور ان کے مصاحب عبد العزیز رحمہما اللہ نے جو کہ دونوں حنبلی ہیں اختیار کیا ہے اور کتاب ''مستوعب'' کے مصنف نے حنبلیوں کی ایک جماعت سے سماع کو نقل کیا ہے، جن میں سے حضرت صالح اور حضرت عبد اللہ امام احمد کے صاحبزادے بھی ہیں اور اسے حافظ ابو الفضل مقدسی وغیرہ ظاہریہ نے اختیار کیا ہے اور اسے ابو محمد خرم نے اپنی تصانیف میں بیان کیا ہے اور ان کا اس ضمن میں ایک رسالہ ہے۔ اور ابن طاہر نے اپنی تصنیف میں صحابہ و تابعین کا اس پر اجماع نقل کیا ہے اور اپنی روایتوں کے راویوں کو مضبوط کیا ہے اور شیخ تاج الدین عبد الرحمٰن فرادی شافعی دمشق کے شیخ و مفتی نے نقل کیا ہے کہ ابن قتیبہ سماع پر اہل حرمین کا اجماع نقل کرتے ہیں اور ابن قتیبہ نے اکثر اہل عراق سے نقل کیا ہے اور ابن طاہر اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ جب تم اہل مدینہ کو کسی چیز پر اجماع کرتے دیکھو تو جان لو کہ یہ سنت ہے۔ یونس بن عبد الاعلیٰ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اہل مدینہ کا سماع کی اباحت کے بارے میں پوچھا تو فرمایا میں حجاز کے کسی ایسے عالم سے واقف نہیں جس نے سماع کو مکروہ جانا ہو البتہ انہیں جانتا ہوں جنہوں نے اس کی تعریفیں کی ہیں۔

اور ابو یعلیٰ حنبلی نے بیان کیا ہے کہ یوسف بن یعقوب ماجشون اور ان کے دیگر بھائیوں نے سماع کی اجازت دی ہے اور یحییٰ بن معین نے جو کہ اعاظم علمائے حدیث ہیں فرمایا کہ ہم یوسف ماجشون کے پاس آتے تو وہ ہمیں حدیث سنایا کرتے اور ان کے ہمسائے کے دوسرے گھر سے گانے باجے کی آوازیں آیا کرتی تھیں۔ یہ وہ ثقہ علماء و محدثین ہیں، جن کی حدیثیں صحاح میں شامل ہیں اور عبد العزیز بن سلمہ ماجشون جو کہ مفتی اہل مدینہ تھے فرماتے ہیں کہ ان سے ائمہ محدثین نے روایتیں لی ہیں اور ان سے

تخریج کرنے کے بعد حدیثوں کو بخاری و مسلم میں شامل کیا ہے۔ یہ حضرات بربط کی اجازت دیتے تھے۔ صاحب نہایہ نے شرح ہدایہ میں احناف سے حرمت کا قول نقل کرنے کے بعد بیان کیا ہے کہ بعض احناف اس وقت میں غنا کی اباحت کے قائل ہیں، جبکہ استعارات حاصل کرنے اور نظم کے قوافی درست کرنے اور زبان کو فصیح بنانے کے لئے گنگنایا جائے اور کہا اس میں کوئی حرج نہیں اور بعض احناف کہتے ہیں کہ اگر تنہا ہو اور وحشت کو دور کرنے کے لئے اپنے آپ میں گنگنائے تو اس میں مضائقہ نہیں۔ اسے شمس الائمہ سرخسی نے اخذ کیا ہے اور اس سے استدلال کرتے ہیں کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں ہوتے تھے تو اسے بطریق کھیل کے نہ کرتے تھے اور فرماتے ہیں کہ جو مطلقاً کراہت کا قائل ہے وہ حضرت انسؓ کی حدیث کو مباح اشعار پر محمول کرتے ہیں اور صاحب بدائع نے جزم کیا ہے کہ پیشوائے احناف شمس الائمہ سرخسی نے جو چیز ذکر کی ہے اور اسے سماع غناء بزم سے معلول کیا ہے کہ وہ دل میں گنگنائے اور صاحب ذخیرہ نے احناف سے نقل کیا ہے کہ بعض احناف عرسوں میں سماع کو کوئی مضائقہ نہیں بتاتے اور بعض نے عیدین اور تمام مباح خوشی کے اوقات میں کوئی مضائقہ نہیں کیا ہے۔ اسے علمائے متقین میں سے شیخ الاسلام ابو محمد بن عبد السلام اور ان کے مصاحب شیخ محمد بن دقیق العید نے اختیار کیا ہے۔

صاحب کتاب "امتاع" فرماتے ہیں کہ بلا شبہ صوفیائے کرام میں بکثرت فقہا و محدثین اور علوم شرعیہ کے انواع کی معرفت رکھنے والے ہوئے ہیں جیسے استاد ابو القاسم قشیری، شیخ ابو طالب مکی اور شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہم اللہ۔ یہ تمام حضرات اپنے رسائل و تصانیف میں وہ چیزیں بیان کرتے ہیں جو سماع کی اباحت پر قول و فعل سے دلالت کرتے ہیں اور حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ ایسے فقیہ تھے جو مذہب ابو ثور پر فتویٰ دیتے تھے اور ان سے امام قشیری اور شیخ سہروردی وغیرہ رحمہما اللہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ صوفیائے کرام کی جماعت پر رحمت الٰہی کا نزول تین وقتوں میں ہوتا ہے۔ ایک کھانے کے وقت اس لئے کہ وہ نہیں کھاتے مگر

فاقہ کے وقت، دوسرے ہم نشینی اور مکالمت کے وقت، اس لئے کہ یہ حضرات صدیقین انبیاء ومرسلین کے مقامات میں ان کے قائم مقام ہو کر کلام فرماتے ہیں اور تیسرے سماع کے وقت اس لئے کہ یہ حضرات اس وقت حق تعالیٰ کے وجد وشہود میں ہوتے ہیں، اور صحابہ کرام کے علماء کی جماعت نے اس باب میں بہت زیادہ حکایتیں نقل کی ہیں، جن کا ذکر ان حضرات نے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔

مسئلہ سماع میں نصیحت

وصل: جاننا چاہئے کہ صاحب کتاب ''امتاع'' نے سماع کے بارے میں تین قول ذکر کئے ہیں ۔ حرمت، کراہت، اور اباحت۔ اس کے بعد ہر مذہب کے دلائل بیان کرنے کے بعد مذہب اباحت کو ترجیح دیتے ہیں ۔ جیسا کہ ان کا مدعا ہے اور حرمت وکراہت کے استدلات اور تمسکات کا جواب دیا ہے اور مذہب اباحت کے اثبات میں کلام کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور اسے کتاب وسنت، اجماع اور قیاس سے ثابت کیا ہے اور قیاس کی بنیاد یہ ہے کہ چونکہ سنت صحیح میں تغنی بالقرآن کا جواز ثابت ہے تو شعروں میں بھی جائز ہوگا اور اجماع سے اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ چونکہ قرآن میں تغنی یعنی خوش آوازی سے سوز وگداز اور شوق بڑھتا ہے اور خشوع وخضوع کو خوب پیدا کرتا ہے تو یہ بات اشعار میں بھی ہے کیونکہ یہ طاعات ومناجات اور دنیا میں زہد اور آخرت کے شوق کو خوب اضافہ کرتے ہیں اور محبت الٰہی عزَّ اسمہٗ اور متابعت سید المرسلین ﷺ کی زیادتی کا موجب ہیں تو یہ بھی جائز ہوں گے اور بعض اہل عرب کی حدی نصب اور نشید وغیرہ کی قسموں پر قیاس کرکے کہتے ہیں کہ چونکہ یہ تمام اقسام باتفاق جائز ومباح ہیں تو یہ بھی جائز ہیں ۔ یہ سب بحثیں اسی تقدیر وصورت میں رونما ہورہی ہیں کہ غنا کی حرمت وکراہت پر کوئی قطعی نص ثابت نہیں ہے ورنہ نص کے مقابلے میں قیاس کرنا لازم آتا ہے اور اباحت کے قائلین کہتے ہیں کہ اس جانب یعنی حرمت وکراہت پر کوئی نص نہیں پائی جاتی ۔ اگر کوئی نص پائی بھی جاتی ہے تو وہ مرتبہ صحت کو نہیں پہنچتی اور کاتب

الحروف کا اباحت کے قائلین کے اقوال کے نقل کرنے کا مقصد یہ ہے تاکہ معلوم ہوجائے یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور ایک جانب جزم کرنا اور اس کی ترجیح دینا اور اس میں تعصب دکھانا طریقہ اختلاف کے مناسب نہیں ہے۔ اگر کسی کو اس میں وقت کی اصلاح نظر آتی ہے تو توقف کرے اور احتیاط و ملاحظہ کی روش اختیار کرے اور خلاف و نزاع کے بھنور میں نہ پڑے اور اس میں اپنے حال کی سلامتی دیکھے اور اس میں احتیاط و تقویٰ نظر آئے تو مبارک ہے لیکن چاہئے کہ قال و حال کی زبان کو بزرگان دین پر طعن و تشنیع اور تضلیل و تفسیق سے آلودہ نہ کرے اور ان کے حالات میں پڑے بھی نہیں باوجودیکہ دلائل متعارض ہیں اور طریقے متبائن ہیں اور دوسری جانب بھی علماء و فقہاء اور عرفاء موجود ہیں تو کسی ایک جانب کو ترجیح دینے اور دوسرے کو مرجوح کرنے سے باز رہے اور انصاف کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ بیت......

صحبت و عافیت است گرچہ خوش افتاد اے دل

جانبِ عشق عزیز است فرو بگذارش

......اور اباحت کے قائلوں کو مناسب نہیں ہے کہ تعصب برتیں اور علماء کے اقوال کے منکر ہو جائیں خصوصاً وہ حضرات جو دیانت و نصیحت کے طریقے کے مالک ہیں: ولکل وجهةهو موليها فاستبقو الخيرات اور ہر ایک کے لئے ایک رخ ہے جسے وہ اختیار کرتا ہے تو تم بھلائی میں سبقت کرو۔ دونوں گروہوں کو چاہئے کہ تمیز و تفصیل کے طریقہ کی رعایت کو ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ تمام کاموں میں توقف و احتیاط محمود ہے اور ہر جگہ افراط و تفریط مذموم و بری ہے۔ و بالله التوفيق و منه العصمة

ساز و مزامیر

اسی طرح صاحب کتاب ''امتاع'' نے ساز و مزامیر پر بھی بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ چاروں ائمہ کے مذاہب میں مزامیر حرام ہیں۔ اس کے باوجود بعض علماء شوافع اور اصحاب ظواہر اور امام غزالی وغیرہ سے اس کے خلاف نقل کر کے آلات و مزا

میر کے اقسام کا ذکر کیا ہے۔لیکن دف مختلف فیہ ہے۔ بعض نے مطلقاً مباح کہا اور بعض نے مطلقاً حرام رکھا ہے اور بعض نے جھانجھ دار اور بغیر جھانجھ سے تفریق کی ہے اور درست بات یہ ہے کہ نکاح میں یہ مباح ہے اور بعض بوقت اعلان دف کو مستحب قرار دیتے ہیں اور شبابہ یعنی بانسری میں بھی اختلاف مذکور ہے اور مزامیر میں سے عود ہے اس میں اختلاف ذکر کیا گیا ہے اور فرماتے ہیں کہ مذاہب اربعہ میں معروف یہ ہے کہ ان کا بجانا اور سننا دونوں حرام ہیں اور علماء کی ایک جماعت اس کے جواز کی طرف گئی ہے اور وہ حضرت عبداللہ بن جعفر اور حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہما کا سننا بیان کرتے ہیں وہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے پاس گئے تو ان کے آگے باندی کو بربط بجاتے دیکھا، اس پر حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا آپ اس میں کوئی مضائقہ دیکھتے ہیں۔ فرمایا اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور علماء حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عمرو بن العاص اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم اور غیر صحابہ میں سے عبدالرحمن بن حسان، خارجہ بن زید جو کہ فقہاءِ سبعہ مدینہ میں سے ہیں اس کا سننا نقل کرتے ہیں۔ استاد ابو منصور نے زہری سے اور سعید بن المسیب نے ابن ابی رباح، شعبی اور عبداللہ بن ابی العتیق وغیرہ فقہا مدینہ منورہ سے نقل کیا ہے اور خلیلی عبد العزیز بن ماجشون سے نقل کرتے ہیں کہ وہ عود یعنی بربط کی اجازت دیتے تھے اور ابن سمعانی نے طاؤس سے نقل کیا ہے اور ابرہیم بن سعد سے مروی ہے کہ وہ خلیفہ رشید کے پاس تھے۔ انھوں نے کہا عود لاؤ۔ اس پر رشید نے کہا عود جلانے کی یا عود باجے کی۔ فرمایا عود باجے کی۔ پھر رشید نے عود یعنی بربط منگایا اور اسے ابرہیم بن سعید نے بجایا اور غنا اور عود کے مباح ہونے کا فتویٰ دیا۔ اور فاکہی نے تاریخ مکہ میں باسناد خود نقل کیا کہ موسیٰ بن الغرہ الجحی سے منقول ہے کہ انہوں نے عطا بن ابی رباح کو بلایا جب وہ آئے تو وہاں کچھ لوگوں کو بربط بجاتے اور گاتے پایا۔ اس پر لوگوں نے انھیں آتے دیکھ کر گانا بجانا بند کر دیا۔ انھوں نے فرمایا میں نہیں بیٹھوں گا جب تک بربط نہ بجاؤ اور جو گا رہے

تھے نہ گاؤ تو وہ بیٹھے اور لطف اندوز ہوئے۔

صاحب "امتاع" نے اس عود و بربط کو اصل قرار دے کر تمام آلات و مزامیر کو بھی اس پر قیاس کر کے نقل کیا ہے اور فرمایا کہ حرمت کے قائلوں کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ یہ باجہ گناہ کبیرہ ہے یا صغیرہ، متاخرین شوافع کا مذہب یہ ہے کہ یہ صغیرہ ہے۔ یہ چند کلمے کتاب مذکور سے نقل کئے گئے "والعہدۃ علیہ" اس نقل کرنے سے مقصد وغرض یہی ہے کہ اگر کبھی اس جماعت صوفیاء سے کوئی ایسی چیز منقول ہو جائے تو تشدید وتجہیل، تشنیع وتفسیق اور تضلیل میں مبالغہ نہ دکھانا چاہئے اور قوم کے عیوب اور لغزشوں کے چھپانے کا شیوہ اپنا شعار بنانا چاہئے اور عوام کی حفاظت میں مشغول رہنا چاہئے۔ ان کی اس میں پیروی نہ کریں ۔فالحق احق ان یتبع واللہ اعلم و علمہ احکم۔اس ضعیف نے اس مسئلہ میں متعدد جگہوں میں بحث کی ہے اور ہر جگہ تفصیل وتردید اور توسط کے طریقہ کو ملحوظ رکھا ہے یا قدرے حرمت و کراہت کی جانب میلان کیا ہے لیکن اس کتاب میں اقوال کے نقل میں اباحت کی جانب غلبہ ہو گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرا رخ ذہنوں میں مشہور و مقرر ہو چکا ہے، ان کے نقل کی حاجت نہ تھی۔ ہماری نیت یہی ہے جو کسی نے کہا ہے شعر

عیب می چوں ہمہ گفتی ہنرش نیز بگو

نفی حکمت مکن از بہر دل عامی چند

اللھم ارنا الحق حقاوِ ارزقنا اتباعہ و ارنا الباطل باطلاو ارزقنا اجتنابہ والعاقبۃبالخیر

جاننا چاہئے کہ ہر زمانہ میں ابتدائے حال سے لے کر آج تک جو بھی تغنی وسماع کی اباحت کی جانب قول وفعل سے گیا ہے اور جس نے اس کا انکار و استبعاد کیا اور اس کی طرف توجہ دی ہے۔ اس نے ان تمام حکایتوں اور روایتوں کو جو اس باب میں مروی ہیں واضح کیا ہے۔

مشکوۃ میں مروی ہے کہ ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ جن کو بدری بھی کہتے ہیں

یا تو اس سبب سے کہ وہ غزوۂ بدر میں حاضر ہوئے یا اس سبب سے کہ ان کا مسکن بدر میں تھا۔ وہ اور ایک اور صحابی ساتھ بیٹھے تھے اور وہ گاتے تھے، یہ سنتے تھے۔ ایک اور شخص موجود تھا اسے انکا گانا سننا گراں گزرا۔ اس نے اعتراض کیا اور کہا "اے صاحبی رسول اللہ انتم" مطلب یہ کہ تم دونوں رسول اللہ کے صحابی ہو اور گانا سن رہے ہو تو انھوں نے فرمایا اگر تم چاہتے ہو تو تم بھی سنو اور ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ اور سنو ورنہ چلے جاؤ۔ ہمیں رسول اللہؐ نے اجازت دے دی ہے کہ ہم سنیں اور یہ شادی کا موقع تھا۔ اس میں باتفاق تغنی مباح ہے اور اس سے بالاتر حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ تھے، وہ تو اس میں بہت ہی شغف رکھتے تھے۔

اس حقیقت حال اور منشاء اختلاف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گانا سننا اور آلات و مزامیر کا بجانا زمانہ قدیم سے بے قید لوگوں، فاسقوں، شراب خوروں اور لہو ولعب میں مشغول لوگوں کا کام تھا۔ اسی بناء پر حدیث صحیح میں آیا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے بھیجا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ میں مغازف یعنی آلات و مزامیر کو جو کھیل کود میں بجتے ہیں، مٹاؤں اور شراب پینے اور زنا کرنے سے روکوں۔

دراصل غنا کا نام ہی لہو ہے اور اس کا ذکر ملاہی میں کرتے ہیں۔ ان ملاہی کے محو وفنا ہونے اور ان ممنوعات و منکرات کے رفع و ازالہ ہو جانے کے بعد جو عام رسم و عادت تھی نہ رہی تو مسلمان وصلحاء اور پارسا حضرات اس سے محفوظ ہوئے اور فسق و منکرات کی آمیزش اور فساق و فجار سے اختلاط کے بغیر اس سے لطف اندوز ہوئے اور جب دوسری جماعت نے دیکھا کہ یہ تو بے قید فاسقوں کی عادت وعلامت ہے اور ان کی حالت کے مشابہ ہے تو اس خوف سے کہ کہیں اس کا سران سے نہ مل جائے بچنے لگے اور ڈرانے لگے اور شارع علیہ السلام نے بھی اگر اسی کے پیش نظر ڈرایا اور وعید صادر فرمائی ہو تو بعید نہیں اور یہ جو محدثین فرماتے ہیں کہ شارع علیہ السلام کی ممانعت ثبوت تک نہیں پہنچتی اور اس باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں ملی۔ اسے برقرار رکھتے ہوئے بات یہ ہے کہ دائرہ صحت ان کی اصطلاح کے بموجب بہت تنگ ہے اور

ان کی مراد یہ ہوگی کہ اس کی مطلقاً ممانعت اور اس کی حرمت فی نفسہ غنا میں ثابت نہیں ہے، جس طرح کہ شراب اور زنا وغیرہ میں فی نفسہ حرمت ہے اور یہ جو اہل ظواہر کہتے ہیں کہ کوئی حدیث وارد نہیں ہوئی ہے تو یہ مکابرہ سے خالی نہیں، اس کی مثال ان برتنوں اور پیالوں کے قضیہ کی سی ہے، جن کا نام خم، فرقت نفیر اور دبا ہے، جسے وہ اباحت خمر کے وقت استعمال کرتے تھے اور ان میں شراب پیتے تھے۔ ان کا استعمال بھی کچھ عرصہ تک حرام رہا تا کہ ان کے آثار کا قطعی طور پر قلع قمع ہو جائے۔ جب شراب کی حرمت رچ بس گئی اور ثابت و مقرر ہوگئی اور اس کی علامتوں اور نشانیوں کے قلع قمع کرنے کی حاجت نہ رہی تو ان برتنوں سے ممانعت اٹھالی گئی۔ اس کے باوجود علماء وائمہ دین کے دو فرقے ہو گئے۔ ایک جماعت تو ان کی ممانعت پر قائم رہی اور دوسری جماعت اس کے جواز کی طرف آگئی جیسا کہ اس کے مقام میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح اس میں بھی دو فرقے ہوگئے ایک فرقہ تو قدیم عادات کے پیش نظر کہ یہ فساق و فجار کا کام تھا ممانعت اور احتیاط کی روش کو اختیار کرنے میں ثابت قدم رہا اور دوسرا فرقہ اس کی حقیقت حال اور معنی کے پیش نظر اس سے ملحق رہا کیونکہ اگر اس میں فسق و فجور اور ممانعت شرعی کی آمیزش ہے تو حرام ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو مباح ہے۔ (واللہ اعلم وعلمہ احکم)

اس کے بعد ان حضرات کے درمیان تعصب و تشدد رونما ہو گیا۔ مانعین افراط سے کام لیتے ہوئے ان کے مرتکبین کو مطلقاً فسق و کفر اور زندقہ سے منسوب کرنے لگے اور اسے مباح جاننے والے اس کو خاص طاعت اور محض عبادت قرار دینے لگے اور ہر وقت خود بھی اس میں مشغول رہنے لگے اور دوسروں کو مشغول رکھنے لگے اور مجمع اور معرکہ بنانے لگے اور یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کو اہل و نااہل قرار دینے لگے اور انصاف کا رشتہ جس کے معنی ''نصف لی و نصف لک'' ہے ہاتھ سے چھوڑ دیا اور طریقہ ادب کو جس کی حقیقت ہر چیز کی حدوں کو محفوظ رکھنا ہے ملحوظ نہ رکھا۔ ایک کا منشائے اختلاف یہ ہے کہ ایک گروہ نے باطن میں نغمے کے تصرف و تاثیر پر نظر رکھی اور وہ بے

خود ہو گئے اور دوسرے گروہ کو فقہی جواز و عدم جواز نظر آیا تو وہ اپنی جگہ قائم رہا۔

شیخ ابن العربی فرماتے ہیں کہ بالذات نغمہ کی تاثیر، روح حیوانی پر ہوتی ہے اور حرکت و اضطراب میں لانا اس کا کام ہے اور روح انسانی اس سے منزہ و پاک ہے کیونکہ وہ معانی کا محل ورود ہے اور سکون وتوانائی اس کی صفت ہے لیکن اسی جگہ کسی کو یہ بات کہنے کا کہاں حق ہے۔ ہاں نغمہ کی تاثیر بالذات، روح حیوانی پر ہوگی لیکن اگر اتصال و ہمسائیگی کے واسطہ سے جو روح حیوانی اور روح انسانی میں ہے یہ حالت اس میں سرایت کر جائے تو کون مانع ہے۔

شیخ ابن العربی فرماتے ہیں کہ باطن میں قرآن کی تاثیر کی علامت ہے کہ غنا اور بغیر غنا کے یکساں ہو اور وہ جو نغمہ سے اثر نمودار ہوتا ہے تو وہ قرآن کی تاثیر نہیں ہے بلکہ یہ نغمہ کی تاثیر ہے نہ کہ قرآن کی۔ یہ بات تکلیف سے خالی نہیں ہے۔ نغمہ قرآن کا زیور اور اس کی زینت ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ زینوا القرآن باصواتکم اپنی خوش آوازی سے قرآن کو زینت دو اور نغمہ اور بغیر نغمے کے دونوں حالتوں میں یکساں ہونا دائرہ امکان سے خارج ہے۔ مگر وہ شخص جسے مجرد ذات و صفات الٰہی مکشوف ومشہود ہے، اس میں یہ تاثیر ممکن ہے۔

فائدہ:

صاحب ''امتاع'' فرماتے ہیں کہ علماء کا اختلاف ہے کہ عرب میں سب سے پہلے کس نے نغمہ گایا۔ اس پر ابو بلال عسکری کہتے ہیں کہ اکثر اہل علم کا خیال ہے کہ اس کا نام ''طویس'' ہے۔ یہ اس طرح شروع ہوا کہ جب ابن زبیر کعبہ کی تعمیر کرا رہے تھے تو فارس و روم کے لوگ خوش آوازی سے گاتے جاتے تھے اور جب عرب کے گانے والوں نے اسے سنا تو انہوں نے اس کو عربی میں منتقل کر لیا۔ سب سے پہلے جس نے پہل کی وہ طویس تھا اور طویس کو ''میشوم'' بھی کہتے ہیں جس کے معنی نامبارک کے ہیں۔ یہ اس بنا پر کہ اس کی پیدائش اس دن ہوئی جس دن رسول اللہؐ نے وفات پائی

اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے وفات کے دن اس کا دودھ چھوٹا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وفات کے دن وہ بالغ ہوا تھا اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے وفات کے دن اس نے نکاح کیا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی وفات کے دن اس کے لڑکا پیدا ہوا۔ کہتے ہیں کہ اس غنائے موسیقی کے نقل سے پہلے عرب میں غنا از قسم حسن صوت تھا۔ مثلاً نصب نشید اعراب، حدی اور اکتاب وغیرہ یہ تمام قسمیں مباح ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور جو لوگ حرمت کے قائل ہیں وہ گانے کو غنائے موسیقی پر محمول کرتے ہیں اور وہ جو صحابہ کرام، تابعین وغیرہ اسلاف سے اخبار و آثار مروی ہیں اور جو ان کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے، انہیں غنائے موسیقی پر محمول نہیں کرتے بلکہ قدیم اہل عرب کی خوش آوازی میں سے نصب، نشید حدی وغیرہ پر حمل کرتے ہیں البتہ بعض صحابہ میں سے جیسے عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ وغیرہ کا باندی سے غنائے موسیقی سننا مروی ہے کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بعض گانے والیوں سے بھی سنتے تھے۔ حقیقت میں ایسے تمام گانوں کی صورتیں ایک ہی ہیں، جو صورت حسن کی طرف راجع ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (قواعد موسیقی کے زمرے میں نہیں ہیں) البتہ قرأت قرآن میں فرق کرتے ہیں کیونکہ غنائے موسیقی میں تمطیط وتغیر یعنی مدوجزر بہت ہے لیکن غنا و سماع اس اعتبار سے کہ اس میں سید المرسلین ؐ کا اتباع اور اصحاب و تابعین کا اقتضاء ہے، اس تقرب و تعبد کے طریقے پر اس کا اجتماع کر رہے ہیں۔ اس میں خلجان اور اشتباہ باقی ہے۔ اس کا جواب یہی ہے کہ حضور ؐ کا محل و مقام دوسروں کے اوضاع و مشارب سے برتر و اعلیٰ اور مختلف ہے، دوسروں میں کہیں تورع و اتقا غالب ہے اور دامن احتیاط ملحوظ خاطر ہے اور اطاعت و عبادت میں ذوق و شوق اور اس کی جمعیت میں مستغرق ہیں اور کہیں سکر و مستی نے غلبہ کر رکھا ہے اور ان کا ذوق و شوق سماع میں پڑ گیا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ یہ ایسا معاملہ ہے جو مختلف فیہ ہے اور مختلف فیہ معاملہ میں ایک دوسرے پر عیب جوئی اور نکتہ چینی نہیں ہونی چاہئے۔ ہر ایک کو اپنے اپنے حال میں رہنا چاہئے: فربکم اعلم بمن ھو اھدیٰ سبیلا (پس تمہارا

رب ہی خوب جانتا ہے کہ کون شریعت میں زیادہ ہدایت یافتہ ہے) و اللّٰہ اعلم بالصواب و الیہ المرجع والمأب صلی اللّٰہ علیہ وسلم علیٰ سید ا لخلق محمد و الہ و اصحابہ و اتباعہ اجمعین ہداۃ طریق الحق و محی علوم الدین آمین"

(اردو ترجمہ مدارج النبوۃ، جلد:۱، مفتی غلام معین الدین نعیمی، ناشر: ادبی دنیا، بار دوم، ۲۰۰۱ء، ص ۷۴۴ تا ۷۵۸)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کی عبارت من وعن نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قارئین کرام سماع سے متعلق پوری طرح باخبر ہو جائیں اور اس مسئلے کے جملہ پہلو، ان کی نظر میں آجائیں۔ شیخ عبدالحق نے قرونِ اولیٰ میں موسیقی اور آلات موسیقی پر جامع و مانع بحث کی ہے، محدثین کا نقطۂ نظر بھی واضح کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ براہِ راست کتاب و سنت سے غنا اور موسیقی کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ البتہ بعض فقہا نے اس معاملے میں تشدد کی راہ اختیار کی ہے، جس کو محدث دہلوی حزم واحتیاط اور اعتدال کا متقاضی نہیں سمجھتے۔ قرونِ وسطیٰ میں بھی یہ مسئلہ زبردست اختلاف کا باعث رہا۔ علماء اور صوفیاء میں اس مسئلہ کے سبب ایک خلیج پیدا ہو گئی۔ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی علیہ الرحمۃ کا علمائے وقت سے مناظرہ اس کا شاہدِ عدل ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اس مناظرہ پر بقدرِ ضرورت روشنی ڈالی ہے۔ مناظرہ کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

"سلطان غیاث الدین تغلق پر علماء و فقہاء کا بڑا اثر تھا اور ان میں سے بعض علماء و فقہاء حضرت محبوب الٰہی سے حسد و عناد رکھتے تھے۔ ان کو اس مسئلے کے اٹھانے کا موقع مل گیا۔ انھوں نے سلطان کو محبوب الٰہی کے خلاف محضر طلب کرنے پر آمادہ کر لیا۔ محبوب الٰہی کے ملفوظات "فوائد الفواد" سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کی زندگی کے آخری تین سال اباحت سماع کے متعلق گفتگو میں گزرے۔ طوفان برپا کرنے والے بعض علماء میں شیخ زادہ حسام الدین فرجام اور قاضی جلال الدین لوانجی کا نام آتا ہے جنھوں نے سلطان کو محضر طلب کرنے پر تیار کیا تھا۔ یہ دونوں عالم محبوب الٰہی سے ذاتی عناد رکھتے

تھے۔ محبوب الٰہی کے حلقۂ مریدین میں اپنے وقت کے اکابر علماء میں شامل تھے مگر انھوں نے کسی کو اپنے ساتھ محضر میں لے جانا پسند نہیں کیا۔ مولانا محی الدین کاشانی اور مولانا فخر الدین زرادیؒ محبوب الٰہی کی اجازت کے بغیر شریک محضر ہو گئے۔ قاضی جلال الدین نائب حاکم نے محبوب الٰہی کو دھمکی دی کی اگر انھوں نے آئندہ محفلِ سماع منعقد کی تو ان کو سزا دی جائے گی۔ شیخ زادہ حسام الدین نے سماع کے خلاف پر جوش تقریر کی۔ محبوب الٰہی نے پوچھا پہلے یہ تو بتاؤ کہ سماع کے معنیٰ کیا ہیں۔ شیخ زادہ معنیٰ نہ بتا سکے تو محبوب الٰہی نے اس مسئلے پر گفتگو کرنے سے انکار کردیا۔ اسی اثناء میں مولانا علیم الدین نبیرۂ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی آگئے۔ انھوں نے فرمایا کہ اہل حال کے لئے یہ سماع حلال ہے۔ انھوں نے اپنے ایک رسالہ مسئلہ مقصدہ کا حوالہ دیا جو اسی موضوع پر لکھا گیا تھا۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ بغداد، شام، روم، اور بہت سے مسلم ممالک میں مشائخ کو سماع سننے سے کوئی منع نہیں کرتا۔

(سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ناشر: ادارۂ ادبیات، دہلی، ص: ۳۱۵ تا ۳۱۶؛
اردو ترجمہ، سیر الاولیاء، ص: ۵۲۸-۵۳۰)

پروفیسر نظامی نے مزید لکھا ہے۔

اس دور کے اہم مؤرخ ضیاء الدین برنی نے اس محضر کا پورا حال درج کیا ہے۔ میر خورد نے سیر الاولیاء میں برنی کی کتاب حسرت نامہ (جواب ناپید ہے) کے حوالے سے ایک اقتباس درج کیا ہے، وہ اس طرح ہے......

''مناظرہ کے بعد مولانا محی الدین کاشانیؒ اور امیر خسرو حاضر ہوئے تو محبوب الٰہی نے کہا کہ علماء وقت میری دشمنی سے پر تھے اور مزید تعجب و حسرت اس بات پر ہے کہ محل حجت میں انھوں نے جناب نبی کریمﷺ کی حدیث سننے سے صاف انکار کردیا اور کہا کہ ہمارے شہر میں روایت فقہ، حدیث پر مقدم ہے...... میں نے کسی ایسے عالم کو دیکھا یا سنا نہیں کہ اس کے سامنے حضرت نبی کریمﷺ کی صحیح احادیث پیش کی جائیں اور

وہ کھلم کھلا کہے کہ میں نہیں سنتا اور نہیں جانتا۔ تعجب ہے کہ جس شہر میں اس درجہ مکابرہ کیا جائے اور اس طرح کا حسد وعناد برتا جائے اور وہ پھر آباد و معمور رہے۔ یہ شہر تو اس قابل ہے کہ اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے اور بالکل تباہ و برباد کر ڈالا جائے۔ جب بادشاہ، امراء اور عام مسلمان شہر کے قاضیوں اور عالموں سے یہ سنیں کہ اس شہر میں حدیث پر عمل نہیں ہوتا تو ان کا اعتقاد احادیث پیغمبر پر کیوں کر راسخ ہو سکتا ہے۔"

(سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ناشر: ادارۂ ادبیات، دہلی، ص: ۳۱۵؛
سیر الاولیاء، اردو ترجمہ، ص: ۵۲۴-۵۲۸)

پروفیسر نظامی نے اس سلسلے میں مولانا جمالی کا بیان بھی نقل کیا ہے۔

• مولانا جمالی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء دہلی نے اجتہاد شخصی پر اعتراض کیا تھا اور محبوب الٰہی سے کہا تھا......

"تو مجتہد نیستی کہ تمسک بہ حدیث نمائی　　مرد مقلد روایتے از ابوحنیفہ بیار"

(سیر العارفین، فارسی، ص: ۱۸۹)

یعنی آپ مجتہد نہیں ہیں کہ حدیث سے تمسک کریں، مردِ مقلد ہیں ابوحنیفہ کی روایت لائیے۔

مولانا فخر الدین زرادی نے اپنے رسالہ "کشف القناع فی اصول سماع" میں جس طرح اس بحث کو اٹھایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجتہاد و تقلید کے بنیادی اصولوں پر اختلاف رائے تھا۔

(کشف القناع فی اصول سماع، ص: ۸۰، مسلم پریس جھجر، ۱۳۱۱ھ)

یہاں بحث صوفیاء کے غنا اور سماع سے متعلق ہے لیکن بطورِ جملہ ہائے معترضہ فن موسیقی پر قارئین کی توجہ مبذول کرائی جا رہی ہے۔ فن موسیقی علم ہندسہ کی ایک شاخ ہے جو علم ریاضی کا ایک جزوِ لاینفک (اٹوٹ حصہ) ہے اور جس کا تعلق فلسفہ سے ہے۔

علامہ سید محمد علی جعفری قادری چشتی نیازی المعروف بہ میکش اکبر آبادی علیہ الرحمۃ نے اس موضوع پر ایک رسالہ تصنیف کیا ہے۔ اپنے رسالہ میں امام فخر الدین رازی کے حوالہ سے انھوں نے لکھا ہے (امام فخر الدین رازی) کی تحقیق یہ ہے کہ اس فن (موسیقی) کا موجد حکیم فیثا غورث ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کا شاگرد تھا۔ بربط اس کی ایجاد ہے اور بعض کا قول ہے کہ اس نے پہلے ایک تارہ ایجاد کیا تھا۔ اس طرح قانون (ایک باجہ ہے) کا موجد ابو نصر فارابی ہے اور شہنائی شیخ الرئیس بو علی سینا کی ایجاد ہے۔ موسیقار حکیم ابو حفص سغدی کی ایجاد ہے، طبلے اور ستارے کے موجد حضرت امیر خسرو دہلوی علیہ الرحمۃ ہیں"...... "اب جس وقت یہ دعویٰ کیا جائے کہ گانا بجانا عملی صورت میں بھی مذہباً حرام ہے تو ضروری ہے کہ سیکھنا سکھانا علمی صورت میں بھی حرام ہو۔ اس صورت میں علم ہندسہ اور ریاضی وغیرہ بھی حرام قرار پائیں گے، اس لئے کہ جو شئے جزو کی صورت میں حرام ہے وہ کل کی صورت میں بھی حرام ہے، موسیقی ہندسہ کا جزو ہے اور ہندسہ ریاضی کا۔ حالانکہ اہل اسلام میں ہندسہ و ریاضی کو کوئی حرام نہیں سمجھتا اور نہ حرام ہے مسلمانوں نے ان فنون میں جو ترقی کی وہ محتاج بیان نہیں۔"

(رسالہ مذکور، ص: ۱۷، ۱۸)

ہندوستان کے اولین وزیر تعلیم مولانا ابو الکلام آزاد اپنے خاندانی پس منظر کے لحاظ سے نقشبندی مجددی تھے ان کے والد ماجد حضرت مولانا پیر خیر الدین خالصاً نقشبندی مجددی تھے۔ مولانا آزاد ستار بجانے سے شغف رکھتے تھے۔ انھوں نے ایک مکتوب میں اسلام کے دینی نقطۂ نظر سے موسیقی پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ فقہاء نے فتنہ و شر کی وجہ سے موسیقی پر پابندی لگائی ہے ورنہ کتاب وسنت میں اس کی حرمت پر کوئی نص وارد نہیں ہوئی ہے۔

("غبارِ خاطر"، تدوین مالک رام، ساہتیہ اکادیمی، ص: ۲۸۳)

بہر حال اس وقت موضوع بحث صوفیہ کا سماع مع المزامیر ہے۔ اہل اسلام میں کثرت سے صوفیہ نے سماع سنا ہے، جس کا سلسلہ صوفیا، ائمۂ اسلام، تبع

تابعین، تابعین اور صحابہ تک پہنچتا ہے جیسا کہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ہندوستان میں سماع بھی تبلیغ اسلام کا ایک اہم ذریعہ بنا کیوں کہ یہاں کے مقامی مذاہب میں موسیقی عبادت میں داخل تھی۔ ہندوؤں کے چار ویدوں میں سے سام وید میں سنگیت (موسیقی) پر کافی لکھا گیا ہے۔ ہندوستان میں صرف چشتی صوفی ہی نہیں دوسرے سلاسل کے صوفیہ بھی سماع سے شغف رکھتے تھے مثلاً ''اخبار الاخیار'' میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے حضرت قاضی حمید الدین ناگوری سہروردیؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان پر وجد وسماع غالب تھا۔ وہ سماع مع المزامیر کے دلدادہ تھے۔ خاندان نقشبندیہ مجددیہ کے جلیل القدر بزرگ حضرت خواجہ میر درد دہلوی بھی سماع مع المزامیر سے دلچسپی رکھتے تھے۔ (''غبارِ خاطر''، ساہتیہ اکادمی، ص:۲۷۲)

خاندان نقشبندیہ قدیمہ کی عظیم الشان شاخ خاندان ابوالعلائیہ میں اب تک جتنے صوفیاء ہیں وہ سماع مع المزامیر سے والہانہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا حالتِ سماع میں وصال ہونا تاریخ کی روشنی میں ثابت ہے۔ ماضی قریب میں حضرت مولانا محمد حسین الہ آبادی علیہ الرحمۃ کا عین سماع مع المزامیر کی حالت میں اجمیر میں وصال ہوا اور وہ یہیں چار یاری میں مدفون ہیں جن کا ہر سال عرس ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ بھی کئی بزرگ محفلِ سماع میں واصل بحق ہوئے ہیں، جیسا کہ حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھویؒ کا قول ہے۔

(رسالہ ''قوالی کا شرعی حکم'' از مولانا رضاء الحق اشرفی، ص۵۰، بحوالہ لطائف اشرفی قلمی لطیفۂ بستم)

مولانا آزاد نے بہت سے ثقہ اور دیندار بزرگوں کا موسیقی سے شغف ثابت کیا ہے۔ مثلاً ملا عبدالقادر بدایونی قادری بین بجانے میں پوری مہارت رکھتے تھے اور فیضی نے ضروری سمجھا تھا کہ اکبر کی خدمت میں اس کی سفارش کرتے ہوئے اس مشاقی کا ذکر کرے۔

(''غبارِ خاطر''، ساہتیہ اکادمی، ص:۲۷۱، بحوالہ منتخب التواریخ، فارسی، جلد:۳، ص:۳۰۳ تا ۳۰۴)

مولانا آزاد نے دورِ شاہجہانی کے علامہ سعد اللہ اور ان کے استاد ملا عبدالسلام لاہوری کی موسیقی دانی کا بھی ذکر کیا ہے۔ ("غبارِ خاطر"، ص:۲۷۱)

شیخ جمالی صاحب سیر العارفین اور ان کے بیٹے شیخ گدائی کا بھی ذکر کیا ہے کہ انھیں موسیقی سے بڑا شغف تھا۔ ("غبارِ خاطر"، ص:۲۷۲)

مولانا آزاد نے خانوادۂ مارہرہ کے عظیم بزرگ حضرت میر عبدالواحد بلگرامی صاحب سبع سنابل کا بھی ذکر کیا ہے کہ ہندی موسیقی میں نقش آرائیاں کرتے تھے اور وجد وحال کی مجلسیں ان سے گرم ہوتی تھیں۔ اس سلسلے میں درج ذیل کتابوں کے حوالے ملاحظہ ہوں۔

۱-منتخب التواریخ، ص:۳۰۰، مطبوعہ نولکشور، ۱۲۸۴ھ

۲-مآثر الکرام از میر غلام علی آزاد بلگرامی، جلد:۱، ص:۲۵ تا ۳۳ (مرتبہ عبداللہ خان، مطبوعہ آگرہ ۱۹۱۰ء)

۳-نزھۃ الخواطر از علامہ عبدالحئی، جلد:۵، ص:۲۶۳ تا ۲۶۴۔

ان کے علاوہ متعدد اکابرِ علماء وصوفیا کے موسیقی سے شغف کا حال لکھنے کے بعد مولانا آزاد نے اپنا قولِ فیصل اس طرح لکھا ہے۔

> "اس بات کی عام شہرت ہوگئی ہے کہ اسلام کا دینی مزاج فنونِ لطیفہ کے خلاف ہے اور موسیقی محرماتِ شرعیہ میں داخل ہے، حالانکہ اس کی اصلیت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ فقہاء نے سدّ وسائل کے خیال سے اس بارے میں تشدد کیا اور یہ تشدد بھی بابِ قضا سے تھا نہ کہ بابِ تشریع سے۔قضا کا میدان نہایت وسیع ہے، ہر چیز جو سوءِ استعمال سے کسی مفسدہ کا وسیلہ بن جائے، قضاءً روکی جاسکتی ہے لیکن اس سے تشریع کا حکمِ اصلی اپنی جگہ سے نہیں ہل جاسکتا، قل من حرم زینۃ اللّٰہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق (سورۃ الاعراف ۷:۳۱) یعنی کہو کہ خدا کی زینتیں جو اُس نے اپنے

بندوں کے لئے پیدا کی ہیں اور کھانے پینے کی اچھی چیزیں کس نے حرام کی ہیں؟

(''غبارِ خاطر'' ص:۲۸۳، حاشیہ مالک رام، ص:۴۰۷)

یہاں حضرت شاہ احمد سعید نقشبندی مجددی علیہ الرحمۃ کا بیان بھی مزامیر کے سلسلے میں قابلِ توجہ ہے۔ ''دہل و تاشہ وغیرہ در حکم طبل است، گویم کہ چوں حکم طبل از عبارتِ شارحِ درِ مختار دریافت کردی۔ پس بر قولِ مجیب حکم دہل و تاشہ وغیرہ نیز موافقِ طبل قیاس کن۔'' یعنی دہل و تاشہ اور دوسرے آلاتِ غنا طبل کے حکم میں ہیں، میں کہتا ہوں کہ جب شارحِ درمختار کی عبارت سے طبل کا حکم تم نے معلوم کرلیا تو دہل و تاشہ وغیرہ آلات کو بھی طبل کے مطابق قولِ مجیب پر قیاس کرلو۔ (قوالی کا شرعی حکم، ص:۶۴، از مولانا رضاء الحق اشرفی، بحوالہ تحقیق الحق المبین فی مسئلۃ اجوبۃ مسائل اربعین، ص: ۸، مطبع مجتبائی) یہاں یہ بات بھی عرض کردینا ضروری ہے کہ عصرِ حاضر کے اعتدال پسند محقق حضرت علامہ شاہ ابوالحسن زید فاروقی سنی حنفی نقشبندی مجددی فاضل جامع ازہر مصر نے ''غناءُ وسماعِ اصفیا'' کے نام سے مسئلہ سماع پر ایک محققانہ رسالہ لکھا ہے، جسے شاہ ابوالخیر اکاڈمی دہلی نمبر ۶ نے شائع کیا ہے۔ علامہ زید فاروقی مذکورہ بالا حضرت شاہ احمد سعید مجددی کی اولاد امجاد میں سے ہیں۔ آپ نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی (ولادت ۱۱۳۸ھ، وفات ۱۲۲۵ھ) کے رسالہ ''حکمِ سرود و مزامیر وغنا'' کی فصلِ اول کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ رسالہ قاضی ثناء اللہ صاحب نے اپنے مریدِ خاص محمد سالار کے مکتوب کے جواب میں بصورتِ مکتوب لکھا ہے۔ اس میں سماع مع المزامیر کے مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ علامہ زید فاروقی نے قطبِ شام علامۂ زماں شیخ عبدالغنی بن اسمٰعیل بن عبدالغنی بن اسمٰعیل بن احمد بن ابراہیم نابلسی دمشقی حنفی نقشبندی قادری متولد ۱۰۵۰ھ متوفی ۱۱۴۳ھ قدس سرہٗ کی کتاب ''ایضاح الدلالات'' کی روشنی میں سماع مع المزامیر کے بارے میں جواز کے جملہ پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ کتاب کے آخری صفحہ میں علامہ زید فاروقی نے لکھا ہے

کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی احیاناً مزامیر کے ساتھ گانا سنا ہے اور بغیر مزامیر کے زیادہ سنا ہے۔ بحوالہ تصنیف حضرت شاہ ولی اللہ "القول الجلی"، فارسی، ص: ۳۷۸۔ اسی کتاب میں مزید لکھا ہے کہ شاہ ولی اللہ کو شدید مرض لاحق ہوا اور جب مرض میں کچھ تخفیف ہوئی تو آپ نے گانے والے سے گانا سنا، آپ پر جوش وخروش کا عالم طاری ہوا۔ کتاب مذکور کے صفحہ ۳۶۳ پر یہ بھی لکھا ہے کہ ایک شخص نے شاہ ولی اللہ سے دریافت کیا کہ آپ کو مزامیر کی آواز میں حسن ولذت کا احساس ہوتا ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا میں بہت لذت محسوس کرتا ہوں۔

مزامیر مطلقاً حرام نہیں

مزامیر کے استعمال سے قصد لہو ولعب ہو تو حرام ہیں ورنہ نہیں ۔ چنانچہ سیدالسادات علامہ ابنِ عابدین شامی رضی اللہ عنہ کی کتاب "ردالمختار فی شرح دُرّ مختار ج: ۵، ص: ۳۰۶ - ۳۰۷ میں "درمختار" (مذہبِ حنفی کی مستند کتاب جس سے فتویٰ دیا جاتا ہے) کی عبارت "و من ذالک (ای ملاھی) خرب النوبه للتفاخر فلو للتنبه فلا باس به کما اذا ضرب فی ثلث اوقات لتذکیر ثلث نفحات الصور" کے تحت ہے:

هذا یفید ان آلهة اللهو لیست بحرمة بعینها بل لقصد اللهو منها اما من معها او من المشتغل بها و به تشغر الاضافة الا تری ان خرب تلک الآلة بعینها حل تارة و حرم اخری باختلاف النیة و الامور بمقاصدها و فیه دلیل لساداتنا الصوفیة الذین یقصدون بسمعها امور اهم اعلم بها فلا یبادر المعترض بالانکار کی لا یحرم برکتهم فانهم السادة الاخیار امدنا الله تعالیٰ بامدادتهم و اعاد علینا من صالح دعوانهم و برکا تهم

(ترجمہ) "اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آلات لہو بعینہا حرام نہیں بلکہ بقصد لہو ہوں تو حرام ہیں یا تو سننے والوں کا قصد لہو (تفریح) ہو یا سنانے والوں کا اور اضافت سے بھی پتہ چلتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہی آلات خود کبھی حلال ہوتے ہیں اور کبھی حرام نیتوں کے بدلنے کی وجہ سے اور امور تو سارے نیت اور قصد پر مبنی ہیں۔ اس میں ہمارے ان سادات صوفیاء کے لئے دلیل ہے جو ان آلات کو سنتے ہیں اور ان سے ان کا جو مقصد ہے وہ بہتر جانتے ہیں لہٰذا کوئی معترض انکار میں آگے نہ بڑھے تاکہ ان کے برکات سے محروم نہ ہو جائے کیونکہ یہ حضرات (صوفیائے کرام) ہمارے آقا ہیں، اللہ ان کی امداد سے ہمیں فائدہ پہنچائے اور ان کی صالح دعوت و برکات سے ہمیں بہرہ ور کرے۔"

مولانا عبد الباری فرنگی محل" نے "احقاق السماع" کے نام سے ایک معرکۃ آرا کتاب لکھی ہے، اس میں علامہ عبد الغنی نابلسی کی تصنیف "ایضاح الدلالات فی سماع الآلات" کے حوالے سے لکھا ہے:

"غنا کے مضامین میں زہد ہو یا غزلیں معین ہوں یا غیر معین، نغمہ ہو یا نہ ہو صرف غنا ہو یا ساز، دف ہو یا دیگر مزامیر دف میں جھانجھ ہو یا سادہ دف ہو، شادی ہو یا ولیمہ، عید ہو یا کسی کا استقبال ذکر و تہلیل کے ساتھ ہو یا درود کے ساتھ اکیلا اپنے گھر میں ہو یا مسجد میں اہل علم صلحاء کا مجمع ہو یا دوسروں کا بالقصد یا بلا قصد لوگوں کو خاص وقت میں جمع کر کے ہی یا غیر معین وقت میں مردوں کے لئے ہو یا عورتوں کے لئے یا ان میں سے کسی ایک کے لئے، ان سب کا نام سماع ہے اور شرع میں سب کا حکم ایک ہی ہے اور لفظ سماع جب بولا جاتا ہے تو یہی مراد ہوتی ہے۔ (ملخصاً۔احقاق السماع، ص:۱۹)

علامہ نابلسی نے اپنی کتاب مذکورہ بالا میں لکھا ہے......

"واذاتقيد هذا المسئلة بقيد اللهو كان الافتاء بحرمة هذه الآلات المطربة يشترط با لتقييد بالتلهي بها و ان لم يكن لا جل التلهي فليست بحرام بل هي مباحة حينئذ لجميع المسلمين و المومنين سواء كانو من العالمة الفاجرين او من

الخاصة الكاملين ولا يكتم هذا الحكم عن احد مطلقا"

(ترجمہ) اور جب یہ مسئلہ (مسئلہ سماع با آلات طرب) لہو کی قید سے مقید ہے تو ان آلات طرب کی حرمت کا فتویٰ اس قید سے مقید ہوگا کہ ان کو بطور لہو استعمال کیا جائے اور اگر لہو کے طریقہ پر استعمال نہ ہوں تو حرام نہیں بلکہ اس وقت مسلمانوں اور مومنوں کے لئے مباح ہوگا چاہے ناقص عوام ہوں یا کامل خواص۔

واضح رہے کہ نابلسیؒ (م ۱۱۴۳ھ) فقہ حنفی کے مسلم الثبوت عالم ہیں۔ تاریخ جبروتی میں ان کے تبحر علمی کا اعتراف ہے۔

چودھویں صدی کے مجدد اہل سنت احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ فاضل بریلوی ان کے تبحر علمی کے آگے سر نیاز خم کئے ہوئے ہیں اور انھیں ان القاب سے یاد کرتے ہیں "امام عارف باللہ علامہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہٗ القدسی"۔

چنانچہ فاضل بریلوی کا فتویٰ بھی اسی انداز پر ہے "مزامیر یعنی آلات لہو ولعب بروجہ لہو ولعب حرام ہیں جن کی حرمت اولیاء وعلماء دونوں فریق مقتدا کے کلمات عالیہ میں مصرح۔ ان کے سننے سنانے کے گناہ ہونے میں شک نہیں کہ بعد اصرار کبیرہ ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ ج: ۱۰، نصف اول ص ۵۴)

فاضل بریلوی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں......

"نہ رجماً بالغیب کسی کو ایسا ٹھہرا لینا (کہ وہ لہو سے سماع سن رہا ہے) صحیح نہیں ہاں یہ احتمال صرف اتنا کام دے گا، جہاں اس کا انتفاء معلوم نہ ہو۔ تحسینِ ظن (نیک گمانی) کو ہاتھ سے نہ جانے دیجئے اور بے ضرورت شرعی ذاتِ فاعل سے بحث نہ کیجئے۔"

(فتاویٰ رضویہ، ج: ۱۰، نصف اوّل)

تقریباً یہی بات بڑی احتیاط کے ساتھ شیخ العرب والعجم اکابر علماء دیو بند کے شیخ طریقت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی چشتی صابری علیہ الرحمۃ نے ارشاد کی ہے۔

"نہ کبھی سماع کا اتفاق ہوا نہ خالی نہ بہ آلات مگر دل سے اہل حال پر کبھی اعتراض نہ کیا، ہاں جو ریا کار مدعی ہو وہ برا مگر یقین اس کا کہ وہ ریا کار ہے بلا حجت

شرعیہ نادرست۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ)

اس مسئلہ میں شرح و بسط کے ساتھ اس لئے لکھا گیا کہ حضراتِ خواجگانِ چشت اہل بہشت میں عموماً سماع سننے کا رواج ساز کے ہمراہ ہے۔ اس طریقہ عالیہ میں تقلید مشائخ نہایت ضروری ہے۔ اگر کسی چشتی بزرگ نے سماع نہیں سنا تو اس نے یہ بھی نہیں کہا کہ یہ ہمارے مشائخ کا معمول نہیں ہے جیسا کہ حضرت شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا بیان اوپر گذرا اور تقریباً یہی انداز حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ کا بھی رہا ہے، انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ سماع ہمارے شیخ کا عمل رہا ہے مگر عملِ شیخ حجت نہ ہونا چاہئے کتاب و سنت سے دلیل لانا چاہئے۔

(اخبار الاخیار، ص:۸۱، فارسی، اردو ترجمہ مولوی سبحان محمود و مولوی محمد فاضل، ص:۱۷۹)

حضرت نصیر الدین محمود چراغ علیہ الرحمۃ کے اس قول نے لوگوں میں غلط فہمی پیدا کی ہے، ان میں مرحوم پروفیسر خلیق احمد نظامی بھی شامل ہیں۔ (تاریخ مشائخ چشت، ص: ۴۴۸، ادارۂ ادبیات، دہلی) وہ اس کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ سماع شیخ کا عمل تھا یعنی حضرت نظام الدین محبوب الٰہی علیہ الرحمۃ سنتے تھے۔ ان کا سننا دلیل نہیں بلکہ کتاب وسنت سے دلیل لانا چاہئے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت محبوب الٰہی نے دربارِ تغلق میں علماء وقت سے مسئلۂ سماع پر جو مناظرہ کیا تھا کیا اس میں کتاب وسنت سے دلائل پیش نہیں کئے گئے تھے۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ آپ نے صحیح احادیث نبوی اپنے موقفِ سماع کی تائید میں پیش کی تھیں، جنھیں کم نظر و کم سواد نیز حاسد و معاند علماء نے ماننے سے انکار کردیا تھا۔ فقیر کی حقیر رائے ہے کہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے چشتی صوفیہ کو متنبہ کیا ہے کہ وہ صرف اپنے پیروں کی تقلید میں سماع نہ سنیں بلکہ اس ضمن میں کتاب وسنت کے دلائل سے بھی اپنے آپ کو آراستہ و پیراستہ کریں۔

واضح رہے کہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ حضرت محبوب الٰہی کے صرف خلیفہ ہی نہیں، سجادہ نشین بھی ہیں۔ ان کے ملفوظات ''خیر المجالس'' سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے وقت کے بڑے متشرع، متدین، متقی اور متبحر عالم تھے۔ سماع سے متعلق ان کا قول

ان کے تجرِ علمی اور تواتر روایت خواجگان چشت کے تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔

چراغ دہلیؒ کے خلیفۂ خاص حضرت سید محمد گیسو دراز بندہ نوازؒ کے ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار حضرت چراغ دہلیؒ کے سماع کا ذکر تھا تو حضرت گیسو دراز نے کہا کہ حضرت چراغ بوڑھے اور معمر ہو چکے تھے مگر سماع میں اس قدر زور سے چلتے، لوٹتے ناچتے اور چرخ کھاتے کہ کوئی توانا اور زور آور جوان بھی اس طرح نہ کرسکتا۔ حوالہ کے لئے کتاب ملاحظہ ہو ملفوظات بندہ نوازؒ ''جوامع الکلم''، مجلس ۱۵ اترجمہ رحیم الدین حسینی۔ ناشر سید محمد گیسو دراز تحقیقاتی کمیٹی گلبرگہ (کرناٹک)۔ مجلس ۵۲ میں یہ بھی درج ہے کہ حضرت چراغ دہلیؒ کے بھانجے حضرت خواجہ کمال الدین علامہ کے یہاں شادی کے موقع پر ایک مشہور دف زن (خاتون) گا رہی تھی اور شیخ چراغ کی طبیعت ناساز تھی۔کمال الدین علامہ نے دف زن خاتون کو گانے سے منع کیا تو حضرت چراغ نے کہا گانے دو۔

بریلوی علماء کے معمولاتِ سماع

عصر حاضر کے عالم اہل سنت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کا فتویٰ اس سے قبل درج کیا جا چکا ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ اس سلسلے میں ان کے مشائخ اوران کے سلسلے کے تلامذہ اور مریدین کا سماع مع المزامیر کے بارے میں کیا عملی رویہ رہا ہے۔

فاضل بریلویؒ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف سے تعلقِ بیعت رکھتے تھے، وہاں کے اکابر سماع المزامیر کا اہتمام کرتے تھے۔ خانقاہ محمدیہ کالپی شریف کے مشائخ بھی اہل سماع تھے۔ حضرت صاحب البرکات شاہ برکت اللہ عشقی کے برادر طریقت علامہ سید غلام علی بلگرامی چشتی نظامی نے اپنے رسالہ مبارکہ'' انیس العاشقین'' میں لکھا ہے کہ ایک بار قطب الاولیاء حضرت سید میر محمد کالپوی علیہ الرحمۃ کے ہمراہ ان کے بیٹے حضرت سید احمد علیہ الرحمۃ اجمیر شریف حاضر ہوئے۔میر محمد نے فرمایا کہ حضرت خواجہ

غریب نوازؒ نے سید احمد کے سر پر دستار باندھی ہے۔ اس لئے انھیں اب محفل چشت منعقد کرنا چاہئے۔ حضرت سید احمد صاحب نے کالپی شریف واپس آکر محفل سماع مع المزامیر کا انعقاد کیا۔ حضرت قطب الاولیاء کے سالانہ عرس میں محفل سماع کو رائج کیا۔ علاوہ ازیں وہ کثرت سے سماع مع المزامیر کے محفلیں منعقد کرنے لگے۔

تاج العلماء حضرت علامہ مولانا سید محمد شاہ میاں برکاتی سجادہ نشین مارہرہ شریف نے بھی اپنی تصنیف اصح التواریخ جلد اول میں حضرت علامہ سید میر عبدالواحد بلگرامی کے حوالہ سے سماع پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ سید شاہ ابوالحسین نوری میاں علیہ الرحمۃ کے خاص مقبول ومحبوب مرید وخلیفہ مولانا شاہ غلام شبر بدایوانی علیہ الرحمۃ نے ”نور مدائح حضور“ میں لکھا ہے کہ حضرت خاتم الاکابر ابوالحسین احمد نوری میاں سماع نہیں سنتے تھے اور فرماتے تھے کہ اہل کے لئے سماع جائز ہے۔ خاتم الاکابر کے خاص منظور نظر حضرت نور العارفین کبھی کبھی سماع سن لیا کرتے تھے اور سماع سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے لوگوں کو میر عبدالواحد بلگرامی علیہ الرحمۃ کے رسالۂ سماع کے مطالعہ کی ہدایت کرتے تھے۔ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف کے بدایوانی خلفاء میں مولانا شاہ عین الحق عبد المجید عثمانی برکاتی احمدی اور ان کے بیٹے سیف المسلول مولانا فضل رسول بدایوانی صاحب سیف الجبار اور ان کے بیٹے مولانا شاہ عبد القادر عثمانی جن کی تربیت میں مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ پچیس سال رہے یہ حضرات محفل سماع میں شریک ہوتے تھے۔ حضرت مولانا جمیل چشتی محمود آبادی ولد مولانا اسماعیل اور حضرت مولانا شاہ رفیق الحسن چشتی نظامی پھپھوندوی جو حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ کے شاگرد رشید ہیں روایت کرتے ہیں کہ حضرت صدر الشریعہ جب دارلعلوم حافظیہ سعیدیہ دادون ضلع علی گڑھ میں صدر المدرسین تھے، متولی ومہتمم دارلعلوم کے ہمراہ خیر آباد شریف آستانہ حافظیہ جاتے اور وہاں پہنچ کر محفل سماع میں شریک ہوتے تھے۔

تاجدار مارہرہ شریف حضرت تاج العلماء نے ایک مولوی صاحب کے سوال

کے جواب میں جو سماع مع المزامیر سے متعلق ہے نہایت مدلل جواب لکھا ہے جو" اہل سنت کی آواز" کے نام سے رسالہ عدد گیارہ بارہ میں مارہرہ سے شائع ہوا۔ تاج العلماء کا علمی و فقہی رنگ و آہنگ جواب کی ایک ایک سطر سے روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد میں ہم شبیہ غوث اعظم شیخ المشائخ حضرت شاہ علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمۃ اور حضرت سید محمد اشرفی محدث اعظم علیہ الرحمۃ ۲۷، ۲۸ محرم الحرام میں غوث العالم محبوب یزدانی حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانیؒ کا عرس کرتے رہے اور اس میں سماع مع المزامیر سنتے رہے اور آج بھی کچھوچھہ شریف کے علماء و مشائخ سنتے ہیں۔ واضح رہے کہ فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ حضرت اشرفی میاں سے و الہانہ عقیدت رکھتے تھے اور ان کے بڑے بیٹے مولانا حامد رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ نے حضرت اشرفی میاں سے ان کے سلسلۂ عالیہ کی خلافت حاصل کی تھی۔ فاضل بریلوی کے شاگرد رشید حضرت محسن ملت مولانا حامد علی صاحب رائے پوری بانی دارالعلوم دارالیتامیٰ رائے پور (چھتیس گڑھ) کو سماع مع المزامیر سے بے حد شغف تھا وہ اجمیر شریف کے عرس شریف میں سالانہ حاضر ہوتے تھے اور محفل خانے میں قوالی سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ ان کے وجد و حال کی کیفیت خود راقم الحروف نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ حضرت مفتی عبدالحق اعظمی مفتی دھوراجی، مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں کے خلیفۂ مجاز تھے۔ ان پر سماع مع المزامیر کا بڑا غلبہ تھا۔ وہ اجمیر شریف میں مدت دراز تک مقیم رہے۔ یہاں خانقاہ تعمیر کرائی اور اسی خانقاہ میں ان کا مزار ہے۔

کچھوچھہ شریف کے حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمۃ سے اکابر علماء اہل سنت کی کثیر تعداد نے جن کا تعلق فاضل بریلوی سے ہے، بیعت و خلافت حاصل کی ہے۔ چند اکابر کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

۱۔ صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی شاگرد رشید فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ۔

۲۔ حکیم الامت مفتی احمد یار خان صاحب علیہ الرحمۃ صاحب تفسیر نعیمی۔

۳۔ حافظ ملت مولانا حافظ عبد العزیز مرادآبادی علیہ الرحمۃ ۔
۴۔ مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن رئیس اعظم اڑیسہ علیہ الرحمۃ ۔
۵۔ صدر العلماء حضرت مولانا غلام جیلانی میرٹھی شاگرد رشید حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی علیہ الرحمۃ ۔
۶۔ امین شریعت مولانا رفاقت علی مظفر پوری علیہ الرحمۃ ۔

اگر مزامیر کے ساتھ قوالی سننا حرام ہے تو پھر ان مذکورہ بالا اکابر علماء نے قوالی سننے والے حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمۃ سے کیوں بیعت و خلافت حاصل کی ؟ حضرت سید محمد محدث اعظم علیہ الرحمۃ قوالی سنتے تھے اور عرس جہاں گیری میں قوالی کی محفل منعقد کرتے تھے تو ان کے عرس میں حضور مفتی اعظم ہند شہزادۂ اعلیٰ حضرت مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمۃ کیوں شریک ہوتے تھے اور قوالی سننے والے سرکار کلاں مخدوم مشائخ سید محمد مختار اشرف علیہ الرحمۃ کی اقتداء میں فرض نمازیں کیوں ادا کرتے تھے ۔ یہاں تک کہ مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی نمازِ جنازہ سرکارِ کلاں حضرت سید محمد مختار اشرف علیہ الرحمہ نے پڑھائی جس میں بارہ لاکھ کا مجمع تھا۔ فاضلِ بریلوی مختار اشرف صاحب کے والدِ ماجد حضرت احمد اشرف کو اپنے یہاں تقریر کے لئے بلاتے تھے۔ حضرت مختار اشرف کا تاریخی نام بھی فاضل بریلوی نے رکھا تھا۔

مذکورہ بالا تفصیلات مولانا رضاء الحق اشرفی راج محلی کی تصنیف "قوالی کا شرعی حکم" سے حاصل کی گئی ہیں، جس کی ناشر الاشرف اکیڈمی پھول بڑیا، راج محل صاحب گنج (بہار) ہے۔ سال اشاعت ۱۹۹۶ء۔ دور حاضر کے علماء اہل سنت کے لئے یہ تفصیلات غور طلب ہیں۔ کیا اچھا ہو اگر یہ حضرات قوالی کے بارے میں کف لسان سے کام لیں۔

من آنچہ شرط بلاغ است باتو می گویم تو خواہ ازسخنم پند گیر و خواہ ملال
(سعدی علیہ الرحمۃ)

سماع اور اس کے آداب سے متعلق امام غزالیؒ کے ارشادات

سماع کے آداب پانچ ہیں

(۱)وقت اور جگہ اور یاران مجلس کا لحاظ۔ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سماع میں تین باتیں ضروری ہیں ورنہ نہ سننا چاہئے۔ وقت، جگہ اور یاران مجلس۔

وقت کی رعایت سے مراد یہ ہے کہ کھانا موجود ہونے کے وقت یا جھگڑنے کے وقت یا نماز کے وقت یا اور کسی وقت جس میں کوئی ایسا مانع پیش ہو اور سماع میں دل نہ لگنے دے تو سماع سے کوئی فائدہ نہیں۔

مکان کی رعایت سے یہ مراد ہے کہ چلتا راستہ، بُری وضع کا مکان نہ ہو اور اس میں کوئی ایسا سبب نہ ہو جس سے دل اس کی طرف متوجہ ہو تو ایسے مکانات سے اجتناب چاہئے۔

یارانِ مجلس سے یہ مراد ہے کہ کوئی غیر آدمی مثلاً سماع کا منکر زاہد خشک، قلوب کے لطائف سے بے بہرہ مجلس میں نہ ہو کیونکہ ایسے شخص کا موجود ہونا گراں گزرے گا اور دل اس کی طرف مشغول ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی متکبر دنیادار ہوگا کہ اس کا لحاظ کرنا پڑے گا یا کوئی مصنوعی صوفی کہ وجد اور رقص اور کپڑے پھاڑنا ریاء کے لئے کرے ایسے لوگ دل کو پریشان کرتے ہیں، ان سے بھی اجتناب چاہئے۔ اگر یہ شرائط نہ ہوں تو راگ کا نہ سننا بہتر ہے، سننے والے کو اس کا لحاظ ضروری ہے۔

ادب: شیخ کو حاضرین کا حال دیکھ لینا چاہئے یعنی اگر اس کے مریدوں کو سماع مضر ہو تو ان کے سامنے راگ نہ سنے، اگر سنے بھی تو ان کو کسی اور شغل میں لگا دے اور جس مرید کو سماع سے ضرر ہو وہ تین طرح کے لوگوں میں ایک ہوتا ہے۔

۱۔ یہ سب سے کم مرتبہ یہ ہے کہ وہ مرید ہے، اسے طریق سلوک میں سے سوائے اعمال ظاہری کے اور کچھ معلوم نہیں، اسے سماع کا ذوق ہی نہیں تو ایسے مرید کو ذکر اللہ یا

اور کسی کلام میں مشغول ہونا چاہیے ورنہ سماع میں اس کی تضیع اوقات ہوگی۔

۲۔ اسے سماع کا ذوق تو ہے مگر ابھی تک اس میں کچھ حظ نفس اور شہوات اور صفات بشری کی طرف التفات باقی ہے یا ایسا متکبر نہ ہو کہ صفات بشری اور شہوات کی آفات سے بے خوف ہو جائے تو بعید نہیں کہ بعض اوقات سماع اس کے حق میں لہو اور شہوت کا مقتضی ہو جائے اور جس طریق میں وہ معروف ہے۔ اس سے بھی محروم ہو جائے اور اسے تکمیل سے سماع روک دے۔

۳۔ وہ مرید جس کی شہوت بھی ٹوٹ گئی ہے اور اس کی آفات سے بھی محفوظ ہے اور اس کی بصیرت مفتوح اور دل پر محبت الٰہی غالب ہے مگر اس نے علم ظاہر کی تحصیل مکمل نہیں کی اور نہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات سے واقفیت حاصل کی اور نہ اسے یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کونسی چیز جائز ہے اور کون سی محال تو ایسے مرید کے سامنے اگر باب سماع مفتوح ہوگا تو جو کچھ سنے گا اسے اللہ تعالیٰ کے حق میں ڈھالے گا خواہ واقع میں جائز ہو یا ناجائز تو اس صورت میں اسے سماع سے فائدے کے بجائے ضرر زیادہ ہوگا، کیونکہ اکثر باتیں جو لائق جناب کبریائی نہیں ان کے ڈھالنے سے کافر ہو جائے گا۔

فائدہ: سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس وجد کا شاہد قرآن اور حدیث نہ ہو وہ باطل ہے تو ایسے لوگ سماع کے قابل نہیں اور نہ وہ جن کا دل دنیا کی محبت اور لوگوں کی تعریف و ثنا کے شوق میں ملوث ہے۔ اس طرح وہ بھی لائق نہیں جو صرف لذت اور بالطبع اچھا معلوم ہونے کی وجہ سے سنتے ہیں اس لئے کہ سماع ان کی عادت ہو جاتی ہے اور وہ عبادات اور دل کی نگرانی سے روک دیتا ہے اور جس راہ طے کرنے کے درپے تھا وہ متروک ہو جاتی ہے۔

خلاصہ: سماع قدم کی لغزش کی جگہ ہے ضعیفوں یعنی علم و عمل میں کمزور لوگوں کو اس سے علیحدہ رکھنا واجب ہے۔

حکایت: حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب

میں شیطان کو دیکھا، اس سے پوچھا کہ تیرا ہمارے دوستوں پر کچھ قابو چلتا ہے تو اس نے کہا دو وقتوں میں ایک سماع کے وقت دوسرا نظر کے وقت کہ ان دونوں میں میرا ان پر داؤ چل جاتا ہے۔ جب آپ نے یہ خواب بیان کیا تو ایک بزرگ نے فرمایا کہ اگر میں اسے دیکھتا تو یوں کہتا کہ تو بڑا احمق ہے بھلا جو کوئی سماع کے وقت اللہ تعالیٰ ہی سے سنے اور دیکھنے کے وقت اس کی طرف دیکھے تو اس پر تو کیسے داؤ چلائے گا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے درست کہا۔ (ہم بھی ایسے سماع کے قائل ہیں لیکن ایسے لوگ ہیں کہاں؟)

۳۔ قوال جو کچھ کہے اسے خوب دل لگا کر سنے ادھر ادھر التفات نہ کرے اور سننے والوں کو نہ تاکے اور جو کچھ ان پر وجد کی کیفیت ظاہر ہو اسے نہ دیکھے بلکہ اپنی طرف دھیان رکھے بلکہ دل کی نگرانی کرے اور دیکھے کہ اللہ تعالیٰ میرے باطن میں اپنی رحمت سے کیا القاء فرماتا ہے اور حرکت کو روکے جو یاران مجلس کے دل کو پریشان کرتی ہے بلکہ یوں بیٹھے کہ اعضاء ظاہری سے کچھ نہ ہلے۔ کھنکارنے اور جمائی لینے سے احتراز کرے اور گردن نیچے رکھے جیسے کوئی بڑی گہری فکر میں ڈوبا ہوا ہو، تالی بجانا اور رقص اور بناوٹ اور نمود کی حرکات نہ کرے اور اثناء سماع میں وہ گفتگو نہ کرے، جس کی ضرورت نہ ہو۔ اگر وجد غالب ہو اور بے اختیار ہو جائے تو وہ مجبور ہے، اسے ملامت نہ کی جائے مگر جب افاقہ ہو، اسی وقت پھر سکون اور وقار اختیار کرے، اسی حالت پر باقی رہے اس شرم سے کہ لوگ کہیں گے کہ اچھا وجد تھا جو ذرا سی دیر میں جاتا رہا اور یہ بھی نہیں چاہئے کہ زبردستی وجد ظاہر کرے تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ بڑا سخت دل اور صفائی اور رقت قلبی سے بے بہرہ ہے۔

حکایت: ایک نوجوان حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہتا تھا۔ جب کوئی ذکر سنتا تو چلاتا۔ ایک دن آپ نے اسے فرمایا کہ اب ایسا کرو گے تو میرے ساتھ نہ رہنا، اس کے بعد وہ اپنے نفس کو اتنا روکنے لگا کہ اس کے ہر بال سے پانی کا قطرہ نکلتا، مگر چیخ نہ مارتا۔ ایک دن اس نے اپنے نفس کو بہت روکا تو گلا گھٹنے لگا آخر ایسا نعرہ مارا

کہ اس کا دل پھٹ گیا اور جان نکل گئی۔

حکایت: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں وعظ فرمایا، ان میں سے ایک نے اپنا کپڑا یا کرتا پھاڑ ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اسے کہہ دو کہ ہمارے لئے اپنے دل کے ٹکڑے کرے کپڑے نہ پھاڑے۔

حکایت: ابو القاسم نصیر آبادی علیہ الرحمۃ نے ابو عمرو بن عبید علیہ الرحمۃ سے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ اگر کچھ لوگ جمع ہوں اور قوال کچھ گائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کی غیبت کریں۔ ابو عمر نے کہا کہ میں راگ میں نمود کرتا ہوں۔ یعنی جو حالت اپنے اندر نہ ہو اسے ظاہر کرنا تیس برس کی غیبت کرنے سے بھی بُری ہے۔ (غیبت زنا سے بھی بدتر ہے۔ اب اس سے اندازہ لگایئے کہ یہ گناہ کتنا بڑا ہوگا۔)

سوال: افضل وہ ہے جو ضبط کر کے بیٹھا رہے اور سماع اس کے ظاہر میں کچھ اثر نہ کرے یا وہ افضل ہے جس پر اثر ظاہر ہو۔

جواب: اثر نہ ظاہر ہونا کئی طرح سے ہوتا ہے کبھی تو اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وجد ہی کم ہو تب وہ نقصان میں داخل ہے اور کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ وجد تو باطن میں قوی ہوتا ہے مگر چونکہ ضبط اعضاء کی قوت سالک میں بدرجہ کمال ہوتی ہے، اس لئے ظاہر نہیں ہوتا تو یہ درجہ کمال ہے، اس میں نقصان نہیں اور کبھی اس لئے ظاہر نہیں ہوتا کہ حالت وجد سالک کو ہر وقت اور ہر حال میں یکساں رہتی ہے تو سماع سے کچھ زیادہ اثر معلوم نہیں ہوتا یہ درجہ نہایت اعلیٰ کمال کا ہے کیونکہ وجد والوں کا وجد غالباً ہمیشہ نہیں رہتا ،تو جو وجد دائی ہو تو وہ حق سے وابستہ اور عین شہود پر التزام کرنے والا ہے، اسے احوال عارضی بدل نہیں سکتے۔

فائدہ: ممکن ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو دیہاتیوں سے فرمایا تھا کہ ہم بھی کبھی ایسے تھے جیسے تم ہو مگر اب ہمارے دل سخت ہو گئے۔ اس ارشاد میں وجد دائی کی طرف اشارہ ہوا یعنی ہمارے دل اتنے قوی اور مضبوط ہو گئے ہیں کہ ہر حال میں وجد پر التزام کرنے کی طاقت رکھتے ہیں، اس وجہ سے کہ ہم گویا قرآن کا معنیٰ

ہمیشہ سے مدنظر رکھتے ہیں۔ ہمارے لئے قرآن کوئی نئی بات اور عارضی نہیں کہ اس سے ہم متاثر ہوں۔

خلاصہ: وجد کی قوت تحریک ظاہر کرتی ہے اور عقل وادراک کی قوت اس کو ضبط کرتی ہے اور بعض اوقات ان دونوں میں سے ایک دوسرے پر غالب ہو جاتی ہے، یا تو اس وجہ سے کہ خود نہایت قوی ہوتی ہے یا اس وجہ سے کہ اس کی بالمقابل طرف کمزور ہوتی ہے اور نقصان اور کمال اسی کے مطابق ہوا کرتا ہے۔

ازالہ وہم: یہ گمان نہ کرنا چاہئے کہ جو خود زمین پر تڑپتا ہے وہ وجد میں کامل ہے اور جو اضطراب کو ضبط کئے ہوئے ہے وہ ناقص ہے بلکہ بہت سے ضبط کرنے والے بہ نسبت تڑپنے والے کے وجد میں کامل ہوتے ہیں۔

حکایت: حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ شروع سماع میں کچھ حرکت کیا کرتے تھے اور آخر بالکل جنبش نہ کرتے تھے۔ کسی نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے یہ آیت پڑھی۔

وتری الجبال تحسبها جامدة وهی تمر مر
السحاب صُنع اللّٰہِ الذی اتقن کل شیء
(پ۲۰ سورہ النمل آیت ۸۸)

ترجمہ کنز الایمان: اور تو دیکھے گا پہاڑوں کو خیال کرے گا کہ وہ جمے ہوئے ہیں اور وہ چلتے ہوئے ہوں گے بادل کی چال یہ کام ہے اللہ کا جس نے حکمت سے بنائی ہر چیز۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ دل تڑپتا رہتا ہے اور ملکوت میں جولانیاں کرتا ہے اور ظاہر میں اعضاء ساکن اور ٹھہرے ہوئے ہیں۔

حکایت: ابو الحسین محمد بن احمد بصری علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ ساٹھ سال سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہے۔ میں نے ان کو کبھی نہیں دیکھا کہ کبھی کوئی ذکر یا قرآن کی آیت سن کر انہیں کچھ تغیر ہوا ہو جب وہ آخر عمر میں پہنچے تو کسی نے ان کے سامنے یہ آیت پڑھی۔

فالیوم لا یوخذمنکم فدیة ترجمہ: سوآج تم سے فدیہ قبول نہ ہوگا۔
تو میں نے دیکھا کہ کانپ اٹھے ہیں اور قریب تھا کہ گر پڑیں۔ جب وہ اصلی حالت پر آئے تو میں نے پوچھا کہ یہ کیا بات تھی، آپ نے فرمایا کہ عزیز اب ہم ضعیف ہوگئے، اسی طرح ایک بار یہ آیت سنی۔

الملک یومئذن الحق للرحمٰن.

ترجمہ: ملک اس دن حق ہے رحمٰن کے لئے۔

......تو تڑپ گئے ابن سالم (جو آپ کے مرید تھے) انھوں نے اس کی وجہ پوچھی فرمایا کہ میں ضعیف ہوگیا ہوں کسی نے عرض کیا کہ اگر یہ ضعف سے ہے تو حال کی قوت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قوی الحال وہ ہے کہ جو اس پر وارد آئے اسے اپنے حال کے زور سے نگل جائے، کوئی واردات کیسی ہی زبردست کیوں نہ ہو اسے متغیر نہ کر سکے۔

نقصان: باوجود وجد کے ضبط پر ظاہر قدرت کا سبب یہ ہوتا ہے کہ ہر وقت کے شہود سے تمام حالتیں یکساں ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میری حالت نماز سے پہلے اور بعد کو ایک ہے۔ اس لئے کہ آپ ہر وقت دل کے نگران اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ حاضر الذکر تھے تو اس طرح کا سالک سماع سے پہلے اور بعد یکساں رہے گا کیونکہ اس کا وجد اور حال دائی اور اشتیاق یکساں اور ذوق متواتر رہے گا۔ انہیں سماع سے کوئی ترقی نہ ہوگی۔

حکایت: ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ (چشتیہ کے سرتاج) ایک جماعت سے گزرے۔ ان میں قوال کچھ گا رہے تھے۔ آپ کو دیکھ کر وہ خاموش ہوگئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم اپنا کام کرو میرے کان میں اگر تمام دنیا کے راگ سر اکٹھے ہوں تب بھی وہ میری ہمت کو نہ روکیں گے اور نہ میری حالت میں ترقی ہوگی۔

فائدہ: حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علمی فضل کی موجودگی میں وجد کا نقصان کوئی ضرر نہیں پہنچاتا فضل وجد کے فضل سے زیادہ کامل ہے۔

سوال: سالک پھر سماع کیوں سنتا ہے؟

جواب: ان حضرات میں سے بعض نے تو بڑھاپے میں سماع چھوڑ دیا تھا اور بہت کم سماع سنتے تھے، یعنی کسی دوست کی خاطر اور اس کے دل کو خوش کرنے کو کبھی اتفاق ہو جاتا تھا اور بعض اوقات اس لئے شریک ہوتے تھے کہ لوگ ان کی قوت کے کمال کو دیکھیں اور معلوم کریں کہ ظاہر کا وجد کچھ کمال کی بات نہیں اور ظاہر کا ضبط کرنا ان سے سیکھیں کہ تکلف اور بناوٹ سے اس طرح علیحدہ رہتے ہیں۔ اگر چہ ان سے ان کی پیروی نہ ہو سکے۔ اس لئے کہ یہ امر ان سے مثل طبیعت کے ہوگیا ہے اگر وہ حضرات اتفاقاً ابنائے جنس کے سوا اور کسی سماع میں جاتے ہیں تو اجسام سے ان کے شریک رہتے ہیں اور دل سے ان سے دور رہتے ہیں جیسے بغیر سماع کے غیر جنسوں میں اگر کسی ضرورت سے بیٹھے ہیں تو وہاں بھی یہی حال ہوتا ہے کہ ظاہر ان میں ہوتا ہے اور باطن ملکوت میں اور بعض حضرات سے سماع کا ترک منقول ہے اور یہی گمان ہوتا ہے کہ انھوں نے ان کو برا جانا تھا۔

(جیسے سنا ہے حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ عمر مبارک کے اواخر میں سرود نہیں سنتے تھے۔ واللہ اعلم۔ اویسی غفرلہٗ)

مگر واقع میں ترک کا سبب یہی ہے کہ ان کو سماع کی حاجت نہ تھی۔ دائم الوجد تھے اور بعض لوگ اس وجہ سے زاہد تھے کہ ان کو سماع میں حظ روحانی نہ تھا اور نہ ہی اہل لہو تھے۔ اسی لئے ترک کر دیا کہ بے فائدہ بات میں کیوں مشغول ہوں اور بعض نے اس لئے ترک کیا کہ ان کو یاران مجلس میسر نہ ہوئی۔ چنانچہ کسی شخص سے پوچھا گیا کہ تم راگ کیوں نہیں سنتے؟ تو اس نے جواب دیا کہ کس سے سنوں اور کس کے ساتھ سنوں۔

ادب ۴: جب اپنے نفس کو روک سکتا ہو تو وجد میں کھڑا نہ ہو اور نہ رونے میں آواز بلند کرے اگر رقص کرے اور رونی صورت بنائے تو مباح ہے بشرطیکہ ریاء و نمود نہ ہو کیونکہ رونی صورت بنانے سے حزن پیدا ہوتا ہے اور سرور و نشاط کی تحریک کا سبب رقص ہوا کرتا ہے اور مباح کی تحریک جائز ہے۔ اگر رقص حرام ہوتا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضورؐ کے ساتھ حبشیوں کو رقص کرتے نہ دیکھتیں۔

احادیث رقص ا۔ بعض آیات میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ حبشی ناچ رہے تھے۔

فائدہ: صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی بعض اکابر کا رقص سرور کا وقت مروی ہے اور وہی سرور موجب ان کے رقص کا ہوا ہے ۔۲۔حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کے صاحبزادے کے متعلق جب حضرت علی مرتضٰی اور حضرت جعفر آپ کے بھائی اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم میں جھگڑا ہوا کہ اس بچی کی پرورش کون کرے تو حضورؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ رقص کرنے لگے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تو میری صورت و سیرت کے مشابہ ہے تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ رقص کرنے لگے، پھر آپ نے فرمایا کہ یہ بچی جعفر کے پاس رہے گی کیونکہ اس کی خالہ جعفر کی منکوحہ ہے اور خالہ گویا والدہ ہی ہے۔

(رواہ ابو دائود باسناد حسن والبخاری دون الجمل واخرجہ البیھقی فی السنن اتحاف، ص:۵٦۷، جلد:٦)

۳۔ حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تجھے حبشیوں کا ناچ پسند ہے۔

خلاصہ : رقص اور اچھلنا خوشی کی وجہ سے ہوتا ہے تو اس کا حکم بھی خوشی ہی پر مترتب ہوگا یعنی جس صورت میں خوشی اچھی ہو اور رقص سے اسے ترقی اور تاکید ہوتی ہو تو وہ رقص محمود اور اچھا ہوگا اگر خوشی مباح ہوگی تو رقص بھی مباح ہوگا اگر بری ہوگی تو وہ بھی برا ہوگا۔

فائدہ: یہ حرکت رقص اکابر اور مقتدا حضرات کی شان کے لائق نہیں کیونکہ یہ اکثر لہو ولعب کے طور پہ ہوتا ہے اور جو بات کہ لہو ولعب کی صورت میں ہو تو اس سے مقتدایانِ قوم اور پیشوایانِ اسلام کو اجتناب کرنا چاہیے تا کہ لوگوں کی نظروں میں حقیر نہ ہوں اور لوگ ان کا اقتداء نہ چھوڑ دیں۔

مسئلہ: وجد میں کپڑوں کے پھاڑنے کی اجازت نہیں مگر اس صورت میں کہ انسان اپنے اختیار میں نہ رہے اور یہ بھی بعید نہیں کہ دل پر وجد کا غلبہ اس درجہ کا ہو کہ وہ اپنے کپڑے پھاڑ دے اور وجد کے نشہ میں معلوم نہ ہو یا معلوم بھی ہو مگر بغیر کپڑے پھاڑنے کے نفس کو ضبط نہ کرسکتا ہو تو اس کا حال ایسا ہوگا جیسے زبردستی کسی سے کوئی کام لیا جائے کیونکہ وہ تو تڑپنے اور کپڑے پھاڑنے میں بچاؤ کی صورت دیکھ کر مجبوری سے اس کو اختیار کرتا ہے جیسے بیمار، آہ مجبوری سے کرتا ہے اگر کوئی اس کو بزور آہ سے روکے تو ہرگز اس سے بالکل صبر نہ ہوسکے گا باوجودیکہ فعل اختیاری ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ جن افعال کا حصول ارادہ سے ہو انسان اس کے ترک پر قادر بھی ہو مثلاً سانس لینا بھی ارادہ سے حاصل ہوتا ہے لیکن اگر کسی سے کہا جائے کہ ایک گھنٹہ سانس روک لے تو وہ گھبرا کر سانس لینا اختیار کرے گا، یہی حال چیخنے اور کپڑا پھاڑنے کا ہے کہ یہ بھی کبھی ایسے ہی ہوتے ہیں تو اسے حرام نہیں کہہ سکتے۔

حکایت: حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے تیز وجد اور غلبہ کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں وجد غالب وہ ہوتا ہے کہ اگر وجد والے کے منہ پر تلوار چل جائے تو اسے خبر نہ ہو۔ لوگوں نے دوبارہ پوچھا اور اپنے گمان میں اسے بعید سمجھے کہ اس حد تک وجد ہو، اس لئے بہت سا اصرار کیا مگر آپ نے پھر کچھ نہ کہا۔

فائدہ: اس کا معنیٰ یہ ہے کہ بعض اوقات بعض اشخاص سے مخصوص ہوتے ہیں، ایسے ہی وجد غالب کہ انہیں کیسی ہی ایذا دی جائے وہ محسوس نہیں کرتے۔

سوال: سماع کے بعد اور وجد سے فارغ ہونے پر جو صوفی نئے کپڑے چیر کر اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے لوگوں کو دیتے ہیں اور اس کا نام خرقہ رکھتے ہیں تو اس کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں اور یہ شرعاً کیسا ہے؟

جواب: یہ مباح ہے بشرطیکہ کپڑا پھٹا ہوا مربع پیوند لگانے یا جانماز بنانے کے قابل ہو، اس لئے کہ پھاڑنے میں کوئی ممانعت نہیں۔ تھان کو بھی پھاڑ کر کپڑا یا کرتا بناتے ہیں اور مال کا ضائع کرنا بھی نہیں اس لئے کہ اس پھاڑنے سے ایک غرض متعلق

ہے یعنی پیوند لگانا کہ وہ چھوٹے ہی ٹکڑوں سے لگایا جاتا ہے اور سب کو بانٹنا اس ارادہ سے کہ خیر میں تمام شریک ہوں مباح اور مقصود ہے، اس لئے کہ ہر مالک کو اختیار ہے کہ اپنے تھان کے سوٹکڑے کرکے سوفقیروں کو دے دے۔ لیکن ہاں، یہ ضروری ہے کہ وہ ٹکڑے ایسے ہوں جو پیوند میں کام آئیں اور سماع میں جو ہم نے اس کپڑے پھاڑنے کو منع لکھا ہے، جس سے کپڑا ایسا بگڑ جائے کہ کسی کام کا نہ رہے کیونکہ یہ محض ضائع کرنا ہے تو اختیار سے جائز نہیں بے اختیاری میں مجبوری ہے۔

ادب ۵ : وجد کے وقت قیام میں اہل وجد کی موافقت کرنی چاہئے یعنی اگر کوئی وجد صادق میں بغیر نمود و ریاء اور بناوٹ کے کھڑا ہو جائے یا بغیر اظہار وجد کے باختیار خود کھڑا ہو اور لوگ اس کے لئے کھڑے ہو جائیں تو ان کے ساتھ کھڑا ہو جائے کہ یاران مجلس کی موافقت آداب صحبت میں سے ہے۔ اسی طرح اگر لوگوں کی عادت ہو گئی ہو کہ اگر وجد والے کی پگڑی گر جائے تو وہ بھی اپنی پگڑیاں اس کی موافقت میں اتار دیں یا کسی کی چادر اتر جائے تو اپنی چادریں اتار دیں تو ایسی باتوں میں سب کے موافق کام کرنا آداب صحبت و آداب معاشرہ کی خوبی میں داخل ہے، کیونکہ رفقا کی مخالفت موجب وحشت ہے اور ہر قوم کی رسم جداگانہ ہے۔

حضورؐ نے فرمایا خالقوا الناس باخلاقهم

لوگوں سے ان کی عادتوں کے موافق رہو۔

جب ایسے اخلاق ہوں کہ ان میں حسن معاشرہ اور دلوں کا خوش کرنا موافق کرنے سے پایا جاتا ہو تو انہیں عمل میں لانا ضروری ہے۔

سوال: یہ بدعت ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت میں ایسا نہیں تھا؟

جواب: یہ اعتراض کہ جتنے مباحات ہیں وہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہوں حالانکہ ضروری نہیں بلکہ ممنوع و بدعت وہ ہے جو کسی سنت کے مخالف ہو جس کے کرنے کا حکم حضرت شارع علیہ السلام نے دیا ہو اور امر متنازع فیہ میں کسی طرح کی ممانعت منقول نہیں۔ (احیاء العلوم، ج۲، ص۵۳۶ تا ۵۴۳، اردو ترجمہ مولانا فیض احمد

اویسی، مکتبہ رضویہ دہلی)

برصغیر میں اسلام کے مبلغ اعظم حضرت خواجۂ خواجگاں معین الدین حسن چشتی علیہ الرحمۃ والرضوان ہیں، سماع ان ہی سے رائج ہوا ہے۔ اگر یہ شریعت کے عین مطابق نہ ہوتا تو خواجۂ بزرگ ہرگز اس کو رواج نہ دیتے۔ جو علمائے دین اس کی مخالفت کرتے ہیں، ان سے پوچھا جائے کہ انھوں نے کتنے لوگوں کو بغیر سماع کے مشرف بہ اسلام کیا ہے۔

OO

تیرھواں باب

خواجہ سید فخر الدین گردیزی قدس سرہٗ

(جدِّ اعلیٰ خدامِ غریب نوازؒ)

جہاں سلطان الہند کے حالات زندگی کسی تذکرہ میں بہ تفصیل موجود نہیں وہاں حضرت خواجہ سید فخر الدین کے واقعات و حیات کی نسبت فقدان معلومات کوئی تعجب انگیز واقعہ نہیں ہو سکتا۔ آپ کے بارے میں معلومات کا سب بڑا ذخیرہ کتاب ''تاریخ السلف'' ہے۔ یہ کتاب مولانا معنی اجمیری کا تحقیقی شاہکار ہے، جس پر سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے تقریظات تحریر کی ہیں۔ واقعتاً اسی کتاب کی متعلقہ عبارت کو ضروری ترتیب و تعلیق کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ فقدانِ معلومات کے علاوہ ان کی کتاب کو بطور بنیاد استعمال کرنے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ خدام خواجہ میں سے ہونے کے علاوہ غیر جانبدارانہ تحقیق کے علمبردار ہیں۔ اسی وجہ سے اختلاف مسلک کے باوجود سید سلیمان ندوی جیسے محقق نے ان کی کتاب پر دیباچہ لکھا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سرکار والا تبار نے اپنے واقعات زندگی کو پردۂ خفا میں رکھا ٹھیک اسی طرح حضرت خواجہ سید فخر الدین گردیزیؒ نے اپنے حالات کی کوئی صراحت نہیں کی۔ اس کے علاوہ ہمارے اسلاف کرام نے بھی اس عنوان پر کوئی تاریخ نہیں لکھی، جس سے اقتباس واقعات میں دشواری پیش نہیں آتی۔ پس ہمارے لئے ضروری ہو گیا کہ اپنی زبانی روایات پر غور کر کے صحیح نتیجہ نکالا جائے کیونکہ زبانی روایات

بھی بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ ہماری بہت سی روایات جو کبھی بادہوائی سمجھی جاتی تھیں آج نئی معلومات اور دلائل سے ثابت ہو گئی ہیں۔

دور جاہلیت میں بڑے بڑے شعرائے عرب کے قصائد بھی زبانی روایات پر مبنی تھے اور ہندوستان جنت نشان کے قدیم واقعات بھی تاریخ نویسی کی بجائے زبانی روایات پر منحصر تھے۔

سنِ ولادت ۵۴۹ھ

روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ فخر الدین گردیزیؒ نے وصالِ خواجہ بزرگ کے دس سال بعد رحلت فرمائی اور اس وقت عمر مبارک ترانوے سال کی تھی۔ پس یوں سمجھنا چاہئے کہ حضرت خواجہ فخر الدین گردیزیؒ نے ۶۴۲ھ میں وصال فرمایا۔ اب اگر ۶۴۲ھ سے ترانوے کم کر دیئے جائیں تو ۵۴۹ ہوتے ہیں۔ پس معلوم ہوا ۵۴۹ھ مطابق ۱۲۴۳ء میں بمقام گردیز آپ کا تولد ہوا، یہ وہ زمانہ تھا کہ جب خواجہ بزرگ تحصیل علم میں مصروف تھے۔

خاندانی حالات ونسب

متعدد قدیم شجرے خدام صاحبان کے پاس موجود ہیں اور کتاب تذکرۃ المعینؒ مولفہ حضرت مولانا سید زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نیز رسالہ فضائل خواجہ مولفہ ابوالموید حکیم محمد مظہر الہادی میں جو سلسلہ نسب تحریر ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہاں ایک دو شجروں میں نام مقدم و موخر ہو گئے ہیں غرض یہ کہ تمام شجرے بیک زبان اس کے قائل ہیں کہ حضرت خواجہ فخر الدین سادات حسینی سے ہیں اور آپ کا نسب نامہ یہ ہے۔

حضرت خواجہ سید فخر الدین قدس سرہٗ ابن حضرت خواجہ سید احمد ابن حضرت خواجہ شاہ سید صدر الدین ابن حضرت خواجہ شاہ سید نظام الدین ابن خواجہ سید ابوالفتح ابن حضرت خواجہ سید ابوالقاسم ابن حضرت خواجہ سید جمال الدین ابن حضرت خواجہ سید حسین

قدس اللہ اسرارہم ابن امام عالی مقام سیدنا موسیٰ کاظم خلف امام عالی مقام سیدنا جعفر صادق خلف امام عالی مقام سیدنا محمد باقر خلف امام عالی مقام سیدنا زین العابدین علی اوسط خلف سید الشہدا سلطان الاصفیاء امام الائمہ امام عالی مقام سید السادات حضرت حسین علیہ السلام خلف امیر المومنین امام المسلمین خلیفہ رسول اللہ اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب سلام و صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیٰ نبینا وعلیہم و رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

حسن اتفاق دیکھو کہ خواجہ بزرگ اور حضرت خواجہ فخر الدین دونوں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ یہ نسبتِ اتحادی اور جدّی قرابتداری کی دلیل ہے کہ قضا و قدر کی نگاہِ انتخاب علیٰ قدرِ مراتب خادم و مخدوم پر یکساں تھی۔

اس کے علاوہ کتاب گلزار ابرار میں جہاں حضرت خواجہ فخر الدین گردیزیؒ کا ذکر کیا گیا ہے مصنف مرحوم نے آپ کا نام نامی شیخ فخر الدین احمد لکھا ہے۔ پس اب دیکھنا یہ ہے کہ کسی کتاب کسی شجرے میں آپ کا اسم گرامی فخر الدین احمد نہیں مرقوم ہے۔ بلکہ نامِ نامی فخر الدین لکھا ہوا ہے لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ فخر الدین احمد میں اضافت بمعنیٰ ابن ہے اور شیخ فخر الدین ابن احمد مراد ہے۔ عربی میں یہ اضافت عام طور سے مستعمل ہے اور زبان فارسی میں عربی ہی کی تقلید کی گئی ہے۔ چنانچہ غالب مرحوم کا شعر ہے۔

وردِ من بود غالب یا علی بو طالب
نیست بخل یا طالب اسم اعظم از من پرس

تعلیم و تربیت

حضرت خواجہ فخر الدین کی تعلیم و تربیت کے متعلق کوئی روایت مشہور نہیں ہے۔ یہ بھی حسنِ اتفاق ہے کہ خواجہ بزرگ کی تعلیم و تربیت کا حال بھی صراحت و وضاحت کے ساتھ کہیں نہیں ملتا۔ لیکن یہ یقینی امر ہے کہ حضرت سید خواجہ فخر الدین گردیزیؒ تعلیم یافتہ ضرور تھے چنانچہ گلزار ابرار کے مصنف کا بیان اس کا شاہد ہے۔

یہ روایت آج ہر فردِ خدام کی نوکِ زباں پر ہے کہ حضرت خواجہ سید فخر الدین گردیزیؒ مخدوم عالم و عالمیان خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ سے بیعت تھے اور اس کی کوئی صراحت نہیں کی گئی کہ صاحب موصوف کس عمر میں بیعت ہوئے، ممکن ہے کہ بچپن ہی سے پیرو مرشد کی خدمت نصیب ہو گئی ہو لیکن اقرب الی الصواب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عنفوان شباب میں آپ گردیز سے خدمت میں آئے اور اس وقت آپ کی عمر بیس سال کی تھی۔ پس اس وقت سنِ بیعت ۵۶۹ھ قرار پا سکتا ہے۔

کتاب سیر العارفین میں (جو بادشاہ ہمایوں کے عہد میں اختتام پذیر ہوئی ہے) حسبِ ذیل روایت درج ہے اور اسی کتاب سے تاریخ فرشتہ اور اقتباس الانوار وغیرہ مختلف کتب میں یہ روایت نقل کی گئی ہے۔

"بعد چند گہ حضرت شیخ المشائخ حضرت شیخ عثمان قدس سرہٗ از فرط محبتی کہ داشتند در طلب او از مقام خود انتقال نمودند بعد منزلے چند در مقامے رسیدند کہ در آں زمینِ مغان ساکن بودند و آتشکدہ ساختہ و افروختہ بودند بالائے او گنبد خشتی بر آوردہ هر روز مواز نہ بست اعرابۂ هیزم معهود بود کہ درونے می انداختند چوں حضرت شیخ آنجا رسیدہ دور تراز قصبہ در زیر درختے نزول فرمودند حضرت شیخ خادمے داشت فخر الدین نام اُو را فرستادہ کہ پارہ آرد و آتش بیارد تانان افطار مهیا سازد خادم مذکور بداں موضع رسیدہ پارہ آرد خرید واز جهت آتش بداں آتشکدہ آمدِ خواست کہ آتش گیرد...... الخ"

(سیر العارفین، ص:۸، مطبع رضوی، دہلی، سال طباعت ۱۳۱۱ھ)

(ترجمہ) کچھ عرصہ کے بعد حضرت شیخ المشائخ حضرت شیخ عثمان نے خواجہ بزرگ کی

محبت وطلب میں سفر فرمایا۔ چند منزل بعد ایک مقام پر پہنچے کہ وہاں آتش پرست رہتے تھے اور آتشکدہ بنا رکھا تھا۔ اس پر گنبد خشتی تھا۔ ہر دن میں گاڑیوں کی لکڑیاں جلائی جاتی تھیں۔ جب حضرت شیخ وہاں پہنچے تو قصبہ سے دور ایک درخت کے سایہ میں نزول اجلال فرمایا۔ فخرالدین نام کے آپ کے ایک خادم تھے آپ نے ان کو آٹا اور آگ لانے کے لئے فرمایا تاکہ افطار کے لئے روٹی تیار کی جائے۔ خادم مذکور اس موضع میں پہنچے، آٹا خرید لیا اور آگ لینے کے لئے آتش کدہ پر آئے...... الخ

مختصر یہ کہ حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ سے کرامت خلیلی ظاہر ہوئی، نار گلزار ہو گئی اور تمام آتش پرست مسلمان ہو گئے۔ پس اس واقعہ سے ہماری زبانی روایت کی تائید ہوتی ہے۔

سلطان الہند کی معیت

ہماری زبانی روایات اس کی شاہد ہیں کہ حضرت خواجہ فخرالدین گردیزیؒ حضرت سلطان الہند کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے اور اجمیر میں قیام فرمایا اور یہیں کے ہو رہے۔ چنانچہ مولد عطائے رسول مطبع گلزار حسینی بمبئی مؤلفہ علامہ احمد علی کا بیان ہے۔

انه روی فی کتاب گلشن وغیره ان الشیخ رحمة الله علیه لما اخذ من شیخة الخلافة و خرقة السنة و نال منه الاذن والبرکة والمنة و توجه الیٰ اطراف اصفهان المشتمل علیٰ بلده سنجرو معه فخر الدین المرتضع لبان الیمت عند الشیخ الاکبر و صلابلدة لیس بها الاالکافر الباغی والمجوس والمتجبر الطاغی و نزلا هناک لاستظلال تحت شجرة و عندها اخدودة من نار مسجرة و توقد فیها کل یوم اخطاب مکسرة ولایرضون حالا یطفئونها و کلما انطفت یجمرونها فعزم رحمة الله

علیه ان یهدیهم الی الرشاد و یزجرہم من الفساد فارسل الیهم فخر الدین و هو اخو البیعة خادمه و خلیفة فی الدین ....الخ

(ترجمہ)

''کتاب گلشن نیز دوسری کتابوں سے روایت کہ جب شیخ (خواجہ بزرگ) نے پیرومرشد سے خرقہ خلافت وطریقت، اجازت ورخصت اور برکت وسعادت حاصل کی تو اطراف اصفہان کی جانب توجہ کی۔ بلدۂ سنجران ہی کی اطراف میں داخل ہے۔ اس وقت خواجہ بزرگ کے ہمراہ خواجہ سید فخر الدین تھے جو بیعت شیخ کے دودھ پینے میں آپ کے شریک تھے۔ دونوں کے دونوں ایک شہر میں پہنچے جہاں کافروں، باغیوں، مجوسیوں، ظالموں شیطانوں کے سوا کوئی نہ تھا۔ ان دونوں حضرات نے ایک درخت کے سایہ میں قیام فرمایا۔ اسی مقام کے قریب کچھ گڑھے تھے اور اس میں آگ بھڑک رہی تھی اور اس میں لکڑیاں توڑ کر جلائی جاتی تھیں اور وہ لوگ اس کے بجھانے پر کبھی راضی نہیں ہوتے تھے۔ جب آگ بجھنے لگتی تھی تو روشن کر دیتے تھے۔ حضرت خواجہ نے ان کی ہدایت کا ارادہ فرمایا اور ان لوگوں کو اس گمراہی اور فساد سے روکنا چاہا پس آپ نے اپنے برادرِ طریقت اور دینی خلیفہ اور خادم سید فخر الدین گردیزیؒ کو ان کی جانب روانہ فرمایا۔''

اصل کتاب گلشن دستیاب نہ ہوسکی البتہ اس قدر ضرور معلوم ہوا کہ کتاب جواہر فریدی ایک قدیم تذکرہ ہے جو عہد جہانگیری میں ۱۰۳۳ھ میں فارسی میں لکھا گیا ہے، اس کے مصنف محمد علی اصغر چشتی ہیں۔ اس میں اسی کتاب گلشن کی روایات نقل کی گئی ہیں اور مذکورہ بالا روایت بھی نقل کی گئی ہے۔ اردو ترجمہ جواہرِ فریدی، ص ۲۲۳، مترجم مولانا فضل الدین نقشبندی مجددی۔ مکتبہ بابا فرید چوک چٹی قبر، پاک پٹن شریف، پاکستان سے شائع ہوا ہے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ روایت باعتبار زمانہ قدیم ہے علاوہ ازیں لفظ وغیرہ دلالت کرتا ہے کہ مصنف موصوف نے دوسری کتب میں بھی اس روایت کا مطالعہ کیا ہے۔

اب سیر العارفین اور کتاب گلشن کی دونوں روایتوں کا موازنہ اس وقت نہیں کیا جا سکتا جبکہ صدیاں گذر گئیں۔ ہاں اگر سن و تاریخ کا ذکر ہوتا تو شاید صحت و عدم صحت سے بحث کی جاتی۔ لیکن اگر زبانی روایات پر غور کریں تو یقیناً کتاب گلشن کی روایت صحیح معلوم ہوگی۔ ورنہ دونوں صورتوں میں اثبات مدعا ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ سیر العارفین کی روایت صحیح ہے اور اس صورت میں خواجہ سید فخر الدین گردیزیؒ کا خواجہ بزرگ کے ہمراہ رہنا کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے کیونکہ خواجہ بزرگ کو رخصت فرمانے کے بعد حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ نے یہ سفر فرمایا تھا۔ یہ ایک ایسا اعتراض ہے جس کا جواب اظہر من الشمس ہے، اس لئے کہ دنیا کے کسی تذکرے نے یہ نہیں بتایا کہ اس سفر میں جس کی علت غائی سلطان الہند کا دیدار تھا آیا حضرت پیر و مرشد نے خواجہ بزرگ سے ملاقات کی یا نہیں۔ غرض اثبات و نفی دونوں بحالت تذبذب ہیں۔ پس جب یہ صراحت موجود نہیں ہے تو اس وقت ملاقات ایک امکانی حیثیت میں شمار کی جا سکتی ہے اور بعض تذکرے اس کے شاہد ہیں کہ حضور اقدس نے زیارت حرمین سے مشرف ہو کر ہرون کی جانب توجہ کی۔ پس اس وقت خواجہ عثمان سے ملاقات اک یقینی اور نفس الامر واقعہ ہے۔ بالفرض یہ بھی مان لیا جائے کہ ملاقات نہیں ہوئی تو یقیناً کچھ مدت کے بعد حضرت خواجہ سید فخر الدین خواجہ بزرگؒ سے کسی مقام پر آ کر ملے ہیں، اس لئے کہ روایات اس کی تصریح کر رہی ہیں کہ حضرت خواجہ سید فخر الدین گردیزیؒ کو خواجہ بزرگ نے حسب فرمان پیر و مرشد اپنے ہمراہ لیا اور حضرت خواجہ سید فخر الدین گردیزیؒ نے حسب ارشاد پیر و مرشد اپنے برادرِ طریقت خواجہ بزرگ کی خدمت اختیار کی۔ علاوہ ازیں دنیا کا کوئی وہ تذکرہ جس میں نائب النبی کے حالات کسی قدر صراحت کے ساتھ موجود ہیں ایسا نہیں ہے، جس سے خواجہ بزرگ کے ہمراہ ایک درویش بالفاظ دیگر خادم کا رہنا ثابت نہ ہوتا ہو۔ پس اب جب کہ تمام تذکرے ہم آہنگی کے ساتھ اس کے قائل ہیں کہ سرکار والا تبار کے ہمراہ ایک درویش یا خادم رفیق شریکِ سفر رہے ہیں اور بعض کتب میں نام نامی فخر الدین صاف طریقہ پر مرقوم ہے اور بعض تذکروں میں نام

نامی کے بجائے لفظ درویش یا خادم تحریر ہے تو اس وقت مجال انکار باقی نہیں رہتی کیونکہ خواجہ فخر الدین کے نام نامی کے بجائے کسی کتاب میں درویش و خادم کا کوئی دوسرا نام نہیں لکھا گیا۔

قیام اجمیر و خلافت

عہد جہانگیری کی تالیف کتاب گلزار ابرار مؤلفہ مولانا غوثی شطاریؒ ایک فارسی مخطوطہ ہے جس کا اردو ترجمہ طبع ہو چکا ہے۔ مترجم کا بیان ہے کہ کتاب کی اصل عبارت فارسی بہت دقیق تھی عام لوگ سمجھ نہیں سکتے تھے، اس لئے ۱۳۲۶ھ میں صرف اس کا ترجمہ شائع کیا گیا۔ اس کتاب میں خلفائے حضرت خواجہ بزرگ کے سلسلہ میں خواجہ سید فخر الدین گردیزیؒ کو ان الفاظ سے یاد کیا ہے۔

"آپ (خواجہ فخر الدین) کو پیر کی خدمتگاری اور پرستاری میں درجہ غلامی حاصل تھا اور پیر کے ناصحانہ کلام کو اپنے قلم سے لکھا کرتے تھے اپنی تمام زندگی عبادت و ریاضت میں وقف کر رکھی تھی۔"

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت اقدس سے خلافت پائی اور آپ اجمیر القدس میں نائب النبی کے ہمراہ تھے۔

خدمت متعلقہ

کتاب مونس الارواح میں جہاں آراء بیگم بنتِ شاہ جہاں بادشاہ رقمطراز ہے۔
"نقل ہے حضرت قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بیس برس میں آپ کی صحبتِ بابرکت میں ملازم رہا، ہرگز میں نے نہ دیکھا کہ آپ نے کسی کو اپنے پاس آنے دیا ہو بلکہ جب باورچی خانہ میں کچھ نہ ہوتا تھا تو خادم خاص سید فخر الدین حاضر ہو کر عرض کیا کرتے تھے تو آپ مصلٰے مبارک اٹھا کر فرماتے تھے۔ "لے لے اس قدر کہ کفایت آج اور کل یعنی دو روز کرے۔" خادم اسی قدر لے لیتے تھے۔ اسی طرح

برسوں اور مہینوں وظیفہ درویشوں کا جناب قدس سرہٗ سے پہنچتا تھا۔"

(مونس الارواح، اردو ترجمہ، بنام ہدیہ ابراہیم)

اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ سید فخر الدین گردیزیؒ کے ذمہ سلطان الہند کے لنگر خانہ کا انتظام و اہتمام تھا۔ یہی روایت بعض اور کتابوں میں بھی مرقوم ہے۔

نکاح ۶۱۰ھ

یہ روایت عام ہے کہ سرکار اقدس کے عقد کیے ہوئے ابھی کچھ دن نہ ہوئے تھے کہ حضرت خواجہ فخر الدین کو ارشاد ہوا کہ تم بھی اس سنتِ نبوی کی تکمیل کرو۔ اس کے متعلق کوئی علم نہیں کہ زوجہ محترمہ کا نام مبارک کیا تھا اور وہ کس کی صاحبزادی تھیں۔ بہر حال ۶۱۰ھ میں بہ عمر اکسٹھ (۶۱) سال حسب ارشاد خواجہ بزرگ اتباع خواجہ بزرگ میں آپ بھی متاہل ہوئے۔

فرزندان

تمام نسب نامے اس کے شاہد ہیں اور کتاب تذکرۃ المعین کا بیان ہے کہ خواجہ سید فخر الدین کے یہاں تین صاحبزادگان پیدا ہوئے۔

حضرت مولانا سید مسعود۔ حضرت سید محبوب عرف بہلول۔ حضرت سید ابراہیم

ان تینوں بزرگواروں کے مزارات روبروئے دالان بیگمی ہیں، جہاں سرخ پتھر کے نشانات ہیں۔

وصال و مزار

۲۶ رجب ۶۴۲ھ میں خواجہ بزرگ کے وصال کے دس سال بعد ترانوے (۹۳) سال کی عمر میں آپ نے وصال فرمایا۔ مزار خواجہ بزرگ کے بائیں جانب آپ کو دفن کیا گیا۔ چنانچہ اس وقت گنبد مقدسہ کے ایک حجرہ میں مزار مبارک ہے، جسے

توشہ خانہ کہتے ہیں اور پختہ سنگین تعمیر کیا ہوا ہے۔ نائب النبی کے تمام ملبوسات آپ ہی کے مزار مبارک پر رکھے جاتے ہیں ۔ نیز دیگر لوازمات غسل، خوشبو، نقرئی آفتابے اور نقرئی اگر دانی وغیرہ اسی توشہ خانہ میں رہتی ہیں، جس میں آپ کا مزار مبارک ہے، سبحان اللہ مااعظم شانہ، عالم حیات میں جو شرف قرب و خدمت حاصل تھا بحمد اللہ بعد وصال بھی اسی قرب و خدمت کی سعادت ظاہری و باطنی نصیب ہے......

ہر کہ خدمت کرد اُو مخدوم شد

بیگمی دالان کی دائیں دیوار پر چاندی کی پلیٹ پر حضرت خواجہ سید فخر الدین گردیزی کا نام گرامی نصب ہے۔ صاحب احسن السیر وغیرہ نیز اجمیر گائڈ مؤلفہ نثار الملک میر احدی صاحب کا بیان بھی اس کا شاہد ہے۔ (تاریخ السلف ص ۱۳۵)

عرس

کتاب تذکرۃ المعین میں اس کی پوری صراحت کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چھبیسویں (۲۶ویں) شب رجب کو تزک و احتشام کے ساتھ آپ کا عرس ہوتا ہے۔ بیگمی دلان کے رو برو احاطۂ نور میں محفل سماع منعقد ہوتی ہے، جس کا سارا خرچ خدام خواجہ کی نمائندہ جماعت انجمن سیدزادگان برداشت کرتی ہے۔ فقراء و مساکین و حاضرین آستانہ کو نان وحلوہ وزرد پارچہ وغیرہ تقسیم کرتے ہیں۔ فرش و فروش کا انتظام بھی انجمن سیدزادگان خدام خواجہ کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ صاحب ''احسن السیر'' کا بیان ہے کہ آپ کا عرس مبارک بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ (ص:۳۹)

اولاد امجاد

اس عنوان پر تفصیلی روداد لکھنے کے وقت اعاظم رجال کے حالات علیحدہ علیحدہ سپرد قلم کئے جائیں گے لیکن اس وقت بہ لحاظ اختصار کچھ پیش کیا جاتا ہے کتاب احسن السیر کا بیان ہے اور بعض دیگر کتب اس کی موئد ہیں کہ خدام غریب نواز انہی (خواجہ

سید فخر الدین گردیزیؒ) کی اولاد میں ہیں۔ یہی صاحبان زائرین کو زیارت کراتے ہیں۔ ہر ایک شخص ادنیٰ و اعلیٰ اپنی حیثیت و مقدور کے موافق ان کو نذر پیش کرتا ہے۔ مسلم سلاطین کے عہد خصوصاً اکبر بادشاہ، نور الدین محمد جہانگیر و فرخ سیر نے خدام خواجہ کو گاؤں جاگیر میں دیئے ہیں۔ (احسن السیر ص ۳۹)

صاحبِ احسن السیر (ص ۳۹) کو اس مقام پر غلط فہمی ہوتی ہے۔ شاہان مغلیہ کی عطا فرمودہ جاگیر ساڑھے سات گاؤں ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے بیر، رائے گڑھ، کا کنیاواس، بیونجہ، بنیوڑی، موڑا جھڑی، گیگل، نصف ناندلہ۔ آزادیٔ ہند کے بعد Zamindari Abolition Act 1956 کے تحت یہ جاگیریں ختم ہوگئیں اور اب جملہ مراسمِ آستانۂ عالیہ زائرین کی نذورات پر منحصر ہیں۔

بہر حال یہ ایک بالکل صحیح واقعہ ہے کہ حضرت خواجہ سید فخر الدین گردیزیؒ کی رحلت کے بعد آپ کی اولاد امجاد نے کسی وقت بھی نائب النبی کا دامان کرم اور آستانہ اقدس نہیں چھوڑا یہاں تک کہ اک زمانہ آیا جب کہ شرک و کفر کی گھٹائیں پھر اجمیر پر محیط ہوگئیں۔ قحط و وبا کے مصائب نے مخلوق خدا کو مضمحل کر دیا لیکن اس دورِ ابتلا میں بھی ان مستقل مزاج ہستیوں نے خدمت مزار پر انوار سے منہ نہیں موڑا بلکہ ایک وقت لنگر خواجہ وغیرہ ان کی قوت لایموت تھی۔

آزمائش ہے نشانِ بندگانِ محترم
جانچ ہوتی ہے اسی کی جس پہ ہوتا ہے کرم

چنانچہ بفضلہ تعالیٰ سبحانہ آج بھی خدام خواجہ اپنے آبائی حقوق پر قابض و متصرف اور خدمت مرقد مقدس سے بہرہ اندوز سعادت ہیں۔ وانکار البداهة خلافُ العقل والنقل۔

یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اپنے آپ کو اولادِ خواجہ کہلانے والے دیوان آل رسول علی خاں آستانۂ غریب نوازؒ کو چھوڑ کر پاکستان چلے گئے۔

سچ یہ ہے کہ زبانی روایات ہر تاریخ کی جان ہوتی ہیں۔ دُنیا کی کسی قوم کے

حالات جو آج صفحات تاریخ پر نمایاں ہیں کسی زمانہ میں وہ تمام واقعات اسی قوم کے افراد کی زبانوں پر تھے اور جنہیں کبھی زبانی روایات کہا جاتا تھا۔ اب زمانہ بدلا اور تاریخ و تذکرہ میں بھی وہ روایات قلم بند ہو گئیں تو آج ایک مستقل تاریخ سے موسوم ہوئیں اور اب اسی تاریخ سے استناد کیا جاتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ زبانی روایت ایک مورخ نے کبھی نہیں تسلیم کی جو عقل و نقل کے خلاف تھی۔ ابو حاتم کہتے ہیں۔

"روی عنہُ بنوہ علی الرضا و ابراھیم و اسماعیل و حسین واخواہ علی و محمد"

(امام موسیٰ کاظم) سے ان کے فرزندان ارجمندان علی رضا، ابراہیم، اسماعیل، حسین اور ان کے بھائی علی و محمد نے روایتِ حدیث کی ہے۔

ان دونوں بیانات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت حسین فرزندان حضرت امام عالی مقام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے تھے۔ "صاحب مرآۃ لانساب کا بیان ہے" آپ کی (امام موسیٰ کاظم کی) اولاد ۳۷ رہے، ۱۹ ربیٹے اور ۱۸ ربیٹیاں جس میں ۱۴ صاحبزادوں سے آپکا سلسلۂ نسب جاری ہوا۔ علامہ ابن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ نے صواعق محرقہ میں اولادِ ذکور واناث کی تعداد ۳۷ ربتائی ہے (اردو ترجمہ صواعق محرقہ، ص: ۴۷۸، از علامہ اختر فتحپوری، طبع لاہور) ان روایات و بیانات کے مطالعہ سے کلیتاً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جمال الدین ابن حسین، ابن امام عالی مقام موسیٰ کاظم علیہ السلام صحیح ہے۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اولاد میں امام حسین نام کے صاحبزادہ کا ہونا شیعی و سنی علماء کو متفقہ طور پر تسلیم ہے۔ علامہ معنی کی تائید میں شیعی و سنی علماء متفق نظر آتے ہیں۔ میں نے شیعی علماء کی کتابیں دیکھ کر یہ نتیجہ نکالا ہے۔

خطاب صاحبزادہ

عام طور سے بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت تاجدار دودۂ چشت خواجۂ خواجگان محب النبی مولانا فخر الملت والدین ابنِ مولانا نظام الدین اورنگ آبادی رحمہما اللہ رونق فزائے اجمیر ہوئے اور زیارت مزارِ مقدس کی سعادت حاصل کی تو اس وقت خادمان

نائب النبی کی نسبت زبان حق ترجمان پر یہ الفاظ تھے کہ "میرے نزدیک آپ لوگ صاحبزادگان ہیں" اور آپ نے ہمیشہ ہر خادم نائب النبی کو صاحبزادہ کہہ کر پکارا۔ حضرت فخر پاک علیہ الرحمۃ حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ اور حضرت شاہ نیاز بے نیاز بریلویؒ کے پیر تھے۔ چنانچہ آج بھی موجودہ مشائخ طریقت کا یہی دستور قائم ہے۔ یقیناً یہ خدامِ خواجہ کا تمغہ امتیاز ہے اور وہ اسے عطیہ شاہی سمجھتے ہیں۔

تاریخ السلف میں تحریر ہے کہ راجہ راجایان مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ بالقابہ نے اپنے قلم سے جو سفر نامہ تحریر فرمایا ہے، اس میں صاحبزادگان معروف بخادمان نائب النبی کو خواجہ بزرگؒ کی اولاد بتایا ہے۔ علاوہ ازیں اور بھی کچھ مثالیں اس کی شاہد ہیں اور اس کا ظاہری سبب یہ ہے کہ مزار پر انوار وارث خاتم المرسلین کے ساتھ خادمان نائب النبی کو رشتۂ توسل اور تعلقِ رسوخ ٹھیک اس طرح حاصل ہے جس طرح اولاد کو اپنے جد امجد کے مزار کے ساتھ ہوتا ہے۔ (ص:۱۵۴ تا ص ۱۵۵)

اب یہ عقید تمندان نائب النبی سے لڑائی کی جائے کہ وہ عاشقان خواجہ ساکنان کوئے دوست اور غلامان خواجہ کو کس لئے عقیدت کیشانہ الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ ہمارے اسلاف کے لئے کوئی مشکل امر نہ تھا کہ وہ کسی زمانہ میں اولاد خواجہ بن بیٹھتے اور آج کسی شخص کو مجال گفتگو باقی نہ رہتی لیکن انہیں باطل نوازی اور فریب آرائی نہیں آتی تھی۔ ان کے دل اس کثافت سے پاک تھے۔ خدام صاحبان نے ہمیشہ خدمت مزار پر انوار کو فخر و اعزاز کا انتہائی مرتبہ سمجھا اور آج ان کی اولاد بھی خادم خواجۂ بزرگ ہونے کو اپنی خوش نصیبی اور خوش اقبالی سمجھتی ہے۔

تا ز میخانہ و مے نام و نشاں خواہد بود
سرِ ما خاک رہِ پیر مغاں خواہد بود

(خواجہ حافظ شیرازی)

(تاریخ السلف ص ۱۵۵)

OO

چودھواں باب

خدامِ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ

خادم کے لغوی معنیٰ ہیں خدمت کرنے والا۔ دنیا کی تمام تر درگاہوں میں خدام اوقاف کے ملازم ہوتے ہیں مگر یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے یعنی خدام خواجہ موروثی خادم ہیں اور گذشتہ آٹھ سو سالوں سے آستانہ اقدس حضور غریب نوازؒ کی خدمت کا فریضہ انجام دیتے آرہے ہیں نیز آستانہ اقدس کی کلید برداری کا حق بھی خدام ہی کو حاصل ہے۔ جس طرح خانۂ کعبہ کی کلید برداری (چابی رکھنے کا حق) قدیم زمانہ سے ایک مخصوص خاندان کے سپرد ہے اور فتح مکہ کے بعد بھی حضور نبیٔ کریمؐ نے خانۂ کعبہ کی چابی اپنی تحویل میں لے کر دوبارہ اسی خاندان کے سربراہ حضرت عثمان بن طلحٰہ کو یہ کہہ کر دے دی کہ یہ چابی (کلید) قیامت تک تمہارے خاندان میں رہے گی اور جو تم سے یہ چابی چھینے گا، وہ ظالم ہوگا۔

(رحمۃ للعالمین، جلد: ۱، ص ۱۱۴-۱۱۵، قاضی محمد سلیمان منصور پوری،
اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی)

سعودی عرب کا بادشاہِ وقت اپنے آپ کو خادم الحرمین الشریفین کہلانے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ الحمد للہ! دربار غریب نوازؒ میں خادم ہی کلید بردار ہیں۔

خدام خواجہ کے مورثِ اعلیٰ خواجہ سید فخر الدین گردیزیؒ جو حضور خواجہ غریب نوازؒ کے پیر بھائی، نسبی بھائی، خلیفہ اور خادمِ خاص بھی تھے، ان ہی کی اولاد خدام حضرات کے لئے ملاحظہ ہو، راجستھان ہائی کورٹ کا یہ فیصلہ۔ واضح ہو کہ اجمیر صوبۂ راجستھان

میں شامل ہے۔

"KHADIMS' RELATION WITH THE SHRINE IS NOT ONLY ANCIENT BUT INTIMATE"

AIR 1959-Rajasthan High Court, P-177= Rajasthan Law Weekly P-503

ترجمہ: خدام کا تعلق آستانہ اقدس سے صرف قدیمی ہی نہیں بلکہ قریبی بھی ہے۔

خدام خواجہ غریب نوازؒ کو صاحبزادہ، گدی نشین، معلم، مجاور اور باپو کہتے ہیں۔ کشمیر کے لوگ رِشی کہتے ہیں مگر خدام خواجہ اپنے آپ کو خادم، خاک نشین اور جاروب کش کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں...... "ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد"۔

دوسرے درگاہوں میں سجادگان کو جو مراعات دی گئی ہیں وہی درگاہِ غریب نواز میں خدام کو حاصل ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آستانہ اقدس میں بارہ مہینہ شب و روز ہونے والی رسومات کے علاوہ دعا گوئی کا فریضہ خدام حضرات ہی زمانہ قدیم سے پشتینی حیثیت سے انجام دیتے آرہے ہیں، زائرین کو زیارت کرانے کا شرف صرف خدام خواجہ غریب نوازؒ کو ہی حاصل ہے اور انھیں کے توسل سے زائرین پھول، چادر، عطر اور نذر و نیاز بھی مزار اقدس پر پیش کرتے ہیں۔ تاریخی و معروف اکبری اور جہانگیری دیگوں میں ڈالی جانے والی نذورات کے بھی قانونی طور خدام خواجہ ہی مستحق ہیں۔ درگاہ کمیٹی (اوقاف) کی اپیل زیرِ سماعت ہے۔ روبروئے آستانہ عالیہ احاطۂ نور میں ہونے والی جملہ مذہبی تقریبات حضور نبی کریمؐ، اہلِ بیت اطہار، خلفائے راشدین، حضور غریب نوازؒ اور ان کے پیرومرشد حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ و دیگر اولیائے کرام کے اعراس انفرادی طور پر خدام حضرات اور اجتماعی طور پر انجمن سیدزادگان خدام خواجہ کی جانب سے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منعقد کئے جاتے ہیں۔ ان مواقع پر بڑے بڑے لنگروں کے نذرانے پیش کئے جاتے ہیں اور زائرین، غرباء، فقراء اور مساکین میں نیاز تقسیم کی جاتی ہے۔ آستانہ اقدس کے سامنے اندرون درگاہ شریف (درگاہِ معلیٰ) جمیع خدام

سیدزادگان کا دفتر "انجمن سید زادگان خدامِ خواجہ صاحب" واقع ہے۔ درگاہِ معلیٰ میں جگہ جگہ زائرین کو معلومات فراہم کرانے کے لئے انجمن سیدزادگان خدام خواجہ صاحب کے بورڈ لگے ہیں اور پوری درگاہ شریف میں خدام حضرات کے حجرے ہیں۔

چنانچہ ہر بیٹا اپنے باپ کی، ہر شاگرد اپنے استاد کی، ہر مرید اپنے پیر کی، ہر معتقد اس بزرگ کی خدمت کرتا ہے، جس سے اسے اعتقاد و اخلاص ہوتا ہے۔ اس لئے ہر بیٹا اپنے باپ کا، ہر شاگرد اپنے استاد کا، ہر مرید اپنے پیر کا اور ہر معتقد اپنے معتقد علیہ کا خادم ہوتا ہے۔ (جواب نامہ، ص:۱۳۹)

چنانچہ مشائخ طریقت کے جملہ مریدین ان کے خدام کہلاتے ہیں اور مریدین کا یہ اصطلاحی لقب سیر کی تمام کتابوں اور مشائخ کے سارے تذکروں میں نقل کیا گیا ہے۔ خود حضرت خواجہ بزرگ غریب نواز کا یہ ارشاد "سیر الاولیاء" میں مرقوم ہے......

"بست سال ملازم خدمت ایشان بودم چنان که یک ساعت نفس راا ز خدمت آن بزرگ راحت نه دادم ودر سفر و حضر جامه خواب خواجه من می بر دم."

یعنی بیس سال پیر و مرشد کا اس طرح ملازم خدمت رہا کہ حضرت کی خدمت سے گھڑی بھر کے لئے آرام نہیں لیا اور سفر و حضر میں حضرت کا بستر میں اٹھاتا تھا۔

(جواب نامہ، ص:۱۴۰، اردو ترجمہ "سیر الاولیاء" از ڈاکٹر عبداللطیف، ایم۔ اے۔، پی۔ ایچ۔ ڈی، مطبوعہ: دہلی، ۱۹۹۰ء، ص:۵۵)

اس طرح بعض بزرگوں نے شوق عقیدت میں اپنے تئیں سگ درگاہ لکھا ہے اور ساری دنیا آج تک اس کو استعارہ سمجھتی ہے۔ بہر حال یہ سب عقیدت و محبت کی کرشمہ سازیاں ہیں، کیونکہ طریقت کی منزل میں......

" بندگی باید پیمبر زادگی منظور نیست"

......یعنی طریقت میں غلامی کی ضرورت ہے پیمبر زادہ ہونا مقصود نہیں۔ گلزارِ ابرار مصنفہ غوثی شطاری ص ۳۸ (عہدِ تصنیف ۱۰۲۲ھ) میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ نے

اپنے خادمِ خاص حضرت خواجہ سید فخر الدین گردیزیؒ کے بارے میں بارہا یہ فرمایا: ''فخرِ ماشخر الدین است'' یعنی فخر الدین پر ہمیں فخر ہے۔

گلزار ابرار میں حضرت خواجہ سید فخر الدین گردیزیؒ (خدام خواجہ کے مورثِ اعلیٰ) کی نسبت یہ الفاظ بھی لکھے ہیں۔

''در خدمت گاری و پرستاری پیر پایۂ بندگی داشت''

......یعنی اپنے پیر کی خدمت گذاری اور پرستاری میں بندگی کا بلند درجہ رکھتے تھے۔

حضرت خواجہ سید فخر الدین گردیزیؒ نے اپنی تمام عمر حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی خدمت میں گزاردی اور رجب ۶۳۲ھ مطابق مارچ ۱۲۳۵ء میں حضرت خواجہ کی رحلت کے بعد حضرت خواجہ بزرگؒ کے مزار پر بیٹھ گئے اور آخرِ دم تک قبر شریف کی خدمت انجام دی۔ (گلزارِ ابرار، فارسی، ص:۳۸) اور آپ کے بعد آپ کی اولاد نے اس خدمت کو سرمایۂ عزت بنایا، جس کا سلسلہ تا حال قائم ہے۔

(تذکرۃ المعین، از مولانا صاحبزادہ سید زین العابدین اجمیری، مطبع معینیہ اجمیر، ۱۳۳۲ھ)

اسی طرح مجاور اگر چہ لغت میں ہمسایہ اور پڑوسی کو کہتے ہیں لیکن جو طبقہ درگاہوں پر حاضر ہونے والا ہے، وہ جانتا ہے کہ درگاہوں کی اصطلاح میں خدام مزار ہی کو مجاوران روضہ کہا جاتا ہے، اس لئے کہ مزار سے ان کی ظاہری وابستگی اور صاحب مزار سے ان کی قدرتی نسبت مجاورت کے صحیح معنیٰ ظاہر کرتی ہے۔ خدمت اور مجاورت کا یہی شرف سینکڑوں سال سے خدام خواجہ کا سرمایہ اعزاز ہے۔

(جواب نامہ، ص:۱۴۱)

عہدِ مغلیہ سے پہلے کی تاریخ میں خدام خواجہ کا ذکر ملتا ہے، جیسا کہ سلطان محمود خلجی کے حالات سے ظاہر ہے، جو اسی کتاب میں اپنے موقع پر لکھے جا چکے ہیں۔ البتہ عہد اکبری سے خدام خواجہ کی عظمت کا نمایاں طور پر تاریخی ثبوت ملتا ہے۔

''آشنائی بفقراء و مجاوران آستانہ رفیع الشان حضرت معینیہ قدس

اللہ سرہ بہم رسانیدہ......الخ "(منتخب التواریخ، از ملا عبدالقادر بدایونی، مورخ عہدِ اکبری، مطبوعہ: نولکشور، ص:۲۰۰)

......یعنی بادشاہ اکبر نے خواجۂ بزرگ کی درگاہ شریف کے درویشوں اور مجاورین سے ملاقات کی پھر آگے لکھا ہے کہ ان کو اپنے ساتھ لے گئے اور عبادت خانہ تعمیرِ نو میں ان سے علمی اور مذہبی گفتگو کی۔

خدام خواجہ کی جماعت میں اس وقت یقیناً ایسے متعدد بزرگ ہوں گے لیکن دورانِ تحقیق ان دو بزرگوں کا سراغ ملا ہے۔

شیخ دانیال اور شیخ فتح اللہ۔ (جواب نامہ، ص:۱۴۲)

شیخ دانیال

عہدِ اکبری میں شیخ دانیال خدام خواجہ کی جماعت میں ایک ممتاز بزرگ تھے۔ ۹۸۰ھ میں اکبر بادشاہ اجمیر آئے اور یہاں سے جب واپس ہونے لگے تو ایک بیگم کو شیخ دانیال کے گھر میں چھوڑ گئے، اس لئے کہ زچگی کا زمانہ قریب تھا۔ ۲/ جمادی الاولیٰ کو شاہزادہ پیدا ہوا تو جس طرح حضرت شیخ سلیم چشتی علیہ الرحمۃ کے نام پر جہانگیر کا نام شاہزادہ سلیم رکھا۔ اسی طرح شیخ دانیال کے نام پر اس نومولود کا نام شاہزادہ دانیال رکھا۔

خود جہانگیر بادشاہ نے اس واقعہ کو "تزک جہانگیری" میں اس طرح لکھا ہے۔

"تولد او در اجمیر در خانہ یکے از مجاورانِ آستانہ متبرکہ خواجہ بزرگوار خواجہ معین الدین چشتی کہ شیخ دانیال نام داشت وقوع یافت بہماں مناسبت بہ دانیال گشت" (تزک جہانگیری، ص:۱۶)

یعنی شاہزادہ دانیال درگاہ شریف کے مجاوروں میں سے ایک مجاور کے گھر پیدا ہوا، جن کا نام شیخ دانیال تھا، اسی مناسبت کی وجہ سے شاہزادہ کا نام دانیال رکھا گیا۔

خود شیخ دانیال کی نسبت ملا نظام الدین احمد لکھتے ہیں......

''از مشائخ وقت در صلاح وتقویٰ ممتاز'' (طبقات اکبری، ص:۱)

یعنی صلاحیت و پرہیزگاری میں اپنے وقت کے مشائخ سے ممتاز تھے۔ ابوالفضل اکبرنامہ میں شیخ دانیال کے متعلق لکھتے ہیں۔

''نورِ صلاح و فلاح از ناصیہ اومی تافت.''

(اکبرنامہ جلد: دوم، ص: ۴۶۵)

یعنی صلاحیت و نیکی کا نور ان کی پیشانی میں چمکتا تھا۔

ملا عبد القادر بدایوانی جو عہدِ اکبری کے مستند مورخ ہیں، اپنی کتاب ''منتخب التوارخ'' میں لکھتے ہیں......

''شیخ دانیال نام مجاورے صالح''

......یعنی شیخ دانیال ایک صالح مجاور تھے۔ معتمد خاں لکھتے ہیں......

''بہ صلاحِ ظاہری وصفائے باطنی امتیاز داشت''

(اقبال نامہ جہانگیری، ص: ۲۴۴)

......یعنی ظاہری اور باطنی بزرگی اور خوبی رکھنے کی وجہ سے ایک ممتاز فرد تھے۔

شیخ دانیال کا یہ مکان اب بھی موجود ہے۔ پہلے دولت کدۂ دانیالؒ کے نام سے مشہور تھا، اب شاہی محل کہلاتا ہے اور اس وقت بھی اس میں شیخ دانیال خادمِ خواجہ کی اولاد بدستور رہتی ہے۔

اس کا ثبوت یہ ہے کہ شیخ دانیال عرف سید دان کی وفات کے بعد کسی طرح اس حویلی پر سید عاشق علی قابض ہو گئے۔ فرزندان شیخ دانیال نے شکایت کی۔ ۱۰۲۶ھ میں جہانگیری فرمان صادر ہوا کہ سید عاشق علی کو حویلی سے علیحدہ کردیا جائے اور سید مٹھا، سید عبدالغیث، سید دوست، سید طیب اولاد سید دان کا قبضہ برقرار رہے۔ شاہزادہ دانیال کی ولادت کے ۴۶ سال بعد یہ فرمان صادر ہوا۔ اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ سید دان اصل میں شیخ دانیال کا عرف ہے جن کی اولاد شاہی محل میں رہتی ہے۔

(جواب نامہ، ص: ۱۴۴)

شیخ فتح اللہ

خدام خواجہ کی جماعت کے ایک ممتاز بزرگ شیخ فتح اللہ تھے، جن کو مورخہ ۲۹ر صفر ۹۸۴ھ کے اکبری فرمان میں تقویٰ شعار اور صلاح آثار کے القاب سے یاد کیا گیا ہے اور جن کے صاحبزادے سید ہاشم کو مورخہ ۴ر شہر یور ۵ر جلوس مطابق ۱۰۱۹ھ کے فرمانِ جہانگیری کے تحت مشیخت مآب ورع آثار لکھا گیا ہے۔

ان ہی شیخ فتح اللہ کی نسبت ان کے پوتے سید دان بن سید خوب اللہ بن سید ہاشم اپنی ایک درخواست میں لکھتے ہیں......

"حضرت جنت مکانی بطرفِ درگاہ بسیار اعتقاد داشتند ، وقتیکہ اجمیر تشریف آوردند در حق سید فتح اللہ کہ جد بندہ بود مہربانی می کر دند."

......یعنی جنت مکانی جہانگیر بادشاہ درگاہ شریف سے بے حد عقیدت رکھتے تھے۔ جب کبھی اجمیر تشریف لاتے تو میرے دادا سید فتح اللہ پر مہربانی فرماتے تھے۔ اس کے آگے یہ بھی لکھا ہے کہ

" و طعام از ایشاں طلبیدہ می خوردند."

......یعنی جہانگیر بادشاہ میرے دادا سے کھانا خود طلب فرما کر تناول کیا کرتے تھے۔ آخر میں یہ جملہ بھی اسی درخواست میں موجود ہے۔

"چوں جانبِ مانڈو شد ند جد بندہ را بر کاب سعادت انتساب خود گرفتند تا کہ فتح مانڈو را کردند"

......یعنی جہانگیر بادشاہ مانڈو کی مہم پر گئے تو میرے دادا سید فتح اللہ کو ساتھ لے گئے اور مانڈو فتح کر کے تشریف لائے۔ (جواب نامہ، ص: ۱۴۵)

جب شیخ فتح اللہ کی دعا سے مانڈو فتح ہو گیا تو ان کو ایک گاؤں ناندلہ بطورِ نذر پیش کیا گیا۔ اس جاگیر کا شاہی فرمان ان کی اولاد کے پاس موجود ہے۔ اسی طرح دیگر

خدام حضرات کے پاس شاہانِ مغلیہ کی عطا فرمودہ جاگیریں ساڑھے سات گاؤوں پر مشتمل ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے : بیر، رائے گڈھ، کنکیاواس، بیونجہ، بنیوڑی، موڑا جھڑی، گیگل اور نصف ناندلہ۔ ان جاگیروں کی سندیں ان خدام حضرات کی اولاد کے پاس اب بھی موجود ہیں۔ مولانا معنی کی ترتیب دی ہوئی کتاب ''اسنادالصنادید'' میں اس قبیل کے شاہی فرامین درج ہیں جن کا تذکرہ S.I.Tirmizi Director of Archeological Survey of India نے اپنی کتاب مغل ڈاکومنٹس (Mughal Documents) میں کیا ہے۔ ترمذی صاحب نے ۱۵۲۶ء سے ۱۶۲۷ء تک کے مغلیہ سلاطین کے فارسی فرامین کا انگریزی ترجمہ اس کتاب میں درج کیا ہے، جسے منوہر پبلی کیشنز، انصاری روڈ، دریا گنج، نئی دہلی نے شائع کیا ہے۔

بزرگوں کا تو یہ حال تھا کہ آنے والے ان کی صورتوں کو دیکھ کر درود پڑھتے تھے۔ ان کے اوقات و اعمال کو دیکھ کر واقعی ان کو حضرت خواجہ بزرگ کی روحانیت سے کوئی قریبی تعلق رکھنے والا بزرگ سمجھتے تھے۔ ان کے اخلاق سے متاثر ہوتے تھے اور اپنے دلی اعتراف کو ان الفاظ میں ظاہر کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے کہ......

" صلاح و اهلیت پسندیده دارند وبا هر کس به تواضع و اخلاص پیش می آیند"

(مرآۃ الاسرار، تصنیف عہدِ شاہجہانی، ذکر ہفتد ہم، ص: ۱۷)

ترجمہ: نیک ہیں اور اپنے کام کی خوب اہلیت رکھتے ہیں اور ہر شخص سے اخلاق و تواضع سے پیش آتے ہیں۔

ان بزرگوں کی خانقاہیں تھیں، جہاں ہدایت و ارشاد کی مسندیں بچھتی تھیں، طالبین آتے تھے اور خدا طلبی کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ نذور و فتوح ان کو بھی پیش ہوتی تھیں لیکن وہ سرمایہ اندوزی نہیں جانتے تھے۔ جو کچھ آتا تھا خود کھاتے تھے اور دوسروں کو کھلاتے تھے اور رات کو دونوں ہاتھ جھاڑ کر، ہاتھ پاؤں پھیلا کر چین کی نیند سوتے تھے اور تہجد کے وقت اٹھ کر درگاہ کے کسی گوشہ میں یادالٰہی کیا کرتے تھے۔ مشائخ چشت کا

۔بھی یہی دستور رہا ہے۔ (جواب نامہ ص ۱۴۶)

خدام حضرات کے حقوق وفرائض

حقوق اور فرائض کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جیسا کہ بابائے اصولِ قانون جے۔اے۔سامنڈ (J.A.SALMOND) کامشہور قول ہے۔

"Rights and duties are corelative to each other i.e. where there is a right, there is a duty also and Vice-Versa"

چنانچہ خدام صاحبان اپنے حقوق کے پیش نظر فرائض بھی بخوبی انجام دیتے آرہے ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک دیتے رہیں گے۔

مراسم آستانۂ عالیہ اور خدام صاحبان

خدام خواجہ کی دیرینہ اہمیت اور ان کی خدمت کلید برداری سے بھی وابستہ ہے جو ان کے حقوق کا جزوِ لاینفک ہے۔ ۱۹۴۹ء میں تحقیقاتی کمیٹی کے سوالنامہ کا جواب نامہ صاحبزادہ مولانا خواجہ عبدالباری معنی علیہ الرحمۃ نے لکھا تھا، جس میں خدمت کلید برداری پر محققانہ انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے اسے من وعن یہاں پیش کرنا ضروری ہے تاکہ قارئین کرام کو حقوق خدام سے کماحقہٗ آگاہی ہو جائے۔

کلید برداری

خدام خواجہ نے گنبد شریف کی تعمیر کے بعد ہی اس کے اوقات بست وکشاد اور کلید برداری (آستانۂ اقدس حضور خواجہ غریب نواز کی چابیاں) کے قواعد محمود خلجی کے عہد میں وضع کئے اور خاندانی افراد نے اس کلید برداری کو آپس میں تقسیم کر لیا۔ اُس وقت نہ دیوان ومتولی تھے، نہ درگاہ شریف سے متعلق کوئی وقف تھا اور نہ ہی کوئی کمیٹی۔ واضح رہے کہ تزکِ جہانگیری میں سوائے مجاورین (خدام) کے اور کسی کا ذکر نہیں ہے۔

واضح رہے کہ نامعلوم وقت سے خانۂ کعبہ قریش کے ایک مخصوص قبیلے کی تحویل میں رہا، جس کے پاس خانۂ کعبہ کی چابیاں رہتی تھیں۔ جس کو حجابہ اور سدانہ کے نام سے بھی جانا جاتا تھا۔ (اسنادالصنادید، ص:۴-۲۱۰)

Haykal: The life of Muhammad (tr Reprint,, Delhi,1976), pp407,413, A Short History of Aurangzeb"s Reign, op.cit; Mughal Administration, op.cit

عہد شاہجہانی میں اس تقسیم سے متعلق خدام خواجہ کا جو پنچایتی تصفیہ ہوا ہے، اس کاغذ کی نقل اس وقت میرے سامنے ہے۔ اس کاغذ کا عنوان یہ ہے۔ تقسیم حصص آمدنی کلید برداری حضرت.......... باہمی مجاوران حضرت..........

یہ کاغذ ۲۸ رجلوس شاہجہانی کا لکھا ہوا ہے اور تاریخ ۲۹ رذی الحجہ درج ہے۔

شاہجہاں بادشاہ ۲۵ رذی الحجہ ۱۰۶۴ھ مطابق ۲۸ راکتوبر ۱۶۵۴ء کو اجمیر آئے تھے اور ۱۵ رمحرم ۱۰۶۵ھ کو اجمیر سے مراجعت شاہانہ عمل میں آئی تھی۔ اس حاضری کے موقع پر شاہجہاں نے درگاہ شریف میں دس ہزار روپیہ دیا تھا۔

(شاہجہاں نامہ، قلمی ورق:۱۵۶)

اس نذر و نیاز کے بعد ہی بادشاہ کی موجودگی اجمیر کے زمانہ میں خدام خواجہ نے پنچایتی طریقہ پر حسب ذیل تصفیہ کیا۔

''ہفتہ کے ہر دن کا ایک مشارٌ الیہ (نمائندہ) بنایا۔ ہر مشارٌ الیہ کے ساتھ (۲۶) افراد حصہ دار قرار پائے اور اس طرح کل ۱۸۹ افراد پر کلید برداری تقسیم ہوئی، ان سب حصہ داروں کے نام بھی اس کاغذ میں مرقوم ہیں۔''

اس تصفیہ میں بادشاہ یا مقامی حکومت یا متولی درگاہ کی کوئی مداخلت نہیں تھی۔ اس کاغذ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ محمود خلجی کے عہد حکومت سے شاہجہاں کی حکمرانی کے زمانہ تک بھی تقسیم کلید برداری کا طریقہ یہی تھا البتہ نمائندوں اور حصہ داروں کے نام ان کی وفات کی وجہ سے مختلف اوقات میں بدلتے رہے اور حصہ داروں میں کمی بیشی ہوتی رہی۔ ہفتہ کے ہر دن کا ایک مشارالیہ ہوتا ہے۔ ہفتہ میں ایک دن ہر نمائندے اور اس

کے حصہ داروں کی باری آتی ہے یعنی کلید برداری کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔

(جواب نامہ، ص:۸۲)

جب مزار شریف پر کوئی قیمتی سامان نہیں تھا تو ان کلید برداروں پر مزار شریف کی خدمت کے سوا کوئی ذمہ داری عائد نہیں تھی۔

جمادی الاولیٰ ۱۰۲۵ھ مطابق جون ۱۶۱۶ء میں بادشاہ جہانگیر نے اپنی ایک منت پوری کرنے کے لئے مزار شریف کے اطراف میں سونے کا کٹہرا نصب کرایا جیسا خود جہانگیر نے لکھا ہے۔

"بجهت بر آمدنِ بعض مطالب نذر نموده بودم که محجرے از طلاء شبکه دار بر مرقد منوره خواجه بزرگوار ترتیب دهند در بست و هفتم ایں ماه اتمام یافت فرمودم که بپرده نصب نمایند"۔ (تزک جہانگیری، ص:۱۶۱)

یعنی: چند معاملات کی تکمیل کے پیشِ نظر میں نے عہد کیا تھا کہ ایک سونے کی جالی کا کٹہرہ خواجہ بزرگ کے مقدس مزار کے گرد بنادیا جائے۔ اس ماہ کی ۲۷ر تاریخ کو یہ مکمل ہوگیا، میں نے حکم دیا کہ اسے لگا دیا جائے۔

اس قیمتی کٹہرے کی وجہ سے کلید بردار کی ذمہ داری میں خود بخود اضافہ ہوگیا لیکن بادشاہ نے اپنی حکومت کی طرف سے گنبد شریف کے انتظام جاریہ میں کوئی دخل نہیں دیا۔ یہاں تک کہ شاہجہاں بادشاہ یا جہاں آرا بیگم نے موجودہ چاندی کا کٹہرا بنوایا جو بادشاہ عالمگیر کی تخت نشینی کے ابتدائی ایام میں بن کر تیار ہوا۔ (ریاض الاولیا قلمی)

اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ......

"الی الیوم مظر وفات و لوازماتِ ایں روضۂ متبرکه از سرکارِ نواب خورشید احتجاب جهاں آرا بیگم بنت حضرت فردوس آشیانی است"

(ریاض الاولیا قلمی سن تصنیف ۱۰۹۰ھ از بختاور خاں)

......یعنی اس وقت (۱۰۹۰ھ) تک گنبد شریف کے تمام ظروف اور دیگر سامان اور اس کے لوازمات کا انتظام شاجہاں کی بیٹی جہان آرا بیگم کی طرف سے ہوتا ہے۔

یہ سارا سامان بھی گنبد شریف کے توشہ خانوں میں رکھا جاتا تھا۔ ان توشہ خانوں کے دروازے گنبد شریف کی شرقی دیوار میں ہیں اور ان ہی توشہ خانوں میں خدام خواجہ کے مورث اعلیٰ (خواجہ سید فخر الدین گردیزیؒ) اور ان کی اہلیہ کی قبریں ہیں جن کو تعمیر گنبد کے وقت ان توشہ خانوں میں لے لیا گیا۔

(تذکرۃ المعین، حصہ: دوم، ص: ۷۵، سطر: ۱۸ تا ۲۱)

معلوم ہوا کہ مزار شریف سے متعلقہ سارا ساز و سامان حسب دستور قدیم ہمیشہ خدام خواجہ ہی کو دیا گیا اور انہوں نے اپنے پنچائتی قدیم قاعدے کے بموجب اس کو جماعتی نگرانی میں رکھا اور ان توشہ خانوں کی کنجیاں ہمیشہ خدام خواجہ کے پاس ہی رہیں اور حکومت نے اس ساز و سامان کی نگرانی و حفاظت کے لئے کوئی نیا انتظام نہیں کیا بلکہ جو کچھ دیا بطورِ نذر دیا اور خدام خواجہ نے اپنے قومی اور پنچائتی قاعدے کے مطابق مختص بالمزار سامان کو مزار شریف کے استعمال کے لئے محفوظ رکھا۔ (جواب نامہ، ص: ۸۴) اور بلاشرکتِ غیرے قابض رہے۔ جواب نامہ میں مزید لکھا ہے......

اگر یہ ساز و سامان بطورِ نذر نہ دیا ہوتا تو جہانگیر کے نصب کردہ کٹہرے کا سونا حکومت واپس لے لیتی (اگر چہ شرعاً نذر واپس طلب نہیں کی جاسکتی) اور اگر سونے کا کٹہرا مالِ وقف ہوتا تو اس عہد کا متولی اس سونے کو بیچ کر اس کی قیمت کسی نہ کسی کام میں لگا دیتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا، کٹہرا منت کی ادائی کے سلسلہ میں نذر ہوا تھا اور مختص بالمزار تھا۔ اس لئے ہمیشہ خدام خواجہ کی نگرانی میں رہا اور جب چاندی کا کٹہرا نصب ہوا تو خدام خواجہ نے جہانگیر کے نذر کردہ کٹہرے کا سونا اپنی صوابدید کے مطابق درگاہ شریف کے ایک تہہ خانہ کے اندر محفوظ کر دیا۔ چنانچہ ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۹۰ء میں جب ضلع اجمیر کے کلکٹر اور مجسٹریٹ اے ایف ڈیلیسو ایک دیوانی مقدمہ کی وجہ سے درگاہ شریف کے ریسیور تھے اور اس وقت درگاہ شریف کا خزانۂ وقف خالی تھا، درگاہ شریف کو

روپیہ کی سخت ضرورت تھی تو خدام خواجہ نے اس تہہ خانے سے جہانگیری کٹہرے کا یہ سونا اور کچھ دوسرا سامان دیا، جس کی قیمت پچھتر (۷۵) ہزار روپیہ وصول ہوئی، جس سے درگاہ کے دیہات میں نئے تالاب بنے اور پرانے تالابوں کی مرمت ہوئی۔

(جواب نامہ، ص: ۸۴ تا ۸۵)

اس طلائی کٹہرے کی نذر کے علاوہ شہنشاہ جہانگیر کی بے پایاں عقیدت سے درج ذیل واقعات بھی خصوصی توجہ کی مستحق ہے۔

Mughal Documents 1526 -1627 By
S.I.Tirmizi Director of Archeological Survey of India

ترمذی نے مغل فرامین کا فارسی سے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ ترمذی صاحب نے تزک جہانگیری سے انگریزی ترجمے میں جہانگیر کی حضور غریب نوازؒ سے والہانہ عقیدت کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

"اپنی بیماری کے دوران مجھے یہ خیال آیا کہ جب میں باطناً خواجہ کا حلقہ بگوش ہوں اور اپنے وجود کا سبب غریب نوازؒ کی توجہ کو جانتا ہوں تو مجھے علانیہ طور پر کانوں میں سوراخ کرا کر ان کے غلاموں میں شامل ہونا چاہئے۔ جمعرات ۱۲ر شہریور مطابق ماہ رجب میں میں نے اپنے کانون کو چھدوایا اور دونوں میں چمکتے ہوئے موتی ڈال دیئے۔ جب محل کے ملازمین اور میرے وفادار دوستوں نے یہ دیکھا جو میری حاضری میں تھے یا دور دراز سرحدوں پر تھے، بڑے چاؤ اور تندہی سے انھوں نے اپنے کان چھدوالئے اور خلوصِ حسن کو موتیوں اور لعلوں سے، جو ان کو عطا کئے گئے تھے، سجا دیا۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ احدیوں اور دوسروں تک پھیل گیا۔"

(ترمذی کی عبارت کے علاوہ اصل تزکِ جہانگیری کا فارسی سے اردو میں ترجمہ)

ترمذی صاحب نے تزکِ جہانگیری کے حوالے سے مزید لکھا ہے۔

"سونے کے سکے جاری کئے اور ان پر 'یا معین' کندہ کرایا۔ اس نے ایک دیگ پیش کی اور کھانا بنوا کر اپنے ہاتھوں سے تقسیم کیا اور آستانہ اقدس میں روشنی کی رسم میں شامل ہوا۔ غرباء، مساکین اور فقراء کو خیرات دی اور خدام خواجہ کو نذر پیش کی۔"

ترمذی صاحب نے اس سلسلے میں درج ذیل انگریزی کتابوں کے حوالے پیش کئے ہیں۔

Tuzuk-i-Jahangiri, Vol.1(tr.) op. cit.,pp.267-68, 256, 279,297,329

W.Foster (ed.), early travels in India (1583-1619), London, 1927,pp.171, 280.

Purchas and his Pilgrimages (op. cit.), p.491,

Ajmer through inscriptions, p.18, M.K.Hussain: Jam-e-Sahat coin of Jahangir, the journal of Numismatic society of India, Vol. XLI, pt. II (Varanasi, 1997), pp. 103-15.

۱۹۴۷ء میں قتل و غارت گری کے واقعات سے متاثر ہو کر اجمیر شریف کے باشندگان کی بڑی تعداد ترکِ وطن کر کے پاکستان چلی گئی، یہاں تک کہ حکومت کے مقرر کئے ہوئے دیوان آلِ رسول علی خاں بھی پاکستان چلے گئے جو اپنے آپ کو اولادِ خواجہ اور سجادہ نشین کہلواتے تھے۔ مگر غریب نوازؒ کے مقرر کردہ خادم حضرت سید فخر الدین گردیزیؒ کی اولاد انتہائی استقلال و استقامت اور حوصلہ کے ساتھ درگاہ شریف کی خدمت کرتی رہی۔ یہ استقامت دراصل حضور غریب نوازؒ کی روحانیت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ الاستقامة فوق الكرامة۔ اگر غریب نواز کی روحانی قوت کارفرما نہ ہوتی تو خدام کو یہ استقامت ہرگز میسر نہ آتی۔

خدام خواجہ غریب نوازؒ کا خصوصی تعلق اور نسبت

خدام صاحبان کا تعلق حضور غریب نوازؒ کے آستانہ عالیہ سے ابتداء ہی سے تقریباً آٹھ سو سال کا ہے۔ سرکار غریب نوازؒ نے اپنے خادمِ خاص، خدام

صاحبان کے جدِّ اعلیٰ حضرت خواجہ سید فخر الدین گردیزی سے اپنی قربت و شفقت کا اظہار اس طرح فرمایا ہے کہ اپنے بڑے صاحبزادے کا نام اپنے خاص خادم سید فخر الدین کی نسبت سے "فخر الدین" رکھا اور اپنی خانقاہ کا انتظام اُن کے سپرد کیا جس کی کوئی مثال نہیں۔

بعد وصال، حضور غریب نوازؒ کے آستانہ عالیہ کی دیکھ ریکھ، تعمیر و توسیع، رسومات کی ادئیگی اور قدیم روایات کی پاسداری خدام خواجہ صاحب نہایت تندہی اور خوش اسلوبی سے آج تک انجام دیتے چلے آرہے ہیں۔ ساتھ ہی کروڑوں عقیدت مندان خواجہ غریب نوازؒ سے بلا تفریق مذہب وملت برابر رابطے قائم کئے ہوئے ہیں۔ پوری دنیا میں خواجہ بزرگ کی تعلیمات و پیغام پہنچا کر، آستانہ عالیہ میں منعقدہ تقریبات کی اطلاع دے کر اور تبرکات ارسال کر کے خواجہ غریب نوازؒ کے مشن کو فروغ دے رہے ہیں۔ علاوہ ازیں بغرضِ زیارت اجمیر شریف آنے والے زائرین کے قیام و طعام و آسائش کا انتظام بھی اپنے صرفہ سے کرتے ہیں اور ہر سال کثیر رقم نذر و نیاز، لنگر اور بزرگان دین کے اعراس پر خرچ کرتے ہیں۔ ان زائرین کو زیارت کرانے کا حق صرف خدام خواجہ ہی کو ہے۔

اس آٹھ سو سال کے طویل دور میں اجمیر متعدد بار حادثات و انقلابات کی زد میں آیا لیکن خدام خواجہ صاحبؒ چنداں ہراساں نہیں ہوئے اور کئی مرتبہ لوگوں نے اپنے خبثِ باطن کے باعث انگشت نمائی بھی کی لیکن خدام خواجہ صاحبؒ متاثر نہ ہوئے بلکہ خود مخالفین ہی اپنے ناپاک ارادوں میں ناکام رہے۔

وقت کے ساتھ خدام صاحبان کی تعداد بڑھتی گئی اور انھوں نے ہر سطح پر اپنی نمائندگی اور حقوق کے تحفظ کے لئے " انجمن معینیہ فخریہ خدام خواجہ صاحب سید زادگان (رجسٹرڈ)" تشکیل کی۔ انجمن کے رجسٹریشن کا سن ۱۹۴۶ء اور ۱۹۴۷ء ہے۔

یہ انجمن خدام صاحبان اپنے متعلقہ جملہ فرائض انجام دیتی ہے اور تمام مصارف بھی برداشت کرتی ہے۔

انجمن سیدزادگان خدام خواجہ کی جانب سے درگاہِ معلیٰ کے احاطۂ نور میں کی جانے والی خصوصی مذہبی تقریبات

۱۔جشن عید میلاد النبیؐ ۲۔جشن معراج النبیؐ۔
۳۔اعراسِ مبارکہ حضرات خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین۔
۴۔یوم ولادتِ مبارک سیدنا امام حسین علیہ السلام۔
۵۔مجالسِ بیانِ شہادت سیدنا امام حسین علیہ السلام و دیگر شہدائے کربلا رضوان اللہ علیہم اجمعین۔
۶۔عرس مبارک حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمۃ اللہ علیہ۔
۷۔جملہ مراسم عرس مبارک حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ۔
۸۔اعراس مبارکہ جملہ بزرگانِ دین و بزرگان چشت اہل بہشت رحم اللہ علیہم اجمعین۔
۹۔عرس مبارک حضرت خواجہ سید فخر الدین گردیزیؒ۔
۱۰۔اعراس مبارکہ حضرات صاحبزادگان خواجہ غریب نوازؒ۔
۱۱۔ختم خواجگان، ماہانہ فاتحہ چھٹی شریف غریب نوازؒ اور لنگر کا اہتمام اور تقسیم تبرک۔
۱۲۔رمضان المبارک میں ۳ر رمضان المبارک کو عرسِ حضرت فاطمہ خاتونِ جنت سلام اللہ علیہا، عرسِ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، عرسِ مولیٰ علی علیہ السلا، جشنِ فتح مکہ، یوم بدر اور لیلۃ القدر کی تقریبات منعقد کی جاتی ہیں۔

ان تمام اعراس کے موقع پر انفرادی حیثیت سے خدامِ خواجہ کی جانب سے اور اجتماعی حیثیت سے انجمن سیدزادگان کی جانب سے بڑے وسیع پیمانے پر زائرینِ خواجہ کے لئے لنگر کا اہتمام کیا جاتا ہے۔اسی طرح رمضان المبارک کے مہینے میں پوری درگاہ شریف (عظمت کے ساتھ ساتھ رقبہ کے اعتبار سے بھی برِ صغیر میں اتنی وسیع درگاہ نہیں ہے) میں سحری و افطاری کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

۱۳-بزرگانِ چشت کے مزاراتِ مقدسہ کے لئے غلاف بھیجنا اور ان کی نیاز دلانا بالخصوص غریب نوازؒ کے خلیفہ اور سجادہ نشین خواجہ قطب صاحب، غریب نوازؒ کے فرزندِ اکبر خواجہ فخر الدین سرواڑی اور ان کے فرزندِ اکبر خواجہ حسام الدین جگر سوختہ کی درگاہوں کے لئے غلاف مبارک بھیجا جاتا ہے۔

۱۴- روزمرہ کے معمولات وخدماتِ آستانۂ عالیہ۔

خدام خواجہ کی جانب سے کئے جانے والے رفاہی وفلاحی کام

۱۔ عثمانیہ خواجہ سیکنڈری اسکول۔

۲۔ تعلیمی وظائف اور وظائف بیزگان۔

۳۔ دینی مدرسہ کا قیام۔

۴۔ زائرین کے قیام وآسائش کے لئے گیسٹ ہاؤسز تعمیر کرنا۔

۵۔ زائرین کی دیگر ضروریات کے لئے مناسب انتظامات مثلاً طہارت خانے۔

۶۔ انتظامات اندرون آستانۂ عالیہ۔

۷۔ ماہ رمضان المبارک میں شب قدر کے موقع پر حفاظِ کرام اور ائمہ حضرات کو نذرانے پیش کرنا۔

۸۔ اجمیر شریف واجمیر کے قرب وجوار میں ایک سو گیارہ سُنّی مدرسوں کے مدرسین کو تنخواہیں دینا۔

واضح رہے کہ انجمن سیدزادگان خدام خواجہ سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہے، جس کا آفس درگاہِ معلّٰی میں واقع ہے۔ (اور درگاہِ معلّٰی میں جگہ جگہ زائرین کو معلومات فراہم کرانے کے لئے انجمن سیدزادگان خدام خواجہ کے بورڈ لگے ہیں۔ واضح رہے کہ درگاہ معلّٰی میں صرف دو دفاتر ہیں انجمن سیدزادگان خدام خواجہ کا دوسرا اوقاف یعنی درگاہ کمیٹی کا۔ ان کے علاوہ کسی اور کا دفتر وہاں موجود نہیں۔) اس کا باقاعدہ سالانہ آڈٹ ہوتا ہے۔

تقریباتِ عرس شریف آستانۂ عالیہ

عرسِ خواجہ معینؒ

رجب کے چاند کی دید ہوتے ہی درگاہِ معلی کے نوبت خانہ میں نوبت بجنا شروع ہوجاتی ہے اور لوگوں کی زبانوں پر بے اختیار یہ مصرعہ آجاتا ہے "خواجہ تورے انگنا نوبت باجے" درگاہ معلی کے شاہی قوال نمازِ مغرب کے بعد روضۂ اقدس کے سامنے بطورِ نذرانۂ عقیدت یہ منقبت پیش کرتے ہیں جس کا مطلع یہ ہے......

برتو ایں محفلِ شاہانہ مبارک باشد ساقیا بادہ و پیانہ مبارک باشد

اس فارسی منقبت کے بعد اردو کی ایک منقبت بھی پڑھی جاتی ہے جس کا مطلع یہ ہے......

الٰہی تا بہ ابد آستانِ یار رہے یہ آسرا ہے غریبوں کا برقرار رہے

لفظِ عرس کے لغوی معنی ہیں شادی، اسی لئے دولہا اور دلہن کو عروس کہتے ہیں۔ بزرگانِ دین کی تاریخِ وفات کو اس لیے عرس کہتے ہیں کہ مشکوٰۃ شریف کی حدیث میں یہ بات کہی گئی ہے کہ جب نکیرین میت کا امتحان لیتے ہیں اور وہ کامیاب ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں۔"نم کنومۃ العروس الذی لایوقظہٗ الا احب اھلہ الیہ" یعنی اس دلہن کی طرح سوجا جس کو سوائے اس کے پیارے کے کوئی نہیں جگا سکتا۔ چونکہ اس دن نکیرین نے اس کو عروس کہا، اس لئے وہ دن روزِ عرس کہلایا۔ اللہ والوں کی رحلت کے بعد ان کا اللہ سے وصال ہوتا ہے اس لئے وصالِ محبوب کے دن کو عرس کہتے ہیں۔

جب ۶/رجب المرجب کو حضور غریب نوازؒ کا وصال ہوا اور آپ کی پیشانی مبارک پر دستِ غیب سے بخطِ نورانی لکھا ہوا یہ جملہ دیکھا گیا "ھٰذَا حَبِیْبُ اللّٰہِ مَاتَ فِیْ حُبِّ اللّٰہ" یعنی یہ اللہ کے دوست ہیں اور انھوں نے اللہ کی محبت میں انتقال کیا۔ (سیر الاولیا)

خواجہ غریب نواز کا عرسِ مبارک یکم رجب المرجب سے ۹ رجب تک منایا جاتا ہے۔ ۹ رجب کو صبح ۹ بجے مزارِ اقدس کو خدام خواجہ عطر اور کیوڑے سے غسل دے کر عرس کا اختتام کرتے ہیں۔

روز مرّہ کی خدمت

یہ خدمت صرف خدّام حضرات ہی اپنی موروثی روایات کے مطابق انجام دیتے ہیں۔

۱۔ فجر کی خدمت (موسم کے مطابق) فجر کی نماز سے پہلے ایک بزرگ خادم اذان دے کر مزار مبارک کا دروازہ کھولتا ہے اور بعدازاں رات بھر کے چڑھے ہوئے پھول خدام حضرات ہی ہٹا کر، غلاف مبارک بدل کر اور نئے پھول چڑھا کر جملہ حاضرین کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں۔ اس کے بعد زائرین کو زیارت کی عام اجازت دیتے ہیں۔

۲۔ دن کی خدمت بعد نماز ظہر خدام حضرات ہی انجام دیتے ہیں۔ مزار مبارک پر پیش کئے ہوئے سارے پھول ہٹا کر مزار اقدس پر صندل پیش کرتے ہیں اور غلاف مبارک بدل کر نیا غلاف چڑھاتے ہیں جو کہ ساٹن، بروکیڈ اور مخمل کا ۴۲ گز کا ہوتا ہے اور پورے مزار مبارک کے چاروں طرف فراشے سے صفائی کر کے دُعائے خیر کرتے ہیں، پھر زائرین کو زیارت کی عام اجازت دے دیتے ہیں جو کہ خدامِ خواجہ کے توسط سے مزار اقدس پر حاضری دیتے ہیں۔

۳۔ نماز مغرب سے قبل چراغاں کی رسم ادا کی جاتی ہے، جسے ''روشنی'' کہتے ہیں۔ تین بزرگ خدام حضرات مخصوص موم بتیاں زائرین کے سروں پر تبرکاً لگاتے ہوئے اور مناجات کرتے ہوئے مزار مبارک میں داخل ہوتے ہیں اور موم بتیوں کو چار فانوسوں میں روشن کرتے ہیں۔ ان چار فانوسوں کو چار خدام صاحبان اپنے سروں پر اُٹھاتے ہیں۔ اُن میں سے ایک فارسی میں لکھی ہوئی منقبت پڑھتا ہے جسے روشنی کہتے

ہیں، جس کا آخری شعر یہ ہے......

الٰہی تا بود خورشید و ماہی　　چراغ چشتیاں را روشنائی

۴- رات کو بعد نمازِ عشاء (موسم کے مطابق) مزار شریف کا دروازہ معمول (بند) کرنے سے پہلے تین خدام حضرات مزار مبارک کے چاروں طرف فراشہ دیتے ہیں۔ بعد ازاں ہندوی زبان میں ایک نظم پڑھی جاتی ہے جسے "کڑکا" کہا جاتا ہے اور اسے شاہی قوال پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد مزار مبارک کے دروازوں کو اس دن کا کلید بردار بند کرتا ہے اور چابی اپنے پاس رکھتا ہے۔

خدامِ خواجہ کی تاریخی عظمت و اہمیت

علامہ ابو المعالی

شیخ دانیال اور شیخ فتح اللہ کے بعد آپ جماعت خدام کے ایک اہم فرد ہیں۔ عہدِ شاہجہانی اور عہدِ عالمگیری میں آپ روحانی لحاظ سے نہایت بزرگ مانے جاتے تھے۔ علم و فضل میں بھی آپ اپنی امتیازی شان رکھتے تھے اور منصب درس و تدریس پر فائز تھے۔ آپ کی عظمت کا اندازہ اس خط سے ہوتا ہے جو اس دور کے متولی درگاہِ غریب نواز حضرت محمد رضا علیہ الرحمۃ نے عہدِ تولیت سے مستعفی ہونے کے بعد لکھا۔ نقل خط درج ذیل ہے۔ (جواب نامہ، از مولانا معنی مرحوم، ص: ۹۲ تا ۹۵)

نقلِ خط......

یاد باد آنکہ سرِ کوئے تو ام منزل بود
دیدہ را روشنی از خاک درت حاصل بود

بذروۂ عرض حضرت ارشاد پناہی مخدومی میر ابو المعالی مدظلہ العالی میرساند کہ بعد از حصولِ سعادت زمین بوسِ خدیو زمین و زمان یک چندے رائے ضعیف بر آن گرفتہ بود کہ علی الرغم مخالفانِ بے دین و منافقانِ بے یقین خدماتِ اجمیر از دست نہ دہد و با

خود را بزیارت آستانہ علیا و شرفِ حضور آں ولی آخر الزماں رساند تا وقتیکہ معاندان سعی درعزل ایں نیاز مندی نمودند خادم شتابہ تغیر راضی نمی شدو نگذاشت کہ سعی ارباب سعایت کارگر آید بعد ازآں کہ آنہا مایوس شدند و مخذول و منکوب گردیدند بہ ہیچ وجہ عزیمتِ آن سمت نا مناسب لہٰذا بطوع و رغبت خود از خدماتِ مرجوعہ استعفا نمود پائے از میان کشید اکنوں غیر از مفارقت و مہاجرت صوری کہ در نظر اہل دید اعتبارے ندارد و مکروہے لاحق ندارد آبخورد بصوب ملتان می برد تا از مشیمۂ تقدیر چہ زاید۔

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست

از فاتحۂ فاتحہ فراموش نفرمایند فقیر در ہر جا کہ باشد عرایض نیاز بخدمت خواہد نوشت و منتظر جواب خواہد بود عفیفہ کہ در جوار حضرت قطب الاقطاب مدفون گشتہ از مقبرۂ او چراغ وگلِ آنجا یکے از خدمہ خود را خواہند فرمود کہ باخبر باشد متولی حال از آشنایانِ قدیم فقیر است اوصافِ حمیدۂ ایشان را خاطر نشینِ او کردہ شد در پاس مراتب خادمی، خود را معاف نخواہد داشت از اخلاق کامل الذات، مستحسن الصفات مولانائے محمد باقر نیز متولی را آگاہ ساختہ سلوک را نسبت بجناب حقایق مآب نیز آدمیانہ خواہد کرد دعائے فقیر بخدمت مولوی رساند۔ (رقعات قلمی، صفحہ: ۹۱ تا ۹۲)

یہ ایک ایسے شخص کا رقعہ ہے جو اس رقعہ کی تحریر سے کچھ دن پہلے اجمیر کی درگاہ شریف کا متولی تھا اور یہ رقعہ ایک خادم خواجہ کے نام ہے جس شعر سے شروع کیا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔

مجھے یاد ہیں وہ دن جب تیرے کوچہ میں میرا ٹھکانہ تھا اور تیری چوکھٹ کی دھول سے میری آنکھیں روشنی حاصل کرتی تھیں۔

خلاصۂ مکتوب یہ ہے......

"بادشاہ سلامت کے حضور میں باریاب ہونے کے بعد تھوڑی دیر گمے ملئے یہ خیال ہوا تھا کہ مخالفین و منافقین کی ضد پر درگاہ شریف کی تولیت کو نہ چھوڑوں اور پھر آستانۂ عالیہ کی زیارت اور آپ ایسے ولی آخر الزماں کی حضوری کا شرف حاصل کروں

کیوں کہ جب دشمن میری معزولی کی کوشش کر رہے تھے تو آں جناب کا خادم اس تغیر پر رضا مند نہیں تھا چنانچہ مخالفین کی کوشش کامیاب نہ ہونے دی۔ اب جب کہ وہ سب نااُمید اور ناکام ہو چکے ہیں، اس طرف کا ارادہ مناسب نہیں سمجھا اس لئے اپنی خوشی سے مستعفی ہو گیا۔ اب ظاہر میں جدائی ہے، جس کا اہل نظر کی نگاہ میں کوئی اعتبار نہیں آب ودانہ ملتان لے جا رہا ہے دیکھئے کیا ہوتا ہے؟

مرد سالک کو راستہ میں جو کچھ بھی پیش آئے اسی میں اس کی بھلائی ہے

دُعائے خیر سے فراموش نہ فرمائیں فقیر جہاں کہیں بھی رہے گا، عریضۂ نیاز خدمت میں بھیجتا رہے گا۔ اور جواب کا انتظار کرے گا جو مرحومہ حضرت قطب الاقطاب خواجہ بزرگ کی درگاہ میں دفن ہے اس کی قبر پر چراغ بتی اور پھول پتی کی خبر رکھنے کے لئے اپنے کسی خادم کو ہدایت فرما دیجئے۔

اب جو متولی وہاں مقرر ہوا ہے، میرے پرانے دوستوں میں سے ہے۔ آں جناب کے اوصاف حمیدہ سے اس کو باخبر کر دیا ہے۔ آں جناب سے خادمانہ طریقہ سے ملے گا اور مولانا محمد باقر کی کامل ذات اور ان کے عمدہ صفات سے بھی اس کو آگاہ کر دیا ہے۔ حقایق مآب (مولانا محمد باقر) کے ساتھ بھی اس کا طرزِ عمل آدمیانہ رہے گا۔ فقیر کی دعا مولوی کو پہنچا دیجئے۔"

اس مکتوب میں علامہ ابو المعالی کے لئے ارشاد پناہی اور مخدومی مدظلہ العالی ایسے القاب لکھے ہیں اور مکتوب نگار نے اپنے آپ کو حضرت ابو المعالی کا نیاز مند اور خادم تحریر کیا ہے مکتوب نگار اس مکتوب کے لکھنے سے کچھ دن پہلے غریب نوازؒ کی درگاہ شریف کا متولی تھا۔ اس مکتوب سے اندازہ ہوتا ہے کہ عہدِ عالمگیری میں اہل علم و فضل اور ارباب مناصب عالیہ خدام غریب نوازؒ کی عظمت و بزرگی کے بدرجۂ اتم قائل تھے اور ان سے نیاز مندانہ روابط رکھتے تھے۔

صاحبزادہ سید محمد حنیف علیہ الرحمۃ

آپ خدام غریب نوازؒ میں نمایاں شہرت و حیثیت کے مالک ہیں۔ علوم متداولہ سے فارغ ہو کر قطب الاقطاب حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی علیہ الرحمۃ سے اُن کی حاضریٔ اجمیر کے دوران بیعت کا شرف حاصل کیا اور آپ کے سلسلے کی خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے۔ صاحبزادہ موصوف نے ۵ ربیع الآخر ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۳ دسمبر ۱۹۵۳ء اتوار کے دن ڈیوڑھی نواب رسول یار جنگ مچھلی کمان حیدر آباد میں رات کے ایک بجے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ نظام دکن میر عثمان علی خاں نے اپنی جانب سے تجہیز و تکفین وغیرہ کا اہتمام کیا۔ ۶ ربیع لآخر بروز دو شنبہ درمیان عصر و مغرب خطہ صالحین میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ برِصغیر کے گوشہ گوشہ میں آپ کے مریدین، متوسلین اور معتقدین کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ ریاست حیدر آباد (دکن) کے بڑے بڑے رؤساء، امراء اور نوابینؒ آپ کے حلقہ بگوش تھے۔ والیٔ دکن نظام الملک آصف جاہ سابع، شہزادہ اعظم جاہ اور مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر بھی آپ کے ارادت مندوں میں شامل تھے۔ شہزادہ اعظم جاہ بہادر اکثر آپ سے دعائے خیر کی درخواست کرتے رہتے تھے۔ آپ کے نام اعظم جاہ بہادر کا ایک خط ہدیۂ قارئین ہے......

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقایق آگاہ معرفت پناہ جناب مولوی محمد حنیف صاحبزادہ اجمیر شریف

السلام علیکم

نواب محی الدولہ بہادر سے آپ کی تعریف اور یہ سن کر مجھے نہایت مسرت ہوئی کہ آج کل آپ یہاں آئے ہوئے ہیں، دلی آرزو اور تمنا تھی کہ آپ سے ملاقات کروں لیکن مصلحت وقت نہیں ہے۔ آپ میرے لئے خاص طور پر آستانہ مبارک میں دُعاء فرمایئے۔ میں ابھی سے آپ کو اپنا وکیل مقرر کرتا ہوں اور انشاء اللہ تعالیٰ وقت

آنے پر خاص آپ کے نام دو سو روپئے کلدار ماہانہ کا منصب دوامی بھی جاری کروں گا۔ بہرحال مجھے ہر وقت یاد رکھئے۔ والسلام فقط یا اعظم۔

جو خادم جس زائر کو زیارت کراتا ہے، اس کا وہ دعاگو اور وکیل بھی کہلاتا ہے۔

مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر سلطان الہند کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوئے تو سید محمد حنیف صاحب کے حسنِ سلوک سے بہت متاثر ہوئے، واپسی پر جو خط ارسال کیا وہ درج ذیل ہے۔

حضرت پیرو مرشد سلطان الہند خواجہ غریب نوازؒ

بسم اللہ خیر الاسماء

مکرم سید محمد حنیف صاحب

بعد سلام واضح ہو کہ آپ نے میرے زمانہ حضوری بارگاہ میں جس خلوص اور مہربانی سے زیارت کرائی اور شب و روز دعائے خیر سے یاد فرمانے کی تکلیف گوارا کی میں ہمیشہ اس کو یاد رکھوں گا اور بدل شکرگزار رہوں گا۔ آپ نے مہربانی ہی نہیں کی بلکہ مجھ پر احسان کیا اور حق وکالت ہی ادا نہیں کیا بلکہ خلوص دلی کا اظہار کر کے مجھے ہمیشہ کے لئے ممنون کیا۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں تا حیات اور میری آل و اولاد آپ کی اس محبت اور خلوص کی قدر کرے گی۔

اس کے معاوضہ میں آپ کی جو کچھ خدمت کروں وہ کم ہے۔ فی الحال میں نے آپ کے بڑے فرزند سید محمد عبدالباری معنیؔ کے نام کچھ یومیہ مقرر کر دیا ہے گرچہ یہ جانبین کے شایان نہیں ہے لیکن اس کو آپ صرف......

برگ سبز است تحفہ درویش

......سمجھ کر قبول کیجئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ یار باقی صحبت باقی۔ حضور غریب نوازؒ کی بار گاہ میں با حصول مقاصد حاضر ہوں گا۔ اس وقت اور جو کچھ مجھ سے آپ کی خدمت ہو سکے گی ادا کروں گا۔ دعا کیجئے کہ شاد بہت جلد اپنے آقا کی قدم بوسی حاصل کرے

اور تا بہ حیات (حضرت) کے دربار اقدس میں حاضر ہوتا رہے اور اپنے دامن اُمید کو گوہر مقاصد دارین سے بھرتا رہے۔

فقط

دستخط شاد

اردو کے نامور ادیب و شاعر حضرت ہوش بلگرامی (معتمد تعمیرات حیدر آباد) رامپور سے مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کی دعوت پر ان سے ملنے اجمیر شریف پہنچے مگر مہاراجہ کسی وجہ سے دو ہفتے کے بعد وہاں حاضر ہو سکے۔ اس دوران ہوش صاحب حضرت سید محمد حنیف صاحب کے مہمان رہے ان کی بزرگانہ شفقت کا ذکر ہوش صاحب نے اس طرح کیا ہے......

> "اجمیر پہنچا تو معلوم ہوا کہ مہاراجہ ابھی اجمیر نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ میں نے مہاراجہ کی خاطر وہاں دو ہفتے گزارے۔ اگر ادبی ذوق نہ ہوتا اور سید محمد حنیف صاحب کی بزرگانہ دُعائیں نہ ہوتیں تو میں نہ مہاراجہ کا انتظار کر سکتا اور نہ میں اپنی مسافرت کے دن کاٹ سکتا۔"

(نقوش: آپ بیتی نمبر، جون ۱۹۶۴ء، ص: ۲۲۴، مطبوعہ لاہور، پاکستان)

صاحبزادہ سید محمد حنیف کا یہ حسن سلوک امراء یا خواص کے لئے مختص نہ تھا، آپ کے متوسلین میں کثیر تعداد عوام اور غرباء کی تھی۔ آپ ان کی مدارات بھی خاطر خواہ طریقے سے کرتے تھے، ان میں سے بیشتر کو وقتِ رخصت زادِ راہ بھی اپنے پاس سے عطا کرتے تھے۔ سوا سو سال قبل مولانا سراج احمد چشتی نظامی فخری بھی خدام میں ہوئے، جنھوں نے سلسلۂ چشتیہ کی تبلیغ کو فروغ دیا۔

واضح رہے کہ سلاطین، نوابین، رؤساء امراء، علماء اور مشائخ کے ایسے بیشمار خطوط اور وکالت نامے خدام خواجہ کے پاس موجود ہیں جو ان کی تاریخی عظمت و اہمیت کے مظہر ہیں۔

دورِ حاضر میں جماعت خدام کے اہم افراد

مذکورہ بالا چند بزرگوں کا ذکر بطورِ نمونہ کیا گیا ہے، اس جماعت میں ایسے اور بھی عظیم المرتبت حضرات گزرے ہیں، جن کے ذکر کے لئے الگ سے ایک کتاب درکار ہے۔

اس جماعت میں ماضی قریب میں ایسے افراد گزرے ہیں، جنہیں خان بہادر اور خان صاحب کے خطابات عہدِ برطانیہ میں ملے ہیں۔ اس جماعت کے افراد ڈائرکٹر آف ایجوکیشن اے ڈی ایم، منصف اور ناظم جنگلات جیسے اہم عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ اسی جماعت کے ایک فرد اقوامِ متحدہ (یو۔این۔او۔) میں عہدیدار رہے، بعض حضرات ملٹری کی ملازمت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ اس جماعت میں بہت سے افراد اہل قلم اور صاحبِ تصنیف و تالیف ہوئے ہیں۔ بعض افراد افق شعر و ادب پر ماہ و نجوم بن کر چمکے ہیں۔

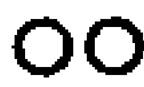
مولانا معنیٰ اجمیری کے خطبات صدارت راجستھان کی تاریخِ ادبِ اردو کا جزوِ لاینفک ہیں۔ اخبارات و رسائل کی دنیا میں بھی اس جماعت کے کچھ افراد نے صحافت کے نقطۂ نظر سے اپنے فکر و فن کا جادو جگایا ہے۔ ان کی صحافیانہ خدمات نا قابلِ فراموش ہیں۔ اس جماعت میں آج بھی بلند پایہ ادیب، شاعر اور محقق اور انشاپرداز موجود ہیں۔ اسی جماعت میں ایسے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ بھی ہیں جو بیرونِ ملک مختلف اداروں میں اہم عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ اس جماعتِ خدام ہی کے بعض افراد متولی درگاہ بھی رہتے ہیں۔ اس جماعت میں تقریباً ہر دور میں حفاظ، قراء اور اساتذۂ علم دین گزرے ہیں۔ اسی جماعت کے کچھ افراد ہندوستان کے مایہ ناز بورڈنگ اسکول، میو کالج، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور دیگر کالجوں میں بحیثیت اُستاد رہے ہیں۔ ایک خادمِ خواجہ نے امپیریل فارسٹ سروسز (آئی۔ایف۔ایس) کا اعزاز حاصل کیا اور وہ یو۔این۔او۔ میں ورلڈ کنزرویٹر فار فاریسٹ کے منصب پر فائز ہوئے۔ سعودی عرب میں نیم کے درخت لگوانے میں اُنھوں نے کارِ نمایاں انجام دیا، خصوصی طور پر حرمین

شریفین اور جدہ میں نیم کے درختوں کی کثیر تعداد آپ کی یادگار ہیں۔ جماعتِ خدام کی ایک خاتون کو Indian Diaspora Award سے سابق وزیرِ اعظم جناب اٹل بہاری واجپئی نے نوازا۔ یہ سالانہ ایوارڈ وزیرِ اعظم ہند کی جانب سے ان لوگوں کو دیا جاتا ہے جو ہندوستان کے باہر رہتے ہوئے کسی شعبے کی بلندیوں کو پہنچتے ہیں۔ خدام حضرات میں سے چند افراد پاکستان چلے گئے، وہ وہاں ممتاز اور اعلیٰ عہدوں سے سرفراز ہوئے۔

مختصر یہ کہ جماعت خدام کے افراد کے پاس مسلم سلاطین اور ہندو راجاؤں سے لے کر مغلیہ دور کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر تک کی تحریریں، اسناد اور وکالت نامے، جن پر مشتمل ایک ڈاکیومنٹ "اسناد الصنادید" کے نام سے مولانا معنی نے ترتیب دیا ہے، جس کا ذکر S. I. Tirmizi, Director Archaelogical Survey of India نے اپنی کتاب مغل ڈاکیومنٹس میں کیا ہے۔ جن سے اربابِ علم و تحقیق ہندوستان کی روحانی، علمی، ادبی اور ثقافتی تاریخ کے لئے بہت کچھ استفادہ کر سکتے ہیں.

سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کے لئے

جماعتِ خدام کے سبھی افراد عقیدتمندانِ خواجہ کے نزدیک احترام کے مستحق ہیں۔ الغرض اس جماعت میں ہر فرد "جو ذرہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے" کا مصداق ہے۔



پندرھواں باب

نذوراتِ خواجہؒ

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمۃ والرضوان کے آستانے پر درگاہ کمیٹی (مقرر کردہ حکومتِ ہند) نے صاحبِ مزار کی نذر و نیاز وصول کرنے کے لئے درگاہ مقدسہ کی حدود میں ''نذورات درگاہ شریف'' اور ''نذرِ دیگ'' کے عنوان سے کچھ بورڈ آویزاں کئے تھے۔ اس سلسلے میں یہ مسئلہ اٹھا کہ آستانہ اقدس میں جو نذریں پیش کی جاتی ہیں، ان کا فی الواقع شرعی طور پر مستحق کون ہے؟ اجمیر کے ایک کہنہ مشق شاعر فداء الملک عرشی اجمیری مرحوم نے ۱۹۵۸ء کے اوائل میں ایک استفتاء مرتب کیا اور ہندوستان کے اکابر علماء اور مفتیانِ کرام کی خدمت میں ارسال کیا۔ جوابات موصول ہونے پر انہیں ایک کتابچہ کی شکل میں شائع کیا۔ یہ کتابچہ کلیمی پریس ماموں بھانجہ، اجمیر میں طبع ہوا اور یکم نومبر ۱۹۶۴ء کو شائع ہوا۔

یہ کتابچہ من و عن نقل کیا جاتا ہے تاکہ قارئین کرام اس خالص مذہبی اور دینی مسئلہ سے آگاہ ہو جائیں اور سمجھ لیں کہ نذر کے صحیح مستحقین کون ہیں؟ اگر خدانخواستہ نذر غلط جگہ پیش ہوگئی تو نذر پیش کرنے والے پر اس کا بوجھ باقی رہے گا اور نذر پوری نہ ہونے کی صورت میں وہ گنہگار ہوگا۔

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے اہلِ سنت و مفتیانِ احناف مندرجہ ذیل مسائل میں۔

۱۔ کسی درگاہ میں صاحبِ مزار کے لئے جو نذریں پیش کی جاتی ہیں، شرعاً ان کا

مستحق کون ہے؟

۲۔ نذر برائے صاحبِ مزار اور عطیہ برائے درگاہ دونوں کا مفہوم ایک ہے یا مختلف؟ بر تقدیرِ ثانی دونوں کے مصارف کیا ہیں؟

۳۔ عرفِ عام میں بطورِ استمداد حصولِ مراد کے لئے جو نذر مانی جاتی ہے، وہ صاحبِ مزار کے لئے ہوتی ہے، یا درگاہ کے لئے؟

۴۔ کسی بھی درگاہ کمیٹی (اوقاف) کو کیا یہ حق پہنچتا ہے کہ نذر صاحبِ مزار کی آمدنی کے استحقاق سے خدامِ مزار کو محروم ٹھہرا کر ان کے بجائے خود حاصل کر لے؟

۵۔ نذر برائے صاحبِ مزار کی رقم اگر درگاہ کمیٹی کے حوالے کر دی گئی اور اس نے (درگاہ کمیٹی نے) خدامِ مزار پر صرف کرنے کے بجائے دوسری مد میں اسے صرف کیا تو وہ نذر ادا ہوئی یا نہیں۔ بینوا و توجروا۔

۱۱ محرم الحرام ۱۳۷۸ھ — المستفتی فداء الملک عرشی اجمیری عفی عنہ

مالک کلیمی پریس و مدیر اخبار کلیم

سکریٹری آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء شاخ اجمیر شریف

الجواب بعون الملک الوہاب
حامداً و مسلماً و مصلیاً

جواب نمبر: ا

شرعاً اس کے مستحق صاحبِ مزار کے اقارب و خدام ہیں بلکہ صاحبِ مزار کے لئے نذر اس وقت تک جائز نہیں ہو سکتی، جب تک کہ نذر سے مقصود صاحبِ مزار کے اقارب و خدام نہ قرار دیے جائیں کیونکہ میت تملیک مال کی شرعاً اہل نہیں ہے۔ جیسا کہ علامہ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "حدیقہ ندیہ" میں فرماتے ہیں

"واما النذر لولی میت فان قصد الناذر

تملیک المیت بطل نذرہ"
"یعنی کسی صاحب مزار کے لئے نذر ماننے والے نے اپنی نذر سے تملیک میت کا قصد کیا تو اس کی نذر باطل ہوگئی"۔

چنانچہ کتب فقہ میں، جہاں جہاں بھی فقہائے اسلام نے نذر برائے صاحب مزار کو باطل کہا ہے، وہاں علتِ بطلان یہی قصدِ تملیک میت ہے لیکن جس مقام پر فقہائے کرام نے نذر برائے صاحب مزار کو جائز قرار دیا ہے تو وہاں بنائے جواز ہی یہ ہے کہ نذر سے مقصود صاحب مزار کے خدام و اقارب ہوتے ہیں، جیسا کہ علامہ نابلسیؒ خود اپنی کتاب حدیقہ ندیہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

"والنذر لهم على حصول شفاء او قد وم غائب فانه مجاز عن الصدقة على الخادمين بقبورهم"

یعنی "اولیاء اللہ کے لئے جو نذر مانی جاتی ہے وہ دراصل ان کے خدام قبور پر صدقہ ہوتی ہے۔"

علامہ موصوف کی دوسری کتاب "کشف النور" میں اس سے بھی زیادہ واضح عبارت ہے:

"نذر الا و لياء بان يصرف علىٰ فقراء المجاورين جائز فى نفسه لان النذر فيه مجاز عن العطية و العبرة بالمقاصد دون الالفاظ"

ایک سطر کے بعد فرماتے ہیں......

"فاناالقائل يعلم ان ذالك يصرف فى مصالح الخدام لذالك الولى و غائب الناس فى هذا الزمان يقصدون ذالك فيحمل الكلام عليه"

یعنی کسی نے اس طرح پر اولیاء اللہ کی نذر مانی کہ مزار کے حاجت مند مجاورین پر وہ صرف ہوگی تو یہ نذر کا لفظ خدام قبر کے لئے عطیہ سے عبارت ہے اور یہاں اعتبار

مقاصد کا ہوگا، الفاظ کا نہیں...... پھر ایسی صورت میں کون نذر کو حرام کہہ سکتا ہے، جبکہ کہنے والا بھی جانتا ہے کہ نذر خدام مزار کے مقاصد پر صرف ہوگی اور اس زمانے میں اکثر لوگوں کا نذر سے یہی مقصود ہوتا ہے کہ اس کے مصرف خدامِ مزار ہیں۔

پس ہمیں بھی چاہئے کہ ان کے کلام کو اسی معنی پر محمول کریں۔

(انتہی)

اب ذہنی طور پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ نذر برائے صاحب مزار سے مقصود اگر اس کے اقارب و خدام ہیں تو نذر میں صاحب مزار کا کیوں ذکر آتا ہے تو اس سوال کا جواب خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں اتنی وضاحت کے ساتھ دیا ہے کہ اپنے تمام گوشوں کے ساتھ یہ بحث ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں......

"وذکرِ ولی برائے یقینِ عملِ منذور است نہ برائے مصرف، ومصرف ایں نذر نزد ایشاں متوسلان آں ولی می باشند از اقارب و خدمہ وہم طریقاں وہمیں است مقصود نذر کنندگان بلاشبہ و حکمه انه صحیح یجب الوفا به لانه قربة معلومة فی الشرع (فتاویٰ عزیزیہ)"

اس عبارت کا مفاد یہ ہے کہ نذر میں ولی کا ذکر عملِ منذور کے تعین کے لئے ہوتا ہے۔ نذر کا مصرف ظاہر کرنے کے لئے نہیں، نذر کا مصرف تو حقیقت میں صاحب مزار کے اقارب و خدام و متوسلین ہوتے ہیں اور بلا شبہ نذر ماننے والوں کی یہی نیت ہوتی ہے اور اس نذر کا حکم شرعی یہ ہے کہ وہ صحیح ہے، اس کی وفا واجب ہے کیونکہ شرع میں اس کی قربت کا اعتبار کرلیا گیا ہے۔

پس مذکورہ بالا مباحث کی روشنی میں سوال نمبر ایک کا جواب قطعی طور محقق ہوگیا کہ شرعاً نذر کے مستحق صاحب مزار کے اقارب وخدام ہیں۔

جواب نمبر: ۲

نذر برائے صاحبِ مزار اور عطیہ برائے درگاہ دونوں کے مفہوم میں فرق ہے، وجوہِ فرق ذیل میں تحریر کئے جاتے ہیں......

پہلی وجہ :......

نذر برائے صاحب مزار کا اصطلاحی مفہوم اپنے مفادمعین کے اعتبار سے تملیک شخصی کو چاہتا ہے، جس کے نتیجے میں نذر کی رقم چند طبقے کی ذاتی ملکیت قرار پاتی ہے بر عکس اس کے عطیہ برائے درگاہ کا لفظ کسی بھی فرد کے لئے ذاتی ملکیت کا حق ثابت کرنے سے انکار کرتا ہے۔ اس لفظ کا مفاد صرف اتنا ہے کہ درگاہ کی ہیئت انتظامیہ کے لئے ایک خاص مد پر دلالت کرتا ہے۔

عملی دُنیا میں ان دونوں فرقوں کا اثر یہ مرتب ہوگا کہ نذر برائے صاحب مزار کی رقوم کا مصرف صاحب مزار کے اقارب و خدام قرار پائیں گے اور وہ ان کی ذاتی ملکیت ہوں گی اور عطیہ برائے درگاہ کی رقوم کا استحقاق درگاہ کے منتظمین کو ہوگا لیکن وہ اس کے مالک نہیں ہوں گے بلکہ درگاہ کے مفاد وانتظامی صیغوں پر صرف کرنے کے محض مجاز ہوں گے۔

(اس عبارت سے واضح ہوگیا کہ خدام کو جو نذورات دی جاتی ہیں وہ ان کی ذاتی مِلک ہیں اور جو عطیہ نذر نہیں وہ درگاہ کمیٹی کو درگاہ کے مصارف میں خرچ کرنے کا حق ہے۔)

دوسری وجہ :......

نذر برائے صاحب مزار بتاویلِ مجاز ایک قربت شرعیہ ہے، جس کی وفا (یعنی ادائیگی) ناذر پر واجب ہے اور قبلِ وفا اس کے مصارف بھی متعین ہیں برعکس اس کے عطیہ برائے درگاہ ایک صدقہ نافلہ ہے، جس کا تصدق بذمہ معطی واجب نہیں اور عطا سے پہلے اس کے مصارف بھی متعین نہیں ہیں عملی دنیا میں دونوں صورتوں کا ثمرہ یہ ظاہر

ہوگا کہ نذر اسی وقت ادا ہوگی جب کہ وہ اپنے مقاصد متعینہ میں صرف کی جائے بخلاف عطیہ نافلہ کے کہ کسی بھی مصرفِ خیر میں صرف کرنا موجب استحقاق ثواب ہوگا۔

(دیکھا یہ جارہا ہے کہ منتظمین درگاہ مقاصدِ متعینہ کے برخلاف بھی عطیہ میں حاصل کی گئی رقوم کو خرچ کرتے ہیں جو شرعاً جائز نہیں۔)

تیسری وجہ:......

نذر برائے صاحبِ مزار کا حقیقی منشاء روحِ میت کو ثواب پہنچانا اور خدامِ قبر پر تصدق کرنا اور عطیہ برائے درگاہ کا منشاء درگاہ کی ہیئت انتظامیہ کو مدد پہنچانا اور اس کو تقویت دینا ہے۔

معنوی طور پر دونوں فرقوں کا مفاد یہ منتج ہوگا کہ پہلی صورت میں صرف حصولِ ثواب اور اجر عند اللہ کی نیت شاملِ عمل ہوگی۔ اب رہ گئی دونوں مدوں کے مصارف کی تشریح تو اس سلسلے میں حضرت مولانا الشاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کا فتویٰ ذیل میں ملاحظہ فرمایئے، جو اس باب میں کاملِ دستور العمل کی حیثیت رکھتا ہے۔ سوال و جواب دونوں نقل کئے جاتے ہیں......

سوال

"مقابر اولیاء اللہ کہ در دِ یارِ ہندوستان است دیہات و آراضی براہِ مصارف درگاہ خرچہ وارد و صادر مقرر باشند فرزندان آن ولی، اگر خواہند تقسیم کردہ بطورِ فرائض حصص گرفتن می توانند یانہ اگر نتوانند کدام کس متولی و مستحق آن شود و ہر چہ از نذوراتِ دنیا زہر روز ہ آمدنی درگاہ شود در آن فرائض جاری می توانند شد یا نہ؟"

"ہندوستان کے اندر اولیاء اللہ کی بعض درگاہوں میں دیہات و آراضی درگاہ کے

مصارف اور زائرین کے اخراجات کے لئے مقرر ہیں۔ صاحب مزار کی اولاد اس جائداد کو بطریقِ وراثت آپس میں اگر تقسیم کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں کر سکتے تو کون شخص تولیت کا مستحق ہوگا اور نذر و نیاز کی آمدنی جو ہر روز درگاہ میں آتی ہے، اس میں قانونِ وارثت جاری ہو سکتا ہے یا نہیں؟"

جواب

"دیہات و آراضی کہ براہِ مصارف درگاہ خرچہ وارد صادر مقرر است فرزندان را بطور فرائض تقسیم و حصہا گرفتن نمی رسد بلکہ یک کس راز طرفِ خود متولی قرار دہند تا موافق حاجت تقسیم نماید۔ در جملہ خدام و متعلقانِ درگاہ داخل پس آنہارا نصیبے است بقدر حاجت و اگر بہ سبب تنازعہ فی مابین یک شخص را قرار نہ دہند حاکمِ عادل را باید کہ متولی ایں وقف یک کس را از آنہا کہ موصوف بعدالت و امانت باشد از طرف خود مقرر سازد۔ نذر و نیاز ہر روزہ کہ در درگاہ می آید بقدرِ حاجت در اولاد و خدام صرف باید نمود۔"

دیہات و آراضی جو درگاہ کے مصارف اور زائرین کے اخراجات کے لئے مقرر ہے، صاحبِ مزار کی اولاد اسے بطریقِ وراثت آپس میں تقسیم نہیں کر سکتی بلکہ انہیں حق پہنچتا ہے کہ کسی ایک کو اپنے میں سے متولی مقرر کر لیں تا کہ وہ جائداد مذکور کی آمدنی بقدر حاجت ان کے درمیان تقسیم کر دیا کرے۔ مقرر شدہ جائداد کے جملہ مستحقین میں خدام مزار اور متعلقین درگاہ بھی داخل ہیں پس بہ قدرِ حاجت ان کے بھی حصے مقرر ہونگے۔ اگر بسبب تنازعہ کسی ایک فرد کو یہ لوگ خود مقرر نہ کر سکیں تو حکومت کا فرض ہے کہ ان ہی میں سے کسی عادل و امین کو متولی اوقاف مقرر کر دے اور نذر و نیاز کی آمدنی جو ہر روز درگاہ میں آتی ہے، بقدر حاجت اولاد اور خدام پر صرف ہو گی۔" (فتاویٰ عزیزیہ)

حضرت شاہ صاحبؒ کی مذکورہ بالا عبارت سے مندرجہ ذیل نکات ثابت ہوتے

ہیں، جن سے مسئلہ کے تمام گوشوں پر روشنی پڑتی ہے۔

۱۔ دیہات و آراضی جو درگاہ کے مصارف کے لئے مقرر ہیں، ان میں قانون وارثت جاری نہیں ہوسکتا۔

۲۔ دیہات و آراضی کی آمدنی درگاہ کے مصارف اور زائرین کے مفاد پر خرچ کی جائے گی۔

۳۔ درگاہ کے جملہ مصارف میں صاحبِ مزار کی اولاد، مزار کے خدام اور متعلقین درگاہ بھی داخل ہیں لہٰذا دیہات و آراضی میں ان کے بھی حصے مقرر کئے جائیں۔

۴۔ متولی یا منتظم اوقاف بجز اس کے کہ دیہات و آراضی کی آمدنی درگاہ کے مقررہ مصارف پر صرف کرے، اسے مداتِ صرف میں کسی طرح کی ترمیم و تنسیخ کا حق نہیں ہوگا۔ (جبکہ موجودہ منتظمینِ درگاہ ایسا کرتے ہیں۔)

۵۔ انہیں مذکورہ بالا مستحقین کو حق ہوگا کہ اپنے درمیان سے کسی کو اوقاف کا متولی یا منتظم مقرر کرلیں اور اگر آپس میں تنازعہ کی وجہ سے کسی ایک فرد پر متفق نہ ہوسکیں تو حاکم وقت کا فرض ہے کہ وہ ان ہی میں سے کسی عادل و امین کو اوقاف کی تولیت و انتظام کے لئے نگراں مقرر کردے۔

۶۔ نذر و نیاز کے نام پر ہر روز کی آمدنی جو درگاہ میں آتی ہے، وہ وقف برائے درگاہ میں داخل نہیں ہوگی، بلکہ صاحب مزار کے خدام و اولاد کے درمیان بقدر حاجت تقسیم کردی جائے گی۔

دونوں مدوں کے مصارف سے متعلق خلاصۂ بحث یہ ہے کہ نذر برائے صاحب مزار بلاشرکتِ غیرے صاحبِ مزار کے اقارب و اولاد اور خدام و متعلقین کا حق ہے اور عطیہ برائے درگاہ یا وقف برائے درگاہ کے مصارف میں درگاہ کے صیغہ ہائے انتظام اور زائرین کے مفاد کے علاوہ صاحبِ مزار کے اقارب و خدام داخل ہیں۔

جواب نمبر:۳

ویسے تو نذر خدا کی ذات کے لئے مخصوص ہے لیکن عرفِ عام میں مجازاً اس کی

نسبت صاحبِ مزار اولیاء اللہ کی طرف بھی کر دی جاتی ہے کہ وسائل کی طرف نسبت قرآن مجید سے ثابت ہے۔ جیسے لا هب لک غلٰماً زکیا (پارہ ۱۶ سورہ مریم آیت ۱۹) میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بیٹا دینے کی نسبت اپنی طرف کی ہے حالانکہ حقیقت میں بیٹا عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

چونکہ اولیاء اللہ کی ذات مقرب بارگاہ الٰہی اور محبوبِ حق ہوتی ہے، اس لئے نذر ماننے والے بطورِ توسل ان کی طرف نذر کی نسبت کر دیتے ہیں۔ اولیائے کرام کی طرف نذر و نیاز کا موجودہ عرف اسی بنیاد پر قائم ہے، باقی رہ گیا درگاہ کے لئے نذر کا سوال تو یہ محض باطل ہے کیونکہ درگاہ تو اینٹ اور پتھر کی ایک عمارت کا نام ہے، اس کے لئے نذر کیا مانی جا سکتی ہے۔ اسے (درگاہ کو) تو جو کچھ بھی تقدیس و شرف حاصل ہے وہ محض صاحبِ مزار کی نسبت سے ہے۔ علاوہ ازیں نذر کا حقیقی مفاد روح میت کو ثواب پہنچانا ہے جیسا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں۔

"حقیقت ایں نذر آں ست کہ اہدائے ثواب طعام وانفاق و بذل مال بروحِ میت است کہ امرے است مسنون واز روئے احادیث صحیحہ ثابت است۔" (فتاویٰ عزیزیہ)

(حیرت ہوتی ہے کہ ان فتوؤں کے برخلاف حدودِ درگاہ میں درگاہ کمیٹی کی طرف سے جو بورڈ آویزاں ہیں اور جو بکس رکھے ہیں، ان میں نذرِ درگاہ مانگی جا رہی ہے جو شرعاً غلط ہے کیونکہ درگاہ کی نذر ہوتی ہی نہیں۔)

......یعنی اس نذر عرفی کی حقیقت میت کی روح کو کھانے اور مال کو خرچ کرنے کا ثواب پہنچانا ہے اور یہ ایک فعلِ مسنون ہے جو صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔

پس چونکہ درگاہ کا مفہوم اہدائے ثواب کا محل ہی نہیں ہے، اس لئے نذر برائے درگاہ کا سوال ہی بے معنیٰ اور لغو ہے۔ کوئی جاہل سے جاہل مسلمان بھی نہ درگاہ کی عمارتوں پر فاتحہ پڑھتا ہے اور نہ اس کے لئے نذر مان سکتا ہے۔

جواب نمبر: ۴

جواب نمبر ایک کے ذیل میں یہ بات ثابت کر چکا ہوں کہ نذر برائے درگاہ صاحبؒ مزار کے صحیح ترین مصرف صاحب مزار کے اقارب و خدام ہیں۔ درگاہ کمیٹی ہی نہیں (بلکہ) ملک کی کسی بھی با اختیار عدالت کو شرعاً یہ حق نہیں پہنچتا کہ درگاہ کی قدیم روایات اور فقہائے اسلام کی روشن تصریحات نے اس باب میں جو حدود مقرر کر دیئے ہیں، انھیں توڑ دے کیونکہ یہ مداخلت فی الدین ہے، اگر ایسا کیا گیا تو یہ طاقت کا غلط استعمال ہوگا۔

اسلام کی فقہی عدالتوں نے جب یہ حقیقت تسلیم کر لی ہے کہ نذر برائے صاحب مزار بتاویل مجاز ایک قربت شرعی ہے، جس کی وفا ناذر پر واجب ہے تو لامحالہ اس کے مصرف کے تعین کے لئے بھی انھیں (فقہی) عدالتوں کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ عقل وانصاف کا کوئی ایوان بھی اس نظریئے کی تائید نہیں کر سکتا کہ نذر و نیاز کی شرعی حیثیت کی تعیین و ترویج اور وجوب وفا کے لئے تو عہد قدیم کی روایات، درگاہوں کے مراسم، سلف کے معمولات، سلاطین کے نوشتے اور فقہائے امت کے فیصلے بطور سند قبول کر لئے جائیں اور جب مصارف کے تعین کا سوال پیدا ہو تو ان تمام شواہد واسناد سے آنکھیں بند کر کے عین مخالف سمت پر ایک نئی رائے قائم کر لی جائے۔ واضح لفظوں میں آخری بات یہ ہے کہ شرعاً کسی بھی درگاہ کی انتظامیہ کمیٹی اس سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی کہ عہد قدیم کے مراسم و روایات اور اپنے پیش رؤوں کے خطوط پر وہ درگاہ کے اوقاف، مالیات، عمارات اور زائرین و خدام کے مفاد کی حفاظت کرے۔ اسے واقفین کی منشاء کے خلاف اوقاف یا مصارف اوقاف میں کسی طرح کی ترمیم و تنسیخ، درگاہ کے مراسم و روایات میں کسی قسم کی تبدیلی اور خدام و زائرین کے قدیمی حقوق میں کسی طرح کی مداخلت کا ہرگز اختیار نہیں ہے کیونکہ اہل اسلام کا قدیم تعامل شریعت میں ایک مؤثر نظیر کی حیثیت رکھتا ہے۔

علاوہ ازیں بعض درگاہوں میں تو خادمی ایک مستقل منصب ہے اور اس منصب کے حقوق بھی متعین ہیں جن پر عہدِ قدیم کی روایات کی مہریں ثبت ہیں۔ اس سلسلے میں بطورِ نظیر اجمیر مقدس کی درگاہِ معلٰی کا نام تاریخی شواہد کی روشنی میں یقین کے ساتھ لیا جاسکتا ہے۔ وہاں تو کسی تاویل سے بھی خدام کو اپنے قدیم اور متوارث حقوق سے محروم کرنا، شریعت اسلام اور انصاف و قانون کا منشاء ہرگز نہیں ہوسکتا۔

اسلامی دستور کی روشنی میں یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ اس قسم کے امتناعی احکام درگاہ کمیٹی کے حدود اختیار سے باہر ہیں کیونکہ آئینی طور پر خدام مزار نہ تو درگاہ کمیٹی کے ملازم ہیں اور نہ اس کے تابع، وہ تو ایک ایسے خادم باوفا کی اولاد ہیں، جس نے صاحب مزار کی حیات ظاہری میں بھی خدمت کی اور بعد وصال بھی ان کی چوکھٹ کا محافظ بن کر زندگی گذار دی۔ ان کا (خدام کا) مورث اعلیٰ بھی حضور خواجۂ ہند رضی اللہ عنہٗ کا اعزازی خادم تھا۔ اس کی اولاد بھی اعزازی خادم ہے۔ خادم ہونا ان کا ایک وصف ذاتی بن چکا ہے، جسے اب کوئی بھی سلب نہیں کرسکتا۔ اس حقیقت تک پہنچ جانے کے بعد اب یہ کہنے کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی کہ ان کے حقوق کو سلب کرنا بھی انسانیت کے دست بُرد سے بالاتر امر ہے۔

جواب نمبر: ۵

جواب نمبر ایک کے ذیل میں علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہٗ کی یہ صراحت گذر چکی ہے کہ نذر ماننے والے یہ جانتے ہیں کہ نذر کی رقم خدام مزار کے مفاد پر صرف ہوگی۔ اسی ضمن میں حضرت (شاہ عبدالعزیز) محدث دہلویؒ کی یہ عبارت بھی نقل کرچکا ہوں کہ......

''ہمیں است مقصود نذر کنندگان بلاشبہ۔''

یعنی نذر ماننے والوں کا مقصود ہی یہ ہوتا ہے کہ صاحب مزار کے اقارب و خدام پر صرف ہوگی۔ جب یہ مسئلہ محقق ہو چکا تو اب حدیقہ ندیہ کی یہ عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

"ووجب صرفهٔ فيما قصد الناذر"

......یعنی نذر ماننے والوں کے ذہن میں نذر و نیاز کا جو مصرف متعین ہے، واجب ہے۔ نذر کی رقم اس پر صرف کی جائے۔

جواب سے متعلقہ خلاصۂ بحث یہ ہوا کہ صاحب مزار کے خدام و اقارب پر نذر کی رقم صرف کرنا واجب ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسری مد میں صرف ہوئی تو ناذر کے مقصود کے خلاف ہونے کی وجہ سے نذر ادا نہیں ہوگی۔ فقط

واللہ تعالیٰ اعلم و علمهٔ اتم و احکم

کتبہٗ

فقیر ارشد القادری

خادم دارالافتاء

مدرسہ فیض العلوم جمشید پور (بہار)

محمد ظفر الدین قادری رضوی

ملک العلماء فاضل بہار

مہر

الاجوبة صحيحة والله تعالىٰ اعلم

محمد ظفر اللہ قادری رضوی غفرلہٗ

صدر مدرس جامع لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار

الاجوبة صحيحة والله تعالىٰ اعلم

محمد مشتاق احمد غفرلہٗ مظفر پوری

مدرس جامع لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار

الجواب صحيح

محمد یوسف حمیدی نقشبندی ابوالعلائی
مدرس دوم جامع لطیفیہ بحرالعلوم کٹیہار
المجیب مصیب
محمد سلیمان رضوی
مدرس جامع لطیفیہ بحرالعلوم کٹیہار

الجواب صحیح واللہ تعالیٰ اعلم
العبد احقر العباد محمد سلیمان نقشبندی ابوالعلائی
مدرس جامع لطیفیہ بحرالعلوم عملہ ٹولی، کٹیہار، پورنیہ
ھوالمصوب

لفظِ نذر ہماری زبان میں اس نقد و جنس کو کہتے ہیں، جس کو بڑے لوگوں کے سامنے پیش کر کے ان سے ملاقات کی جائے۔ اسی وجہ سے علماء و مشائخ کے سامنے ان کے معتقدین جو نقد و جنس پیش کرتے ہیں اس کو نذر کہا جاتا ہے اور بزرگان دین کی فواتح وغیرہ کو نذر کہا جاتا ہے، اس لئے کہ فاتحہ دلانے والا فاتحہ کی شیرینی کے ثواب کا ہدیہ اس بزرگ کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ اسی طرح کسی بزرگ اور مقرب بارگاہِ الٰہی کے مزاروں کی زیارت کے وقت صاحب مزار کی روح اقدس کو اپنے نقد و جنس کے ہدیہ اور ہبہ کرنے کا ثواب پہنچانے کے لئے زائر جو نقد و جنس پیش کرتا ہے اس کو نذر کہتے ہیں۔ یہ نذور نذر شرعی نہیں ہیں۔ اس پر نذر شرعی کے احکام جاری کرنا نذر کے عجمی معنیٰ سے لاعلمی ہے۔ غیاث اللغات میں ہے "نذر" بفتح نون وسکون ذال معجمہ پیاں وانچہ برخود واجب گردانند مثل روزہ وصدقہ برائے خدائے تعالیٰ و طعام فاتحہ بزرگان دین وانچہ از نقد و جنس پیش امراو سلاطین گذرانیدہ ملاقات کنند۔ پس کسی ولی کے مزار کی زیارت کرنے والا جو نقد و جنس بطور نذر پیش کرتا ہے وہ عرف عام کے لحاظ سے صاحب مزار کے متوسلین کے کام آنے کے لئے پیش کرتا ہے اور المعروف عرفاً کالمشروط

شرعاً کی اصل پر یہ نذور صاحب مزار کی اولاد اور خدام کا حق ہیں۔
یہاں یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان اپنے ہر عمل خیر کا ثواب دوسرے کو بخش سکتا ہے۔

صرح علمائنا بان للانسان ان یجعل ثواب عمله لغیره صلاةاو صوماًاو صدقة او غیرها کذافی الهدایه (ردّالمحتار شرح درِّ مختار از علامہ ابنِ عابدین شامی)

پس جس طرح انسان اپنی نماز اور روزے اور حج اور قرآن کا ثواب میت کو بخش سکتا ہے بناءً علیہ زائر کا صاحب مزار کی اولاد یا خدام کی خدمت نقد وجنس سے بہ نیت خیر کرنا عملِ خیر ہے۔ اس کا ثواب زائر صاحب مزار کو بخش سکتا ہے۔ پس جب کہ زائر اپنے نقد وجنس کو ہدیہ کرنے کا ثواب صاحب مزار کی روح اقدس کو پہنچاتا ہے تو اس کو عرف عام میں صاحب مزار کی نذر کہتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

(۲) صاحب مزار کی نذر عرف عام کے اعتبار سے صاحب مزار کی اولاد اور خدام پر صرف کی جائے۔ درگاہ کے لئے جو عطیات ہوتے ہیں ان میں اگر عطیہ دینے والے نے مصارف معین کر دیئے ہیں تو ایسے عطایا انہیں مدات میں صرف کئے جائیں، جن کو عطیہ دینے والے نے معین کر دیا ہو اور اگر عطیہ دینے والے نے مصارف مقرر نہیں کئے ہیں تو ایسے عطیات لوازم وضروریات درگاہ پر صرف کئے جائیں۔ ان میں صاحب مزار کی اولاد اور خدام بھی شامل ہیں۔ (واللہ اعلم)

(۳) ایسی نذور بھی عرف عام میں صاحب مزار کی نذریں ہیں، اس لئے یہ نذور بھی صاحب مزار کی اولاد اور خدام پر صرف کرنا چاہئیں۔

(۴) درگاہ کمیٹی کو اس کا حق نہیں ہے کہ صاحب مزار کی نذروں سے صاحب مزار کی اولاد و خدام کو محروم کر دے۔ اس لئے کہ یہ نذور عرف عام کے اعتبار سے صاحب مزار کی اولاد و خدام کے لئے ہوتی ہیں۔ (واللہ اعلم)

(۵) درگاہ کمیٹی کا صاحب مزار کی نذور کا صاحب مزار کی اولاد اور خدام پر نہ صرف

کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)

مہر محمد عبد القادر عفا عنہ
فرنگی محل۔ مدرسہ عالیہ۔ لکھنؤ ۱۷ راگست ۱۹۵۸

اللّٰہ رب محمد صلی علیہ و سلما یہ جواب حق اور صحیح ہے۔ مزارات اولیاء کرام رضی اللہ عنہم کا انتظام و انصرام اسی طرح ہونا چاہئے اور جو اس کے خلاف ہوگا وہ ظلم و زیادتی ہے مزارات اور درگاہوں کے چڑھاووں کے مصارف یہی ہیں جو مفتی صاحب (مولانا ارشد القادری صاحب) نے بیان فرمائے۔

فجزا ہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء کتب فقہ بحر الرائق و طحطاوی ورد المحتار و فتاویٰ خیریہ وغیر ہم میں بھی ایسا ہی مذکور ہے۔ حد یہ ہے کہ برطانیہ کے پٹھو، انگریز کے غلام برٹش کے معاہد و مفتی امام الو ہابیہ جناب اسمٰعیل دہلوی مصنف تقویۃ الایمان نے اس نذر کا فتویٰ اس تفصیل سے لکھا ہے کہ صاحب مزار کے اعزا و اقربا اور خدام (فارسی عبارت میں اگر چہ صاحب مزار کے اعزا و اقربا اور خدام کا ذکر نہیں ہے بلکہ سیدِ صحیح النسب اور درویشِ متوکل کا تذکرہ ہے، جس کا اطلاق خدام مزار اولیاء اللہ پر بھی ہوسکتا ہے۔) اگر چہ لکھ پتی کروڑ پتی مالدار ہوں اور ناذر بے چارہ غریب، محتاج اور مسکین ہو، اس مال منذور کی خود ناذر کو حاجت ہے، اس کے باوجود یہ مصرف صحیح ہے اور نذر (منت) جائز ہے۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو یہ ہے......

"شخصے نذر کند کہ یک روپیہ للہ بمحتاج خواھم دادیا بہ سیدے صحیح النسب یا بد رویشے متوکل یا امثال ذالک و سید و درویش آں را محتاج نہ باشند بلکہ غنی مالک لکوک باشندو ناذر محتاج باشد فاما خصوصیت ایشاں نظر بسیادت یا توکل است، نذر برائے خدا تعالیٰ است و مصرف آں سیدو متوکل است۔ اگر ھمیں طور نذربرائے اولیاء

گزشتگان قدس اللہ تعالیٰ اسراھم کنند واست۔"

(کتاب زبدۃ النصائح فی مسائل الذبائح، مطبع محمدی، رجب ۱۳۶۷ھ، ص:۱۰۲)

......اور اس کی تفصیل فقیر کے فتوے مسمی باسم تاریخی "اولیائے کرام کی نذر و نیاز" میں دیکھئے......

اللہ سبحنہ و تعالیٰ و رسول الاعلیٰ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و الہ و اصحابہ و سلم۔

......فقیر ابوالظفر محب الرضا محمد محبوب علی سنی حنفی قادری برکاتی رضوی مجددی لکھنوی غفرلہ ولابویہ واخویہ ولبلہ آمین۔

(جامع مسجد اہل سنت مدنپورہ، ۱۶۶، بمبئی۔ ۸ یکم رجب المظفر روز ایمان افروز شیطان سوز دوشنبہ مبارکہ ۱۳۷۸ھ)

مہر　　الجواب صحیح والجیب مصیب

عبدالخالق پیش امام جونی مسجد بمبئی

من اجابہ فقد اصاب فالحق ان یتبع۔ العبد المذنب محمد یونس مطب غوثیہ۔

الجواب　　اللھم ھدایۃ الحق والصواب

استفتاء ہذا کے جواب میں ایک مفصل و مبسوط فتویٰ حضرت علامہ ارشد القادری کا نظر سے گذرا۔ نمبر وار ہر سوال کا ایسا جواب ہے کہ پھر کسی دیندار پر اس کی مخالفت کا شبہ نہیں ہوسکتا۔ درحقیقت اوقاف کی نگرانی غلط فہمی کی بناء پر حکومت نے ایسے کالجیٹ طبقہ کے حوالے کر دی ہے، جن کو تقاضائے دیانت یہ ہے کہ صاف اقرار کرنا چاہئے کہ وہ شرعی قانون وقف سے بالکل بے خبر ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ قانون وقف پر حاوی ہونے کے لئے کن کن کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے بلکہ بیشتر وہ اس زبان ہی کو نہیں جانتے، جس میں اسلام نے اس قانون کو مرتب کیا۔ ان کے عامیانہ معلومات کا خلاصہ ہے کہ جس کو سرکاری کاغذات وقف کہدیں، وہ وقف ہے اور اس کو جس مذہبی، قومی

اور ملکی کام میں خرچ کر دیا جائے تو وقف کا مصرف صحیح وہی ہوگا۔ ان کو نہ واقف سے مطلب ہے نہ شرائط وقف سے مطلب ہے۔ ان کے ساتھ مولوی نما لیڈر ہیں جو نہ اوقاف درگاہ کو مذہبا جائز سمجھتے ہیں نہ مصارف درگاہ کو جائز مانتے ہیں۔ وہ مذہبی طور پر ان اوقاف کو مذہبی چیز ہی نہیں مانتے۔ لہٰذا کہاں کا واقف اور کیسے شرائط۔ یہ ایک طرح سے سائر کی آمدنی ہے، جس پر حکومت نے ان کو مسلط کر دیا۔ لہٰذا جس قدر شیر مادر ہو سکے اسی قدر حلال ہے اور حکومت کا یہ حال ہے کہ ہر قوم کے اوقاف کو اس قوم کے ایسے افراد کے سپرد کر دیا ہے جو اپنی اپنی مذہبی تعلیمات سے بے خبر ہیں حالانکہ وقف خالص مذہبی چیز ہے اور حکومت اگر کام لے تو اس قوم کے مذہبی افراد سے کام لے تاکہ ہر قوم کا مذہب از روئے قانون آزاد ہے تو مذہبی سرمایہ بھی اپنے ہی مصارف پر رہنے کے لئے آزاد ہو۔ یہ ہیں وہ اندھیر نگریاں جن میں وقف کی حقیقت گم ہو کر رہ گئی ہے چڑھاوا درگاہ کو مزرات اولیاء پر جو نقد و جنس حاضر کیا جاتا ہے، بڑی سادہ لوحی کے ساتھ مغرب زدہ دماغ کہتا ہے کہ یہ تو وقف ہے۔ مخدوم زادوں اور خدام مزار کو حق نہیں کہ اس کو لے کر ذاتی خرچ میں لائیں۔ اس بات کو سن کر ہر ایک سننے والا لب و لہجہ کی سادگی کا شکار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ قانونی طور پر زائر ناذر کے چڑھاوے کو اگر وقف قرار دے دیا جائے تو شرعا یہ منجر بہ شرک ہے، اس رقم سے کسی کام کو انجام دینا خود جرم شرعی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ چڑھاوا داہبہ ہے اور اس کے موھوب لھم صاحب مزار کے آل اولاد اور خدام ہیں، یہ ہبہ بغیر مزار پر چڑھائے بھی ہوسکتا ہے۔ مگر مزار وجہ ہبہ ہے کہ اے اولاد صاحب مزار و خدام و محافظین مزار آپ کو فکر معاش سے مطمئن رکھنا صاحب مزار کے عقیدت مندوں کے بازوئے سعادت پر ہے تاکہ آپ خدمتِ مزار کے کاموں کو حسب قدیم جاری رکھیں۔ ہم آپ کو نہ ڈھونڈ سکتے ہیں نہ آپ کے حقوق متوارثہ سے واقف ہیں۔ لہٰذا صاحب مزار کے پاس رکھ دیا کہ آپ اپنے دستور کے مطابق اس کو لے لیں۔ چنانچہ ان ارباب حقوق نے جب قبضہ کر لیا تو ہبہ تام ہو گیا اور

اگران موہوب لہم کا قبضہ نہ ہوا اور دوسرے نے اچک لیا تو ہبہ تام ہی نہ ہوا اور اچک لینے والا شرعاً غاصب ہوا۔ لطائف اشرفی جلد ۲ ر ۳۰ مجموعہ ملفوظات حضور غوث الاعظم محبوب یزدانی مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جو فن سلوک کا وہ گراں قدر سرمایہ ہے کہ آٹھویں صدی تک کی تمام سابق تصانیف سے، جس نے بے نیاز کر دیا ہے اور نویں صدی سے آج تک علماء و مشائخ مسائل تصوف و سلوک میں، اس سے سند لیتے رہے ہیں۔ اس میں آداب زیارت قبور میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "اگر قبر مخدوم یا پیر باشد جزوی زردر آنجا بہ نہد بعدہ بمخدوم زادگان برساند" یعنی بزرگوں کے مزار پر چڑھاوا جو ہو وہ متعلقین درگاہ کے لئے ہبہ ہے ان کا قبضہ ہو تو ہبہ صحیح تام ہوا۔ لطائفِ اشرفی کی اس تشریح کی بناء پر چیف کورٹ لکھنؤ میں آستانہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد کے چڑھاوے کا مقدمہ پہنچا تو ججوں کے بورڈ نے فیصلہ دیا کہ چڑھاوے کے حق دار اولاد صاحبِ مزار متعلقین درگاہ ہیں۔ یہ فیصلہ دوبار ہوا جو ۴۔ اودھ ویکلی نوٹس۔ اور ۶۔ اودھ ویکلی نوٹس میں چھپا ہوا موجود ہے، ان سطور کی روشنی میں نمبر وار جواب یہ ہے۔

(۱) متعلقین درگاہ مخدوم زادگان یا خدام درگاہ ہیں۔

(۲) مزار کا چڑھاوا الگ چیز ہے اور عطیہ درگاہ الگ۔ عطیہ درگاہ کی ترقیات کے لئے ہے، اس میں کسی کا کوئی حق نہیں منتظم عطیہ کو اس مد میں خرچ کرے جس کے لئے عطیہ ہے۔

(۳) وہ صاحبِ مزار ہی کا چڑھاوا ہے اور بزرگ زادوں یا خادموں کے لئے ہبہ ہے۔

(۴) ہرگز نہیں ایسا کرنا غصب اور حرام ہے۔

(۵) یہ تو ایسا ہوا کہ حج کی نیت مانی اور بمبئی سے لوٹ آیا۔ جب کہ نیت کا خلاصہ خدمت محافظین درگاہ، مخدوم زادے یا خدام ہے تو اس ہبہ کی تکمیل اور نذر کی تصحیح کے لئے ضروری ہے کہ وہ رقم مستحقین کے قبضہ میں دے دی جائے۔

هذا ما عندی والعلم عند الله و رسوله اعلم و علمه جل

مجدہ اتم و احکم۔

فقیر ابوالمحامد سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھہ
مقدسہ ضلع فیض آباد

۱۲ر صفر ۱۳۷۸ھ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم
حامد اللہ تعالیٰ و مصلیاً و مسلما علی رسولہ
و حبیبہ و اٰلہ و اصحابہ

الجواب:

و ھو الولی الموفق و منہ ھدایۃ الحق والصواب

مسئلہ نمبر ۱۔ نذر کی اپنی تعیین و تخصیص کے لحاظ سے مختلف نوعیتیں ہوسکتی ہیں، ناذر کی نیت جو بھی ہو۔ اگر وہ شرعی حدود میں ہے تو اس کو اسی نوعیت سے پورا کرنا چاہئے کسی غیر مشروع امر کی نذر ماننا ہی نہیں چاہئے اور اگر مان لی تو اس کا پورا کرنا ضروری نہیں اس کا کفارہ قسم کا سا کفارہ ہے۔

ابو داؤد شریف کی حدیث ہے۔

"و عن عمرو بن شعیب عن ابیہ و عن جدہ ان امرآۃ قالت یا رسول اللہ انی نذرت ان اضرب علیٰ راسک بالدف قال اوفی بنذرك۔"

عمر ابن شعیب نے اپنے باپ سے روایت کی کہ انھوں نے اپنے دادا حضرت عبداللہ ابن عمر سے نقل کیا کہ ایک عورت نے کہا۔"یارسول اللہ! میں نے نذر مانی تھی کہ جب آپ جہاد سے واپس آئیں گے، آپ کے روبرو دف بجاؤں گی۔ فرمایا اپنی نذر پوری کرو۔

بخاری شریف کی حدیث ملاحظہ ہو:

”و عن عائشة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من نذران يطيع الله فليطعه و من نذران يعصيه فلا يعصيه“

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وازواجہ واہل بیتہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے نذر مانی کہ اللہ کی اطاعت کرے تو نذر پوری کرے اور جس نے کسی ناجائز امر کی نذر مانی، اسے چاہئے کہ اس سے باز رہے یعنی نذر پوری نہ کرے۔“

ابوداؤد۔ترمذی۔نسائی کی روایتیں ہیں......

”و عن عائشة قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا نذر في معيصة فكفارة كفارة قسمين۔“

”حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والہ واصحابہ وازواجہ واهلِ بیتهِ وبارک وسلم نے فرمایا گناہ کی نذر ماننا درست نہیں پھر اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا ہے۔“

اولیائے کاملین بزرگان دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مزارت مقدسہ سے متعلقہ جو نذریں ہوتی ہیں، وہ ان کے لئے احترام ورضا، تعظیم وتوقیر، خوشنودی و عقیدت کے سلسلے میں بطور ہدیہ، تحفہ، عطیہ ہوتی ہیں اور ان کا مقصد ایصالِ ثواب و فاتحہ ارواح ہوتا ہے۔ ان کا استحقاق مزار شریف کے فقیروں، خادموں، حاضر باشوں کے سوا کسی کو نہیں پہنچتا۔ امام اہل سنت علامہ فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی تصریح ہے۔

(الف) اولیائے کرام کو جو ایصال ثواب کرتے ہیں، اسے تعظیماً نذر و نیاز کہتے ہیں۔

(احکام شریعت، ص: ۸۵)

(ب) ”نیاز اولیائے کرام طعام موت نہیں وہ تبرک فقیر و غنی سب لیں جب کہ مانی ہوئی نذر شرعی نہ ہو، نذر شرعی پھر غیر فقیر کو جائز نہیں۔“ (احکام شریعت: ۹۵)

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنے والد ماجد شاہ عبد الرحیم صاحب علیہ

الرحمۃ کے حالات و معمولات بیان کرتے ہوئے "انفاس العارفین" میں لکھتے ہیں جس سے نذر کی نوعیت، علت، خصوصیت، اس کے ایفا و مفاد و مصرف کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے۔

(الف)"حضرت ایشاں میفرمودند که فرهاد بیگ رامشکلے پیش آمده نذر کرد که بار خدایا اگر این مشکل بسر آید این قدر مبلغ حضرت ایشان راهدیه دهم آن مشکل مندفع شدآن نذر از خاطراوبر فت . بعد چندیں اسپ او بیمار شدد نزدیک هلاکت رسید بر سبب عدم ایفا این وعدهٔ مشرف شدم بدست یکے از خادماں گفته فرستاده اند که این بیماری به سبب عدم ایفاوعدهٔ نذر است . اگر اسپ خود را میخواهی نذرے راکه در فلاں محل التزام نمودهٔ بفرست وے نادم شدوآں نذر فرستاد هماں ساعت اسپ او شفا یافت .

دوسرا واقعہ تو جناب شاہ صاحب بڑا ہی دلچسپ تصرفات بزرگان دین سے متعلق بیان فرماتے ہیں۔

(ب)"این فقیر از یاران که حاضر واقع بودند شنیده است که حضرت ایشاں در قصبه در شنه بزیارتِ مخدوم شیخ الله دیه" گرفته بودند وهنگام شب شد درآں محل اقامت فرمودند و گفتند که مخدوم ضیافت ما میکند و میگوید که چیزے خورده روید. توقف کردند تاآنکه اثر مردم منقطع شد. حال بریاراں غالب آمد آنگاه زنے بدر آمد طبق برنج و شیرنی بر سر گفت که نذر کرده بودم که اگر زوج من بیاید هماں ساعت

این طعام پخته به نشینندگان درگاه مخدوم الله دیۂ نذر سازم زوجم دریں وقت آمد ایفاء نذر کردم و آرزو کردم که کسے آنجاباشد تا تناول کند."

(و جیز الصراط فی مسائل الصدقات والاسقاط، ص: ۷۸)

دیو بندی مکتبہ عقائد کے ایک مسلمہ بزرگ مولوی محمد اسحاق صاحب دہلوی بھی نذر کے مصرف کو خدام وفقرائے مزار کی قید کے ساتھ نذر کو صحیح مانتے ہیں ملاحظہ ہو مائۃ مسائل صفحہ ۱۳ سطر ۱۷۔

"اگر ایں طور خواهد گفت که اگر حاجت من خدا بر آرد بفقراء و خادمان مزار فلاں بخورانم پس نذر صحیح خواهدشدو وفائے لازم."

بہر حال یہ امر متفقہ ہے کہ بارگاہوں اور مزاروں کی نذروں کے مستحق خدام و فقراء مزار ہیں۔ اس میں کسی غیر کو شرعاً تصرف کرنے اور موقوف کرنے کی اجازت نہیں مل سکتی۔"

مسئلہ:۲۔ نذر وعطیہ کا مفہوم ایک نہیں دونوں میں بڑا فرق ہے۔ نذر مخصوص و معین ہوتی ہے اور عطیہ بلا قید۔ نذر کے خاص مصارف صاحب مزار کے اقرباء، خدام اور فقراء ہیں۔ اس کو کسی دوسرے شعبے میں ناذر کی نیت کے خلاف خرچ کیا نہیں جاسکتا۔ عطیہ کو درگاہ کی مجلس انتظامیہ درگاہ کے ماحول، معتقدات، معمولات، روایات و ہدایات کے دستور و آئین کے مطابق درگاہ ہی سے متعلق کسی بھی امر خیر میں خرچ کرنے کی مجاز ہے بشرطیکہ اس مجلس انتظامیہ کی تشکیل ضوابط شرع کے مطابق ہوئی ہو اور وہ مسلک و مشرب صاحب مزار اور ان کے متوسلین، معتقدین، زائرین کے لحاظ سے تشکیل شدہ ہو۔

اصولی طور پر درگاہ کا نظم ونسق، بست و کشاد، حق تصرف ان افراد کے ہاتھوں میں نہیں دیا جاسکتا جو درگاہ اوراس کے خدام و زائرین کے جذبات کی مجروحیت کا

باعث بنیں اور تقویٰ، خوش عقیدگی و دیانت داری کی صلاحیتوں سے بے بہرہ ہوں۔
مسئلہ۔۳: کسی درگاہ کا صاحب مزار سے الگ کوئی مفہوم نہیں ہوتا درگاہ تو عبارت ہے صاحب مزار سے اوران کی نذر سے مطلب ہوتا ہے، میت کی طرف سے صدقہ دینا۔ صاحب مزار کو نفع پہنچانا تا کہ ناذران کے ظاہری و باطنی فیوض وبرکات حاصل کرےں۔ حدیثوں میں اس کی اجازت دی گئی ہے۔

(الف) وعن ابن عباس ان رجلا قال الرسول الله ﷺان امه توفیت أ ینفعھا ان تصدقت عنها قال نعم۔" رواہ البخاری

(ب) و عن سعد بن عباده انه الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال ان امی ماتت و علیهانذرة فیجزی عنها ان اعتق عنهاقال اعتق عن امک "رواہُ النسائی

(ج) و عن انس انه سأل رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله انا نتصدق عن موتا نا و نحج عنهم و ندعوا لهم فهل لصل ذالک الیهم قال نعم انه یصل الیهم رواہ العکبری۔

بہر نوع اس میں شک نہیں رہ گیا کہ عبادت مالی و بدنی کا ثواب میت کو پہنچ[illegible] ہے۔ اب کوئی بھی نذر ہو جب اس کا مقصود ایصال ثواب و فاتحہ ارواح ٹھہرا تو مصرف بھی متعین ہوگیا، یعنی درگاہ شریف و مزار اقدس میں حاضر رہنے والے عقیدت ر[illegible] والے مقربین ومتوسلین، فقراء ومساکین، مجاورین ومتوکلین۔
مسئلہ۔۴: جب بنیادی حیثیت سے مسئلہ کا حل بھی یہ ہوا کہ نذر پوری ہی نہ[illegible] ہوگی اگر فقراء وخدام مزار کے علاوہ اس کا کوئی مصرف ہوگا تو درگاہ کمیٹی متعین نذر[illegible]

میں دخل دینے کا یا تصرف کرنے کا اصولاً مجاز نہیں رکھتی۔

مسئلہ۔ ۵: اس صورت میں ہرگز نذر کا ایفا نہ ہوگا۔ نذروں کی رقوم درگاہ کمیٹی کے حوالے کرنا اور اس کا نذروں کا تعین و تخصیص فراموش کر کے اقرباء، فقراء و خادمان مزار کو محروم کرنا اور اپنے اختیار و اقتدار کو بروئے کار لا کر دوسرے مصرف پر ان رقموں کا خرچ کرنا ایک انتہائی غلط، خلاف شرع، ظالمانہ و جابرانہ اقدام ہوگا۔

ومن یتعدحدوْد اللّٰہ فاولٰئک ھم الظالمون

(پارہ ۲ البقرۃ آیت ۲۲۹)

ھذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالیٰ و علمہ جل مجدہ اتم و حکمہ عزشانہ احکم

کاتب قادری برکاتی فقیر محمد عبید الرحمٰن حسنی لکھنوی غفرلہ المولیٰ القوی

ناظم دارالافتاء حضرت ولی العلماء قدس سرہٗ

بمقام ڈلہوزی اسٹریٹ، مسجد بیڈیا پائی، ضلع ہگلی

بعون الملک الوھاب نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین

الجواب

نمبر۔۱: درگاہ میں مطلقاً جو نذر پیش کی جاتی ہے، اس کے مستحق (صاحب) مزار کے اقارب و خدام ہیں اور اگر نذر کا اظہار کر دیا ہو تو ثواب صاحب مزار کے لئے اور مصارف اس آستانے کے غیر ہاشمی فقراء و مساکین و اقارب و خدام اور غیر ہاشمی فقراء و مساکین ہوں گے۔

” قال فی درالمختار و فی القنیۃنذر التصدق علی الاغنیاء لم یصح مالم نمو ابناء السبیل وقال فی د رالمختار نا قلا عن البحر وینبغی ان یصح اذا

نوی ابناء السبیل لا نهم محل الزکاۃ"۔ ایضا
اقول ان بنی هاشم لیس بمحل الزکاۃ۔

نمبر۔۲: مطلقاً نذر برائے صاحب مزار اور عطیہ برائے درگاہ دونوں اقارب و خدام کے لئے ہیں۔ ہاں اگر معطی نے تشریح کر دی ہو کہ عطیہ برائے درگاہ فلاں فلاں مقام پر خرچ کیا جائے تو اسی پر عمل کرنا ہوگا اور اگر وہاں یہ عرف جاری ہو کہ عطیہ برائے درگاہ سے عام امور درگاہ مراد لئے جاتے ہوں تو انہیں میں خرچ کیا جائے۔

نمبر۔۳: عرف عام میں بطورِ استمداد حصولِ مراد کے لئے جو نذر مانی جاتی ہے، جسے نذرِ اولیاء کہا جاتا ہے وہ صدقہ واجبہ فقہی سے بے علاقہ صرف عہد ایصال ثواب ہے، جس کا ایفا ضروری اور مصارف (صاحب مزار کے) اقارب و خدام ہیں۔ جب تک کہ ناذر نے خود کوئی قید نہ لگا دی ہو کہ فلاں کو بھی دیا جائے یا نذر فقہی کا اظہار نہ کر دیا ہو۔

نمبر۔۴: اگر وہ درگاہ کمیٹی (صاحب مزار کے) سُنّی اقارب و خدام پر مشتمل یا ان کی نمائندہ (وکیل) ہو تو کسی قریب تو خادم کو شرعی وجہ سے محروم بھی کر سکتی ہے۔ مثلاً کوئی خادم معاذ اللہ بد دین ہو جائے اور آمدنی بھی وصول کر سکتی ہے اور اگر وہ کمیٹی (صاحب مزار کے) سنی اقارب و خدام پر مشتمل نہیں ہے تو نہ وہ آمدنی وصول کر سکتی ہے نہ امور درگاہ میں دخل دے سکتی ہے بلکہ خائنین کی ایک جماعت ہے جو وقت سے فائدہ اٹھا کر مسلط ہو چکی ہے۔

نمبر۔۵: درگاہ کمیٹی اگر (صاحب مزار کے) سنی اقارب و خدام پر مشتمل ہے یا ان کی نمائندہ (وکیل) ہے تو بیشک نذر ادا ہوگی اور اگر وہ کمیٹی (صاحب مزار کے) سنی اقارب و خدام پر مشتمل نہیں ہے یا ان کی نمائندہ (وکیل) نہیں ہے تو ہرگز ادا نہیں ہوگی۔ واضح رہے کہ درگاہ کے تمام امور کا اختیار صرف (صاحب مزار کے) انھی اقارب و خدام کو ہوگا جو سنی ہوں گے، اگر کسی درگاہ کے (صاحب مزار کے) اقارب و خدام بد دین فرقوں میں شامل ہو گئے ہوں معاذ اللہ تو انھیں ہرگز امور درگاہ میں دخل

دینے کا اختیار نہ ہوگا۔ (یہاں یہ بات واضح کرنا ضروری ہوگئی کہ خدام و متوسلین مزار کو صاحبِ مزار کے عقائد اہلِ سنت والجماعت پر قائم رہنا چاہئے اور کسی بددین فرقہ میں شامل نہیں ہونا چاہئے ورنہ ان کے حقوق شرعاً سلب ہوجائیں گے۔) بلکہ درگاہ کی آمدنی سے فائدہ اٹھانے سے بھی محروم ہوں گے۔ اس لئے کہ مذکورہ فرقوں کے پیشواء اسلام سے خارج ہیں اور درگاہ سے متعلق امور ان کے نزدیک شرک و بدعت ہیں۔ حکومت اگر غیر سنی اقارب و خدام بددینوں پر مشتمل کمیٹی بناتی ہے تو ہندوستان کے کروڑوں سنی مسلمانوں پر شدید ظلم اور ان کے دین میں بے جا مداخلت کررہی ہے۔

اگر کسی درگاہ میں صاحب مزار کے اقارب و خدام نہ ہوں یا معاذ اللہ تمام بددین ہوگئے ہوں تو سنی علماء کرام کے مشورے سے سنیوں پر مشتمل کمیٹی بنے گی۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ غلام محمد خان غفرلہٗ
مدرس جامعہ عربیہ ناگپور

الجواب:

جب نذر کے شرعی وفقہی معنی عبادت کے لئے جائیں تو پھر یہ نذر کسی صاحب مزار کے لئے ناجائز وحرام ہے ردالمحتار میں ہے:

والنذر للمخلوق لا یجوز لانه عبادة والعبادة لا تکون لمخلوق (ردالمحتار مصری، جلد:ا، ص:۱۳۱)

اس عبارت سے ثابت ہوگیا کہ نذر بہ معنی عبادت کے کسی صاحب مزار کے لئے جائز نہیں پھر جب اجلہ علمائے کرام و اولیائے عظام سے معتبر کتب میں نذر کے کرنے اور قبول کرنے کے کثیر واقعات مروی ہیں تو ان حضرات کو نہ آنکھیں بند کرکے دین سے ناواقف و جاہل قرار دیا جاسکتا ہے، نہ ان کے افعال کو بے تکلف ناجائز وحرام ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ لہٰذا ان کی نذر اولیاء بمعنی شرعی وفقہی نذر نہیں ہے

بلکہ یہ عرفی نذر ہے جو بمعنٰی ہدیہ اور پیش کش عرف عام میں مستعمل ہے۔ جیسے محاورۂ عام میں کہتے ہیں کہ بادشاہ نے دربار کیا۔ اسے نذریں گذاریں تو یہ نذر ہدیہ و پیشکش کے ہی معنی میں ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی رسالہ نذور میں فرماتے ہیں۔

''نذر یکہ اینجا مستعمل میشود نہ بر معنے شرعی ست چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگان می برند نذر و نیاز میگویند۔''

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ بزرگان دین و اولیاء کاملین کے لئے جو نذر مانی جاتی ہے وہ نذر شرعی و فقہی نہیں ہے بلکہ عرفی ہے تو اس نذر کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ حتیٰ کہ خود مانعین کے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی نے اس کو درست کہا ہے۔ فتاوٰی رشیدیہ میں ہے۔

''جو اموات اولیاء کی نذر ہے تو اس کے اگر یہ معنیٰ ہیں کہ اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے تو صدقہ ہے درست ہے۔''

(از فتاوٰی رشدیہ، حصہ: اوّل، ص: ۱۴)

بالجملہ جب اس نذر اولیاء کا شرعاً جائز اور درست ہونا ثابت ہو چکا تو اس نذر کے حقدار و مستحق صاحب مزار کے اقارب و خدام ہیں۔ چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب ردالمختار میں ہے۔

''ان کان یا اللہ انی نذرت لک ان شفیت مریضتی اورددت غائبی او قضیت حاجتی ان اطعم الفقراء الذین بباب السیدۃ نفیسۃ اولا مام الشافعی اولامام اللیث اواشتری حصیر المساجد هم اوزیتا لو قودها او دراهم لمن یقوم بشعائر ها الیٰ غیر ذالک مما یکون فیه نفع للفقراء والنذر للّٰہ عزوجل و ذکر الشیخ انما هو

محل تصرف النذر لمستحقيه القاطنين بر باطه
و مسجده فی فیجوز بهذا الاعتبار"
(ردّالمحتار فی شرح درالمختار مصری، ص:۱۳۱و۱۳۲، جلد: ۲)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فتاویٰ عزیزیہ میں فرماتے ہیں......

"حقیقت ایں نذر آں ست کہ اہدائے ثواب طعام وانفاق و بذل مال بروح میت کہ امریست مسنون وازروئے احادیث صحیحہ ثابت است مثل ماورد فی الصحیحین من حال ام سعد وغیرہ ایں نذر مستلزم میشود پس حاصلِ ایں نذر آنست کہ آں نسبت مثلاً اہداوثواب ہذا القدر رائے روح فلاں و ذکر ولی برائے تعین عمل منذور ست نہ برائے مصرف و مصرف ایں نذر نزد ایشاں متوسلان آں ولی می باشند و از اقارب و خدمہ و ہمطریقان و امثال ذالک وہمیں است مقصود نذر کنند گان بلاشبہ وحکمہ انہ صحیح یجب الوفاء لانہ قربۃ معتبرۃ فی الشرع۔

(از فتاویٰ عزیزیہ ص:۱۲۸)

ان عبارات سے ثابت ہوگیا کہ اولیائے کرام کے لئے جو نذر مانی جاتی ہے وہ بلا شبہ جائز ہے اور نذر حقیقتاً تو اللہ کے لئے ہے لہٰذا اس نذر کے مستحق اس ولی یا صاحب مزار کے اقارب وخدام اور متوسلین و منتسبین ہیں اور جو اس کے خلاف دعویٰ کرتا ہے وہ غلط و باطل ہے اور اس پر وہ کوئی دلیل شرعی پیش نہیں کرسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

نمبر۔۲: نذر برائے صاحب مزار اور عطیہ برائے درگاہ ان دونوں کا ایک مفہوم نہیں ہوسکتا کہ نذر صاحب مزار کی غرض اس صاحب مزار کی روح کو ثواب پہنچانا ہے۔ جیسا کہ ابھی فتاویٰ عزیزیہ کی عبارت میں مذکور ہوا تو اس نذر کے مستحق اس صاحب مزار کے اقارب و خدام قرار پاتے ہیں اور عطیہ برائے درگاہ اس کا مقصد صرف صاحب مزار کی روح کو ایصال ثواب کرنا نہیں ہے بلکہ درگاہ کے متعلقہ امور اور تعمیری

شعبے اور زائرین کے منافع کے صیغے اور ملازمین و خدام کے مشاہرے اور وظیفے وغیرہ سب اس میں داخل ہیں تو یہ عطیہ برائے درگاہ باعتبار نذر برائے صاحب مزار کے عام ہے کہ اس کے مصارف یہ سب امور ہیں، جن میں اقارب و خدام صاحب مزار کے وظائف بھی داخل ہیں واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب

نمبر۔۳: عرف عام میں بطور استمداد و حصول مراد جو نذر مانی جاتی ہے کبھی تو وہ صاحب مزار کے ایصال ثواب کے لئے ہوتی ہے اور کبھی اس سے متعلق درگاہ کے شعبہ ہائے مختلفہ میں سے کسی شعبۂ خاص کے لئے ہوتی ہے، اور کبھی وہ ان شعبوں میں سے کسی شعبۂ خاص کے لئے نہیں ہوتی تو نذر ماننے والا اس کو جس شعبۂ خاص میں صرف کرنے کے لئے کہے تو وہ اسی شعبۂ خاص میں صرف کیا جائے پھر وہ اگر کسی خاص شعبے کو تعین نہ کرے اور متولی یا منتظم کو اختیار تام دے تو وہ اس کو ایسے شعبے میں خرچ کرے جس میں زائد اہمیت و حاجت ہو۔

پھر اگر ناذر کی نیت کا ہی علم نہ ہو تو اس صورت میں فقہا کے بیان کردہ مصرف یعنی صاحب مزار کے اقارب و خدام پر صرف کر دیا جائے۔

نمبر۔۴: جب نذر صاحب مزار کا مصرف شرعاً اس کے اقارب و خدام متعین ہو چکے تو پھر کسی کمیٹی کو یہ اختیار نہیں کہ تصریحات فقہا کے خلاف اس میں کسی طرح کا تصرف کرے اور فقہا کے بیان کردہ مصرف کو محروم کر کے اپنی خود رائی سے کوئی نیا مصرف مقرر کرے۔ پھر اگر کمیٹی ایسا تصرف کرے تو وہ یقیناً مداخلت فی الدین ہے جو شرعاً و قانوناً کسی طرح روا نہیں۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم

نمبر۔۵: جب فقہا نے یہ تصریح کر دی کہ اس نذر کے مصارف صاحب مزار کے اقارب و خدام ہیں تو نذر ماننے والے کے نزدیک بھی نذر کے یہی مصرف ہوئے چنانچہ شاہ صاحب کے فتوے میں مذکور ہوا۔

"مصرف ایں نذر نزد ایشاں متوسلان آں ولی می باشند واز اقارب و خدمہ و ہمطریقان و امثال ذالک و ہمیں است مقصود نذر

کنندگان بلاشبہ ...الخ"

......تو اب اس درگاہ کمیٹی کا بجائے ان خدام واقارب کے کسی دوسری مد میں صرف کرنا یقیناً ناذر کے مقصود اور غرض کے خلاف ہے جو نذر ادا نہ ہونے کو مستلزم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

المعتصم بذیل سید کل نبی و مرسل

کتبہ العبد محمد اجمل غفرلہ اللہ عزوجل

مفتی مدرسہ اجمل العلوم فی بلدۃ سنبھل ۱۳؍صفر المظفر ۱۳۷۸ھ

مفتیان کرام کے فتاویٰ کے بعد حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمۃ کی تحقیق بہ سلسلۂ نذورات بھی خاصی اہم ہے، جو ہدیۂ ناظرین ہے۔

مسئلہ: اولیاء اللہ کے نام کی جو نذر مانی جاتی ہے یہ نذر شرعی نہیں، نذر لغوی ہے، جس کے معنی ہیں نذرانہ۔ جیسے کہ میں اپنے استاد سے کہوں کہ یہ آپ کی نذر ہے یہ بالکل جائز ہے اور فقہاء اس کو حرام کہتے ہیں جو کہ اولیاء کے نام کی نذر شرعی مانی جائے۔ اسی لئے فرماتے ہیں کہ" تقربا الیھم نذر" شرعی عبادت ہے، وہ غیر اللہ کے لئے ماننا یقیناً کفر ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ یا حضور غوث پاک آپ دعا کریں اگر میرا مریض اچھا ہوگیا تو میں آپ کے نام کی دیگ پکاؤں گا۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ آپ میرے خدا ہیں۔ اس بیمار کے اچھے ہونے پر میں آپ کی یہ عبادت کروں گا۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں پلاؤ کا صدقہ کروں گا اللہ کے لئے، اس پر جو ثواب ملے گا آپ کو بخشوں گا۔ جیسے کوئی شخص طبیب سے کہے کہ اگر بیمار اچھا ہوگیا تو پچاس روپیہ آپ کی نذر کروں گا۔ اس میں کیا گناہ ہے؟ اسی کو شامی نے کتاب الصوم بحث "نذر اموات" میں اس طرح بیان فرمایا......

"بان تکون صیغۃ النذر للّٰہ تعالیٰ للتقرب الیہ ویکون ذکر الشیخ مراداً بہ فقراءہٗ"

......یعنی صیغہ نذر کا اللہ کی عبادت کے لئے ہو اور شیخ کی قبر پر رہنے والے فقراء اس کا

مصرف ہوں۔ (یہاں فقراء سے مراد وہ خدام ہیں جو خدمتِ مزار کے لئے حاضر رہتے ہیں) یہ محض جائز ہے۔ تو یوں سمجھو یہ صدقہ اللہ کے لئے ہے، اس کے ثواب کا ہدیہ روحِ شیخ کے لئے۔ اس صدقہ کا مصرف مزارِ بزرگ کے خدام فقراء جیسے کہ حضرت مریمؑ کی والدہ نے نذر مانی تھی کہ اپنے پیٹ کا بچہ خدایا تیرے لئے نذر کرتی ہوں جو کہ بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف ہوگا۔ نذر اللہ کی اور مصرف بیت المقدس۔ ''انی نذرت لک ما فی بطنی محرراً'' دیکھو! غیر اللہ کی قسم کھانا شرعاً منع ہے اور خود قرآن کریم اور نبیؐ نے غیر اللہ کی قسمیں کھائیں۔ '' والتین والزیتون و طور سینین '' (پارہ: ۳۰، سورہ التین، آیت: ۱ تا ۲) وغیرہ، اور حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے فرمایا'' افلح و ابیه '' اس کے باپ کی قسم وہ کامیاب ہوگیا۔ مطلب یہ ہی ہے کہ شرعی قسم جس پر احکام قسم کفارہ وغیرہ جاری ہو وہ خدا کے سوا کسی کی نہ کھائی جاوے۔ مگر لغوی قسم جو محض تاکیدِ کلام کے لئے ہو وہ جائز۔ یہ ہی نذر کا حال ہے۔ ایک شخص نے نذر مانی تھی کہ میں بیت المقدس میں چراغ کے لئے تیل بھیجوں گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے فرمایا کہ اس نذر کو پورا کرو۔ مشکوٰۃ باب النذور میں ہے کہ کسی نے نذر مانی تھی کہ میں بوانہ مقام پر اونٹ ذبح کروں گا تو فرمایا گیا کہ اگر کوئی وہاں بت وغیرہ نہ تھا تو نذر پوری کرو۔ کسی نے نذر مانی تھی کہ بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا تو فرمایا کہ مسجدِ حرام میں نماز پڑھ لو۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ و خیرات کی نذر میں کسی جگہ یا کسی خاص جماعت فقرا کی قید لگا دینا جائز ہے، اسی طرح یہ بھی ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الحظر والاباحت صفحہ ۵۴ میں ہے ''اور جو اموات اولیاء اللہ کی نذر ہے تو اس کے اگر یہ معنیٰ ہیں کہ اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے تو صدقہ ہے درست ہے۔ جو نذر بہ معنیٰ تقرب ان کے نام پر ہے تو حرام ہے۔'' (رشید احمد)

مشکوٰۃ باب مناقب عمرؓ میں ہے کہ بعض بیویوں نے نذر مانی تھی کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام جنگ احد سے بخیریت واپس آئے تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی۔ (مفتی احمد یار خاں کو یہاں سہو ہوا، بیویوں نے نذر نہیں مانی تھی بلکہ ایک سیاہ فام

لونڈی نے نذر مانی تھی۔ حدیثِ مشکوٰۃ سے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ غزوۂ احد تھا یا کوئی اور غزوہ۔ بہرحال لونڈی نے نذر مانی تھی کہ اگر آپ کو اللہ تعالیٰ صحیح وسلامت واپس لائے تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی اور گاؤں گی۔ حضور نے اسے دف بجا کر گانے کی اجازت دی تاکہ اس کی نذر ادا ہو جائے۔ (مرأۃ المناجیح، اردو ترجمہ و شرح مشکوٰۃ المصابیح، جلد:۸، ص:۳۶۹ تا ۳۷۰) یہ نذر بھی عرفی تھی نہ کہ شرعی۔ یعنی حضور کی خدمت میں خوشی کا نذرانہ۔ غرض کہ لفظِ نذر کے دو معنی ہیں لغوی اور شرعی۔ لغوی معنی سے نذر بزرگانِ دین کے لئے جائز ہے یعنی نذرانہ۔ جیسے طواف کے دو معنی ہیں لغوی بمعنی آس پاس گھومنا اور شرعی معنی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے......

"ولیطوفوا بالبیت العتیق"

پرانے گھر کا طواف کریں۔ یہاں طواف شرعی معنی میں ہے اور فرماتا ہے......

"یطوفون بینها وبین حمیمٍ اٰنٍ" (پارہ:۲۷، سورہ الرحمن، آیت:۴۴)

یہاں طواف بمعنی لغوی ہے۔ آنا، جانا، گھومنا۔ (ملاحظہ ہو مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ کی کتاب "جاء الحق" جلد:۱، ص:۲۹۲ تا ۲۹۴)

درگاہ خواجہ صاحب" اجمیر شریف سے متعلق آزادیٔ ہند کے بعد تحقیقاتی کمیٹی نے ایک سوال نامہ تیار کیا تھا۔ علامہ معنی علیہ الرحمۃ نے سوال نامہ کے ہر سوال کا مسکت جواب بہ عنوان "جواب نامہ" تحریر کیا تھا جو مسلم ایجوکیشنل پریس، علی گڑھ میں طبع ہوا۔ سال طباعت ۱۹۴۹ء ہے۔ اس جواب نامہ میں علامہ مرحوم نے مشائخ چشت اور دوسرے علماء کے آراء نذورات سے متعلق لکھے ہیں۔ راقم الحروف ان کے جواب نامہ سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی طرف سے اضافے بھی شاملِ کتاب کر رہا ہے تاکہ اکابرِ علماء اہل سنت کا صحیح مسلک سامنے آجائے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ جمہور اہلِ سنت اولیاء اللہ سے بعد وفات استمداد کے قائل ہیں حتیٰ کے علمائے دیوبند اور علمائے اہلِ حدیث بھی اس کے جواز کے قائل ہیں، ان کا مسلک بھی پیش کر رہا ہوں۔ واضح رہے کہ نذرِ

اولیاء کا مسئلہ مزار اولیاء اللہ پر حاضری اور ان سے استمداد سے وابستہ ہے۔ علامہ مرحوم کے بعض حوالے مفتیانِ کرام کے فتاوٰی میں آچکے ہیں پھر بھی وضاحت کی حیثیت سے چند حوالے درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

راقم الحروف مشائخِ چشت کے مسلک وعقیدہ کی توضیح سے پہلے کچھ اکابر علماء کے اقوال بھی پیش کر دینا ضروری سمجھتا ہے تاکہ مذکورہ بالا فتوؤں کی مزید وضاحت ہو جائے نذر کے لغوی معنی ہیں......

"پیمان۔ وانچہ واجب گردانند بر خود ۔انچہ واجب کنند" بشرط چیزے۔" (منتہی الارب ربع چہارم، صفحہ:۴۴۶)

......اسی طرح......

"النذر: ماکان وعداً علٰی شرطٍ"

(قاموس ربع ثانی صفحہ ۶۲)

دونوں کتابوں کا مطلب ومفہوم ایک ہی ہے یعنی اپنے اوپر کسی شرط کے ساتھ ایک ایسی چیز واجب کر لی جائے جو واجب نہ تھی، اور شریعت کی اصطلاح میں نذر کے یہ معنیٰ ہیں ......

"ایجاب غیر واجب است از جنس عباداتِ مقصود بطریقِ تقرب الی اللہ" ۱۲ (رسالہ نذر بزرگاں از مولانا شاہ رفیع الدین علیہ الرحمۃ)

یہ نذر اللہ تعالیٰ کے لئے مختص ہے۔ ایک قسم کی عبادت اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے۔ فقہاء کے نزدیک "لا نذر لغیر اللہ" کے مطابق اللہ کے سوا کسی دوسرے کے لئے ایسی نذر دینا اور لینا بالاجماع باطل اور حرام ہے۔

مولانا شاہ رفیع الدین اپنے رسالہ "نذر بزرگان" میں لکھتے ہیں......

"نذرے کہ بر مزارات اولیاء می آرند مشتمل بر چند مسئلہ آنکہ لفظ نذر کہ آنجا مستعمل می شود نہ بر معنیٰ شرعی است کہ ایجاب غیر واجب است از جنسِ عبادات مقصودہ بطریقِ تقرب الی اللہ بلکہ

بمعنی عرفی است چہ عرف آن ست کہ انچہ پیشِ بزرگان می برند نذر و نیاز می گویند۔۱۲"

مطلب یہ ہوا کہ نقد و جنس کی قسم سے جو کچھ درگاہوں پر پیش کیا جاتا ہے، اس کا نام عرف عام میں نذر و نیاز پڑ گیا ہے۔ اس شہرت کے اعتبار سے اس کو نذر عرفی کہنا چاہئے، نہ کہ نذر شرعی۔

علماء اس نذر عرفی کی حسب ذیل صورتوں کو جائز و مباح بتاتے ہیں۔

(الف)" آنکہ خالص برائے خدائے تعالیٰ است و ایشاں مصرف محض اند گویا می گوید۔ الٰہی اگر آن مراد من حاصل شود نذر تو بر خدامِ آن صالح رسانم۔۱۲"

......یعنی خدائے تعالیٰ کی نذر اس طرح مانی جائے۔ یا اللہ میری یہ مراد پوری ہو گئی تو میں فلاں بزرگ کے خدام کو تیری نذر دوں گا۔

(ب) "گوید یا حضرت در جناب الٰہی برائے این مشکل دعا بکنید اگر این مراد حاصل شود از طرف تو در جناب الٰہی ایں قدر طعام یا نقد رسانم تا ثوابِ این عائد بشما شود۔"

یعنی۔ یا حضرت دعا کیجئے میری یہ مشکل آسان ہو جائے۔ اگر خدا نے میری یہ مشکل آسان فرما دی تو میں اتنا طعام اور نقد رقم آپ کی درگاہ میں خرچ کروں گا اور آپ کو ثواب پہنچاؤں گا۔

(ج) "گوید الٰہی بہ برکت فلاں بزرگ...... اگر مشکل من آسان کنی ایں قدر مال برائے تو بدہم۔"

یعنی یا اللہ اس بزرگ کی برکت سے میری مشکل آسان فرما دے۔ اگر میری مشکل آسان ہو گئی تو میں اس قدر مال تیرے لئے پیش کروں گا۔

حضرت شاہ رفیع الدین نے درجہ دوم (ب) کے جواز کی یہ دو دلیلیں بیان فرمائی ہیں۔

(ا) آں حضرتؐ نے سیدنا علی کو وصیت فرمائی تھی کہ جب تک زندہ رہو میری

طرف سے بھی قربانی کرتے رہتا۔"

"(۲) ابوداؤد اور نسائی میں ہے کہ آں حضرتؐ سے سعد بن عبادہ نے ام سعد کی وفات کے بعد پوچھا کہ ان کو ثواب پہنچانے کے لئے کون سا عملِ خیر کروں۔ ارشاد ہوا ایک کنواں کھدواؤ اور یہ کہہ دو" هذه لام سعد "یعنی اس کا ثواب اُمّ سعد کو پہنچے۔"

وجہ سوم (ج) کے جواز کی دلیل یہ بیان کی ہے۔

"مذہب احناف است کہ الانسان ان یجعل ثواب نافلة لمن شاء حياً كان او ميتاً۔۱۲

......یعنی حنفیوں کے نزدیک ہر مردہ اور زندہ کو نافلہ یعنی عملِ خیر کا ثواب پہنچا سکتے ہیں۔

بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے استاد حضرت علامہ احمد عرف ملا جیون علیہ الرحمہ اپنی تفسیر احمدی کے منہیہ میں ارقام فرماتے ہیں......

فقد تقرر ان النذر لغير الله حرام و نذر اولياء مؤول بان النذر لله و ثوابه لهم۔

(رسالہ ارشاد الحق از مولانا سید امیرؔ صفحہ ۷، بحوالہ تفسیرِ احمدی)

یعنی غیر خدا کی نذر ماننا حرام ہے اور اولیاء اللہ کے مزارات پر جو نذریں پیش کی جاتی ہیں ان کی تاویل یہ ہے کہ وہ نذریں بھی خدا ہی کے لئے ہیں اور ان کا ثواب اولیائے کرام کی روحوں کو پہنچانا مقصود ہے۔ امام عبد الغنی النابلسی القدسی اپنی کتاب "حدیقہ ندیہ" میں فرماتے ہیں......

من هذا القبيل زيارة القبور والتبرك بضرائح الاولياء والصالحين۔ والنذرلهم على شفاء او قدوم غائب فانه مجاز عن الصدقة على الخادمين لقبورهم۔

(ایضاً صفحہ: ۸، بحوالہ حدیقہ ندیہ)

......یعنی قبروں پر جانا، اولیاء اللہ کے مزارات سے برکت حاصل کرنا اور بیماری سے شفا پانے پر یا کسی گم شدہ کے مل جانے پر (کسی مقصود کے حاصل ہو جانے پر) درگاہوں

پر نذریں دینا مجازاً "نذریں" کہلاتی ہیں، ورنہ مقصود اصلی خدام کے ساتھ نیکی کرنا ہے۔ یہی امام موصوف اپنی ایک دوسری کتاب "کشف النور" میں بھی مندرجہ بالا مضمون کی چند سطریں لکھ کر آخر میں یہ فرماتے ہیں......

یعلم ان ذالک یصرف فی مصالح الخدام لذلک الولی۔

......یعنی نذر دینے والا یہ جانتا ہے کہ میری پیش کردہ نذر اس ولی بزرگ کے خدام کے کام آئے گی۔ امام موصوف کے اس قول سے یہ دو باتیں بھی ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) مزارات کی نذر کے مستحق ان مزارات کے خدام ہی ہوتے ہیں۔

(۲) خدام کی اضافت درگاہ کی طرف نہیں کی بلکہ الخدام لذالک الولی۔ کہہ کر "خدام خواجہ" کے مرکب اضافی کی توثیق وتصدیق فرمادی۔

○○

مزارات کے روحانی تصرفات اور فیوض و برکات کے سلسلے میں علماء و مشائخ کے نظریات

خواجۂ ہند وہ دربار ہے اعلیٰ تیرا
کبھی محروم نہیں مانگنے والا تیرا

درج بالا مطلع چودھویں صدی کے مجدد مولانا احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی کے برادرِ حقیقی مولانا حسن رضا خاں صاحب شاگردِ داغؔ دہلوی نے اپنی منقبت میں سلطان الہند، نائب النبی، آلِ نبی و اولادِ علی، عطائے رسول خواجۂ خواجگاں حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی ثم اجمیری کی بارگاہ میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا ہے۔

فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے والد کی کتاب ''احسن الوعا لآداب الدعا'' میں کچھ مقاماتِ مقدسہ کا اضافہ کرتے ہوئے حضور غریب نوازؒ کے مزارِ مبارک کو اجابتِ دُعا کے لئے خصوصی اہمیت دی ہے، جس کا ذِکر گزشتہ باب میں آچکا ہے۔

علمائے شریعت کی ان تصریحات کے بعد اب مشائخ طریقت کی توضیحات ملاحظہ ہوں۔ سید محمد گیسو درازؒ المتوفی ۸۲۱ھ / ۱۴۱۸ء جن کو دنیا حضرت خواجہ بندہ نوازؒ گیسو دراز کے نام سے پکارتی ہے اور وہ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے خلیفہ مجاز ہونے کی وجہ سے چھٹے واسطے میں حضرت خواجہ بزرگ اجمیری کے مشہور خلیفہ ہیں، فرماتے ہیں۔

در وقت زیارت و در آمدن و برون آمدن منتظر و مترصد باشد که در حظیره کدام کس در آمده و کدام شخص درون بود و چه می کر دو کدام کس بیرون شدد و از چپ و راست و پیش و پس چه لفظ گفتند و چه آواز بر آید، خورده معین علیحده بروح شیخ در پایان بنهد

(جوامع الکلم ص:۱۸۳)

مذکورہ بالا عبارت میں حضرت بندہ نواز نے اپنے شیوخ سلسلہ حضرت خواجہ نصیرالدین محمود، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء، شیخ الاسلام حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر، قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی اور خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی زیارت کا طریقہ اور اس کے آداب بتاتے ہوئے جو ارشاد فرمایا ہے، اس کا اردو خلاصہ یہ ہے۔

"زیارت کے وقت روضہ میں داخل ہونے اور روضہ کے باہر نکلنے کے وقت اس بات پر نظر رکھے کہ روضہ سے کون شخص باہر نکلا کون شخص روضہ میں داخل ہوا۔ کون شخص روضہ میں موجود تھا وہ کیا کر رہا تھا دائیں بائیں اور آگے پیچھے سے کیا باتیں سننے میں آئیں اور کچھ خوردہ (کھانے کی اشیا) شیخ کی روحِ مبارک کو ثواب پہنچانے کے لئے مزار شریف کے پائیں میں رکھے۔"

......اسی طرح حضرت شیخ محمد نجیب قادری چشتی لکھتے ہیں......

باید که بزیارت مشائخ بے شیرینی و گل و سبزہ نرود و اگر قبر پیر باشد فتوح زر در آنجا بنهد . بعدۂ بمخدوم زادگان بر ساند بعد وے هم بمجا وران قبروے نذر بکند

(مخزن الاعراس، قلمی، صفحہ:۱۴، کتب خانہ آصفیہ، حیدرآباد دکن)

مشائخ کی زیارت کے لئے پھول، سبزہ اور شیرینی کے بغیر نہیں جانا چاہئے اور اگر شیخِ سلسلہ کا مزار ہو تو کچھ نقدی وہاں رکھے پھر پیر زادگان کو پہنچائے پھر

مجاورین مزار کو بھی نذر کرے۔

شیخ محمد نجیب حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی کے مرید تھے جو شیخ الشیوخ حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادی کے خلیفۂ اعظم تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی بھی مزار پر پھول رکھنے کی نسبت فرماتے ہیں۔

"بعض علماء نے بہتر جانا ہے کہ پھول قبر پر رکھے جائیں۔"

(اردو ترجمہ، فتاویٰ عزیزی، جلد: دوم، ص: ۲۵)

پھر یہی نہیں بلکہ بعض مشائخ کرام کے ارشادات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نذر مان کر ادا نہ کرنا موجب نقصان ہوتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (التوفی ۱۱۷۶ھ) اپنی کتاب "انفاس العارفین" (اردو ترجمہ، ص: ۱۲۷ تا ۱۲۸) میں اپنے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم علیہ الرحمہ کے ایک مرید کا واقعہ نذر سے متعلق لکھا ہے جو اسی باب میں مفتی محمد عبیدالرحمٰن حسنی لکھنوی کے فتوے میں مندرج ہے۔ مولانا فضلِ رسول بدایونی نے بھی یہ واقعہ لکھا ہے۔

(سیف الجبار، ص: ۱۲۴)

درج بالا فتاویٰ اور مزید تصریحاتِ مشائخ سے واضح ہو گیا کہ نذر عرفی صرف اور صرف خدام مزار کا حق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہدِ سلاطین سے آج تک خدامِ غریب نواز کو نذریں پیش بھی کی گئیں اور بھیجی بھی جاتی رہیں۔ محمد غوری نے ہندوستان فتح کرنے کے بعد قطب الدین ایبک کو یہاں کا بادشاہ بنا دیا۔ بعد ازاں آرام شاہ اور پھر اس کا داماد شمس الدین التمش ۶۰۴ھ / ۱۲۱۱ء میں ہندوستان کا بادشاہ بنا۔ التمش حضرت قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کا باقاعدہ مرید تھا۔ حضور غریب نواز سے اس کی ملاقات تاریخ کی روشنی میں بتائی جاتی ہے۔ التمش کے عہد سے معزالدین کیقباد تک خاندان غلامان کی حکومت رہی۔ بعد ازاں شاہان خلجی کی حکومت قائم ہوئی۔ شاہان خلجی کے بعد شاہان تغلق سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ شاہان خلجی اور شاہان تغلق کے عہد میں حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی مسندِ فقر و درویشی پر

متمکن تھے۔ تحقیقِ قیاسی سے کام لیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ خاندان غلامان کے بادشاہوں کو التتمش کے مرید ہونے کے بعد التتمش کے دادا پیر حضور غریب نواز سے عقیدت ضرور رہی ہے۔ اس عہد کا ریکارڈ جو خدام غریب نوازؒ کے پاس تھا وہ دست بُردِ زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکا۔ بہر حال شاہان خلجی اور شاہان تغلق کے عہد میں حضرت نظام الدین اولیاء علیہ الرحمۃ اپنی عظمت و شہرت کی وجہ سے اوج ثریا پر مقیم نظر آتے ہیں، اس لئے اس عہد کے خوش عقیدہ مسلم سلاطین سے تاریخ بجا طور پر توقع رکھتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی حد تک حضور غریب نوازؒ سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ اگرچہ اس دور کی معاصر تاریخیں اس ضمن میں خاموش نظر آتی ہیں البتہ سلطان محمود خلجی کا ''تاریخِ فرشتہ'' میں ایک واقعہ ملتا ہے جو درج ذیل ہے۔

مندسور کی فتح کا ارادہ

۸۵۹ھ میں سلطان محمود خلجی نے دوبارہ مندسور کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور اس مقصد سے ایک زبردست لشکر لے کر روانہ ہوا۔ اس نے اپنے لشکر کو تو مختلف اطراف میں بھیجا اور خود وسط ولایت میں قیام کیا۔ روزانہ شام کو تازہ ترین خبریں چاروں طرف سے ملتی رہتی تھیں اور وہ اس طرح حالات سے پوری طرح باخبر رہتا۔''

محمود خلجی اجمیر میں

سلطان محمود خلجی اجمیر کی طرف روانہ ہوا اور جلد از جلد سفر طے کر کے اجمیر پہنچا اور حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ کے روضے کے سامنے قیام پذیر ہوا۔ بادشاہ نے خواجہ خواجگان کی روح پر فتوح سے امداد طلب کی اور اہلِ شہر کو حکم دیا کہ قلعہ کو اچھی طرح دیکھ کر مورچل فوج تقسیم کرلیں۔

قلعہ اجمیر پر محمود کا قبضہ

قلعہ کے حاکم کی فوج سے محمود خلجی کی فوج کا مقابلہ ہوا۔ آخر کار خلجی فتحیاب ہوا

اور اس نے خواجہ نعمت اللہ کو قلعہ کا حاکم مقرر کیا۔ اس عظیم الشان فتح پر سلطان محمود نے خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور خواجۂ خواجگان کے روضے کی زیارت کی۔ بادشاہ نے اجمیر میں ایک عالیشان مسجد بنوائی۔ خواجہ نعمت اللہ کو سلطان نے اجمیر میں ہی سیف خان کا خطاب دربارِ خواجہ میں عطا کیا اور اجمیر کی حکومت اس کے حوالے کی۔ بادشاہ نے خواجہ اجمیر کے مزار کے مجاوروں کو نذرانہ پیش کیا اور انعام سے نوازا اور پھر منڈلگڑھ کی طرف روانہ ہوا۔" (اردو ترجمہ، تاریخ فرشتہ، جلد: دوم، ص: ۷۲۰ تا ۷۲۱،

از عبدالحیٔ خواجہ ایم۔ اے۔، مکتبہ ملت دیوبند، یو۔ پی)

(نوٹ: تاریخِ فرشتہ فارسی مصنفہ محمد قاسم فرشتہ کا سنِ تالیف ۱۶۰۶ء سے ۱۶۱۱ء کے درمیان ہے۔)

اس کے بعد اجمیر میں روز بہ روز مذہب اسلام کی اشاعت ہوتی رہی اور مسلمان امن وسکون وسلامتی سے رہنے لگے۔

ظہیر الدین بابر نے ۹۳۳ھ مطابق ۱۵۲۶ء میں مغلیہ حکومت کی بنیاد رکھی۔ بابر کے مرنے کے بعد ۹۳۷ھ مطابق ۱۵۳۰ء میں ہمایوں آگرہ میں تخت نشین ہوا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خواجہ غریب نوازؒ کا آستانۂ عالیہ سلاطین مغلیہ سے پہلے بھی ہندوستان کے دیگر سلاطین کا مرکز عقیدت رہا ہے۔ عہد مغلیہ میں اکبر اعظم سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک تمام سلاطین حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے عقیدت مند رہے ہیں۔ ان کے اور بعض ہندو راجاؤں کے فرامین اور وکالت نامے جو مختلف خدام غریب نواز کے نام ہیں درج کیے جاتے ہیں تاکہ نذورات اور عطیات کی ضمن میں خدام غریب نوازؒ کی عظمت واہمیت وقدامت اور حقوقِ موروثی روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائیں۔

یہ فرامین اور وکالت نامے علامہ معنی علیہ الرحمۃ نے "اسناد الصنادید" کے نام سے ایک کتاب میں جمع کیے ہیں۔ کتاب کا سال اشاعت ۱۹۵۲ء ہے۔ اس ضمن میں جناب ترمذی کی کتاب 'Mughal Documents' بھی قابلِ مطالعہ ہے، جس میں بہت سے فرامین شاہانِ مغلیہ کی طرف سے خدامِ غریب نواز کے نام ہیں۔

اسناد الصنادید سے چند فرامین اور وکالت نامے بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔

(فرمانِ اکبری (۲) فرمان جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی)

ترجمہ: اس وقت ہم نے حکم فرمایا کہ علاقہ اجمیر کا نا ندلا گاؤں جو گول مہر والے فرمان عالیشان کے مطابق تقویٰ شعار صلاح آثار (یعنی پرہیز گار نیکوکار) شیخ فتح اللہ اور ان کے بھائیوں کی مدد معاش اور حضرت خواجہ بزرگ کے عرس کے خرچے کے لئے مقرر ہے، وہ اسی طرح مقرر رہے اور یہ گاؤں بدستور شیخ فتح اللہ اور ان کے بھائیوں کے پاس رہے۔ سرکاری کروری کسی قسم کی مداخلت اس باب میں نہ کریں اور شیخ موصوف اور ان کے بھائیوں سے کوئی مطالبہ نہ کریں کیونکہ ہم نے سمجھتے بوجھتے یہ جاگیر ان کو دی ہے، مقدمان، رعایا اور کاشتکار ہر سال اور ہر فصل پر بے کم و کاست شیخ فتح اللہ اور ان کے بھائیوں کو اس کا لگان اور حاصل دیتے رہیں، کوئی چیز کسی دوسری جگہ نہ دیں اور ہر سال نئے فرمان اور پروانہ کی ضرورت نہ سمجھی جائے، فرمان کی تعمیل کریں اور حکم کے خلاف عمل نہ کریں۔

یہ فرمان صفر مہینے کی ۲۹ر تاریخ ۹۸۴ھ میں لکھا گیا۔

نوٹ: فرمان (۲) اس بات کا ترجمان ہے کہ عرس کے اخراجات بھی حکومت نے خدام خواجہ کے ذمہ چھوڑ رکھے تھے، یہاں تک کہ اس کام میں سرکاری ذمہ داروں کو بھی مداخلت کا کوئی حق نہیں تھا۔

عہدِ شاہجہاں بادشاہ کی سند نمبر۔۱

اردو خلاصہ:

روضۂ منورہ کے متصدیوں کو معلوم ہو کہ تمام مجاوران درگاہ پر تقسیم کرنے کے لئے بادشاہ سلامت کی مرحمت فرمائی ہوئی جو پچاس اشرفیاں وہاں بھیجی گئی ہیں، ان میں سے جنت مکانی (جہانگیر بادشاہ) کے فرمان کے مطابق مشیخت مآب شیخ خوب اللہ کا حصہ بلا شرکت غیرے ان کو پہنچا دیا جائے جیسا کہ وہ اپنے باپ دادا کے زمانے سے لیتے

آئے ہیں اور تمام مجاوروں میں اس طرح تقسیم کردی جائیں (کہ کسی کو شکایت پیدا نہ ہو) اس حکم کے خلاف نہ کیا جائے۔ تاریخ کا حصہ دریدہ ہے۔

نوٹ: سند (۱) سے پتہ چلتا ہے کہ شاہی زمانہ میں حکومت مجاوران کے لئے نذرانے بھی بھیجا کرتی تھی۔ (بادشاہ بھی نذر دیتے تھے)

فرمان عالمگیر بادشاہ نمبر۔۱

اردو خلاصہ:

اس وقت فرمان والا شان صادر ہوا کہ علاقہ اجمیر میں موازی تیس بیگہ زمین جو کھیتی کے قابل ہے شیخ بایزید ولد شیخ فتو کی مدد معاش کے لئے مقرر کی جاتی ہے تاکہ اس زمین کی آمدنی کو اپنے خرچ میں لاکر سلطنت کے لئے دعائے خیر میں مصروف رہے۔ موجودہ اور آئندہ حاکموں، عاملوں اور جاگیرداروں کروریوں کو لازم ہے کہ اس زمین کی پیمائش اور چک بندی کر کے شیخ بایزید کے قبضے میں دے دیں اور کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل نہ کریں کیونکہ ہر قسم کی معافی دیجاتی ہے، ہر سال اس کے لئے نئی سند طلب نہ کیجائے۔ یہ فرمان ۲۰ جمادی الآخرہ ۲۳ جلوس کو لکھا گیا۔

(نوٹ: بادشاہ نے صرف دعائے خیر کے لئے زمین نذر کی۔)

فرمان کے پیچھے کی عبارت کا خلاصہ: یہ شرح ہے اس یادداشت کی جو بدھ کے دن ۲۸/ جمادی الاولیٰ ۲۳ جلوس موافق ۱۰۹۱ھ مطابق جون ۱۶۸۰ء کو صدر الصدور رضوی خان نے واقعہ نویس حاجی محمد اسماعیل کی رپورٹ کے مطابق شیخ برخوردار اجمیری کی درخواست پر بادشاہ تک پہنچائی، رپوٹ یہ کہ شیخ بایزید ولد شیخ فتو بہت بوڑھے اور مستحق ہیں، آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں رکھتے ہیں، بادشاہ سلامت کا حکم صادر ہوا کہ تیس بیگہ زمین اجمیر کے علاقے میں ان کی مدد معاش کے لئے ہم نے عنایت فرمائی۔ مشیخت مآب شیخ ابوالخیر کی پروانگی کے مطابق تصدیق لکھی تھی ۲۲/ ربیع الثانی ۲۳ جلوس کو تصدیق کے مطابق یادداشت قلمی ہوئی، وزیر اعظم اسد خان کے دستخط سے یہ

تجویز ہوئی کہ اس یاد داشت کو داخل واقعہ کریں، اس کے بعد میر محمد موسیٰ نائب صدر الصدور نے داخل واقعہ کر کے اپنی تصدیق کے ساتھ اس کارروائی کو پیش کیا وزیر اعظم نے تجویز کی کہ دوبارہ بادشاہ سے عرض کیا جائے۔ ۱۵ جمادی الثانیہ ۲۳ جلوس کو دوبارہ عرض کیا گیا پھر وزیر اعظم نے اپنے دستخطوں سے یہ تجویز کی کہ فرمان لکھا جائے بادشاہ نے صرف دعائے خیر کے لئے زمین نذر کی۔

عہدِ عالمگیر بادشاہ کی سند نمبر۔۴

اردو خلاصہ :

صوبہ اجمیر کی سرکار چتوڑ کے علاقے دریبہ چین پور کی کوٹھری میں تانبے سے بھری ہوئی ہر گاڑی پر تانبے کے دو ٹکڑے تنے (دو پیسے) حضرت خواجہ بزرگ معین الدین چشتی کی نذر کے ایک زمانے سے مقرر تھے، نذر کے یہ پیسے جمع کر کے فقیروں اور مسکینوں کو دے دیئے جاتے تھے اور چونکہ سیادت پناہ سید حبیب اللہ خادم درگاہ شریف نے ہم لوگوں کو اس سے آگاہ کردیا ہے کہ نذر کی یہ رقم سید حبیب اللہ کا حق ہے، اس لئے حقدار کے حق پر نظر کرتے ہوئے یہ مقرر کیا گیا کہ اس طریقہ پر جو رقم جمع ہوا کرے گی سید صاحب لیتے رہیں گے اور اپنے خرچ میں لاکر بادشاہ کی عمر کی درازی کے لئے دعا گوئی میں مصروف رہیں گے۔ یہ سند یکم شعبان ۱۰۸۷ھ (یعنی ستمبر ۱۶۷۶ء جلوس عالمگیری) میں لکھی گئی۔

تشریح :

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اس معنی میں ہندوستان کے سب سے بڑے روحانی پیشوا ہیں کہ آپ کی روحانی تعلیم کے مستقل اثرات ہندوستان میں قائم ہوئے اور آج تک قائم ہیں، پھر نہ صرف ہندوستان بلکہ ساری دنیا میں چشتی سلسلہ آپ ہی کے دم قدم کی برکت سے جاری ہے اور خصوصیت کے ساتھ ہندوستان کے بے شمار

لوگ بلاتفریق مذہب وملت آپ کو مانتے اور آپ کی ذات سے عقیدت ومحبت رکھتے ہیں۔ اسی قسم کے معتقدین سینکڑوں سال سے آج تک اس کے پابند ہیں کہ اپنی زرعی بتجارتی یا کسی قسم کی آمدنی یا تنخواہ میں سے سالانہ یا ماہانہ حضرت خواجہ بزرگ کے نام کا (یعنی آپ کی نذر کا) کچھ حصہ نکالتے ہیں اور یہ رقم جمع کر کے کسی خادم خواجہ (اپنے وکیل) کو دیتے چلے آرہے ہیں اور اپنے عقیدے کے مطابق دین ودنیا کے فوائد حاصل کرتے آرہے ہیں۔

ہمایوں بادشاہ کی بادشاہت کے زمانے کے ایک تذکرہ لکھنے والے شیخ جمالی سہر وردی اپنی کتاب ''سیر العارفین'' میں لکھتے ہیں کہ'' بہت سے غیر مسلم لوگ تو حضرت خواجہ بزرگ کی تعلیم کے اثر سے مسلمان ہو گئے تھے اور جو غیر مسلم لوگ مسلمان نہ ہوئے تھے وہ حضرت خواجہ بزرگ کی خدمت میں برابر نذرانے پیش کرتے تھے یا بھجواتے رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت کی وفات کے بعد سے اب تک (یعنی ہمایوں بادشاہ کے زمانے تک) بہت سے غیر مسلم لوگ اسی طرح حضرت خواجہ بزرگ اجمیری کے معتقد ہیں اور ہر سال آتے ہیں اور حضرت خواجہ بزرگ کے آستانے کی خاک پاک پر سر رکھتے ہیں (خواجہ بزرگ کے نام یا حضرت کی نذر کی نیت سے جمع کیے ہوئے) تمام روپے درگاہ شریف کے مجاوروں یعنی خدام خواجہ) کو پہنچاتے ہیں، اور (خدام خواجہ کی) خدمت بجا لاتے ہیں۔'' یہ سیر العارفین کی فارسی عبارت کا ترجمہ ہے، فارسی عبارت کے آخری جملے اس طرح ہیں۔

"هر سالے می آیند و سر بر خاک آستانهٔ آن عظیم القدر و آن بدر سپهر مشیخت می نهند و مبلغ هائے کلی بمجاوران روضه مطهره ایشاں می رسانند و خدمتے بجائے می آرند - ۱۲ " (سیر العارفین، ص:۱۳)

یہ تاریخی ثبوت ہے سینکڑوں سال پہلے کے اس عمل در آمد کا کہ نذورات کی رقم خدام خواجہ ہی لیتے تھے اور نذرانے خدام خواجہ ہی کو دیئے جاتے تھے۔

(نوٹ: ہمایوں بادشاہ کے زمانے سے نذرِ خواجہ خدامِ خواجہ کا حق ہے۔)

عہدِ عالمگیر بادشاہ کی سند (۵)

اردو خلاصہ :

یہ نقل ہے اس پروانے کی جو (بوندی) کے راجہ انرودھ سنگھ کا پروانہ ہے اور تانبے کے پتر پر کندہ ہے۔ عبارت یہ ہے کہ مہاراج دھیراج مہاراؤ شری انرودھ سنگھ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی قطب الاقطاب کی درگاہ کے خادم سید جعفر کو ان کی مدد معاش کے لئے بوندی (ریاست) کے علاقے میں چینکس پورہ گاؤں دیا۔ کوئی اس گاؤں میں مداخلت نہ کرے اور یہ گاؤں معزالیہ (یعنی سید جعفر) کو پیائش کر کے دے دیا جائے۔ سمبت ۱۷۴۷ء میں یہ سند تیار ہوئی، مہاراجہ بوندی کا نذرانہ۔

عہدِ فرخ سیر بادشاہ کی سند (۵)

خلاصہ: یہ سند حکم ہے، قطب الملک عبد اللہ خان کا جو فرخ سیر بادشاہ غازی کے وزیر اعظم تھے اور یہ حکم وقف درگاہ شریف کے عہدہ داروں اور ملازمین کے نام ہے۔ خلاصۂ مضمون یہ ہے کہ محمد مراد ولد سید محمد جعفر خادم روضۂ منورہ نے یہ درخواست پیش کی ہے کہ جعفر خان نصیری نے دعا گو کو (یعنی سید محمد مراد کو) درگاہ شریف میں اپنا وکیل بنایا ہے چنانچہ امیر موصوف کا وکالت نامہ بندے (یعنی سید محمد مراد) کے پاس موجود ہے۔ ابھی حال میں امیر موصوف نے ایک ہاتھی اور ایک گھوڑا، اور چاندی سونے کی چند چیزیں درگاہ شریف کی نذر و نیاز کے طور پر بھیجی ہیں لہٰذا امید وار ہوں کہ میرے حق وکالت میں مزاحمت کرنے سے باز رہنے کا حکم صادر فرمایا جائے۔ اس لئے وقف درگاہ کے عہدہ داروں اور ملازموں کو لکھا جاتا ہے۔ اس باب میں توجہ کی جائے۔ اگر واقعی سید محمد مراد امیر موصوف کے وکیل ہیں تو یہ قاعدہ مقرر کیا جائے کہ جو موکل اپنے وکیل کو نذر و نیاز بھیجے، اس میں کسی قسم کی مزاحمت نہ کی جائے۔ یہ سند ۱۶ر

جمادی الاوّل ۷ رجلوس کو لکھی گئی۔
(نوٹ: حق وکالت میں کوئی مداخلت نہ کی جائے۔)

عہدِ عالمگیر ثانی کی سند

خلاصہ وتشریح: یہ ایک خط ہے قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کا سید محمد سعود ابنِ سید محمد مراد ابن سید محمد جعفر (ابن سید مصطفیٰ ابن سید جلال ابن سید چندن کے نام۔ اس خط میں جس عقیدت کا مظاہرہ فرمایا گیا ہے وہ خط کے القاب و آداب سے ظاہر ہے۔ مضمون خط کا خلاصہ یہ ہے کہ میں آپ کی دعاؤں کا امیدوار ہوں۔ درگاہ شریف میں دُعائے خیر سے ہمیشہ مجھے یاد فرماتے رہا کریں۔ کیونکہ آپ صاحب کی دعا دونوں جہاں کی مدد ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں سفر میں ہوں اور سفر ختم نہیں ہوا ہے اور صاحبزادۂ والا تبار خداداد خاں شاہجہاں آباد یعنی دہلی میں آئے ہوئے ہیں، ان کو اطلاع پہنچا دی ہے۔

ہمیشہ از راہِ کرم یاد فرماتے رہا کریں، زیادہ کیا عرض کیا جائے، دولت زیادہ ہو۔ یہ خط ایک لفافے میں ہے، لفافے پر حضرت قبلۂ عالم کی مہر لگی ہوئی ہے، جس کی نقل حسب ذیل ہے:

"گرامی خدمت خواجہ صاحب مہربان نقادہ دودمان والا خلاصۂ جناب مقدس سید مسعود شاہ سلمۂ اللہ تعالیٰ درآید۔" (مُہر)

از نور محمد

فقیر مہارہ ۱۱۶۴

حضرت خواجہ نور محمد جن کا مشہور لقب قبلۂ عالم ہے، سترہویں واسطے میں خواجۂ اعظم حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے خلیفہ، اور سلسلہ چشتیہ کے نامور اور مقتدر شیخ طریقت گذرے ہیں، چشتیوں کا مشہور سلسلہ سلیمانیہ حضرت ہی کے خلیفۂ اعظم حضرت خواجہ سلیمان کے نام نامی سے منسوب ہے، جن کا مزار شریف تونسہ شریف

ڈیرہ غازی خان میں ہے۔
(نوٹ : اس گرامی نامے پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے البتہ حضرت کی مہر میں ۱۱۶۴ھ مرقوم ہے یعنی مہر کی تیاری عہد احمد شاہ بادشاہ میں ہوئی اور احمد شاہ بادشاہ ۱۱۶۷ھ میں معزول ہو گئے اس لئے اس خط کو عالم گیر ثانی کے عہد کے کاغذات میں شریک کیا گیا جو ۱۱۷۳ھ میں ختم ہوتا ہے۔)

عہدِ عالمگیر ثانی کی سند نمبر ۲

خط راجہ سوائی مادھو سنگھ (وکالت نامہ)

خلاصہ وتشریح : یہ خط ہے مہاراجہ سوائی مادھو سنگھ کا سیادت پناہ سید مسعود خادمِ خواجہ کے نام جس کا خلاصۂ مضمون یہ ہے کہ آپ کی درخواست حضرت خواجۂ بزرگ" کی درگاہ شریف کے تبرکات کے ساتھ پہنچی، جس سے دل کو خوشی حاصل ہوئی ۔ درگاہ شریف کی نیاز کی رقم معمول کے مطابق بھیج دی گئی عنقریب پہنچ جائے گی درگاہ شریف میں عمر و اقبال کی زیادتی کے لئے آپ برابر دعا کرتے رہا کریں اور ہمیں اپنا سمجھیں زیادہ کیا لکھا جائے۔

(نوٹ : اس خط سے حضرت خواجہ بزرگ کی اس ہمہ گیر عظمت و شخصیت کا پتہ چلتا ہے، جس نے ہندوستان کی ساری قوموں کو اپنی عقیدت کے باب میں ایک جگہ جمع کر دیا تھا۔)

عہدِ شاہ عالم ثانی کی سند نمبر ۲

وکالت نامہ مہاراجہ کشن گڑھ مہاراجہ مان سنگھ

خلاصہ وتشریح : یہ حکم ہے کشن گڈھ (ریاست) کے مہاراجہ مان سنگھ کا جس میں یہ لکھا ہے کہ سید رجب علی اور محمد علی ولد رحمت اللہ ابن عنایت اللہ پرانے زمانے سے

درگاہ شریف کی وکالت ہماری سرکار کی طرف سے ان کے نام مقرر ہے یعنی وہ ہمارے وکیل زیارت ہیں۔ اس وقت سید مذکور نے یہ درخواست دی ہے کہ بیکنٹھ باشی مہاراجہ کی دی ہوئی ایک سو انتیس بیگہ زمین نُرورگاؤں میں ہمارے دادا عنایت اللہ کے نام مقرر ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ فصل خریف میں ایک سو بیس (۱۲۰) بیگہ اور فصل ربیع میں انتیس (۲۹) بیگہ چنانچہ سال بسال ہم لوگ اس کا حاصل پاتے رہے ہیں، لیکن اس زمین کی سند کھو گئی ہے۔ اس لئے اُمید وار ہیں کہ ازراہِ مہربانی نئی سند عنایت فرمائی جائے۔ چنانچہ سرکاری دفتر کے عہدہ داروں سے تحقیق کرنے پر پہلی سند کی نقل نگاہ سے گزری۔ لہٰذا حکم ہوا کہ سید مذکور کی آراضی ان کی اولاد کو دے دی جائے، تاکہ وہ اس کی آمدنی اپنے صرف میں لائیں اور درگاہ شریف میں ہمارے لئے دعائے خیر میں مشغول رہیں۔ یہ سند ۱۳ رشوال ۱۱۷۷ھ مطابق سمت ۱۸۲۰ کو لکھی گئی۔

دلی کے آخری مغل بادشاہ ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ کا وکالت نامہ

خلاصہ وتشریح: یہ سند مغل بادشاہوں کی آخری نشانی بادشاہ ظفر بہادر شاہ ثانی کی ہے جو ۱۲۲۷ھ یعنی اپنی ولیعہدی کے زمانے میں بہادر شاہ نے سید فتح علی وسید رجب علی کو دی تھی، اور اپنی ولی عہدی کی مہر اس پر ثبت کردی تھی ۱۲۵۳ھ میں بہادر شاہ کے باپ اکبر شاہ ثانی کا انتقال ہوجانے کے بعد سید فتح علی اور سید رجب علی نے اس سند پر توثیق جدید کے لئے بہادر شاہ کے خود اپنے زمانے کی مہر اور بہادر شاہ کے ولی عہد مرزا محمد دارا بخت کی مہر دوبارہ پھر اس سند پر ثبت کرالی، چنانچہ مندرجہ بالا وکالت نامے پر تین مہریں لگی ہوئی ہیں۔

وکالت نامہ کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ وکالت نامہ ہے کہ سیادت ونجابت پناہ سید فتح علی و رجب علی ولد سید جان محمد خادم درگاہ شریف کے نام۔ سیادت پناہ کو درگاہ شریف میں مستقل طور پر اپنا وکیل مقرر کیا گیا۔ وہ ہمارے لئے درگاہ شریف میں برابر دعائے

خیر کرتے رہا کریں۔ ہماری طرف سے جو کچھ نذر و نیاز ہوگی سید موصوف کے حوالے کر دی جائے گی، ہماری اولاد اور ہمارے عزیزوں میں سے جو لوگ بھی درگاشریف میں حاضر ہوں سید موصوف کے ذریعہ زیارت کریں اور نذر و نیاز ان ہی کے حوالے کریں۔ کسی کو اس وکالت میں شرکت کا حق حاصل نہیں ہے۔ یہ چند کلمے وکالت نامے کے طور پر لکھ دیئے گئے۔ بتاریخ ۱۹ محرم ۱۲۲۷ھ کو۔

نذورات کے سلسلے میں مولینا معنی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب جواب نامہ ص۱۰۹ تا ۱۱۱ میں مزید تشریح کی ہے جو درج ذیل ہے۔

مزار شریف پر یا درگاہ شریف میں جو نذریں پیش کی جاتی ہیں، ان کی حسبِ ذیل صورتیں ہیں۔

(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ کسی کی منت ادائی کے طور پر کچھ نذرانہ پیش کیا جاتا ہے۔ یعنی نذر دینے والے نے اپنی کسی کامیابی کی شرط کے ساتھ کچھ نذرانہ پیش کرنے کا پیمان باندھا تھا، جب اس شخص کا وہ کام پورا ہوگیا تو اس نے اپنے پیمان کے مطابق نذرانہ پیش کیا۔ اردو میں اس کو منت ادا کرنا کہتے ہیں۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ زائر صرف مزار شریف کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ اس نے کوئی منت نہیں مانی تھی۔ محض آداب زیارت کی تعمیل اور اپنے حسن عقیدت کی تحریک پر اس نے کچھ رقم مزار شریف کے سامنے یہ جانتے ہوئے پیش کر دی کہ یہ رقم خدام خواجہ بالخصوص میرے وکیل کے کام آئے گی۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ بہت سے زائرین درگاہ شریف کے اندر خدام خواجہ کو اپنا پیر یا پیرزادہ سمجھتے ہوئے نذریں پیش کرتے ہیں۔

(۴) چوتھی صورت یہ کہ بعض زائرین درگاہ شریف میں ایک معقول رقم اپنے وکیلوں کو دے کر اس کا مصرف متعین کر دیتے ہیں کہ یہ خدام خواجہ کی جماعت کے تمام افراد پر تقسیم کر دی جائے۔ چنانچہ زائرین کی مرضی کے مطابق یہ رقوم قومی قاعدے کے مطابق جملہ خدام خواجہ پر تقسیم کر دی جاتی ہیں۔

مندرجہ بالا چاروں صورتیں ایک سلسلہ چشتیہ کے مشائخ ہی کیا تمام سلاسل کے مشائخ طریقت کے نزدیک حکم جواز رکھتی ہیں۔ البتہ پہلی صورت شرعی نذر کی شکل سے ملتی جلتی ہے اور اس کے جواز کی صورتیں متفقہ طور پر ظاہر ہیں۔ اسی طرح دوسری صورت ان فقہا اور علماء کے نزدیک ناجائز ہے جو میت کے سمع وادراک کا انکار کرتے ہیں اور اس بنا پر اہلِ قبور (مشائخ و اولیاء) کی ارواح سے استمداد، استعانت اور استغاثہ کے قائل نہیں ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

''جو فقہا میت کے سمع وادراک کے قائل ہیں وہ اس امر کے بھی قائل ہیں کہ اہل قبور سے استمداد کرنا جائز ہے۔''

(فتاویٰ عزیزی، ص:۲۵۲)

ایسے علماء کے نزدیک قسم ثانی کی نذر جائز و مباح ہے اور مشائخ کرام کے اقوال و اعمال سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ نذر پیش کرنا آداب زیارت میں داخل ہے۔ دوسری اور تیسری صورت کی نذریں شریعت اور طریقت کی رو سے بالاتفاق جائز ہیں۔

استمداد اور نذر کا باہمی تعلق اولیاء اللہ سے استمداد کے سلسلے میں مختلف مکاتیب فکر کے علماء کے اقوال

برِصغیر میں علم حدیث کے عظیم علم بردار، محقق علی الاطلاق، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان مشکوٰۃ شریف کی شرح ''اشعۃ اللمعات'' میں حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

''امام غزالی گفتہ ہر کہ استمداد کردہ شود بہ وے در حیات استمداد کردہ می شود بہ وے بعد از وفات۔ یکے از مشائخ گفتہ دیدم چہار کس رااز

مشائخ کہ تصرف می کنند در قبور خود مانند تصرف ہائے ایشاں در حیات خود یا بیشتر۔ قوے می گویند کہ امداد حی قوی تر است و من می گویم کہ امدادِ میت قوی تر و اولیاء را تصرف در اکوان حاصل است و آن نیست مگر ارواحِ ایشان را وا رواح باقی است۔"

(جآء الحق حصہ اول از مفتی احمد یار خاں، ص ۱۸۷ تا ۱۸۸ بحوالہ اشعۃ اللمعات، شروع بابِ زیارت القبور)

(ترجمہ) امام غزالی نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی جاتی ہے، اس سے اس کی وفات کے بعد بھی مدد مانگی جائے۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ چار شخصوں کو ہم نے دیکھا کہ وہ قبروں میں بھی وہی تصرف کرتے ہیں جو اپنی زندگی میں کرتے تھے یا اس سے بھی زیادہ۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ زندہ کی مدد زیادہ قوی ہے اور میں کہتا ہوں کہ مردہ کی امداد زیادہ قوی ہے۔ اولیاء اللہ کی حکومت جہانوں میں ہے اور یہ حکومت نہیں ہے مگر ان کی روحوں کی اور روحیں باقی ہیں۔"

خاتم المحدثین علامہ شاہ عبد العزیز علیہ الرحمۃ نے اس مسئلہ کو روزِ روشن کی طرح عیاں کر دیا ہے تفسیر فتح العزیز، ص ۲۰ پر فرماتے ہیں۔

"باید فہمید کہ استعانت از غیر بہ وجہے کہ اعتماد برآں غیر دارد و اور ا "مظہر عون الہی" نہ داند حرام است و اگر التفات محض بہ جانب حق است و اورا یکے از مظاہرِ عون دانستہ و نظر بہ کارخانۂ اسباب و حکمت اوتعالیٰ در آں نمودہ بغیر استعانتِ ظاہری نماید دوراز عرفان نہ خواہد بود و در شرح نیز جائز وروا ست و انبیا و اولیاء ایں نوع استعانت تعبیر کردہ اند و در حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بہ حضرت حق جلّ مجدہٗ است لاغیر۔"

ترجمہ: سمجھنا چاہئے کہ کسی غیر سے مدد مانگنا بھروسہ کے طریقہ پر کہ اس کو مدد الٰہی کا مظہر نہ سمجھے حرام ہے اور اگر توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہے اور اس کو اللہ کا ایک مظہر

(جائے ظہور) جان کر اور اللہ کی حکمت اور کارخانہ اسباب جان کر اس سے ظاہری مدد مانگی تو عرفان (حقیقت شناسی) سے دور نہیں ہے اور شریعت میں بھی جائز ہے اور اس قسم کی استعانت بالغیر انبیاء اور اولیاء نے بھی کی ہے، لیکن حقیقت میں یہ حق تعالیٰ کے غیر سے مانگنا نہیں ہے بلکہ اس کی مدد ہے۔

سورہ بقرہ کی تفسیر میں شاہ عبد العزیز علیہ الرحمۃ اس مسئلے کو مزید واضح کرتے ہیں......

"افعال عادی الٰہی را مثل بخشیدن فرزند و توسیعِ رزق و شفائے مریض و امثال ذالک رامشرکان نسبت بہ ارواح خبیثہ و اصنام می نمایند و کافری شوند و موحدان از تاثیرِ الٰہی یا خواص مخلوقات اومی دانند از ادویہ وعقاقیر یا دعائے صلحاء بندگانِ او کہ ہمہ از جناب او درخواستہ انجاحِ مطلب می کنا نندمی فہمند در ایمانِ ایشان خلل نمی افتد۔"

(تفسیر فتح العزیز، ص:۴۶۰)

ترجمہ: "اللہ کے کام جیسے لڑکا دینا، رزق بڑھانا، بیماری کو اچھا کرنا اور اس کی مثل کو مشرکین خبیث روحوں اور بتوں کی طرف نسبت کرتے ہیں اور کافر ہو جاتے ہیں اور توحید پرست (مسلمان) ان امور کو حکم الٰہی یا اس کی مخلوق کی خاصیت سے جانتے ہیں جیسے کہ دوائیں یا عقاقیر یا اس کے نیک بندوں کی دعائیں کہ وہ بندے رب کی بارگاہ سے مانگ کر لوگوں کی حاجت روائی کرتے ہیں اور ان مومنین کے ایمان میں اس سے خلل نہیں آتا" (حوالہ سابق جاء الحق)۔

علمائے دیوبند کا مسلک

علماء دیوبند کے شیخ الہند مولوی محمود حسن اپنے ترجمہ قرآن میں جس کے چار پاروں کا حاشیہ خود انھوں نے لکھا ہے، باقی کا مولوی شبیر احمد عثمانی نے اس میں "ایاک نعبد و ایاک نستعین" کے تحت لکھتے ہیں "ہاں اگر کسی مقبول بندے کو واسطۂ رحمتِ الٰہی اور

غیر مستقل سمجھ کر استعانتِ ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔"

مولوی اشرف علی تھانوی اس مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جو استعانت واستمداد بہ اعتقادِ علم وقدرتِ مستقل ہو وہ شرک ہے اور جو بہ اعتقادِ علم وقدرتِ غیر مستقل ہو اور وہ علم وقدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائے تو جائز ہے، خواہ مستمد منہٗ (جس سے مدد مانگی جائے) حی (زندہ) ہو یا میت (مردہ)۔(امدادالفتاویٰ جلد۴، ص۹۹ کتاب العقائد والکلام)

علماءِ اہلِ حدیث کا مسلک

مولوی وحیدالزماں حیدرآبادی جو جماعت اہلِ حدیث کے مستند عالم اور ترجمان ہیں انھوں نے بعض اہلِ حدیث حضرات کے اس غلو کا رد کیا ہے کہ انبیاء و اولیاء سے استمداد شرک وکفر ہے۔ علامہ نے شیخ ابنِ حجر کی روایت کتاب "قلائد" کے حوالے سے لکھی ہے کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ والرضوان امامِ اعظمؒ، ابوحنیفہ رضی اللہ عنہٗ کی قبر کو متبرک سمجھ کر وہاں بہ وقتِ مشکلات حاضری دیتے تھے اور جو دعا مانگتے تھے وہ یقیناً قبول ہو جاتی تھی۔ (ھدیۃ المھدی، عربی، ص:۲۲)

مولوی وحیدالزماں نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو اہلِ سنت مقلد حضرات "یا رسول اللہ! یا علی! یا غوث!" کہہ کر ندا کرتے ہیں انھیں مشرک نہیں کہا جا سکتا، اس قسم کی ندا کو مولوی صاحب استغراق عشق پر محمول کرتے ہیں۔ "مگر اس شخص کی ندا سنی جاتی ہے جو اپنے محبوب کی محبت میں مستغرق ہو جیسا کہ عاشق اپنے غائب معشوق کو حاضر وموجود جان کر پکارتا ہے۔ مثلاً پکارنے والا کوفہ میں ندا کرتا ہے اور اس کا محبوب بصرہ میں ہوتا ہے۔"

آگے مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اس غلو اور تشدد کی وجہ سے خارجیوں کو مارقین اور ناکثین کہا گیا۔"

مولوی وحید الزماں نے کھل کر لکھا ہے "ہماری جماعت (اہلِ حدیث) کے بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ مشکلات یا قضائے حاجات میں انبیاء واولیاء سے استعانت اگرچہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اذن وحکم اور رضا وقضا سے ہو یہ اعتقاد رکھنے والا مشرک ہے۔ یہ کلام غلط ہے اور غیر صحیح ہے۔" (ہدیۃ المہدی، ص: ۲۴، ۲۶)

مذکورہ بالا اقوال سے ثابت ہے کہ مختلف مکاتب فکر کے علماء اولیاء اللہ سے استمداد کو جائز سمجھتے ہیں۔ بنابریں خواجہ بزرگ کی بارگاہ میں بے شمار زائرین اس قسم کی استمداد کے لئے حاضر ہوتے ہیں اور خواجہ بزرگ کی روحانی امداد سے فیضیاب ہوکر ان کے خدام کو نذورات پیش کرتے ہیں۔

درگاہ شریف کے وکیل اور وکالت نامے

اس موضوع پر مولانا معنی کی درج ذیل تحقیق لائق مطالعہ ہے۔

"وکیل بنانے اور وکالت نامہ لکھ کر دینے کا یہ دستور تا حال، درگاہ شریف اجمیر اور اس کے علاوہ ہندوستان کی ان درگاہوں پر بھی جاری ہے، جہاں کوئی سجادہ نشین یا دیوان نہیں ہے۔ اس لئے اس موقعہ پر "وکالت" کی توضیح بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

وکیل: عربی زبان کا لفظ ہے۔ منتہی الارب میں لکھا ہے۔

"آنکہ بروئے کارگزارند۔"

......یعنی جس کو کوئی کام سپرد کر دیا جائے۔

مولانا شاہ رفیع الدین بن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے رسالہ "نذر بزرگاں" میں فرماتے ہیں۔

"برائے ہمیں قسم بر مزارات ایشاں می فرستند و دریں صورت شخصے کہ اومی رساند، وکیل است۔ برائے صرف کردن آن مصارف۔"

......یعنی اولیائے کرام کی مزارات پر جو کچھ صرف کرنے کے لئے کسی کے ذریعہ بھ[یجا] جائے وہ شخص وکیل ہے۔ وکیل کے یہ معنیٰ اور اس کی یہ تعریف اس میں شک نہیں

خدام خواجہ کی تخصیص نہیں کرتی مگر چونکہ اسی لغوی تصریح کی بنا پر درگاہوں میں وکیل کی اصطلاح وضع ہوئی ہے، اس لئے لغت کے بعد اب اصطلاح کی طرف رجوع ہوتا ہوں۔

یعنی وکیل وہ ہے جو صاحبِ درگاہ سے قدرتی اور خصوصی تعلق رکھنے والے مجاورین و خدام کی جماعت کا ایک فرد ہو۔ جس کے ذریعہ اس کی اسی خصوصی نسبت کی وجہ سے زائرین مزار شریف کی زیارت کریں اور جس کو اپنے لئے باوقاتِ خاص مزارِ شریف پر دعائے خیر کرنے کا کام تفویض کردیں۔

سلف نے اس لئے یہ طریقہ تسلیم ورائج کیا کہ مکان و زماں کا تقدس اجابتِ دعا کا ضامن ہوا کرتا ہے یعنی جس طرح یوم عاشورہ اور شب برأت وغیرہ کو ایک تقدس زمانی حاصل ہے، اسی طرح حرمین شریفین اور دوسرے مقامات عالیہ تقدسِ مکانی کے حامل ہیں اور جس طرح بعض اوقات کی نسبت یہ مروی ہے کہ ان میں جو دعا مانگی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے۔ اسی طرح بعض مقامات کے لئے بھی یہ تصریحات موجود ہیں کہ وہاں پر حاضر ہوکر جو دعا کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ چنانچہ حرمین شریفین کی نسبت تو خود لسانِ صاحبِ شریعت کے ارشادات موجود ہیں۔ جن پر مسلمانوں کا ایمان ہے اور اولیائے کرام کے مزارات کی نسبت اکابرِ اسلام کے مکاشفات و تجربات شہادت دے رہے ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ:

"قبر موسیٰ الکاظم تریاق مجرب لاجابة الدعاء" (جذب القلوب از شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، ص:۲۱۶)

یعنی سیدنا امام موسیٰ کاظم کی قبر شریف مقبولیت دعا کے لئے آزمایا ہوا تریاق ہے

اور ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں سیدنا امام زین العابدینؓ کی پوتی سیدہ نفیسہ کے مزار شریف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ......

"یہ درگاہ مقام اجابت دعا ہے۔" (سفرنامہ ابن بطوطہ ج:۱، ۳۴۷)

اسی طرح بہت سے مشائخ نے بعض اولیائے کرام کے مزارات کی نسبت الگ

الگ اپنے اپنے مشاہدات کا ذکر فرمایا ہے اور ہندوستان میں حضرت خواجہ بزرگ کی قبر شریف کا فیضان تو مشائخ طریقت کے علاوہ عوام تک محسوس کرتے رہتے ہیں۔

جب ہی تو ہزار ہا انسان سفر کی تکلیفیں اٹھا کر اور روپیہ خرچ کر کے یہاں حاضر ہوتے ہیں اور چونکہ درگاہ شریف کے تقدس مکانی سے قبولیت دعا کا فائدہ اٹھانے کے لئے ہر زائر کا مستقل قیام اجمیر بالکل غیر ممکن ہے۔ اس لئے قریب قریب تمام زائرین جس خادم خواجہ کے ذریعہ شرفِ زیارت سے مشرف ہوتے ہیں اور اپنے اسلاف و مشائخ کی سنت کے مطابق اسی خادم خواجہ کو اس کی اس نسبت خصوصی کے باعث (جو صاحب مزار سے اس خادم خواجہ کو حاصل ہے) اپنا وکیل بناتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس مقدس مقام پر ان خاص اوقات میں جو قبولیت دعا کے لئے مختص بتائے گئے، اپنے موکلین (زائرین) کے لئے ہر ایک وکیل دعا کرتا رہے تاکہ تقدس مکانی کے ساتھ تقدس زمانی کی برکات بھی شامل ہو جائیں اور دعاؤں کو باب قبولیت تک پہنچنے میں دوگنی قوت حاصل ہو جائے۔ (جواب نامہ، ص ۱۴۴ تا ۱۴۷)

اس کے علاوہ حضرت خواجہ سے استمداد روحانی اس پر مستزاد ہے۔ اہل حدیث عالم نواب سید صدیق حسن خاں بھوپالی بھی استمداد روحانی کے قائل ہیں۔ ان کا شعر ہے......

زمرۂ رائے درافتاد بہ ارباب سنن
شیخ سنت مددے قاضیٔ شوکاں مددے

قاضی محمد علی شوکانی یمنی سے استمداد جائز ہے تو حبیب ربانی خواجہ خواجگاں سے بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔ چنانچہ صدیوں سے یہی ہو رہا ہے اور باوجود یہ کہ سلف و خلف کے طریقۂ عمل میں نمایاں فرق ہو چکا ہے پھر بھی درگاہ شریف کے تقدس مکانی اور حضرت خواجہ کے فیض روحانی میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔

زائرین عام طور سے اپنے مقاصد میں کامیاب ہو کر اپنی حیثیت اور اپنے وعدہ کے مطابق اس درگاہ شریف پر روپیہ خرچ کرتے ہیں اور یہ تمام اخراجات اپنے وکیل

ہی کے ذریعہ کراتے ہیں، جس کی دعاؤں کا اس کامیابی میں بڑا دخل ہوتا ہے۔

کامیابیوں کا یہی مسلسل تجربہ دنیا کو اس درگاہ شریف میں حاضری دینے پر مجبور کر دیتا ہے اور آنے والے لوگوں کے ذاتی تجربات، مشاہدات اور واقعات دوسرے لوگوں کے لئے بھی محرک زیارت ہوتے ہیں اور انہی بنیادوں پر وکیل و زائر کے ایسے مستحکم اور عزیز دارانہ تعلقات قائم ہو جاتے ہیں، جن کا سلسلہ حوادث کے شدید جھٹکوں سے بھی ٹوٹنے کا نام نہیں لیتا۔

نذوراتِ خواجہ سے متعلق مذکورہ بالا اسلام کی فقہی تشریحات اور خانقاہی روایات کے بعد عصرِ حاضر کی سرکاری عدالتوں کے فیصلے بھی ہدیۂ ناظرین ہیں۔

ا۔ ہائی کورٹ راجستھان کا فیصلہ AIR 1959-Rajasthan High Court, P-177= Rajasthan Law Weekly P-503

"مدعا علیہ آستانۂ اقدس حضور غریب نوازؒ کے موروثی طور سے خادم ہیں۔ یہاں خادم کا لفظ گھریلو ملازم کے معنی میں نہیں ہے بلکہ یہ خدام آستانۂ اقدس کی جملہ رسوم انجام دیتے ہیں اور ان کا تعلق آستانۂ اقدس سے نہ صرف قدیمی بلکہ قریبی بھی ہے: "KHADIMS' RELATION WITH THE SHRINE IS NOT ONLY ANCIENT BUT INTIMATE"

یہ زائرینِ خواجہ کے آستانۂ اقدس میں حاضری کراتے ہیں اور ان کا یہ عمل آستانۂ اقدس سے وابستہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ ان کی موجودگی اور حاضری آستانہ اقدس میں ۲۴ گھنٹے جاری رہتی ہے۔ جب زائرینِ خواجہ آستانۂ اقدس میں حاضر ہوتے ہیں تو یہ ان کے لئے سہولتیں فراہم کرتے ہیں۔

۲۔ سپریم کورٹ کا فیصلہ AIR 1961-Supreme Court, P-1402

درگاہ خواجہ صاحب ایکٹ ۱۹۵۵ میں حکومت نے جو ضوابط بنائے ہیں۔ خدام کے حقوق وصولیابیٔ نذورات ان سے متاثر نہیں ہوتے ہیں۔ یہاں ایکٹ نافذ ہونے

کے بعد بھی زائرینِ خواجہ خدامِ خواجہ کو نذورات پیش کرتے ہیں اور ایکٹ میں ایسا کوئی ضابطہ نہیں جو خدام حضرات کو نذورات لینے سے روکتا ہو۔

۳۔ Additional Civil Judge (ME) Ajmer. Civil Suit No. 61/1970

Syed Zahoor Ahmed & Others Hereditary Khadims V/S

Dargah Committee (Central Govt. Boday)

Date Of Judgment - 10 March, 2006

ایڈیشنل سول جج اجمیر کے مقدمہ نمبر ۶۱، ۱۹۷۰ء کے فیصلے میں فاضل جج نے ۱۹۶۱ء کے سپریم کورٹ کے فیصلے صفحہ ۱۴۰۲ کو تسلیم کرتے ہوئے قانون اور گواہوں کی شہادت کی روشنی میں دیگوں میں ڈالی گئی نذورات کو خدام حضرات کا حق تسلیم کیا ہے اور درگاہ کے لئے وقف کی گئی اشیاء کو نذورات سے الگ قرار دیا ہے اور مدعی درگاہ کمیٹی کے مقدمے کو فاضل جج نے خارج کیا ہے۔ اس سلسلے میں درگاہ کمیٹی کی اپیل زیرِ سماعت ہے۔

(نوٹ: واضح رہے کہ یہ مقدمہ درگاہ کمیٹی اور خدام کے درمیان چار دہوں سے چل رہا تھا اور خدام ان دیگوں میں ڈالی گئی نذورات کو عہدِ اکبر و جہانگیر سے حاصل کر رہے تھے۔ یہ دیگیں شہنشاہ اکبر اور شہنشاہ جہانگیر نے پیش کی تھیں۔)

OO

سولہواں باب

عماراتِ آستانۂ عالیہ

مولانا معنی نے اپنی کتاب ہمارے خواجہ میں (از ص:۴۵ تا ص:۶۰) درگاہِ معلیٰ کی تاریخِ عمارات کے عنوان سے درگاہِ معلیٰ کی عمارات کا ذکر کیا ہے، جسے بن و عن ذیل میں درج کیا جارہا ہے۔ راقم الحروف نے محمد اکبر جہاں شگفتہ مرحوم کی کتاب احسن السیر کو بھی ماخذ بنایا ہے۔ اس کتاب کا سالِ تالیف ۱۲۸۵ء ہے۔ میرے پیشِ نظر جو نسخہ ہے وہ مطبع مفیدِ عام آگرہ سے ۱۳۰۰ھ میں طبع ہوا ہے۔

مسجد محمودی

یہ مسجد پانچ ناموں سے مشہور ہے

(۱) مسجد محمودی

(۲) مسجد جہانگیری

(۳) مسجد عالمگیری

(۴) مسجد صندل خانہ

(۵) پھول خانہ کی مسجد

''تاریخ فرشتہ'' میں لکھا ہے......

"سلطان محمود خلجی مراسم شکر الهی بتقدیم رسانیده شرفِ طوافِ مزارِ آن بزرگوار دریافت و

مسجد عالی طرح انداختہ خواجہ نعمت اللہ را سیف

خاں خطاب دادہ حکومت آنجا بوے تفویض نمود۔'

یعنی سلطان محمود خلجی نے خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کر کے حضرت کے مزار اقدس کا طواف کیا اور ایک بڑی مسجد بنوائی۔ خواجہ نعمت اللہ کو سیف خاں کا خطاب دے کر اجمیر کی حکومت ان کے سپرد کی۔

اسی بنا پر اس مسجد کا قدیم نام "مسجد محمودی" ہے اور درگاہ شریف میں سلسلہ تعمیر کی ابتداء اسی مسجد سے ہوئی ہے۔ درگاہ شریف کی جملہ عمارات اس کے بعد کی تعمیر ہیں۔

(۲) اس مسجد کا دوسرا نام "مسجد جہانگیری" ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ "مسجد محمودی" عہدِ جہانگیری تک اپنے حال پر برقرار رہی۔ اسی زمانہ میں حضرت مجدد الف ثانی سرہندی نے اپنے ورودِ اجمیر کے موقعہ پر اسی مسجد میں نماز پڑھی۔ کتاب "جواہر مجددیہ" میں لکھا ہے......

اس مسجد کی ایک دیوار نہایت خمیدہ تھی۔ لوگ اندیشہ ناک ہوئے، آپ نے (مجدد صاحب نے) فرمایا مطمئن رہو ابھی نہیں گرے گی۔ جب آپ (مجدد صاحب) اجمیر شریف سے واپس ہوئے شہر سے باہر ہوتے ہی گر گئی۔

اس حکایت کے مطابق ممکن ہے کہ اس انہدام کے بعد جہانگیر ہی کے حکم سے اس مسجد کی درستی از سرِ نو عمل میں آئی ہو یا عہدِ جہانگیری کے کسی امیر نے درستی کرائی ہو۔

(۳) اسی طرح اس مسجد کا ایک نام "مسجد عالمگیری" بھی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ عہدِ عالمگیری میں اس کی درستی اور مرمت ہوئی ہے۔

(۴) اس مسجد کو "مسجد صندل خانہ" اس لئے کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ بزرگ کے مزارِ مبارک کے لئے اس میں صندل سائی ہوتی تھی اور وہ صندل مزار شریف پر نذر کیا جاتا تھا۔ آج بھی مزارِ مبارک پر روزانہ خدام حضرات صندل پیش کرتے ہیں۔

(۵) اسی مسجد کو "پھول خانہ کی مسجد" اس لئے کہا جاتا ہے کہ روزانہ صبح کو پانچ

بجے اور دن کے چار بجے مزار شریف کے پھول اتارے جاتے تھے اور اسی مسجد کی غربی دیوار کی ایک کمان میں رکھے جاتے تھے، جو اسی غرض کے لئے ضرورت کے مطابق بنوائی گئی تھی۔ پھر یہ جمع شدہ پھول ملوسر کے ایک کنوئیں میں ڈالے جاتے تھے، آجکل گلہائے مبارک دوسری جگہ ایک اندھے کنویں میں ادب کے ساتھ ڈالے جاتے ہیں۔ مسجد کے موجودہ نقش و نگار ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء سے نواب اسحٰق خاں جہانگیرآبادی کا نام روشن کر رہے ہیں۔ اسی مسجد کے صحن کی چھت کچھ سال پہلے خادمِ خواجہ سید عمر میاں نے ڈلوائی۔

اولیاء مسجد

یہ مسجد صندل خانہ کی مسجد سے جانبِ شرق واقع ہے۔ اس کے گرد دور تک سنگِ مرمر کا فرشِ مصفّٰی بنا ہوا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں غریب نوازؒ نے اجمیر میں پہلی بار داخل ہوکر قیام فرمایا تھا اور یہیں آپ نماز ادا فرماتے تھے۔ (احسن السیر، ص:۵۶)

گنبد شریف

عہدِ جہانگیری کی ایک کتاب ''اقبال نامہ جہانگیری'' میں (بہ ضمن حالات سلطان محمود خلجی) یہ تحریر ہے۔

''بعمارت روضۂ خواجه معین الدین چشتی همت مصروف داشت و این روضه که امر و ز برِ جاست از آثارِ دولت اوست۔''

یعنی (سلطان محمود خلجی) حضرت خواجہ بزرگؒ کے روضہ کی تعمیر میں مصروف ہوا، چنانچہ جو گنبد کہ اس وقت موجود ہے اسی کے عہدِ حکمرانی کی نشانی ہے۔ عہدِ شاہ عالم کی تالیف ''مرآۃ آفتاب نما'' کے مصنف نواب شاہ نواز خاں بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔

''خلاصہ آنکہ وے بعمارت روضہ متبرکہ خواجہ معین الدین چشتی ہمت

برگماشت وایں روضۂ مقدسہ منورہ کہ امروز برپاست از آثار دولت

اوست۔"

یعنی خلاصہ یہ ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کا روضہ بنوانے کی جانب (سلطان محمود خلجی) متوجہ ہوا۔ چنانچہ موجودہ گنبد شریف اسی کے عہد حکمرانی کی نشانی ہے۔

غرض محقق روایت یہی ہے کہ فرمانروائے مانڈو سلطان محمود خلجی نے یہ گنبد بنوایا ہے۔ اجمیر ۸۵۹ھ مطابق ۱۴۵۵ء میں سلطان موصوف کے قبضہ میں آیا ہے، اس لئے گنبد شریف کی تعمیر ۸۵۹ سے ۸۷۳ء کے درمیانی زمانے میں کسی وقت ہوئی ہے۔ گنبد شریف مکرانہ کے سفید پتھر کا ہے۔ مقعر یعنی گنبد کا اندرونی حصہ سنگ بستہ ہے جس میں چونے سے ریخ بندی کی گئی ہے اور محدب یعنی گنبد کا بالائی حصہ ریختہ یعنی پختہ اینٹوں سے چن کر اس پر پلاستر چڑھایا گیا۔ پلاستر اول درجہ کا ہے جس کو آرائشی پلاستر یا گھٹائی کا پلاستر کہتے ہیں۔ اندرون گنبد رنگین و طلائی نقوش ۹۳۹ھ مطابق ۱۵۳۲ء میں عہد اکبری سے پہلے ہو چکے ہیں اور اس کام کی تکمیل کا تاریخی مادہ "قبۂ عرش بریں" ہے جس سے ۹۳۹ھ اعداد برآمد ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ جب یہ نقوش دھندلے ہو گئے تو ۱۳۰۶ھ مطابق ۱۸۸۹ء میں تخمیناً کئی ہزار روپیہ خرچ کر کے والئ رامپور نواب مشتاق علی خاں نے گنبد کے اندرونی حصے اور بیگمی دالان کی چھت اور دیواروں کو از سرنو مطلا و مذہب کرایا۔ گنبد شریف کے اوپر موجودہ تاج نما طلائی کلس، والئ رامپور نواب کلب علی خاں کے سوتیلے بھائی نواب حیدر علی خاں (نواب بلسی) نے ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۶ء میں چڑھایا ہے۔

اسی بیگمی دالان کی چھت اور دیواروں کو ۲۰۰۲-۲۰۰۱ء میں انجمن سیدزادگان خدام خواجہ نے دوبارہ مطلا و مذہب کرایا اور بیگمی دالان کی دیواروں پر پنجتن پاک علیہم السلام اور چھت پر خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اسمائے مبارک لکھوائے۔

بلند دروازہ

اس دروازہ کا سنِ تعمیر کسی تاریخ میں مرقوم نہیں ہے۔ البتہ شہرت عام اس دروازہ کو سلطان محمود خلجی فرماں روائے مانڈو کی جانب منسوب کرتی ہے اور زمانہ قریب کی کتابوں میں بھی یہی روایت موجود ہے۔ (احسن السیر، ص:۶۰) رائے بہادر مسٹر ساردا نے اپنی تالیف میں اس دروازے کا بانی سلطان غیاث الدین کو بتاتے ہوئے ۱۴۶۹ء سے ۱۵۰۰ء تک اکتیس سالہ دور میں اس کا تعمیر ہونا لکھا ہے۔

یہ پورا دروازہ سنگ سرخ کا ہے۔ پچھتر فٹ بلند ہے اور اس پوری عمارت پر چونے کا پلاسٹر چڑھا ہوا ہے۔

مجر حضرت صاحبزادی صاحبہ رحمتہ اللہ علیہا

سیدہ حافظ جمالؒ جو حضرت خواجہ بزرگؒ کی صاحبزادی ہیں اور حضرت امتہ اللہ کے بطن سے پیدا ہوئی ہیں، یہ مزارِ مبارک ان کا ہے، گنبد شریف سے جانب جنوب واقع ہے لیکن مجر پر کوئی کتبہ ہے نہ کسی کتاب میں سنِ تعمیر مرقوم ہے۔ البتہ قیاس اس کی تصدیق کرتا ہے کہ یا تو گنبد شریف کے ساتھ خلجی عہدِ حکمرانی میں یہ بھی تعمیر ہوا یا جہانگیر و شاہجہاں کے حسنِ عقیدت کی یادگار ہے۔

اکبری مسجد

شاہزادہ سلیم (جہانگیر) کی پیدائش کے چھ مہینے بعد جب اکبر بادشاہ شعبان ۹۷۷ھ (مطابق ۱۵۷۰ء) میں اجمیر پہنچے تو اس مسجد کی تعمیر کا حکم دیا۔ چنانچہ ''اکبرنامہ'' کی جلد دوم میں لکھا ہے......

عمارت عالی بنا از مسجد و خانقاہ دراں حواشی طرح انداختہ

......یعنی (اکبر بادشاہ نے) ایک مسجد اور مسجد کے اطراف ایک خانقاہ کی ایک

عالیشان عمارت بنوائی۔

غالباً ۹۷۸ھ میں اس کی تعمیر پایۂ تکمیل کو پہنچی ہے اس لئے کہ بعض کتابوں میں اس مسجد کا سنِ تعمیر ۹۷۸ھ لکھا ہے۔

یہ مسجد سنگ سرخ سے تعمیر ہوئی ہے۔ محرابوں پر سنگ مرمر کی پچکاری میں لاجوردی کام ہے۔ یہ مسجد اپنی متعلقہ عمارات کے ساتھ ۱۴۰×۱۴۰ رفٹ طویل وعریض ہے، محراب مسجد ۵۶ رفٹ بلند ہے جس کے بازوؤں پر اوسط درجے کے مرمریں مینار ہیں۔

صحن مسجد میں ہشت پہلو ایک حوض ہوا کرتا تھا۔ مسجد کے جانب مشرق اس کا صدر دروازہ ہے۔ صحن مسجد کا شمالی حصہ اب تک بدستور موجود ہے جنوبی اور مشرقی عمارات میں محافظ خانے بن گئے ہیں۔

مسجد کے پیچھے جانب غرب ایک کنواں تھا جس کا پانی مسجد کے حوض میں آتا تھا۔ سوڈیڑھ سو سال سے وہ کنواں اَٹ گیا ہے۔ ۱۳۲۰ھ میں اس مسجد اور اس کے صحن کی مرمت نواب غفور علی داناپوری نے کرائی۔

بڑی دیگ

بلند دروازے سے آگے بڑھتے ہی دائیں جانب بڑی دیگ ہے۔ یہ دیگ اتنی بڑی ہے کہ شاید اس کی نظیر کسی اور مقام پر نہ ہو۔ اس دیگ کی تاریخ یہ ہے کہ اکبرِ اعظم نے منت مانی تھی کہ اگر قلعۂ چتوڑ فتح ہوگیا تو ۱۲۵ من کھانا پکنے والی دیگ بنوا کر آستانۂ عالیہ کی نذر کروں گا۔ اس کے بعد قلعۂ چتوڑ پر حملہ آور ہوا اور فتح پاتے ہی مع لشکر چتوڑ سے اجمیر آیا اور بڑی دیگ بنوا کر خواجۂ بزرگ کے دربار میں پیش کی اور اس میں کھانا پکوا کر غرباء و مساکین میں تقسیم کیا۔ میر علاء الدولہ، جن کا تخلص کافی تھا، نے بڑی دیگ کی تاریخ کہی ہے جو درج ذیل ہے......

شاہِ دیں پرور و جمشید سریر خسروِ عہد محمد اکبر
ساخت بے شبہ پئے فتح چیتور دیگِ روئیں تن واژدر پیکر

بہرِ تاریخ وے از عالمِ غیب "دیگِ چیتور کشا شد یکسر"

۱۵۶۸ء

یہاں یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ احسن السیر میں مصرعۂ تاریخ کے نیچے ۹۷۴ھ لکھا ہے جبکہ مصرعے کے اعداد ۱۵۶۸ ہوتے ہیں۔ غالبًا یہ کاتب کی غلطی ہے۔ ۹۷۴ھ مطابق ۱۵۶۸ء ہے۔ (احسن السیر، ص: ۶۱ تا ۶۲)

چھوٹی دیگ

بلند دروازہ سے متصل جانب شرق جو دوسری دیگ ہے اسے چھوٹی دیگ کہا جاتا ہے جسے نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ نے ۱۰۲۲ھ میں بنوا کر بارگاہِ غریب نوازؒ میں پیش کی۔ بادشاہ نے خود تزکِ جہانگیری کے آٹھویں جشن میں لکھا ہے کہ اس دیگ کو اکبرآباد (آگرہ) سے تیار کرا کے روضۂ متبرکہ خواجہ بزرگ میں نیاز مند نے لاکر پیش کی اور اس میں طعام فقراء اور مساکین کے لئے پکوایا گیا۔ پانچ ہزار آدمی اس کھانے سے شکم سیر ہوئے۔ طعام سے فارغ ہونے کے بعد زرِ نقد وغیرہ بھی کھانے والوں کو دیا گیا۔ دیگ کی تاریخ درج ذیل مصرعہ سے نکلتی ہے......

"بدنیا باد دایم نعمتِ دیگِ جہانگیری"

۱۰۲۲ھ

زمانۂ دراز گزرنے کے بعد ان دیگوں میں سوراخ ہوگئے تھے۔ ملا مداری مدارالمہام ریاست گوالیار نے ۱۲۶۶ھ میں سیٹھ اکھے چند مہتہ کے اہتمام سے انھیں از سرِ نو بنوایا جس کی تاریخ جواہر علی پیرزادہ نے درج ذیل آخری مصرعہ میں نکالی ہے......

صرفِ زر ملا مداری کرد در تعمیرِ دیگ بادناش در جہاں روشن بہ مثلِ آفتاب
بخت در مہتہ اکھے چندش نمودہ اہتمام گفت ہاتف سالِ تاریخش "جہاں شد فیضیاب"

۱۲۶۶ھ

(احسن السیر، ص: ۶۲ تا ۶۳)

اکبری دیگ میں ۱۲۰ من (۴۸۰۰ کلو گرام) میٹھا زردہ بنتا ہے اور اسی طرح جہانگیری دیگ میں ۶۰ من (۲۴۰۰ کلو گرام) میٹھا زردہ بنتا ہے، جس میں زعفران اور خشک میوے ڈالے جاتے ہیں۔ زائرینِ خواجہ اور اجمیر کے باہر رہنے والے عقیدتمندانِ غریب نواز اپنی حیثیت و توفیق کے مطابق ان دیگوں کے لئے اپنے دعاگو (خادمِ خواجہ) کو نذرانے دیتے ہیں اور بھیجتے ہیں تاکہ ان نذرانوں کے ذریعہ دیگوں میں کھانا بنواکر تقسیم کیا جائے۔ واضح رہے کہ اکبری دیگ کو بڑی دیگ اور جہانگیری دیگ کو چھوٹی دیگ کہتے ہیں۔

نقار خانہ شاہجہانی

اس دروازے کو درگاہ شریف کی تاریخ لکھنے والے عہد شاہجہانی کی یادگار بتاتے ہیں اور اسی لئے یہ دروازہ نقار خانہ شاہجہانی کے نام سے مشہور ہے۔ البتہ باختلاف اقوال ۱۰۴۷ھ اور ۱۰۶۵ھ اس دروازے کی تعمیر کے دوسن کتابوں میں مرقوم ہیں لیکن خود یہ دروازہ اپنی زبان حال سے اس کا انکار کرتا ہے۔ اس لئے کہ شاہجہاں کے زمانہ کی کوئی عمارت اس وضع قطع اور ساخت کی نظر نہیں آتی۔

اس کے علاوہ رمضان ۹۸۲ھ مطابق دسمبر ۱۵۷۴ء میں فتح بنگال کے بعد اکبر بادشاہ نے اجمیر آکر دو نقارے درگاہ شریف کے نقار خانے میں داخل کئے تھے جیسا کہ عہدِ اکبری کی تاریخوں میں مرقوم ہے۔ ملا عبدالقادر بدایوانی لکھتے ہیں......

''یک جفت نقار خانہ داؤد کہ نذر نقار خانہ حضرت معینیہ قدس سرہٗ العزیز کردہ بودند گزرانیدند۔''

یعنی: نقارۂ داؤد کی ایک جوڑی درگاہ شریف کے نقار خانہ میں داخل کی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ درگاہ شریف کا نقار خانہ اس وقت بھی موجود تھا اور جو اس نقار خانہ کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا یہ نقار خانہ بھی بلند دروازہ یا اکبری مسجد دونوں میں سے کسی ایک عمارت کا ہمعصر معلوم ہوتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ عہد شاہجہانی میں اس کی درستی ہوئی ہے بہر حال اس دروازے کی شمال رو یہ محراب پر کلمہ طیبہ کی چپ دراست پہ یہ دو مصرعے کندہ ہیں۔

بعہدِ شاہجہاں بادشاہِ دیں پرور
زدودہ ظلمت کفر آفتاب دیں یکسر

یہ پوری عمارت بھی سنگ سرخ کی ہے لیکن اب چونہ کا پلاسٹر چڑھا ہوا ہے اور اس کی اصلیت چھپ گئی ہے۔

اس دروازے کے کواڑ لکڑی کے ہیں۔تیس چالیس سال ہوئے جب ان کواڑوں پر بمبئی کے کسی عقیدت مند تاجر نے چاندی کے پتر چڑھوادیے تھے۔

مسجد شاہجہانی

یہ مسجد دو ناموں سے مشہور ہے۔

(۱) مسجد شاہجہانی (۲) مسجد جامع

(۱) ۱۰۴۷ھ مطابق ۱۶۳۷ء میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔عہد شاہجہانی کے ملک الشعراء ابوطالب کلیم ہمدانی متوفی ۱۰۶۱ھ نے اس کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا اور اس مصرعہ سے تاریخ تعمیر نکالی......

۱...... کعبہ حاجاتِ دنیا مسجدِ شاہِ جہاں

بے بدل خاں نے اس مصرعہ میں تاریخ کہی......

۲...... قبلۂ اہل زماں شد مسجدِ شاہِ جہاں

خود مسجد کی محرابوں پر جو ۳۳ اشعار کندہ ہیں، ان کے اس آخر مصرعہ سے بھی تاریخ نکلتی ہے......

۳...... بنائے شہنشاہ روئے زمیں

مذکورہ بالا مصرعے کے اعداد ۱۰۴۷ ہوتے ہیں اور یہی سن مطلوب ہے۔ شاہجہاں اپنی تخت نشینی سے کئی سال پہلے اس مسجد کی تعمیر کا ارادہ دل میں رکھتے تھے جیسا

کہ مسجد کی محرابوں کے ان اشعار سے واضح ہوتا ہے۔

شنیدم ز خاصانِ فر خندہ قال — کہ پیشِ جلوسِ ابد اتصال
شہنشاہِ دیں پرور و دیں پناہ — فلک قدر شاہِ جہاں بادشاہ
پناہ امم صاحب تخت و تاج — کہ دا رد شریعت بعہدش رواج
پس از فتح رانا بصد عزو جاہ — بدولت در اجمیر زد بارگاہ
بطوفِ مزارِ حقائق شعار — معینِ جہاں خواجۂ روز گار
حقائق پناہ و معارف مآب — کہ دادش فلک قطب عالم خطاب
در آں روضۂ پاک مسجد نبود — دلش راتمنائے مسجد فزود
خدا وند را با خدا شد قرار — کہ مانداز و مسجدے روز گار

''تزک'' اور ''اقبال نامۂ جہانگیری'' میں لکھا ہے کہ شاہجہاں اودے پور رانا پر فتح پاکر ۲۰ رمحرم ۱۰۲۴ھ مطابق جنوری ۱۶۱۵ء کو بمقام اجمیر بادشاہ جہانگیر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ گویا اس مسجد کی تعمیر کا خیال ۱۰۲۴ھ میں پیدا ہوا اور بادشاہ ہونے کے بعد ہی جب شاہجہاں اجمیر آئے تو اس مسجد کی تعمیر کا حکم دیا۔ چنانچہ بادشاہ نامہ میں لکھا ہے......

''غربی سمت مرقدمتبرک فرا خور زمین مسجدے مشتمل بر یازدہ طاق بطول پنجاہ و پنج ذراع و عرض دہ طرح انداختندو طول صحن شصت گزو عرض چہار دہ گز قرار یافت و فرماں شد کہ بنا یان بالغ نظر و سنگ تراشانِ صنعت گر تمام آنرا از سنگ مر مر در کمال صفا و استحکام بسا زند۔''

یعنی ''(شاہجہاں نے) خواجۂ بزرگؒ کی قبر شریف سے جانب غرب کافی زمین پر گیارہ دروں کی ۵۵ رگز لمبی دس گز چوڑی ایک مسجد کی بنیاد رکھی اور ۶۰ رگز لمبا، ۱۴ رگز چوڑا صحن بنوانے کی نسبت طے کیا، شاہی حکم ہوا کہ بالغ نظر کاریگر اور واقفِ کار سنگ

تراش اس عمارت کو صفائی اور خوبی کے ساتھ تیار کریں۔"
مسجد کی محرابوں کے ان اشعار سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے......

چو بنشستہ بر تختِ شاہنشہی ز لطفِ الٰہی بفرماں دہی
کمر بست چست و قدم بر کشاد نہ از راہ و رسم از رو اعتقاد
بتوفیق حق گشت کارش بکام بنا کر دایں مسجد و شد تمام

اب اشعار کے مطالعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نو سال کے عرصہ میں یہ کام تکمیل کو پہنچا۔ صوفی عبدالرحمن چشتی عہدِ شاہجہانی کے ایک مصنف اپنی کتاب "مرآۃ الاسرار" میں مدت تعمیر چودہ سال لکھتے ہیں لیکن اس کی تائید کسی کتاب سے نہیں ہو سکتی۔ اس مسجد کا بالائی حصہ جو مسقف ہے، ایک سو اڑتالیس فٹ طویل پچیس فٹ عریض ہے۔ اس پر دوہرے گیارہ در بنے ہوئے ہیں۔ بیرونی کھلا ہوا صحن ایک سو چھپن فٹ طویل اور سو اتر پین فٹ عریض ہے۔ اس کے صحن کے شرق۔ جنوب اور شمال میں سنگ مرمر کا کٹہرا ہے جس کے تین شرق رویہ ایک جنوب رویہ اور ایک شمال رویہ جملہ پانچ دروازے ہیں۔ جہاں آرا بیگم بنت شاہجہاں اپنی کتاب "مونس الارواح" میں ۱۷ر شعبان ۱۰۵۳ھ سے ۷ر رمضان ۱۰۵۳ھ تک اپنے قیام اجمیر کا حال بتاتے ہوئے لکھتی ہیں......

"در مسجد سنگ مر مر کہ بصرف دو لک چھل ہزر روپیہ پدر بزرگوار حق شناس ایں ذخیرہ راست کردہ اند رفتہ نماز ادا کر دو باز در گنبد مبارک نشستہ سورہ یٰسین و فاتحہ بروح پر فتوح خواندم۔"

یعنی "سنگ مرمر کی مسجد جو اس فقیر کے بزرگ باپ نے دو لاکھ چالیس ہزار روپیہ صرف کر کے تیار کرائی، اس میں جا کر نماز ادا کی۔ پھر گنبد شریف میں بیٹھ کر سورہ یٰسین پڑھی اور حضرت خواجہؒ بزرگ کی روح پر فتوح کو ایصالِ ثواب کیا۔

(۲) اس مسجد کا نام "جامع مسجد" اس لئے ہے کہ اجمیر شریف میں جمعہ کی سب

سے بڑی نماز اسی مسجد میں ہوتی ہے۔

مجر حور النساء

یہ مقبرہ حور النساء بیگم کا ہے جو شاہجہاں کی بیٹی تھی۔ ''تزک جہانگیری'' میں ۲۹ر جمادی الاوّل ۱۰۲۵ھ روز چہار شنبہ اور ''بادشاہ نامہ'' میں ۲۴ر ربیع الثانی ۱۰۲۵ھ تاریخ وفات درج ہے۔ جبکہ بادشاہ جہانگیر اجمیر شریف میں مقیم تھے۔ جہانگیر کو اپنی اس پوتی کے انتقال کا بڑا صدمہ ہوا۔ چنانچہ ''تزک جہانگیری'' میں اس حکم کا ذکر موجود ہے کہ آئندہ تمام لوگ چہار شنبہ کو کم شنبہ لکھا کریں اور یہ حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ چہار شنبہ کو ''حور النساء'' نے وفات پائی تھی۔ اس مجر میں حور النساء کی قبر ہے اور اس کے دروازہ کو تیغہ کر دیا گیا ہے۔ البتہ جالیاں کھلی ہوئی ہیں (یہ شاہزادی بتاریخ ۸ر صفر ۱۰۲۲ھ آگرہ میں پیدا ہوئی تھی۔)

ایسا معلوم ہوتا ہے یہ مقبرہ اور گنبد شریف کے جنوب وغرب میں سنگ مرمر کی جالی دار جو دیواریں کھڑی ہیں وہ یا تو اسی وقت عہدِ جانگیری میں تعمیر ہوئی ہیں، نہیں تو مسجد شاہجہانی کی تعمیر کے ساتھ یا کچھ بعد میں یہ عمارات عالم وجود میں آئی ہیں۔

بیگمی دالان

اس عمارت کا نام ہی اس کا اعلان ہے کہ جہاں آرا بیگم نے اس کو تعمیر کرایا ہے اور شکل وصورت سے بھی شاہجہانی عہد کی عمارت معلوم ہوتی ہے۔

۱۰۵۳ھ اس کا سنِ تعمیر بتایا جاتا ہے لیکن تعجب ہے کہ ''مونس الارواح'' خاموش ہے۔ حالانکہ جہاں آرا بیگم نے شاہجہانی مسجد کے مصارف تعمیر کا ذکر کیا ہے۔ مسٹر ہر بلاس ساردا لکھتے ہیں کہ اس دالان کا صحن سنگ مرمر کا ہے جس میں جیسلمیر کے پچھیل اور ہابور قسم کے پتھر لگے ہوئے ہیں۔ اس دالان کی چھت اور دیواروں پر سنہری کام نواب مشتاق علی خاں نواب رام پور کی یادگار ہے۔

آرکاٹ کا دالان

گنبد شریف سے جنوب کی طرف شمال رویہ بلند و بالا مرمریں دالان ہے نواب والا جاہ رئیس کرناٹک نے ماہ رجب ۱۲۰۷ھ میں اس کو تعمیر کرایا ہے۔
نواب موصوف کو شاہ عالم فرماں روائے دہلی نے امیر الہند کا خطاب دیا تھا۔

سال تاریخش بجو در ایں دعاء   باد دائم قائم ایں فرخ بنا
از جلوس شاہ پنج و سی طلب   شد مرتب در مہِ پاک رجب

نظام گیٹ

بتاریخ ۱۷؍ ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۶؍ اکتوبر ۱۹۱۲ء شہر یار دکن و برار جب نہضت افزائے اجمیر ہوئے تو اسی مرتبہ اس دروازہ کی تعمیر کا حکم دیا۔
ذوالحجہ ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۳؍ نومبر ۱۹۱۳ء کو جب سواری شاہانہ دوسری بار پھر رونق افروز اجمیر ہوئی تو یہ دروازہ نصف حد تک تعمیر ہو چکا تھا۔ کامل دو سال میں تعمیر مکمل ہوئی۔ اس زمانے میں جامع مسجد اور گنبد شریف کے اندرونی حصہ کی مرمت، سنگِ مرمر کی اگر دانی اور دو مرمریں چراغدانوں کی تعمیر ہوئی اور درگاہ شریف کے دونوں جھالروں کو ایک کر دیا گیا اور اس کے مصارف بھی نواب عثمان علی خاں نے ادا کئے اور کل ۴۲؍ ہزار روپیہ کلدار صرف ہوئے۔ اس دروازے کی بلندی ۷۰ فٹ اور چوڑائی ۴۶؍ فٹ ہے۔ یہی درگاہ کا صدر دروازہ ہے۔

مقبرہ شاہ قلی

یہ مقبرہ بھی تمام تر سنگ مرمر کا ہے۔ عہد اکبری میں شاہ قلی خاں اجمیر کے صوبہ دار تھے۔ درگاہ شریف میں دفن ہونے کے خیال سے اپنی زندگی میں یہ مقبرہ تعمیر کرایا لیکن ۱۰۰۸ھ میں بمقام اکبرآباد (آگرہ) وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ اب اس مقبرہ میں کچھ قبور ہیں لیکن شاہ قلی کی قبر تاہنوز خالی بتائی جاتی ہے۔

محفل خانہ

یہ محفل خانہ جس کا دوسرا نام سماع خانہ ہے نواب بشیر الدولہ آسمان جاہ (مدار المہام دولت آصفیہ) امیر پائیگاہ نے اپنے فرزند رشید (نواب معین الدولہ) کی تقریب ولادت میں بنوایا ہے۔ اس کی تعمیر ۱۳۰۶ھ میں شروع ہوئی اور ۱۳۰۹ھ میں تمام ہوئی۔ "محفل خانہ سر آسمان جاہ دکن" کے اعداد سے اس کی تاریخِ تعمیر ۱۳۰۹ھ نکلتی ہے۔ یہ عمارت ۴۵ فٹ طویل اور اسی قدر عریض ہے۔ میر کاظم علی کمشنر بلدیہ سرکار عالی اور میر حسین علی داروغہ ملّہ مسجد کے اہتمام سے اس زمانے کے مبلغ (۸۰) اسّی ہزار روپیہ میں یہ سماع خانہ تعمیر ہوا تھا۔

حوض کوئن میری

محفل خانہ کے سامنے ایک حوض ہے جو کوئن میری کی ہندوستان میں آمد کی یادگار ہے۔

دالان حاجی سید وزیر علی صاحب خادم خواجہ

آپ نے درگاہ شریف میں ایک بڑا دالان بنایا ہے جو روضۂ مبارک کے سامنے ہے جسے وارثی دالان بھی کہتے ہیں۔

دالان حاجی سید عبدالحمید صاحب خادمِ خواجہ

یہ دالان احاطۂ نور کی پشت پر روضۂ مقدسہ کے سامنے ہے۔

مالوہ والوں کا دالان

ارکاٹ کے دالان سے متصل مشرق کی جانب ایک دوسرا دالان زائرین کے

لئے بنایا گیا ہے۔ اس دالان کا اگلا حصہ غریب نوازؒ کے ایک خادم نے بنوایا اور اندرونی سہ دری ملیار گڑھ کے جاگیردار وارث محمد خاں نے بنوائی۔

سبیل مہاراجہ سرکشن پرشاد شادؔ

مقبرہ شاہ قلی سے متصل یہ سبیل مہاراجہ سرکشن پرشاد شادؔ رئیس و وزیرِ اعظم حیدر آباد دکن کی یادگار ہے جو انھوں نے اپنے صاحبزادے کو گویائی مل جانے کی خوشی میں اپنی منت پوری کرتے ہوئے بنوائی تھی۔ اب اس کی جگہ ایک نئی سبیل تعمیر کر دی گئی ہے۔

جھالرہ

مذکورہ بالا دالان کے نیچے جنوب کی طرف ایک گہری باؤلی ہے جو جھالرہ کے نام سے مشہور ہے جسے شاہجہاں بادشاہ نے بنوایا ہے۔ (احسن السیر، ص: ۵۴ تا ۵۵)

مزارِ حضرت خواجہ ضیاء الدین ابو سعید ابنِ خواجہ غریب نوازؒ

گنبدِ مبارک کے جنوب میں ارکاٹ کے دالان سے متصل جانب غرب حضور غریب نوازؒ کے صاحبزادے حضرت خواجہ ضیاء الدین ابو سعید کا مزار ہے۔ اس مقام کو شاہی گھاٹ بھی کہتے ہیں۔

احاطۂ چار یار

جامع مسجد کے غرب میں یہ مقام احاطۂ چار یار کے نام سے مشہور ہے۔ اس احاطہ کے اندر بہت سے بزرگانِ دین کے مزارات ہیں۔ چار مقبرے چار دیواری کے اندر ان بزرگوں کے ہیں جو حضور غریب نواز کے ہمراہ آئے تھے۔

(احسن السیر، ص: ۵۵ تا ۵۶)

ان بزرگوں کے علاوہ اس احاطہ میں بہت سے متولی صاحبان، خادمانِ غریب نواز اور دیگر بزرگوں کے مزارات ہیں۔

لنگر خانہ

اس لنگر خانہ میں شمال رویہ ایک وسیع دالان بنا ہوا ہے جس کے در میں دو آہنی کڑھاؤ چڑھے رہتے ہیں جن میں روزانہ صبح وشام ڈھائی من جو کا لنگر پکتا ہے جو فقراء اور مساکین میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس لنگر سے کئی ہزار غریبوں اور فقراء و مساکین کا گزارا ہوتا ہے۔ معالج اپنے مریضوں کو حضور غریب نوازؒ کا لنگر دورانِ علاج غذا اور دوا کے طور پر استعمال کرنے کو کہتے ہیں۔ سائیں شاہ سردار صاحب نے ایک قصیدہ لنگر کی تعریف میں کہا ہے جس کے دو شعر درج کیے جاتے ہیں......

لنگرِ خواجۂ غریب نواز عاشقوں کے لئے ہے شیرِ جاں
پی لیا جب تو پھر نہیں معلوم کہ سخی ہے کدھر بخیل کہاں

مزار سقہ

اولیاء مسجد سے جانب شرق سنگِ مرمر کے ایک جالی دار کٹہرے میں سنگِ مرمر ہی کا ایک منقش مزار ہے۔ سرہانے کتبہ بھی لگا ہوا ہے۔ شاہانِ مغلیہ کے دور میں اس مزار پر زریں شامیانہ لگا رہتا تھا۔ نظام سقہ نے بادشاہ ہمایوں کو اس وقت ڈوبنے سے بچایا تھا جب وہ شیر شاہ سوری کے مقابلہ میں شکست کھا کر بھاگا تھا اور دریائے جمنا کو عبور کرتے وقت اس کا گھوڑا ڈوب گیا تھا اور ہمایوں بیہوش ہو گیا تھا۔ جب ہمایوں کو ہوش آیا تو بادشاہ نے اس کا نام پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ میرا نام نظام ہے۔ پھر بادشاہ نے کہا۔ ''مانگ کیا مانگتا ہے؟'' نظام سقہ نے جواب دیا کہ جب حضور آگرہ پہنچیں تو آدھے دن کے لئے مجھے بادشاہ بنا دیں۔ بادشاہ نے مسکرا کر یہ بات منظور کر لی اور نظام کو سلطانِ نیم روز بنا دیا۔ ارا کینِ سلطنت ہمایوں کے حکم کے مطابق اس کے مطیع ہوئے اور اس نے جو حکم دیا فوراً اس کی تعمیل ہوئی۔ اس کی نیم روزہ سلطنت کی یہ بات آج تک مشہور ہے کہ اس نے مشک کاٹ کر چام کے دام چلائے تھے۔

(احسن السیر، ص: ۵۶ تا ۵۷)

حضرت بابا فرید کا چلہ

مسجد صندل خانہ کے عقب میں ایک حجرہ ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ نے چلہ کشی کی ہے۔ (احسن السیر، ص:۴۹)

صاحبزادہ حاجی سید افتخار علی مرحوم خادم خواجہ نے ۱۹۸۰ء میں زائرین کی سہولت کے لئے اس مقام کی جدید تعمیر کرائی۔ بعد ازاں ان کے صاحبزادے حاجی سید فضل الکریم خادم خواجہ نے ۲۰۰۴ء میں اندرونی حصہ کی مزید تعمیر کرائی۔ زائرین کی کثیر تعداد کو دیکھتے ہوئے اب یہ حجرہ ۴؍محرم الحرام سے ۷۲ گھنٹے کے لئے کھولا جاتا ہے۔ چلہ گاہ پر درج ذیل اشعار کندہ ہیں۔

کعبۂ عشاق باشد ایں مقام　　ہر کہ ناقص آمد ایں جا شد تمام

برزمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود　　سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

جنّتی دروازہ

یہ گنبدِ شریف سے جانبِ غرب واقع ہے۔اس پر چاندی کے کواڑ چڑھے ہوئے ہیں۔ یہ سال میں چار مرتبہ کھولا جاتا ہے۔

۱۔ عیدالفطر
۲۔ عیدالاضحیٰ
۳۔ ۲۹؍جمادی الثانی سے ۶؍رجب المرجب تک
۴۔ حضور خواجہ غریب نوازؒ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ کے عرس کے موقع پر ۶؍شوال المکرم کو صبح کی خدمت کے بعد کھولا جاتا ہے اور اسی تاریخ کو سہ پہر کی صندل مالی کے وقت بند کردیا جاتا ہے۔اس دروازے کی کنجی بھی یومیہ باریدار (کلید بردار) کے پاس رہا کرتی ہے۔ (ہمارے خواجہ، ص:۷۲تا۷۳)

○○

فہرستِ منابع و مراجع

(ببلیوگرافی)

الف

آتش کدہ: لطف علی بیگ آذر بیگ دلی از انتشارات موسسہ نشر کتاب چاپ افست علی علمی تہران، ایران

آثار الصنادید: از سرسید احمد خاں سید الاخبار پریس دہلی ۱۸۴۷ء

آئینۂ ملفوظات: علامہ اخلاق حسین دہلوی ناشر کتب خانہ انجمن ترقی اردو، جامع مسجد دہلی

آبِ کوثر: شیخ محمد اکرام مطبوعہ زمان آفسیٹ پریس دہلی، ناشر ادبی دنیا، دہلی

ابن تیمیہ بطل الاصلاح الدینی: محمد مہدی استانبولی مطبوعہ دمشق

ابوداؤد شریف: ابوداؤد سلیمان بجستانی متوفی ۲۷۵ھ مطبع مجتبائی دہلی

احسن السیر: محمد اکبر جہان شگفتہ مطبع مفید عام آگرہ ۱۳۰۰ھ

احسن الوعا لآداب الدعا: از علامہ تقی علی خاں علیہ الرحمۃ والد ماجد مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی

احقاق السماع: مولانا عبدالباری فرنگی محلی

احکام شریعت: از امام اہل سنت علامہ فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ

احوال الائمۃ اثنی عشر خلاصۂ اولاد سید البشر: از شاہ عبدالحق محدث دہلوی مخلوطہ، مخزونہ کتب خانہ بانکی پور (پٹنہ) شمارہ ۱۷۳۶ء

احیاء علوم الدین: امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ، مطبوعہ عثمانیہ مصر ۱۳۵۲ھ

احیاء العلوم: جلد: ۲ اردو ترجمہ مولانا فیض احمد اویسی مکتبہ رضویہ دہلی
اخبار الاخیار: فارسی شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ھ
اخبار الاخیار: شیخ عبدالحق محدث دہلوی اردو ترجمہ مولانا سبحان محمود و مولانا محمد فاضل، ناشر: فرید بک ڈپو، ٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔۶
اذکار ابرار: اردو ترجمہ گلزار ابرار: از فضل احمد جیوری، شائع کردہ اسلامک فاؤنڈیشن لاہور
اربعین فی اصول الدین: علامہ فخر الدین رازی
افضل الفواد فارسی: ملفوظات نظام الدین اولیاء مرتبہ امیر خسرو، رضوی پریس دہلی ۱۳۰۵ھ
انفاس العارفین: مصنفہ شاہ ولی اللہ، اردو ترجمہ از: محمد فاروق القادری ایم اے اسپریچول پبلی کیشنز نئی دہلی ۲۰۰۶ء
ارشاد الحق: مولانا سید امیر مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی
ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مطبع صدیقی بریلی ۱۲۸۶ھ
استجلاب ارتقاء الغرف بحب اقرباء الرسول و ذوی الشرف: از علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن متوفی ۸۳۱ھ، بیروت، لبنان، دار المدینہ ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء
اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ: علامہ ابن اثیر جزری متوفی ۶۳۰ھ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان
اسرار الاولیا فارسی ملفوظات حضرت بابا فرید گنج شکرؒ: مرتبہ بدر الدین اسحاق، نولکشور پریس لکھنؤ
اسعاف الراغبین: از علامہ محمد بن علی الصبان مصری متوفی ۱۲۰۶ھ/۱۷۹۱ء
اسلام کا سرچشمۂ قوت: از سید ابوالاعلیٰ مودودی، شائع کردہ ایوانِ ادب، چوک اردو بازار لاہور پاکستان
اسناد الصنادید: از مولانا عبدالباری معنی اجمیری
اشعۃ اللمعات: (فارسی) شرح مشکوٰۃ، سالِ تصنیف ۱۰۱۹ تا ۱۰۲۵ھ، شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ مطبوعہ نولکشور پریس ۱۹۰۷ء
اصح التواریخ: (دو جلد) مولانا محمد میاں مارہروی مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۴۳ھ
اقبال نامہ جہانگیری فارسی: از معتمد خاں مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۲۸۶ھ

اقتباس الانوار فارسی : شیخ محمد اکرم قدوسی ، (سال تصنیف ۱۱۳۰ھ) مطبع اسلامیہ لاہور ۱۸۹۵ء،
اقتباس الانوار : اردو ترجمہ کیپٹن واحد بخش سیال چشتی صابری طبع اول ۲۰۰۴ء ناشر فرید بک ڈپو دہلی
اکبر نامہ : جلد دوم فارسی علامہ ابوالفضل مطبوعہ نولکشور لکھنؤ، ۱۸۸۱ء
اکبر نامہ :جلد سوم علامہ ابوالفضل ،مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء
الرسالۃ فی بیانِ قولِ قدمی ھذہ علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ: شیخ عبدالحق محدث دہلوی ، مخطوطہ مملوکہ رضا لائبریری ، رامپور
الادب المفرد : ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ المعروف بہ امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ بیروت، لبنان، دارالبشائر الاسلامیہ ۱۴۰۹ھ
الدرالمنثور فی التفسیر بالماثور: علامہ جلال الدین سیوطی، مطبوعہ میمنیہ مصر ۱۳۱۴ھ
الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب : ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد متوفی ۴۶۳ھ المعروف بہ ابنِ عبدالبر، بیروت لبنان دارالجیل ۱۴۱۲ھ
الاصابہ فی تمییز الصحابہ: علامہ ابنِ حجر عسقلانی ، بیروت، لبنان، دارالجیل ۱۴۱۲ھ
،البحر الرائق شرح کنز الدقائق: ابنِ نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ، مطبع علمیہ، مصر، ۱۳۱۱ھ
البدایہ والنہایہ: علامہ ابنِ کثیر بیروت، لبنان، دارالفکر ۱۴۱۹ھ
البریلویہ : احسان الٰہی ظہیر طبع سعودی عرب
الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر: از علامہ سیوطی، بیروت، لبنان، دارالکتب العلمیہ
اہلِ سنت کی آواز : جلد ۱۵، خصوصی شمارہ گوشۂ خواجہ غریب نوازؒ ناشر خانقاہِ برکاتیہ بڑے سرکار مارہرہ، ۲۰۰۸ء
ایضاح الدلالات فی سماع الآلات : شیخ عبدالغنی بن اسمٰعیل بن احمد بن ابراہیم نابلسی دمشقی حنفی نقشبندی قادری متوفی ۱۱۴۱ھ مخزونہ کتب خانہ شاہ ابوالخیر اکاڈمی، دہلی
التفہیمات الالٰہیہ : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اکیڈمی شاہ ولی اللہ، حیدرآباد سندھ پاکستان ۱۳۸۷ھ
التفسیر الحدیث : معاصر مفسر محمد عزۃ دروزہ، جلد ۸

الروض الزاھر فی مناقب الشیخ عبدالقادر : علامہ ابوالعباس احمد قسطلانی ، متوفی ۹۲۳ھ صاحب
مواھب اللدنیہ وشارح بخاری
السیف المسلول : قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب تفسیر مظہری مطبوعہ دہلی ۱۲۶۸ھ
الاشارات : علامہ ابوعلی المعروف بہ شیخ الرئیس ابن سینا مطبوعہ ایران
الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ : ابوالعباس احمد بن محمد المعروف بہ محب طبری شافعی متوفی
۶۹۴ء بیروت ، لبنان ، دارالکتب العلمیہ ۱۴۰۵ھ
العقیدہ العلویہ المبارکہ او تاریخ شعری لصدر الاسلام : عبدالمسیح حلبی انطا کی مطبوعہ مصر
القول الجلی فارسی : ملفوظات حضرت شاہ ولی اللہ ، مرتبہ مولوی عاشق الٰہی پھلتی متوفی ۱۱۷۶ھ
ناشر شاہ ابوالخیر اکیڈمی دہلی ، ۱۴۱۰ھ/۱۹۸۹ء
القول الجلی : اردو ترجمہ از : مولوی تقی انور علوی ، ناشر تکیہ خانقاہ قلندریہ کاکوریہ ، بہ امداد مالی
فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی لکھنؤ ، ۱۹۸۸ء
القول الجلی : (اردو ترجمہ) مقدمہ اور اختتامیہ : از حضرت شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی ،
فاضل جامعہ ازہر ، مصر ۱۴۱۰ھ/۱۹۸۹ء ، ناشر شاہ ابوالخیر اکیڈمی دہلی
القول المستحسن فی شرح فخر الحسن (عربی) : مولانا احسن الزماں حیدرآبادی (مطبوعہ)
الکامل فی التاریخ مشہور بہ تاریخ کامل : علامہ ابن اثیر متوفی ۶۰۶ھ بیروت ، لبنان ، دار صادر ،
۱۳۹۹ھ
المستدرک علی الصحیحین : جلد : ۲ ، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد نیشاپوری المعروف بہ امام حاکم
متوفی ۴۰۵ھ دارالباز للنشر والتوزیع ، مکہ مکرمہ ، سعودی عرب
المستدرک : جلد : ۳ ، حاکم ابوعبداللہ محمد نیشاپوری دائرۃ المعارف ، حیدرآباد ۱۳۳۴ھ
المسند امام احمد بن حنبل : متوفی ۲۴۱ھ بیروت ، لبنان ، المکتب الاسلامی ۱۳۹۸ھ
المعجم الکبیر : سلیمان بن احمد المعروف بہ امام طبرانی متوفی ۳۶۰ھ قاہرہ ، مصر ، مکتبہ ابن تیمیہ
الموطا : امام مالک (ابن انس بن مالک اصبحی ، متوفی ۱۷۹ھ بیروت لبنان ، دار احیاء التراث
العربی ۱۴۰۶
الیواقیت والجواہر : از علامہ شیخ عبدالوہاب شعرانی شافعی متوفی ۹۷۳ھ مصر ، مصطفیٰ البابی الحلبی ،
۱۳۵۱ھ

امدادالفتاویٰ: از مولوی اشرف علی تھانوی
انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ: فارسی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مطبع احمدی ۱۳۱۱ھ
انتخاب الترغیب والترھیب جلد اول، امام زکی الدین المنذری (عبدالعظیم بن عبدالقوی متوفی ۶۵۶ھ) بیروت، لبنان، دارالکتب العلمیہ ۱۴۱۷ھ
اندراوتی (ہندی مثنوی): نور محمد
انوارالعارفین: از حافظ محمد حسین مرادآبادی، مطبع صدیقی بریلی، ۱۲۹۰ھ
انوارالعاشقین: از مشتاق احمد انبیٹھوی حیدرآباد ۱۳۳۲ھ
انوارالعیون ملفوظات شیخ عبدالحق ردولوی: مرتبہ عبدالقدوس گنگوہی احسن المطابع علی گڑھ، ۱۹۰۵ء
اودھ ویکلی نوٹس: ۴ و ۶
اولیاء اللہ و اولیاء الشیطان: از: مولانا ابوالکلام آزاد، طبع ثانی ۱۹۳۹ء لاہور
اولیاء اللہ از: خواجہ عابد نظامی، ناشران و تاجران کتب، اردو بازار لاہور
اولیائے کرام کی نذر و نیاز: محمد محبوب علی خاں حنفی قادری برکاتی رضوی مجددی لکھنوی
ایضاح لطافۃ المقال: از علامہ رشیدالدین خاں دہلوی

ب

برہان المآثر: از سید علی طباطبا حیدرآباد ۱۳۵۵ھ
بہجۃ الاسرار و معدن الانوار: (عربی) حالات و ملفوظات شیخ عبدالقادر جیلانی مرتبہ علامہ نورالدین علی شطنوفی، ساتویں صدی ہجری قاہرہ ۱۳۰۱ھ
بہجۃ الاسرار: (اردو ترجمہ) از حافظ احمد علی شاہ لاہوری، بامقدمہ علامہ ارشدالقادری علیہ الرحمۃ، ۱۸؍فروری ۱۹۹۱ء، مملوکہ سید وارث حسین چشتی (علیگ) ناشر مکتبہ جام نور دہلی
براہین ساباطیہ: از علامہ جواد ساباطی
بادشاہ نامہ: از ملا عبدالحمید لاہوری عہد شاہ جہانی، متوفی ۱۰۶۵ھ مطبوعہ کالج پریس کلکتہ ۱۸۶۷ء
بیاض احمدی از حضرت شاہ آل احمد اچھے میاں مارہروی
بزم صوفیہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن ناشر دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ

پ

پنجاب میں اردو: حافظ محمود خاں شیرانی، طبع لاہور بار دوم

پیغمبرانِ سخن: علی سردار جعفری

ت

تاریخ ابنِ خلدون، عبدالرحمٰن ابنِ خلدون متوفی ۸۰۸ھ، ازہر، مصر، المطبعۃ المصریۃ المصریۃ

تاریخ الاسلام: از علامہ ذہبی شمس الدین محمد بن احمد متوفی ۷۴۸ھ بیروت لبنان دارالکتاب العربی ۱۴۰۷ھ

تاریخ آل امجاد فارسی از مولانا ابوالفیض محمد عباس شروانی مطبع انصاری واقع دہلی ۱۳۱۲ھ

تاریخ ابوالفدا، (المختصر فی اخبار البشر) ملک المؤید اسماعیل ابوالفدا، متوفی ۷۳۲ھ، طبع مصر ۱۳۲۵ھ

تاریخِ دعوت و عزیمت جلد ۳، مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی چھٹا ایڈیشن مجلسِ تحقیقات و نشریات اسلام، ندوۃ العلماء لکھنؤ ۱۴۱۶ھ، مملوکہ سید وارث حسین چشتی (علیگ)

تاریخ فرشتہ فارسی از محمد قاسم فرشتہ، نولکشور لکھنؤ ۱۲۸۴ھ۔

تاریخ فرشتہ: اردو ترجمہ از: عبدالحیٔ خواجہ، مکتبۂ ملت دیوبند، ۱۹۸۳ء

تاریخ مشائخ چشت: پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم مطبوعہ اشوکا پریس ۱۹۵۳ء ناشر ندوۃ المصنفین اردو بازار دہلی

تاریخ مشائخ چشت: پروفیسر خلیق احمد نظامی، ناشر ادارۂ ادبیات دہلی ۱۹۸۰ء

تاریخ مشائخ چشت: مولوی محمد زکریا شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور سال طباعت ۱۳۹۳ھ

تاریخ السلف: مولانا عبدالباری معنی اجمیری، با مقدمہ سید سلیمان ندوی، ۱۳۴۴ھ

تاریخ طبری: (تاریخ الرسل والملوک) ابوجعفر محمد بن جریر الطبری، متوفی ۳۱۰ھ، مطابع دارالمعارف، مصر ۱۹۶۰ء

تاریخ ہند: از مولوی ذکاء اللہ جلد ۹، مطبع علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ ۱۹۱۷ء

تاریخ فیروز شاہی مصنفہ ضیاء الدین، مرتبہ سر سید احمد خاں ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، ۱۸۶۲ء

تاریخ الخلفاء: (عربی) از علامہ جلال الدین سیوطی بغداد، عراق مکتبۃ الشرق الجدید

تاریخ المو الید: از علامہ شیخ عبداللہ بن احمد خشاب

تاریخ الخمیس: حسین بن محمد بن حسن المعروف بہ دیار بکری بیروت، لبنان موسستہ الشعبان، للنشر والتوزیع
تصوف اور شریعت: تالیف ڈاکٹر عبدالحق انصاری مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی ۲۰۰۴ء
تجدید واحیاء دین ابوالاعلیٰ مودودی دہلی طبع مکرر ۱۹۷۸ء
تحفۂ اثنا عشریہ: فارسی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی طبع کراچی
تحقیق الحق المبین فی مسئلۃ اجوبۃ مسائل اربعین شاہ احمد سعید مجددی مطبع مجتبائی
تذکرہ علمائے ہند: (فارسی) از مولانا رحمٰن علی: اردو ترجمہ از محمد ایوب قادری شائع کردہ پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی کراچی بار اول ۱۹۶۱ء
ترجمۂ اردو مع حواشی قرآن شریف از شیخ الہند مولوی محمود حسن و مولوی شبیر احمد عثمانی
ترجمان القرآن: جلد اول اشاعت پنجم: ساہتیہ اکادمی ۱۹۹۶ء
ترمذی (جامع): ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ مکتبہ رحیمیہ دیوبند
ترمذی شریف (الجامع الصحیح): ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ بیروت، لبنان، دارالعرب الاسلامی ۱۹۹۸ء
تزک جہانگیری فارسی: تصنیف نورالدین سلیم جہانگیر بادشاہ مطبع نولکشور لکھنؤ
تذکرۂ خواجگانِ چشت گجرات: حصہ اول از سید فضل المتین اجمیری، طبع اول ۲۰۰۴ء
تذکرۃ الاولیا فارسی: شیخ فریدالدین عطار علیہ الرحمہ تقدیم محمد بن عبدالوہاب قزوینی، تہران ۱۳۳۱ھ
تذکرۃ الاولیا فارسی: شیخ فریدالدین عطار علیہ الرحمہ، مطبع محمدی لاہور ۱۳۰۶ھ
تذکرہ حاجی رفیع الدین مرادآبادی، ص:۲۷۶
تذکرہ علمائے فرنگی محل: مولوی محمد عنایت اللہ انصاری فرنگی محلی مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۴۹ھ ۱۹۳۰ء
تذکرہ حضرت سید صاحب بانسوی: از مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی لکھنوی آفسیٹ پریس گورکھپور ۱۹۸۶ء
تذکرہ خواص من الامہ فی مناقب الائمہ: از علامہ شمس الدین یوسف بن قزغلی المعروف بہ سبط ابنِ جوزی، متوفی ۶۵۶ھ، مطبوعہ ایران
تذکرۃ المعین: صاحبزادہ سید زین العابدین اجمیری مرحوم مطبع معینیہ اجمیر ۱۳۲۳ھ

تذکرہ اولیائے پاک و ہند کلاں: مرزا محمد اختر دہلوی دانش پبلشنگ کمپنی دریا گنج نئی دہلی ۲۰۰۰ء
تذکرہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی: از ڈاکٹر بصیر احمد خان کتاب بھون دہلی
تشریف البشر بذکر الائمۃ الاثنی عشر: نواب سید صدیق حسن خاں، طبع ۱۳۰۰ھ، مطبع بھوپال
تصوف، رسم اور حقیقت: خواجہ حسن ثانی نظامی دوسرا ایڈیشن نومبر ۲۰۰۴ء مطبوعہ پرنٹ سینٹر دریا گنج نئی دہلی
تفسیر ابن عربی ابوبکر محی الدین المعروف بہ شیخ اکبر ابنِ عربی: متوفی ۶۳۸ھ (صاحب فتوحات مکیہ)
تفسیر احمدی: از حضرت علامہ احمد عرف ملا جیون استاد اورنگ زیب بادشاہ
تفسیر روح البیان: علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ پاکستان ۱۴۰۵ھ
تفسیر الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل: علامہ جار اللہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۳۷۳ھ
تفسیر التسہیل لعلوم التنزیل عربی: علامہ امام ابوالقاسم محمد بن احمد بن جزی الکلبی الغرناطی
تفسیر فتح البیان فی مقاصد القرآن: جلد: ۱، نواب سید صدیق حسن خاں مطبع میریہ بولاق مصر ۱۳۰۱ھ
تفسیر الغرائب القرآن ورغائب الفرقان: علامہ نظام الدین حسن بن محمد نیشاپوری شافعی
تفسیر الجامع الاحکام القرآن: از امام ابوعبداللہ محمد انصاری قرطبی متوفی ۳۸۰ھ مطبوعہ دار الکتب مصر ۱۳۸۷ھ
تفسیر روح المعانی: از علامہ سید محمد الوسی بغدادی متوفی ۱۲۷۰ھ میریہ بولاق مصر ۱۳۰۱ھ
تفسیر انوار التنزیل و اسرار التاویل: قاضی ناصر الدین ابوسعید عبداللہ المعروف بہ بیضاوی مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۲۶ھ
تفسیر صاوی حاشیہ علی تفسیر جلالین: علامہ احمد بن محمد خلوتی مالکی متوفی ۱۲۴۱ھ بیروت لبنان دار الفکر ۱۴۱۹ھ
تفسیر السراج المنیر: علامہ شیخ محمد الخطیب شربینی فقیہ الشافعی علیہ الرحمۃ
تفسیر جلالین: علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، بیروت لبنان دار ابن کثیر ۱۴۱۹ھ

تفسیر القرآن العظیم : ابوالفداء اسماعیل بن عمر متوفی ۷۷۴ھ معروف بہ ابن کثیر مطبع کبریٰ مصر ۱۳۵۶ھ
تفسیر النسفی بہامش تفسیر خازن: علامہ ابوالبرکات المعروف بہ نسفی مطبوعہ مصر
تفسیر فتح المنان المشہور بہ تفسیر حقانی : جلد ۳ مولانا عبدالحق حقانی دہلوی مطبوعہ دہلی، دارالاشاعت تفسیر حقانی، ۱۳۱۶ھ
تفسیر لباب التاویل فی معانی التنزیل، علی بن محمد بن ابراہیم المعروف بہ خازن متوفی ۷۴۱ھ البیروت لبنان دارالمعرفہ
تفسیر فتح العزیز: شاہ عبدالعزیز دہلوی فارسی مطبوعہ مطبع مجتبائی ۱۳۴۸ھ۔
تفسیر فتح العزیز: اردو ترجمہ از: محمد حسن خاں، مطبع مصطفائی لکھنؤ، ۱۳۶۱ھ
تفسیر معالم التنزیل: ابومحمد حسین بن مسعود بن محمد المعروف بہ علامہ بغوی متوفی ۵۱۶ھ، بیروت، لبنان، دارالمعرفہ ۱۴۰۷ھ
تفسیر کبیر (مفاتیح الغیب) : محمد بن عمر بن حسن بن حسین بن علی تیمی المعروف بہ فخر رازی متوفی ۶۰۶ھ دارالکتب العلمیہ تہران، ایران
تکمیل الایمان : فارسی، شاہ عبدالحق محدث دہلوی مطبع انوار محمدی لکھنؤ ۱۲۹۷ھ
تکملۂ سیر الاولیاء : از خواجہ گل محمد احمد پوری مطبع رضوی دہلی ۱۳۱۲ھ
تلبیس ابلیس : (عربی) علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن المعروف بہ ابن جوزی، متوفی ۵۹۷ھ، قاہرہ، مصر منشورات مکتبۃ التحریر
تنبیہ العارف بماوقع فی العوارف : شاہ عبدالحق محدث دہلوی قلمی نسخہ رضا لائبریری رام پور (یوپی)
تہذیب التہذیب : جلد ۲: احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی المعروف بہ علامہ ابن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ بیروت، لبنان، دارالفکر ۱۹۸۴ء

ج

جامع البیان فی تفسیر القرآن: ابوجعفر محمد بن جریر متوفی ۳۱۰ھ المعروف بہ امام علامہ طبری مطبوعہ میمنیہ مصر ۱۳۲۱ھ
جذب القلوب فارسی: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مطبوعہ کلکتہ ۱۲۶۳ھ

جذب القلوب: اردو ترجمہ بنام تاریخ مدینہ، مطبوعہ نولکشور، لکھنؤ ۱۲۷۶ھ
جوامع الکلم: فارسی ملفوظات بندہ نواز گیسودراز، مرتبہ سید محمد اکبر حسینی بہ تصحیح محمد حامد صدیقی، مطبوعہ انتظامی پریس واقع عثمان گنج کانپور ۱۳۵۶ھ
جوامع الکلم: اردو ترجمہ پروفیسر معین الدین دردائی بھارت آفسیٹ پریس دہلی ۲۰۰۰ء
جوامع الکلم: اردو ترجمہ رحیم الدین حسینی، ناشر سید محمد گیسودراز تحقیقاتی کمپنی، گلبرگہ، کرناٹک
جامع الصغیر: جلد اعلامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیروت، لبنان، دار الکتب العلمیہ
جاء الحق: از مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمہ، ناشر فرید بک ڈپو، جامع مسجد دہلی
جائسی گرنتھاولی (ہندی) مع تشریح: از ڈاکٹر شری نواس شرما، ناشر اشوک پرکاشن نئی سڑک دہلی۔۶
جواب نامہ: از عبدالباری معنی اجمیری، مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ، ۱۹۳۹ء
جمہرۃ اللغت: جلد ۲، علامہ ابن درید، مطبوعہ حیدرآباد دکن
جواہر خسروی: امیر خسرو، مطبوعہ علی گڑھ، زیر ادارت مولانا رشید احمد سالم و مولانا محمد امین مع تنقید و تبصرہ
جواہر فریدی: قلمی نسخہ: علی اصغر چشتی مملوکہ پروفیسر نظامی مرحوم
جواہر فریدی: فارسی علی اصغر چشتی، نولکشور گیس پرنٹنگ ورکس لاہور- اردو ترجمہ از: مولانا فضل الدین نقشبندی مجددی، مکتبہ بابا فرید چوک، چٹی قبر، پاک پٹن شریف (پاکستان) مملوکہ سید وارث حسین چشتی (علیگ)
جواہر العقدین: از علامہ نور الدین علی بن احمد مصری المعروف بہ سمہودی، متوفی ۹۱۱ھ (مخطوطہ)

چ

چتراولی (ہندی مثنوی): شیخ عثمان چشتی
چنداین (ہندی مثنوی): ملا داؤد

ح

حاشیہ دائر الوصول الیٰ علم الاصول فی شرح المنار: از علامہ خلیل الرحمٰن رامپوری ثم ٹونکی
حضرات القدس فارسی: تالیف شیخ بدر الدین ابراہیم سرہندی مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری

حضرات القدس: جلد۲ شیخ بدرالدین ابراہیم سرہندی ترجمہ از ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں سابق صدر شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی، دانش پبلشنگ کمپنی، ۱۹۹۹ء
حضرات القدس: جلد اول فارسی تالیف شیخ بدرالدین ابراہیم سرہندی، اردو ترجمہ محمد اشرف مجددی، مفتی محمد مظہر اللہ شاہ اکیڈمی، مسجد فتحپوری، دہلی ۱۹۹۸ء
حکم سرود و مزامیر و غنا: قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مخزونہ کتب خانہ شاہ ابوالخیر اکاڈمی دہلی ۶
حلیۃ الاولیاء: جلد۳، ابونعیم اصفہانی، متوفی ۴۳۰ھ بیروت، لبنان دارالکتاب العربی، ۱۴۰۰ھ
الحدیقۃ ندیہ: علامہ عبدالغنی نابلسیؒ، متوفی ۱۱۴۳ھ مکتبۃ المعارف العلمیہ لاہور ۱۹۷۰ء
حیاتِ اعلیٰ حضرت: ملک العلماء مولانا ظفرالدین بہاری، مکتبہ رضویہ، کراچی، ۱۹۵۵ء

خ

خاتونِ جنت: مولفہٗ ملک محمد دین
خزینۃ الاصفیاء فارسی: مولانا غلام سرور لاہوری، مطبع ثمر ہند لکھنؤ ۱۸۷۳ء
خسرو شناسی: مرتبہ ظ. انصاری و ابوالفیض سحر، مقالہ میکش اکبرآبادی، ناشر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی، تیسرا ایڈیشن ۱۹۹۸ء
خصائصِ کبریٰ عربی: جلد۲، علامہ جلال الدین سیوطی، مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، پاکستان
خصائصِ علی علیہ السلام: احمد بن شعیب بن نسائی المعروف بہ امام نسائی متوفی ۳۰۳ھ بیروت، لبنان دارالکتاب العربی ۱۴۰۷ھ
خلفائے راشدین: ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، ناشر فاروقیہ بک ڈپو دہلی
خواجہ شاہ فخرالدین دہلوی: تقدیم و ترجمہ مفتی شاہ حسین گردیزی، کتاب فخرالحسن ناشر دارالعلوم مہریہ، گلشنِ اقبال کراچی، ۱۹۹۴ء
خیرالمجالس فارسی: ملفوظات شیخ نصیرالدین چراغ دہلیؒ۔ مرتبہ حمید قلندر، بہ تصحیح پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم علی گڑھ
خیرالمجالس فارسی: مخطوطہ، مملوکہ پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم علی گڑھ
خیرالمجالس: اردو ترجمہ از مولانا احمد علی مرحوم، ناشر پرویز بک ڈپو، دہلی

د

دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب: از مخدوم محمد معین الدین بہ مقدمہ و تحقیق عبدالرشید

نعمانی، سندھی ادبی بورڈ پاکستان، ۱۹۵۷ء
دررالجواہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر: علامہ سراج الدین ابوحفص عمر ابن علی
دیوان شاہ نیاز: کلام حضرت شاہ نیاز احمد بریلویؒ، ناشر نیازیہ اکیڈمی، خانقاہ نیازیہ، خواجہ قطب، بریلی شریف
دقائق الحبین مواعظ العارفین: از عبداللہ تستری متوفی ۳۸۲ھ
دلیل الطالب از نواب صدیق حسن خاں مطبوعہ بھوپال
دربار چشت: از صاحبزادہ سید حسین علی، خادم غریب نوازؒ، مملوکہ سید عرفان علی رضوی، خادم غریب نوازؒ
دی پریچنگ آف اسلام: مصنفہ ٹی۔ڈبلیو۔آرنلڈ، اردو ترجمہ بنام ''دعوت اسلام'' از شیخ عنایت اللہ، شائع کردہ محکمۂ اوقاف حکومتِ پنجاب، لاہور

ذ

ذخائرالعقبیٰ فی مناقب ذوالقربیٰ: محب طبری شافعی متوفی ۶۹۴ھ، جدہ، سعودی عرب، مکتبۃ الصحابہ ۱۴۱۵ھ

ر

رحمۃ للعالمین: جلد۱: قاضی محمد سلیمان منصور پوری، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، دہلی
رحمۃ للعالمین: جلد۲: قاضی محمد سلیمان منصور پوری، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، دہلی
رسالہ احوال پیرانِ چشت: قلمی مملوکہ پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم علی گڑھ
روضۃ الشہداء فارسی: علامہ حسین واعظ کاشفی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۸۹۱ء
روضۃ الشہداء: اردو ترجمہ از مولانا صائم چشتی جلد اول و دوم ناشر چشتی کتب خانہ فیصل آباد، پاکستان، تیسری بار ۲۰۰۳ء
روضۃ الصفا فی سیرۃ الانبیاء والملوک والخلفاء: محمد بن خاوند شاہ المعروف بہ میر خواند، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ، ۱۲۷۰-۷۴ھ
روضۃ الناظر فی مناقب الشیخ عبدالقادر: از علامہ مجدالدین فیروزآبادی مصنف قاموس اللغت متوفی ۸۱۷ھ
رأس المفاخر فی مناقب الشیخ عبدالقادر: امام عبداللہ بن السعد الیافعی الشافعی

رسالہ تذکرۂ: حضرت خواجہ فخرالدین احمد چشتی سرواڑیؒ، مصنفہ سید فضل المتین اجمیری
رسالہ قشیریہ (عربی): ابوالقاسم قشیری، قاہرہ ۱۹۷۲ء
رسالہ قشیریہ: اردو ترجمہ از پیر ڈاکٹر محمد حسن مطبوعہ پاکستان
رشفۃ الصادی: از علامہ سید ابوبکر بن شہاب الدین علوی مطبوعہ مصر
رسالہ نذورات غریب نواز مشتمل بر فتاویٰ مفتیان کرام: مرتبہ فداء الملک عرشی اجمیری، مطبوعہ کلیمی پریس ماموں بھانجہ اجمیر ۱۹۶۴ء
رسالہ دربارۂ جواز موسیقی: از محمد علی جعفری المعروف بہ میکش اکبرآبادی
رسائل امام سیوطی (عربی): دربارۂ ایمان آباء واجداد رسول کریم ﷺ مطبوعہ حیدرآباد، دکن
راحت القلوب فارسی: ملفوظات بابا فرید گنج شکر: از حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء
رسالۂ نذر بزرگاں: از حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی، مخزونہ کتب خانہ مولانا معینی اجمیریؒ
ریاض الاولیاء قلمی: بختاور خاں، سن تصنیف: ۱۰۹۰ھ، مخزونہ مولانا آزاد عربی فارسی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ٹونک
روضۃ الاقطاب فارسی: صاحبزادہ محمد بلاق چشتی مطبع محب ہند دہلی ۱۸۹۰ء
رسالہ نئی راہ: خواجہ معین الدین چشتی اولیاء اللہ نمبر، رجب المرجب ۱۳۷۴ھ بمبئی، زیر ادارت: ظل عباس عباسی

ز

زادالمعاد: جلد ۱، علامہ ابن قیم متوفی ۷۵۱ھ الکویت، مکتبۃ المنار الاسلامیہ ۱۹۸۶ء
زبدۃ المقامات فارسی: خواجہ محمد ہاشم کشمی متوفی ۱۰۵۴ھ، مطبع نولکشور ۱۳۰۷ھ
زبدۃ النصائح فی مسائل الذبائح: از مولوی اسماعیل دہلوی، مطبع محمدی، رجب ۱۳۶۷ھ
زمزمۂ صابری: تسلیم احمد امروہوی، مطبع حقانی امروہہ، ۱۹۰۷ء

س

سبع سنابل فارسی: میر عبدالواحد بلگرامی، مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۹ھ۔
سبع سنابل: اردو ترجمہ مفتی محمد خلیل خاں برکاتی، مقدمہ از پروفیسر محمد ایوب قادری، ناشر رضوی کتاب گھر، بھیونڈی ضلع تھانہ مہاراشٹر

سر الشہادتین فارسی: شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ
سرور الصدور و نور البدور فارسی: ملفوظات سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوریؒ خلیفہ خواجۂ خواجگاں معین الدین اجمیری مملوکہ پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم
سرور الصدور و نور البدور (اردو ترجمہ) :از پیرزادہ مولوی محمد علی ولد مولوی پیر ہاشم علی علیہ الرحمۃ جھنجھنوی شیخاوائی
سفینۃ الاولیا فارسی: داراشکوہ مطبوعہ آگرہ ۱۲۶۹ھ
سفینۃ الاولیا: داراشکوہ اردو ترجمہ از محمد علی لطفی ناشر فرید بکڈپو، دہلی
سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات : پروفیسر خلیق احمد نظامی، ناشر ادارہ ادبیات دہلی، طبع دوم ۱۹۸۱ء
سنسکرتی کے چار ادھیائے (ہندی) : رام دھاری سنگھ دنکر، مطبوعہ شکتی آفسیٹ پریس، نوین شاہدرہ دہلی، ۱۹۹۰ء
سنن ابنِ ماجہ: ابوعبداللہ محمد ابنِ ماجہ قزوینی، متوفی ۲۷۳ھ
سنن ابوداؤد: سلیمان بن اشعث المعروف بہ ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ مکتبہ مجیدی، کانپور
سنن بیہقی: ابوبکر احمد بن حسین المعروف بہ امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، مکہ مکرمہ، مکتبۂ دارالباز، ۱۴۱۴ھ
سید عبدالوہاب جیلانی کا مدفن کہاں؟: مجمع الاسلامی، ملت نگر، اعظم گڑھ۔
سیر الاقطاب (فارسی): شیخ اللہ دیا چشتی، نولکشور ۱۸۸۱ء
سیر الاقطاب اردو ترجمہ از: محمد معین الدین دردائی، ناشر فرید بک ڈپو دہلی
سیر الاولیا فارسی : از سید محمد مبارک علوی کرمانی المعروف بہ امیر خورد، اردو ترجمہ ڈاکٹر عبداللطیف ایم اے، پی ایچ ڈی مطبوعہ دہلی ۱۹۹۰ء
سیر الاولیا فارسی : اردو ترجمہ از اعجاز الحق قدوسی مرکزی اردو بورڈ لاہور، طبع اول فروری ۱۹۸۰ء
سیر الاولیاء : اردو ترجمہ از ڈاکٹر عبداللطیف
سیر العارفین فارسی: تالیف حامد بن فضل اللہ جمالی دہلوی، مطبع رضوی دہلوی ۱۳۱۱ھ
سیر العارفین، اردو ترجمہ از: محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، بارِ دوم ۱۹۸۹ء
سیرت النبیؐ : جلد ۲، از مولوی شبلی نعمانی، پریس آر زیڈ پکچر لاہور، ۱۴۰۸ھ

سیرت النبیؐ : جلداول، از مولوی شبلی نعمانی، ناشر مکتبہ اردو بازار پریس آرزیڈپکچر لاہور، ۱۴۰۸ھ
سیر اعلام النبلاء: جلد۳: علامہ ذہبی، بیروت لبنان، موسسۃ الرسالہ ۱۴۱۳ھ
سیف الجبار: مولانا فضلِ رسول بدایونی، مطبوعہ مطبع اہلِ سنت والجماعت کلکتہ
سیرتِ خواجہ غریب نواز: از عبدالرحیم قادری، مکتبۂ رحیمیہ، طلاق محل، کانپور
سیرت غوث اعظم: شیخ الاسلام عزالدین
سیرۃ النعمان: مولوی شبلی نعمانی طبع آگرہ

ش

شجرۃ الانوار: از مولانا رحیم بخش خلیفہ مولانا شاہ فخر الدین دہلوی (قلمی کتابت ۱۲۸۱ھ، مملوکہ پروفیسر نظامی علی گڑھ)
شرح المواھب اللدنیہ: ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی مصری ازہری مالکی متوفی ۱۱۲۲ھ بیروت، لبنان دارالکتب العلمیہ ۱۴۱۷ھ
شرحِ فقہ اکبر: نورالدین بن سلطان محمد ہروی حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ المعروف بہ ملا علی قاری، مطبوعہ مصطفے البابی الحلبی، مصر
شرح مشکوٰۃ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح): ملا علی قاری حنفی، اصح المطابع بمبئی
شرح مقاصد: جلد۲: مسعود بن عمر المعروف بہ علامہ تفتازانی، دارالمعارف النعمانیہ لاہور
شعرائے اجمیر: صاحبزادہ سید فضل المتین چشتی، ناشر: راجستھان اردو اکادمی جے پور
شرح الموطا: جلد۴: ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی المعروف بہ علامہ زرقانی مالکی متوفی ۱۱۲۲ھ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۱۱ھ
شفا شریف عربی: (الشفا بعریف حقوق المصطفیٰ) قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ، ملتان پاکستان، عبدالتواب اکیڈمی
شہید ابنِ شہید: جلد اول: از مولوی صائم چشتی ناشر اسلامک پبلیکیشنز، بیج باغ کانپور (یوپی)
شمشیر خالصہ: از گیانی سنگھ و بابو راجندر سنگھ
شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ڈاکٹر علیم اشرف خان، ناشر شیخ عبدالحق محدث اکیڈمی، دریا گنج نئی دہلی، طبع اول ۲۰۰۱ء

شہسوار اسلام (فارسی): گابریل انگری فرانسوی، مطبوعہ ایران
شواھد التنزیل: جلد۲: الحافظ الحاکم الحکانی
شواھد النبوۃ لتقویۃ یقین اہل الفتوۃ فارسی: از مولانا عبدالرحمن جامی، مطبوعہ، لاہور پاکستان، ۱۹۸۵ء
شواھد النبوۃ: اردو ترجمہ از بشیر حسین ناظم، مقدمہ از پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، ناشر قادریہ بک ڈپو نو محلہ مسجد بریلی ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء، مملوکہ سید وارث حسین چشتی (علیگ)
شہادت نامہ: از علامہ حافظ علی انور قلندر کاکوری اصح المطابع لکھنؤ ۱۳۲۸ھ

ص

صواعق المحرقہ (عربی): علامہ الشیخ احمد شہاب الدین الہیتمی المعروف بہ ابن حجر مکی، مطبوعہ مصر
صواعق المحرقہ: اردو ترجمہ از علامہ اختر فتحپوری، مطبوعہ لاہور
صوت العدالۃ الانسانی: جارج جرداق مسیحی، مطبوعہ مصر
صراط مستقیم فارسی: شاہ اسمٰعیل دہلوی، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۳۲۱ھ
صحیح مسلم: جلد۳، باب مایقال عند الدخول القبور، مکتبہ رشیدیہ دہلی

ط

طبقات الشافعیہ: مطبوعہ مصر
طبقات الکبریٰ: ابو عبداللہ محمد المعروف بہ علامہ ابن سعد، متوفی ۲۳۰ھ بیروت، لبنان، دارالبیروت للطباعۃ والنشر ۱۳۹۸ھ

ع

عوارف المعارف (عربی): شیخ شہاب الدین سہروردی، دارالکتاب العربیہ، بیروت ۱۹۶۶ء
عوارف المعارف: اردو ترجمہ شمس بریلوی، ناشر ارشد برادرس کوچہ چیلان دریا گنج، دہلی۔ ۱۹۸۶ء
عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری: علامہ بدرالدین عینی، متوفی ۸۵۵ھ بیروت لبنان، دارالفکر ۱۳۹۹ھ
عید الغدیر اول ملحمہ عربیہ المقدمہ: جسٹس پولس سلامہ مسیحی بیروتی، چیف جسٹس، طبع بیروت

غ

غایت المرام (عربی): علامہ سید ہاشم بحرانی، مطبوعہ ایران

غبار خاطر: مولانا ابوالکلام آزاد، مرتبہ مالک رام، ساہتیہ اکادیمی، آٹھویں بار ۲۰۰۶ء

غناء وسماع اصفیاء: مولانا ابوالحسن زید فاروقی سنی حنفی نقشبندی مجددی فاضل جامعہ ازہر مصر، ناشر شاہ ابوالخیر اکاڈمی، دہلی نمبر ۶، کمر پرنٹنگ پریس دہلی، ۱۴۱۱ھ ۱۹۹۱ء

ف

فتح الباری شرح بخاری: علامہ ابنِ حجر عسقلانی، مطبوعہ بولاق مصر، ۱۳۰۰ھ

فتح القدیر شرح ھدایہ: علامہ محقق کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، مطبوعہ تجاریہ مصر ۱۳۵۱ھ

فتاویٰ رضویہ: ناشر مولانا عبدالستار ہمدانی ورضا اکیڈمی ممبئی

فتاویٰ عزیزی: شاہ عبدالعزیز متوفی ۱۲۲۳ھ اردو ترجمہ مطبوعہ فخر المطابع لکھنؤ

فتاویٰ عزیزی (فارسی): شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی مرتبہ مولوی محمد احسن نانوتوی، مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۴۱ھ م ۱۹۲۲ء

فتاویٰ مصطفوی: از مولانا مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ شہزادۂ فاضل بریلوی، ناشر برکات رضا ممبئی

فتاویٰ ابنِ تیمیہ: متوفی ۷۲۸، تحقیق عبدالرحمٰن وابنہٗ محمد، مطبوعہ ریاض ۱۳۹۸ھ

فتاویٰ ابنِ تیمیہ: قاہرہ مصر مکتبہ ابنِ تیمیہ

فتاویٰ افریقہ: از احمد رضا خاں فاضل بریلوی، ناشر فاروقیہ بکڈپو، ٹمیا محل دہلی ۶

فتاویٰ رشیدیہ: از مولوی رشید احمد گنگوہی، متوفی ۱۳۲۲ھ مکتبہ رحیمیہ، دیوبند

فتوح السلاطین: (عصامی) پہلا ایڈیشن مہدی حسن آگرہ ۱۹۳۸ء دوسرا ایڈیشن بہ تصحیح محمد یوشع مدراس ۱۹۴۸ء

فخر الحسن فارسی: مصنفہ شاہ فخر الدین دہلوی، تقدیم وترجمۂ اردو از: مفتی شاہ حسین گردیزی، ناشر دارالعلوم مہریہ، گلشنِ اقبال کراچی، ۱۹۹۴ء

فرائد السمطین فی فضائل المرتضیٰ والبتول والسبطین: از علامہ ابراہیم بن محمد الحموینی متوفی ۷۲۲ھ مطبوعہ ایران

فصول المہمہ: از علامہ علی بن محمد بن صباغ مالکی، مطبوعہ مصر
فلسفۂ شہادت امام حسین: از مولانا ڈاکٹر محمد طاہر القادری، مکتبۂ رضویہ، دہلی
فوائد الفواد: (فارسی) امیر حسن علی سجزی اردو ترجمہ مع متن فارسی از خواجہ حسن ثانی نظامی دہلوی، ایم آر پرنٹرز نئی دہلی، سن اشاعت ۲۰۰۷ء
فوائد رکنی: مکتوبات حضرت شرف الدین احمد یحیٰ منیری اردو ترجمہ از سید غلام صمدانی نقوی ایجوکیشنل پریس، کراچی، ۱۹۷۵ء
فیصلۂ ہفت مسئلہ: حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی چشتی صابری علیہ الرحمہ متوفی ۱۳۱۷ھ (مع تعلیقات مفتی محمد خلیل خان برکاتی) مطبوعہ لاہور ۱۹۸۶ء
فیض القدیر شرح جامع الصغیر: جلد: ۳، از عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین متوفی ۱۰۳۱ھ المعروف بہ علامہ مناوی، مکتبہ تجاریہ کبریٰ مصر ۱۳۵۶ھ
فیوض حضرت بانسہ: مولانا محمد عبدالباری فرنگی محلی، اشاعت العلوم پریس فرنگی محل لکھنؤ

ق

قاموس (عربی لغت): علامہ مجد الدین یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ
قلائد الجواہر (عربی): علامہ شیخ محمد بن یحیٰ تادنی حنبلی، دسویں صدی ہجری، متوفی ۹۶۳ھ
قلائد الجواہر: اردو ترجمہ از: زبیر افضل عثمانی مع مقدمہ از شمس بریلوی، باہتمام نور پبلشنگ ہاؤس، فراش خانہ دہلی، مطبوعہ ۱۹۸۹ء، مملوکہ سید وارث حسین چشتی (علیگ)
قوت القلوب (عربی): ابوطالب مکی علیہ الرحمہ، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۱۰ھ
قوالی کا شرعی حکم: مولانا رضاء الحق اشرفی راج محلی، الاشرف اکیڈمی پھول بڑیا راج محل، صاحب گنج، بہار ۱۹۹۶ء مملوکہ سید وارث حسین چشتی (علیگ)

ک

کتاب مناقب: جلد ۴: علامہ ابن شہر آشوب، مطبوعہ ایران
کتاب المناقب: علی ابن ابی طالب موفق بن احمد اخطب خوارزم المعروف بہ خوارزمی، متوفی ۵۶۸ھ مطبوعہ ایران ۱۳۱۳ھ
کتاب اللمع: شیخ ابو النصر السراج متوفی ۳۷۸ھ گب میموریل سیریز ۱۹۱۴ء
کتاب اللمع اردو ترجمہ: از سید اسرار بخاری، ناشر اعتقاد پبلشنگ ہاؤس ۲۰۰۲ء، مملوکہ سید

وارث حسین چشتی (علیگ)
کتاب المریدین: شیخ یحیٰی بن معاذ رازی (مخطوطہ)
کتاب الہند (عربی): علامہ البیرونی مرتبہ ای سی زخاؤ لندن ۱۸۸۷ء
کتاب الہند (اردو ترجمہ): از سید اصغر علی انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی ۱۹۴۱ء
کتاب البیان: از علامہ عبداللہ محمد بن یوسف کنجی شافعی
کشف النور عن اصحاب القبور: علامہ عبدالغنی نابلسی حنفی نقشبندی قادری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۱۴۳ھ
کشف المحجوب (فارسی): شیخ علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش، مطبع پنجابی لاہور
کشف المحجوب: اردو ترجمہ از فضل الدین گوہر، ناشر پرویز بک ڈپو دہلی
کشف المحجوب: اردو ترجمہ از مفتی غلام معین الدین نعیمی، ناشر ضیم بکڈپو، جامع مسجد دہلی ۱۹۶۸ء
کشف القناع عن اصول السماع عربی: مولانا فخر الدین زرّادی اردو ترجمہ مولانا غلام احمد بریاں مسلم پریس، جھجھر، دہلی، ۱۳۱۱ھ
کنز العمال جلد ۲: علامہ علی متقی، مطبوعہ حیدر آباد
کنز الایمان ترجمہ قرآن شریف: از فاضل بریلوی احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ مع حاشیہ خزائن العرفان از مولانا نعیم الدین مراد آبادی، یٰسین بک ڈپو دہلی
کوکب درّی: اردو ترجمہ (مناقب مرتضوی از: محمد صالح کشفی) از مولوی سید شریف حسین ہانڈہ الیکٹرک پریس جالندھر

ل

لمعات صداقت: حصہ اول، مجموعۂ مضامین ابوالکلام آزاد، طبع لاہور، ۱۳۴۰ھ
لطائف اشرفی: ملفوظات مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمہ، مرتبہ مولانا نظام حاجی غریب یمنی، مطبع نصرت المطابع دہلی ۱۳۹۵ھ

م

مآثر الامرا: شاہنواز خاں صفوی، مرتبہ اشرف علی و عبدالرحیم کلکتہ ۱۸۹۱ء
مآثر الکرام: میر غلام علی آزاد بلگرامی، مرتبہ عبداللہ خاں، مطبوعہ مفید پریس آگرہ ۱۹۱۰ء

مأۃ مسائل: منسوب بہ شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی طبع نہم نولکشور کانپور ۱۹۱۳ء
ماہنامہ طلسماتی دنیا: دیوبند شمارہ جولائی ۲۰۰۶ء
ماہنامہ جام نور: دہلی
مثنوی اسرار خودی و رموز بیخودی: (فارسی) علامہ اقبال، مطبوعہ لاہور
مثنوی شیریں خسرو: امیر خسرو، تدوین حاجی علی احمد خاں، علی گڑھ ۱۹۲۷ء
مثنوی نہ سپہر فارسی: امیر خسرو، تدوین محمد وحید مرزا، کلکتہ ۱۹۴۸ء
مجمع الزوائد: نورالدین ابوالحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان المعروف بہ ہیثمی متوفی ۸۰۷ھ قاہرہ، معمر: دارالریان، للتراث + بیروت: لبنان، دارالکتاب العربی ۱۴۰۷ھ
مخزن الاعراس فارسی قلمی: از حضرت شیخ محمد نجیب قادری ناگوری، حیدرآباد دکن، ۱۱۵۵ھ، مخزونہ کتب خانہ مولانا متقی اجمیری علیہ الرحمۃ
مدارج النبوۃ: ہر دو جلد فارسی: از شاہ عبدالحق محدث دہلوی، مطبوعہ نولکشور ۱۸۸۰ء
مدارج النبوۃ جلد ۱ و جلد ۲: اردو ترجمہ مفتی غلام معین الدین نعیمی، نرمان پریس دہلی، ناشر ادبی دنیا بار دوم، ۲۰۰۱ء
مدارک التنزیل وحقائق التاویل: علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود المعروف بہ نسفی متوفی ۷۱۰ھ بیروت، لبنان، داراحیاء التراث العربی
مرآۃ احمدی: از مرزا محمد حسن، مطبوعہ کلکتہ، ۱۹۳۰ء
مرآۃ الاسرار: (تصنیف علامہ عبدالرحمٰن چشتی متوفی ۱۰۹۴ھ) تحقیق و ترجمہ اردو، از کپتان واحد بخش سیال چشتی صابری، ناشر مکتبہ جام نور دہلی ۱۹۹۷ء
مرأۃ الانساب: مصنفہ ضیاء الدین احمد، مطبوعہ جے پور ۱۳۳۵ھ
مرأۃ الجنان: از امام ابومحمد بن عبداللہ بن اسعد یافعی الیمنی متوفی ۷۶۸ھ
مرأۃ المناجیح اردو ترجمہ مشکوۃ المصابیح: جلد ۸ مفتی احمد یار خاں، ناشر ادبی دنیا مٹیا محل دہلی
مرگاوتی: (ہندی مثنوی): شیخ قطبن
مروج الذھب ومعادن الجواہر علی الکامل: جلد ۶: علامہ علی بن حسین مسعودی، متوفی ۳۴۶ھ مطبوعہ مصر
مروج الذھب ومعادن الجواہر علی: علامہ مسعودی، فرانسیسی ترجمہ کے ساتھ، طبع پیرس، ۱۸۶۱ء

تا ۱۸۳۰ء
مروج الذھب: اردو ترجمہ از پروفیسر کوکب شادانی، ناشر نفیس اکیڈمی کراچی نومبر ۱۹۸۵ء
مستطرف فی کل فن مستظرف: جلد اول: علامہ شیخ شہاب الدین احمد الاشمی مطبوعہ مصر ۱۲۷۲ھ
مسالک السالکین: جلد دوم: عبدالستار بیگ سہرامی، مطبع مفید عام آگرہ
مسلم (الصحیح): ابوالحسین مسلم ابنِ الحجاج قشیری المعروف بہ امام مسلم متوفی ۲۶۱ھ، بیروت، لبنان، داراحیاء التراث العربی
مصابیح السنہ: ابومحمد حسین بن مسعود بن محمد متوفی ۵۱۶ھ المعروف بہ علامہ بغوی، بیروت، لبنان، المکتب الاسلامی ۱۴۰۳ھ
مطلوب الطالبین فارسی (قلمی): محمد بلاق چشتی، مملوکہ پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم
مطالب السؤل فی مناقب آل رسول: علامہ محمد بن طلحہ شافعی، مطبوعہ ہندوستان
مظاہر حق اردو ترجمہ و شرح مشکوٰۃ شریف: از نواب قطب الدین خاں دہلوی، نولکشور پریس، لکھنؤ ۱۹۵۲ء
معارج الولایت: (قلمی) موٗلفہ غلام معین الدین عبداللہ ملقب بالخلیفہ خویشگی چشتی تالیف ۱۰۹۴ھ، مملوکہ پروفیسر نظامی مرحوم
مفتاح التواریخ: طامس ولیم بیل نولکشور، کانپور ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء
مفتاح الخزائن: از شیخ نزہت علی، ص ۲۷۶
مفتاح النجاۃ: علامہ میرزا محمد معتمد خاں بدخشانی
مقاصد العارفین: از شاہ عضدالدین امروہوی
مقصدِ اقصیٰ: شیخ سعد الدین حموی
مقابس المجالس: خواجہ غلام فرید چشتی
مقامات مظہری، فارسی (تالیف شاہ غلام علی): اردو ترجمہ از محمد اقبال مجددی، شاہ ابوالخیر اکاڈمی نئی دہلی ۲۰۰۵ء
مقتل الحسین: از علامہ موفق بن احمد مکی حنفی اخطب الخوارزم
مقدمہ ابنِ خلدون: جلد ۳: اردو ترجمہ از: مولوی عبدالرحمٰن، مطبع حمیدیہ لاہور ۱۹۰۴ء
مکاشفات: از علامہ علی اکبر ابنِ سعد اللہ

مکتوباتِ امام ربانی: مکتوبات شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی مطبع نولکشور لکھنؤ، ۱۸۷۷ء
مکتوباتِ قدوسی: از مولانا عبدالقدوس گنگوہی، مطبع احمدی دہلی
مکتوباتِ کلیمی فارسی: مکتوباتِ شاہ کلیم اللہ دہلوی، مرتبہ مولوی محمد قاسم کلیمی مطبع یوسفی دہلی ۱۳۰۱ھ
مکتوباتِ فارسی: حضرت نور قطب عالم چشتی بنگالی
ملفوظاتِ رزّاقی: نواب محمد خاں شاہجہانپوری، مطبع مجتبائی لکھنؤ ۱۳۱۳ھ
ملفوظاتِ سکندری: ملفوظات مولانا شاہ سید سکندر علی چشتی نظامی فخری مسکینی، مرتبہ مولانا عظمت علی شاہ الہ آبادی
ملفوظاتِ طیبہ: از پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی
ملفوظاتِ شاہ عبدالعزیز: مرتبہ قاضی بشیر الدین میرٹھی، مطبع مجتبائی میرٹھ، ۱۳۱۴ھ
مناقب الحافظیہ فارسی: مولانا غلام محمد ہادی علی خاں مطبع احمدی کانپور ۱۳۰۵ھ
مشاہدۂ حافظی: اردو ترجمہ مناقب الحافظیہ: نذر محمد خاں اختر خیرآبادی نظامی پریس لکھنؤ ۱۳۵۴ھ
مناقب امام احمد بن حنبل: علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن المعروف بہ ابن جوزی، متوفی ۵۷۹ھ مطبوعہ مصر
مناقب المحبوبین: از حاجی نجم الدین فتحپوری شیخاوائی، مطبع محمد حسن رامپور ۱۲۸۹ھ
منتخب التواریخ: فارسی: ملا عبدالقادر بدایونی، مطبوعہ نولکشور ۱۲۸۴ھ
منتخب التواریخ فارسی: تین حصے، مرتبہ مولوی احمد علی و کپتان ولیم ناسولیس
منتخب التواریخ اردو ترجمہ: از ڈاکٹر علیم اشرف، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی
منتہی الارب فی لغات العرب: مولانا عبدالرحیم صفی پوری، مطبع اسلامیہ لاہور، ۱۸۷۱ء
منہاج السنہ: احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام حرانی المعروف بہ علامہ ابن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر
مواہب الجید فی مناقب شاہ عبدالحمید: مولانا العروس سید محمد، سال تصنیف ۱۲۶۳ھ، مطبوعہ مدینہ پریس مدراس

مونس الارواح: قلمی نسخہ مخزونہ دارالمصنفین
موالید ائمہ: از علامہ نصر بن علی جہمی
مودۃ القربیٰ: سید علی ہمدانی، متوفی ۷۸۶ھ
مولد عطائے رسول: علامہ احمد علی، مطبع گلزار حسینی بمبئی
مونس الارواح فارسی: شہزادی جہاں آراء بیگم، تدوین سیدہ پروین کاظمی، کمال پرنٹنگ پریس دہلی، ۱۹۷۰ء
مونس الارواح: اردو ترجمہ ہدیۂ ابراہیم معروف بہ انیس الاشباح، طبع دوم مطبع نامی لکھنؤ ۱۸۹۸ء شاملِ اشاعت ماہنامہ یٰسین کانپور سلطان الہند نمبر
مہابھارت (سنسکرت): وید ویاس رشی، گیتا پریس، گورکھپور (یوپی)

ن

نافع السالکین ملفوظاتِ خواجہ محمد سلیمان تونسوی: از مولانا امام الدین، مطبوعہ لاہور ۱۲۸۵ھ
نثارِ خواجہ: از علامہ معین الدین اجمیری، مطبوعہ دہلی پرنٹنگ ورکس، دہلی
نزہۃ الخواطر جلد اول: مولوی سید عبدالحیٔ لکھنوی، مطبوعہ دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن ۱۳۸۲ھ
نزہۃ الخاطر الفاتر فی مناقب الشیخ عبدالقادر: از علامہ علی بن سلطان محمد المعروف بہ ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ
نفحات الانس فارسی: مولانا عبدالرحمٰن جامی، نولکشور لکھنؤ، ۱۳۲۸ھ
نقوشِ سلیمانی: سید سلیمان ندوی، دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۳۹ء
نقوش: آپ بیتی نمبر جون مطبوعہ لاہور، پاکستان ۱۹۶۴ء، مملوکہ سید فضل المتین چشتی
نور الناظر فی اخبار شیخ عبدالقادر: علامہ ابوبکر عبداللہ تیمی
نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار: شیخ مومن بن حسن المعروف بہ علامہ شبلنجی، بیروت، لبنان، دارالجیل ۱۴۰۹ھ
نور مدائح حضور: مولانا شاہ غلام شبر بدایونی علیہ الرحمہ

و

وجیز الصراط فی مسائل الصدقات والاسقاط: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
وسیلۃ النجات: فارسی مع ترجمہ اردو بر حاشیہ مصنفہ ملا محمد مبین فرنگی محلی، مطبع گلشنِ فیض لکھنؤ

۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء
وصال احمدی: شیخ بدرالدین سرہندی، مطبوعہ مرادآباد ۱۳۱۶ھ
وفاء الوفا باخبار دارالمصطفیٰ: جلد ۲: علامہ نورالدین علی بن جمال الدین ابوالمحاسن المعروف بہ سید سمہودی متوفی ۱۰۱۱ھ، طبع مصر ۱۳۲۶ھ
وفیات الاعیان: از علامہ ابن خلکان، مطبوعہ مصر ۱۳۱۰ھ
وقائع شاہ معین الدین چشتی فارسی: بابو لال الہ آبادی، مطبع نولکشور، نومبر ۱۸۸۱ء

ہ

ہدیۃ المہدی (عربی): از مولوی وحیدالزماں وقار نواز جنگ حیدرآبادی، متوفی ۱۹۲۰ء، مطبوعہ سیالکوٹ، پاکستان
ہدایۃ السعداء: از علامہ شہاب الدین دولت آبادی، صاحب تفسیر بحرِ مواج
ہشت بہشت: امیر خسروؒ نولکشور ۱۸۷۳ء
ہشت بہشت: امیر خسروؒ، تدوین مولانا سلیمان اشرفؒ سابق صدر شعبۂ دینیات، علی گڑھ یونیورسٹی ۱۹۱۸ھ
ہمارے خواجہ: مولانا عبدالباری معنی اجمیری علیہ الرحمۃ دسویں اشاعت عفیف پرنٹرس ۱۹۹۸ء ناشر بزمِ معنی، شرقی دروازہ، درگاہ شریف اجمیر
ہمعات: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مطبوعہ لاہور ۱۹۴۶ء
ہندی ساہتیہ کا اتہاس: آچاریہ رام چندر شکل، ناشر ناگری پرچارنی سبھا، بنارس

ی

ینابیع المودۃ (عربی): علامہ سلیمان ندوی قندوزی، حنفی، نقشبندی، مفتی اعظم قسطنطنیہ، متوفی ۱۲۹۴ھ، مطبوعہ قسطنطنیہ
ینابیع المودۃ: اردو ترجمہ وحواشی از مولوی ملک محمد شریف، ملتان (پاکستان) ناشر نظامی پریس بک ڈپو، وکٹوریہ اسٹریٹ، لکھنؤ، ۲۰۰۲ء

Bibliography of English & other foreign languages'

Books

AIR 1959 - Rajasthan High Court, Page 177= Rajasthan, Law Weekly, Page 503.

AIR 1961 A.D., Supreme Court, Page 1402,

Arnold,T.W., The Preachings of Islam (Second Edition), Adam Publishers, Darya Ganj, Delhi, 2005.

Alauddin, Atamalik, Juveni, Tarikh-e-Jahankusha Vol. I & II Edited By Mirza Abdul Wahab Qazvini of Iran, (Gibb Memorial Series 1911-1912) Vol. III, with an Introduction by Dension Ross, London, 1931

Alfred Von Kremer : Culturgesc Hichtliche Strefzuge auf Dem Gebiete Des Islams, 1873 - English Translation by Khuda Baksh, Islamic Civilization, Vol. I, Calcutta, 1929.

Browne,E.G., A Literary History of Persia, Vol. I Cambridge, 1928.

Civil Suit No. 61/1970 Syed Zahoor Ahmed & others V/s Dargah Committee, Ajmer. Date of Judgment 10 March 2006 in the court of Additional Civil judge, Ajmer

Carlyle, Thomas., On Heroes and Hero worship (London)

Constitution of India (Preamble)

Cambridge History of India Vol. III, Edited by W-Hag (1928)

Devanport, John., An Apology for Muhammad and Quran,

Doule,Sir James., The Punjab

Encyclopaedia of Religion and Ethics, Edited by James Hastings (Edinburgh, 1914)

Foster,W., Early Travels In India, London, 1927

Goldziher (Ignaz): (1) Muhammedanische Studien. (Halle, 1889-90), (2) Vorlesungen Uber Des Islam (1925)

Gibbon, Edward., The History of the Decline and fall of the Roman Empire, (London 1881)

Hitti,P.K., History of the Arabs, London, Mac Millan Press, 1968

Husain, Nasr, Syed : The Three Muslim Sages (Cambridge, Harvard University, 1964)

Habib,Prof. Mohammad, Chishty Mystic Records of the Sultanate Period Medieval India Quarterly, October, 1950, Aligarh Muslim University, Department of Histroy.

Habib,Prof. Mohammad, Indian Culture and Social Life at the time of Turkish Invasions (Aligarh Historical Research Journal, 1941)

Habibullah,A.B.M., The Foundation of Muslim Rule in India Central Book Depot. Allahabad 1967

Herold Lamb, Chenghiz Khan

Hussain, M. K.: Ajmer Through Inscriptions

Irvine, W., Later Mughals, Vol. I, Reprint, New Delhi, 1971

Islamic Culture, Journal, Hydrabad (A.P.)

Jam-e-Sahat Coin of Jahangir the Journal of Numismatic Society of India, Vol. XLI, Pt. 11 (Varanasi, 1997)

Johnes,W., Asiatic Researches (London, 1803)

Khushwant Singh, Songs of the Gurus, Penguin Viking and Ravi Dayal Publisher, India, 2008

Lammens H., Islam, Beliefs and Institutions, London 1929

Lokkegaard, Frede., Islamic Taxation in the Classic Period. (Copenhagen, 1950)

Michael H. Hart, The 100 (Revised and updated) Citadel Press, New York, First Printing 1992.

Mez, Adam., The Renaissance of Islam, London, 1937

Merx, Adalbert : Ideen und Grundlinier Einer Algemeinen Der Mystic (Heidelberg, 1893)

Macquliffe, M.A. III, The Sikh Religion, Oxford, 1909

Maulana Mani Ajmeri, Dargah Guide

Messignon, Louis; Essai Surles Orgines De Lexique Technique De La Mystic Musulmane (Paris, 1922)

Max Herten : Indische Stromungen.

Moonis, Khudadad Khan: Khwaja Moinuddin Chishty,Social And Educational Relevance, Published by Sroop & Sons, Ansari Market, Delhi

Nizami, Prof. K.A., Some Aspects of Religion and Politics in Indian during the

Thirteenth Century First Edition 196, Caxton Press P. Ltd. Connaught Circus, New Delhi

Nicholson, Reynold :The Mystics of Islam, Oxford, 1914

Nu mismatic Society of India, Vol. XLI, pt 11 (Varanasi, 1997)

Pioneer (The Daily News Paper) Allahabad, 10th August 1928.

Purchas and his pilgrimages

R. Williams, An Empire Builder of India in the Sixteenth Century.

Rogerson, Barnaby., The Heirs of the Prophet Muhammed, Great Britain, 2006.

Sarda, Har Blias, Ajmer Historical And Descriptive, S. N. Printers Ist Edition, New Delhi, 2004

Storey, C. A. Persian Literature, Londo, 1927-58

Smith, Margaret, Rabia The Mystic (Amsterdem Philo Press, 1928)

Sarkar,J.N., Chatainya's Life and Teachings Calcutta, 1912

Sarkar,J.N., Chetaniya's pilgrimages and Teachings (Calcutta)

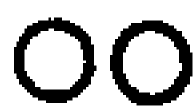
Tirmizi, S.I., Mughal Documents,Manohar Publications, Ansari Road Darya Ganj, New Delhi

Tholuck, F.R.D. : Sufismus Sive Theologia Persica Ca Pantheistics (Berlin 1921)

Zamindari Abolition Act, 1956

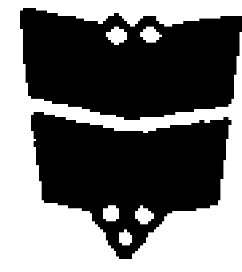
Z.D.M.G. : Zeitchrift Der Deutschen Morgenlandischen Gesellschaft, XL VIII (Leipzig)

Zaehner, R.C. : Hindu and Muslim Mysticism, New York, Schocken Books 1969, Ist Edition, 1960.





عِلم کی تلاش



جو شخص
عِلم کی تلاش میں نکلے
وہ اُس وَقت تک
خُدا کی رَاہ میں ہے
جب تک کہ
واپس نہ آ جائے
OO

﴿ترمذی من انسؓ﴾

علم اور عمل

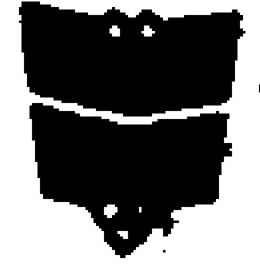


یاد رکھو کہ
عِلم کے ساتھ عَمل ضروری ہے
نہ عَمل کے بغیر عِلم نافع ہے اور نہ عِلم کے بغیر
عَمل نفع بخش ہے
جس عِلم کی پُشت پر عَمل موجود نہ ہو
وہ عِلم جہل ہی کے زُمرے میں شامل ہے۔

— حضرت داتا گنج بخشؒ

«کَشفُ المَحجُوب سے»

علم کی میراث



لکھو!

اور

اپنے علم کو اپنے دوستوں کے درمیان پھیلاؤ

اور

جب وقتِ مرگ آئے تو اپنے

بچوں کو

بطورِ میراث سپرد کرو

کیوں کہ

جب فتنہ و آشوب کا زمانہ آتا ہے

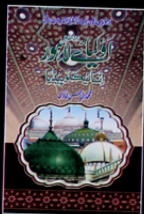
تو بجز کتاب

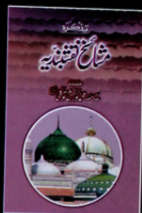
کوئی اور مونس و دمساز نہیں ہوتا!

OO

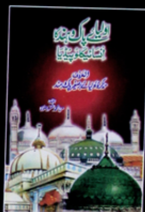
اِمامُ جَعفَرُ صَادِق

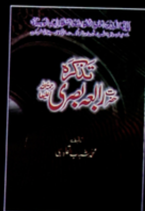


















مشتاق بک کارنر
الکریم مارکیٹ۔ اردو بازار، لاہور